

روزانہ دریں قرآن کریم

تفسیر

سورة لقمان — مکمل

سورة السجدة — (مکمل)

سورة الاحزاب — مکمل

سورة سبا — (مکمل)

سورة فاطر — (مکمل)

سورة یس — مکمل

سورة الصفات — (مکمل)
(جلد ۱۵)

— افادات —

حضرت مولانا صفی اللہ احمدی سواتی، ایم بی ایم
خطیب جامع مسجد نور گوہر نوالہ، پاکستان

طبع گیارہ

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ لقمان تا سورۃ الصافات) جلد ۱۵
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ
مرتب	الحاج لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور
تعداد طباعت	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسنی مدظلہ
کتابت	محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ
قیمت	۲۸۰/- (دو سو اسی روپے)
تاریخ طبع گیارہ	جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ بمطابق جون ۲۰۰۸ء

ملنے کے پتے

- (۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ (۵) کتب خانہ رشیدیہ، ریلوے بازار اور اولپنڈی
- (۲) مکتبہ رحمانیہ اقراء، منٹرارو بازار لاہور
- (۳) مکتبہ قاسمی، الفضل مارکیٹ لاہور
- (۴) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- (۶) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۷) مکتبہ اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد
- (۸) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۹) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۱۰) مکتبہ العلم ۱۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین مع عالم العرفان فی درس القرآن جلد ۱۵

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۰	عبار اور پائی	۱۹	پیش لفظ - الحجاج علی دین صاحب
۵۱	توسیع پر دلیل	۲۵	سمتہائے گفتنی از محقق ضامن سقانی
۵۳	درس چہارم ۴ آیت ۱۲	۲۹	سورۃ لقمان (مکمل)
۵۳	رابطہ آیات	۳۰	درس اول ۱۰ آیت ۱۵
۵۳	تذات لقمان کی شخصیت	۳۰	کام اور عوائق
۵۵	عنایت کا مضموم	۳۱	مضامین سورۃ
۵۶	حضرت لقمانؑ کی تعلیمات	۳۲	خبر و مشق و مصلحت
۶۱	بیٹے کو نصیحتیں	۳۳	کتبہ حکیم کی آیتیں
۶۲	شرک کا اصول	۳۳	وہیت اور رحمت
۶۴	درس پنجم ۵ آیت ۱۵	۳۵	نماز پر استقامت
۶۵	رابطہ آیات	۳۶	زکوٰۃ کی ادائیگی
۶۵	شرک کی ممانعت	۳۶	ایمان بالآخرت
۶۶	شرک کی تعریف	۳۸	درس دوم ۲ آیت ۱۶
۶۹	والدین کے حقوق	۳۸	رابطہ آیات
۷۰	ماں کا خصوصی حق	۳۹	سوال و جواب
۷۱	رضاعت کا مسئلہ	۳۳	قرآن سے رہنمائی
۷۲	شرک کا احوال	۳۳	درس سوم ۳ آیت ۱۸
۷۲	والدین سے حسن سلوک	۳۵	رابطہ آیات
۷۳	خانیہ سے کاتب	۳۵	اجزائے ایمان
۷۵	درس ششم ۶ آیت ۱۹	۳۹	آسان اور پیادوں کی تعلیم

۱۰۴	ربط آیات	۷۶	ربط آیات
۱۰۵	کشتی رانی بطور ثانی	۷۶	اعمال کی پیشی
۱۰۷	صبر و شکر کی منزل	۷۷	نماز کی تاکید
۱۰۸	توحید کی دلیل	۷۹	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
۱۰۹	قیامت کا طوفان	۸۰	صبر کی ترغیب
۱۱۰	دنیا اور شیطان کا دھوکہ	۸۱	تجبر کی مانعت
۱۱۲	درس دہم ۱۰ (آیت ۳۴)	۸۱	چال میں سیانہ روی
۱۱۲	ربط آیات	۸۲	آواز کی پستی
۱۱۲	مفتاح الغیب	۸۳	درس ہفتم (آیت ۲۰ تا ۲۴)
۱۱۳	شان نزول	۸۵	ربط آیات
۱۱۳	وقوع قیامت کا علم	۸۶	تسخیر ارض و سما
۱۱۳	نزول بارش کا علم	۸۷	تکمیل نعمت
۱۱۵	حل کا علم	۸۸	دلائل توحید
۱۱۵	آمدہ کل کا علم	۸۹	آباد و آباد کی اندھی تقلید
۱۱۶	جلے موت کا علم	۹۱	ایمان کا مضبوط کھڑا
۱۱۸	اکوان اور احکام کا علم	۹۲	کفر کا انجام
۱۱۸	علم غیب پر اصولی بحث	۹۳	درس ہشتم ۸ (آیت ۲۵ تا ۳۰)
۱۲۱	سورة السجدة (مکمل)	۹۵	ربط آیات
۱۲۲	درس اول ۱ (آیت ۵ تا ۵)	۹۶	دلائل توحید
۱۲۳	نام اور کوائف	۹۷	توحید کے چار درجے
۱۲۳	سابقہ سورة کے ساتھ ربط	۹۹	اللہ کی صفات کمال
۱۲۴	فضائل سورة	۱۰۰	بعث بعد المورت
۱۲۵	مضامین سورة	۱۰۳	درس نہم ۹ (آیت ۳۱ تا ۳۲)

۱۵۲	درس تیسرا - آیات ۱۱ تا ۱۵	۱۵۲	آیت ۱۱
۱۵۳	۱۲ تا ۱۶ آیات	۱۵۳	آیت ۱۲
۱۵۴	۲۰ آیت الاحزاب	۱۵۴	آیت ۲۰
۱۵۵	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۵۵	آیت ۱۲
۱۵۶	۲۵ آیت الاحزاب	۱۵۶	آیت ۲۵
۱۵۷	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۵۷	آیت ۱۲
۱۵۸	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۵۸	آیت ۱۲
۱۵۹	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۵۹	آیت ۱۲
۱۶۰	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۶۰	آیت ۱۲
۱۶۱	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۶۱	آیت ۱۲
۱۶۲	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۶۲	آیت ۱۲
۱۶۳	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۶۳	آیت ۱۲
۱۶۴	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۶۴	آیت ۱۲
۱۶۵	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۶۵	آیت ۱۲
۱۶۶	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۶۶	آیت ۱۲
۱۶۷	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۶۷	آیت ۱۲
۱۶۸	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۶۸	آیت ۱۲
۱۶۹	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۶۹	آیت ۱۲
۱۷۰	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۷۰	آیت ۱۲
۱۷۱	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۷۱	آیت ۱۲
۱۷۲	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۷۲	آیت ۱۲
۱۷۳	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۷۳	آیت ۱۲
۱۷۴	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۷۴	آیت ۱۲
۱۷۵	۱۲ تا ۱۸ آیت الاحزاب	۱۷۵	آیت ۱۲

۲۰۰	درس سوم ۳ (آیت ۶)	۱۷۶	درگزر اور انتظار
۲۰۰	رابط آیات	۱۷۶	فضائل سورۃ
۲۰۱	نبی اور مومن کا تعلق	۱۷۹	سورۃ الاحزاب (مکمل)
۲۰۲	نبی بمنزلہ باپ	۱۸۰	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۳)
۲۰۳	نبی کو تصرف کا حق	۱۸۱	نام اور کوائف
۲۰۴	ازواج مطہرات مومنوں کی ماںیں	۱۸۱	زمانہ نزول
۲۰۵	قرابت داروں کا حق	۱۸۱	مضامین سورۃ
۲۰۶	ساتھیوں کے ساتھ احسان	۱۸۲	سلب سورۃ کے ساتھ ربط
۲۰۸	درس چہارم ۴ (آیت ۸ تا ۱۲)	۱۸۳	شرف خاتم النبیین
۲۰۸	رابط آیات	۱۸۳	خوف خدا
۲۰۹	میشاقِ انبیاء	۱۸۳	مہربنت کی ممانعت
۲۱۲	حضور علیہ السلام کی خصوصیت	۱۸۲	چار اعدائے دین
۲۱۳	میشاق کی غایت	۱۸۷	اتباع وحی
۲۱۵	درس پنجم ۵ (آیت ۱۲ تا ۱۹)	۱۸۷	گمراہ کن لیڈر
۲۱۶	رابط آیات	۱۸۹	اسلاف کی قربانیاں
۲۱۷	جنگِ احزاب	۱۸۹	توکل علی اللہ
۲۱۸	الغنائم الیہ کا تذکرہ	۱۹۱	درس دوم ۲ (آیت ۴ تا ۵)
۲۲۰	منافقوں کی بکواس	۱۹۲	رابط آیات
۲۲۲	درس ششم ۶ (آیت ۱۳ تا ۲۰)	۱۹۳	طہار کا مسئلہ
۲۲۵	رابط آیات	۱۹۵	منہ بولے بیٹے کا مسئلہ
۲۲۶	منافقوں کی طرف سے حوصلہ شکنی	۱۹۵	حضرت زیدؓ کا واقعہ
۲۲۷	منافقوں کے جھوٹے بھانے	۱۹۷	متبہ کی بیوی سے نکاح کا مسئلہ
۲۲۷	دشمن کی مدد	۱۹۸	حقیقی باپ کی طرف نسبت

۲۵۵	عورت کے لیے پردہ	۲۲۹	موت سے ڈرنا ممکن نہیں
۲۵۷	اہل بیت کی طہارت	۲۳۰	منافقین کو دیکھ رازی
۲۵۷	افراد اہل بیت	۲۳۱	جہاد سے قوار
۲۵۹	کتاب وحکت کی تعلیم	۲۳۲	درس ہشتم ۷ (آیت ۲۷۱-۲۷۲)
۲۶۱	درس دہم ۱۰ (آیت ۱۲۵)	۲۳۵	رابط آیات
۲۶۱	رابط آیات	۲۳۵	اسوہ حسنہ
۲۶۳	سلمان مرد وزن	۲۳۷	ایمان و اطاعت میں اضافہ
۲۶۳	اہل ایمان مرد وزن	۲۳۸	ایمانی عید
۲۶۳	اطاعت گزار مرد وزن	۲۳۹	لاذوقوں کی نادمی
۲۶۳	پچھے مرد وزن	۲۴۰	بنی قریظہ کی سرکوبی
۲۶۵	صابر مرد وزن	۲۴۲	فتح خیبر
۲۶۶	عاصم مرد وزن	۲۴۳	درس ہشتم ۸ (آیت ۲۷۸-۲۸۱)
۲۶۶	سعی مرد وزن	۲۴۵	رابط آیات
۲۶۷	دوسرے دارمداں روزے دار جو تہیں	۲۴۵	ازواج مطہرات ۲ مطالبہ
۲۶۷	مخالفین ناموس مرد وزن	۲۴۶	ازواج سے علیحدگی
۲۶۸	ذاکرین مرد وزن	۲۴۷	خدا بن ثروت کی نفاعت پسندی
۲۶۹	بخشش اور اجر عظیم	۲۴۸	دین اور آخرت میں سے انتخاب
۲۷۰	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۲۷۹-۲۸۰)	۲۴۹	منزلہ جبر احسبہ انتہ
۲۷۱	رابط آیات	۲۵۰	یعنی کا دکن اند
۲۷۱	الشرار رسول کا فیصلہ	۲۵۲	درس نہم ۹ (آیت ۲۸۲-۲۸۳)
۲۷۳	شان نزول	۲۵۳	رابط آیات
۲۷۳	نہجہ کا نطق زینب سے	۲۵۳	ہدایت المؤمنین کے لیے سیدہ جعفر
۲۷۳	زید اور زینب میں عدم محابست	۲۵۴	تبرق محابست

۲۹۸	صفائی کی گواہی	۲۷۵	حضور علیہ السلام کے دل میں خلش
۲۹۹	نبی بطور مبشر و منذر	۲۷۶	زید سے طلاق اور حضورؐ سے نکاح
۳۰۰	واعی الی اللہ	۲۷۸	درس دوازدہم ۱۲ (آیت ۳۸ تا ۴۰)
۳۰۰	سراج منیر	۲۷۹	ربط آیات
۳۰۱	آپ علیہ السلام کا تذکرہ توہرات میں	۲۷۹	نبی علیہ السلام کے لیے تسلی
۳۰۲	شعبان نبی کی شہادت	۲۸۱	مردوں کے باپ ہونے کی نفی
۳۰۳	اہل ایمان کے لیے بشارت	۲۸۱	ختم نبوة کا مسئلہ
۳۰۳	مشن پر استقامت	۲۸۲	جھوٹے مدعیان نبوت
۳۰۶	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۴۹)	۲۸۵	قادیانی فتنہ
۳۰۶	ربط آیات	۲۸۷	درس سیرودہم ۱۲ (آیت ۴۱ تا ۴۴)
۳۰۶	عدت کے مسائل	۲۸۷	ربط آیات
۳۰۷	طلاق قبل از ماس	۲۸۸	ذکر الہی کی فضیلت
۳۰۸	دوران عدت کے احکام	۲۹۰	تبیح کی تاکید
۳۰۹	عالمی قوانین کی خرابیاں	۲۹۱	رحمت خداوندی کا نزول
۳۱۰	اچھے طریقے سے رخصتی	۲۹۱	ظلمت سے نور کی طرف
۳۱۰	انسانی ہمدردی کا اصول	۲۹۲	دعا بطور سلام
۳۱۱	اسلام اور غیر مذاہب کا تقابلی جائزہ	۲۹۳	درس چہار دہم ۱۴ (آیت ۴۵ تا ۴۸)
۳۱۳	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۵۰)	۲۹۴	ربط آیات
۳۱۳	ربط آیات	۲۹۵	حضور علیہ السلام بطور شاہ
۳۱۴	تعدد ازواج کی اجازت	۲۹۵	شاہ کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی
۳۱۵	کثرت ازواج پر اعتراض	۲۹۶	الشک و حدانیت کی گواہی
۳۱۶	لوٹریوں کی حلت	۲۹۷	تبلیغ دین کی گواہی
۳۱۷	خاندانی مہاجر عورتوں سے نکاح	۲۹۷	اعمال امت کی گواہی

۳۴۶	درس ہجتم ۲۰ (آیت ۵۱)	۳۱۸	غیر ہم کے حق کی اعانت
۳۴۷	رابط آیات	۳۱۹	اسلام الہی کی محنت
۳۴۸	نہجہ درود و سطر	۳۲۰	درس ہجتم ۱۷ (آیت ۵۰ تا ۵۲)
۳۴۹	درود کی فرضیت	۳۲۱	رابط آیات
۳۵۰	درود کی فضیلت	۳۲۱	ہر گے کے ایمان بطور شرط
۳۵۱	درود پڑھنے کا طریقہ	۳۲۲	عہد مساوات کی اجازت
۳۵۱	اسلام علیہ کی فضیلت	۳۲۳	مرد و عورت کی محنت
۳۵۱	درود شریف پڑھنے کا نفاذ	۳۲۵	قبل از آنکہ عداقات
۳۵۲	درس سبت و بیست (آیت ۵۸ تا ۵۹)	۳۲۶	لونڈی غلام کا رواج
۳۵۳	رابط آیات	۳۲۸	درس سبت و بیست ۱۸ (آیت ۵۲ تا ۵۳)
۳۵۵	اللہ تعالیٰ گرا یا نہ رسائی	۳۲۹	رابط آیات
۳۵۶	حق کو گرا یا نہ رسائی	۳۲۹	دعوت طعاس کے آداب
۳۵۶	ابو رسائی کی سزا	۳۳۰	تسلی و تسول
۳۵۶	عصر مؤمنوں کو ایہ رسائی	۳۳۱	احسب و تمیز
۳۵۸	بہتان اور ریت گناہ	۳۳۱	کھردل میں دانے کے آداب
۳۶۰	درس سبت و دو ۲۲ (آیت ۵۹ تا ۶۰)	۳۳۲	کھانا کھانے کے بعد
۳۶۱	رابط آیات	۳۳۳	حیا و عذر ایمان سے
۳۶۱	پرہیز کا عمل	۳۳۴	پرہیز کی پابندی
۳۶۳	پرہیز کی حکمت	۳۳۵	درس نور و بیست ۱۹ (آیت ۶۰ تا ۶۱)
۳۶۵	تعزیری قانون	۳۳۸	رابط آیات
۳۶۶	امیر کا اہل و عیال	۳۳۹	اعمال المؤمنین سے علاج کی محنت
۳۶۸	درس سبت و ستر (آیت ۶۲ تا ۶۸)	۳۳۹	محنت علاج کی وجوہات
۳۶۹	رابط آیات	۳۴۳	محرم سے پردہ کی ضرورت نہیں

۳۸۸	شاہ عبدالقادر کی تفسیر	۳۶۹	وقوع قیامت کا علم
۳۸۹	مولانا عثمانی کی تشریح	۳۷۲	کفار پر لعنت
۳۹۱	سزا اور جزا	۳۷۳	افسوس کا اظہار
۳۹۲	سورۃ سبا (مکمل)	۳۷۳	پیشواؤں کے خلاف شکایت
۳۹۳	درس اول (آیت ۶ تا ۱۷)	۳۷۵	درس سبب چہار ۲۳ (آیت ۶۹ تا ۷۷)
۳۹۴	نام اور کوائف	۳۷۵	ربط آیات
۳۹۶	سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط	۳۷۶	موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دہانی
۳۹۷	مضامین سورۃ	۳۷۷	جبار سے گریز
۳۹۸	حمد باری تعالیٰ	۳۷۸	جہانی عینت کا شاخسانہ
۳۹۹	خدا تعالیٰ کا علم محیط	۳۷۸	بدکاری کا الزام
۴۰۰	وقوع قیامت	۳۷۹	اہل ایمان کو تلقین
۴۰۱	جزائے عمل کی منزل	۳۸۰	قولی سدید کی ترغیب
۴۰۲	قرآن کی حقانیت	۳۸۰	سچائی کا فائدہ
۴۰۳	درس دوم ۲ (آیت ۷ تا ۹)	۳۸۱	اطاعت کا اصول
۴۰۴	ربط آیات	۳۸۲	درس سبب پنجم ۲۵ (آیت ۷ تا ۱۲)
۴۰۵	بعثت بعد الموت	۳۸۲	ربط آیات
۴۰۶	کفار کا انکار	۳۸۳	انسان کا حیل امانت
۴۰۷	دیوانچی کا اتمام	۳۸۴	عرض اور ابلی کا مفہوم
۴۰۸	توحید کے درجات	۳۸۵	حیل امانت کی علت
۴۰۹	مشرک کے لیے سزا	۳۸۵	عہدہ تکلیف
۴۱۰	درس سوم ۳ (آیت ۱۰ تا ۱۱)	۳۸۶	جنید بغدادی کی توضیح
۴۱۱	ربط آیات	۳۸۷	مجدد الف ثانی کا نظریہ
۴۱۲	داؤد علیہ السلام کے فضائل	۳۸۷	امانت بصورت اور مرد و نرہی

۳۳۵	مذہب شیب	۳۱۳	دارو علیہ السلام کی خوش آسمانی
۳۳۶	جنات کی تفسیر بذریعہ آیات	۳۱۴	مصور اور کرامت
۳۳۸	درس ششم ۶ (آیت ۱۵ تا ۱۷)	۳۱۵	پیادوں اور پرندوں کی ہوائی
۳۳۹	رابطہ آیات	۳۱۶	لہستہ کی تفسیر
۳۳۹	قمر سب	۳۱۷	شان نزول
۳۴۱	سورہ سب	۳۱۸	ہاتھ کی کافی
۳۴۲	ہادو طبر	۳۱۸	پیشہ ہدی
۳۴۵	قمر سب کی تباہی	۳۲۰	اعتزال پندی
۳۴۷	درس ہفتم ۷ (آیت ۱۸ تا ۲۱)	۳۲۱	درس چہارم ۴ (آیت ۱۲ تا ۱۳)
۳۴۸	رابطہ آیات	۳۲۱	رابطہ آیات
۳۴۸	نمایاں مبتدیان	۳۲۲	سیماں علیہ السلام کا تذکرہ
۳۵۱	لجے سفر کی دعا	۳۲۲	ہر کی تفسیر
۳۵۱	اہل سب کی شکل تباہی	۳۲۳	تنبہ کا پیشہ
۳۵۲	شیطان کی فائزری	۳۲۳	جنات کی تفسیر
۳۵۳	درس ہشتم ۸ (آیت ۲۲ تا ۲۴)	۳۲۶	محرالوں کی تعمیر
۳۵۵	رابطہ آیات	۳۲۶	قدیم عجم سازی
۳۵۵	قمر مذکورہ	۳۲۸	حوض نمایاں اور درگاہیں
۳۵۶	شرک فی اللہ پر والعبادت	۳۲۹	شکر گزری کے کام
۳۵۷	جبری سفاک کا عقیدہ	۳۳۱	درس نهم ۵ (آیت ۱۴)
۳۵۸	پانہ سفاک	۳۳۱	رابطہ آیات
۳۵۹	فرشتوں کی سیہ سی	۳۳۲	یست المقدس کی تعمیر
۳۶۱	درس نهم ۹ (آیت ۲۴ تا ۳۰)	۳۳۲	سیماں علیہ السلام کی وفات
۳۶۲	رابطہ آیات	۳۳۳	جنات کو وفات کا طو

۴۸۸	درس دوازدهم ۱۲ (آیت ۴۵ تا ۴۵)	۴۶۳	روزی بذریعہ آسمان و زمین
۴۸۹	رابطہ آیات	۴۶۴	رزق بدست خدا
۴۹۰	فرشتوں کی عبادت	۴۶۵	دلیل قریب
۴۹۱	جنت کی پرستش	۴۶۶	ذمہ داری اپنی اپنی
۴۹۲	ظالموں کے لیے عذاب	۴۶۷	شرک کی تردید
۴۹۳	رسالت کا انکار	۴۶۸	عالمی نبی
۴۹۴	عربوں کی لاعلمی	۴۶۹	دفعہ قیامت
۴۹۵	سابقہ اقوام کا حشر	۴۷۰	درس دہم ۱۰ (آیت ۳۱ تا ۳۳)
۴۹۶	درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۴۶ تا ۵۴)	۴۷۱	رابطہ آیات
۴۹۷	رابطہ آیات	۴۷۲	قرآن پاک کی حقانیت
۴۹۸	غور و فکر کی دعوت	۴۷۳	تابع اور متبوع کی کشمکش
۵۰۱	ذاتی مفاد کی نفی	۴۷۵	عیسائیت کا جال
۵۰۲	حق و باطل کی کشمکش	۴۷۷	شرک کا وبال
۵۰۳	آخرت میں لازمی گرفت	۴۷۸	قبر پرستی
۵۰۴	سورۃ فاطر (مکمل)	۴۷۹	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۳۴ تا ۳۹)
۵۰۸	درس اول ۱ (آیت ۱)	۴۸۰	رابطہ آیات
۵۰۸	نام اور کوائف	۴۸۱	مسترفین کا انکار رسالت
۵۰۹	مضامین سورۃ	۴۸۱	مال و اولاد پر فخر
۵۱۰	فاطر یا بدیع	۴۸۲	شان نزول
۵۱۱	چار صفات خداوندی	۴۸۳	رزق کی کشادگی اور تنگی
۵۱۲	فرشتوں کی تخلیق	۴۸۵	خوشحالی ذریعہ قرب نہیں
۵۱۳	فرشتوں کی صلاحیت	۴۸۶	مجرمین کے لیے سزا
۵۱۶	تخلیق میں اضافہ	۴۸۶	انفاق فی سبیل اللہ

۵۳۱	فریب کاری و فریب	۵۱۷	درس دوم ۲ آیات ۱۲ تا ۱۴
۵۳۳	درس پنجم ۵ آیات ۱۱ تا ۱۴	۵۱۸	ربط آیات
۵۳۵	ربط آیات	۵۱۸	باب ۲
۵۳۵	تحقیق انسانی کے مراحل	۵۱۹	شرک کی آغوش
۵۳۶	ایمان اور کفر و تقابل	۵۲۰	موتوں کے حقوق
۵۳۷	آیت ۱۱ و ۱۲ و ۱۳	۵۲۰	یہ صفتی کلمہ آیات
۵۳۸	تسمیہ زبان و ہڈی جیسے	۵۲۱	انہماک و توبہ
۵۳۹	درس ششم ۶ آیات ۱۵ تا ۲۰	۵۲۲	انہماک و توبہ
۵۴۰	انہماک و توبہ	۵۲۳	توبہ کی صحت و توبہ
۵۴۱	نکاح و نکاح	۵۲۴	توبہ کی صحت و توبہ
۵۴۲	ایمان و توبہ	۵۲۵	درس سوم ۳ آیات ۲۱ تا ۲۴
۵۴۳	نکاح و نکاح	۵۲۶	ربط آیات
۵۴۴	نکاح و نکاح	۵۲۷	وقت قیامت کا وعدہ
۵۴۵	نکاح و نکاح	۵۲۸	شیطان و انحراف
۵۴۶	نکاح و نکاح	۵۲۹	شیطان سے بچنے کا طریقہ
۵۴۷	نکاح و نکاح	۵۳۰	انسان کی افسردہ حالت
۵۴۸	نکاح و نکاح	۵۳۱	انحراف ایمان کا علاج
۵۴۹	نکاح و نکاح	۵۳۲	درس چہارم ۴ آیات ۲۵ تا ۲۸
۵۵۰	نکاح و نکاح	۵۳۳	ربط آیات
۵۵۱	نکاح و نکاح	۵۳۴	نیک اور نیک میں تقابل
۵۵۲	نکاح و نکاح	۵۳۵	توبہ کی صحت و توبہ
۵۵۳	نکاح و نکاح	۵۳۶	بقائے حیات کے وسائل
۵۵۴	نکاح و نکاح	۵۳۷	عزت کا اعلیٰ مقام
۵۵۵	نکاح و نکاح	۵۳۸	فریب اور محل صالح

۶۰۵	۵۷۷	نفع بخش تجارت
۶۰۷	۵۷۸	قرآن کی حقانیت
۶۰۸	۵۷۹	درس نہم ۹ (آیت ۳۲ تا ۳۷)
۶۰۹	۵۸۱	رابطہ آیات
۶۰۹	۵۸۱	وہائے کتاب
۶۱۰	۵۸۲	اہل جنت کے لیے نعمات
۶۱۱	۵۸۳	اہل جہنم کے لیے سزا
۶۱۳	۵۸۵	عمر کا استعمال
۶۱۳	۵۸۶	منذرین کی آمد
۶۱۵	۵۸۹	درس دہم ۱۰ (آیت ۳۸ تا ۴۱)
۶۱۷	۵۹۰	رابطہ آیات
۶۱۸	۵۹۱	عالم الغیب ذات
۶۱۸	۵۹۱	خلافتِ ارضی
۶۱۹	۵۹۳	ناشکر گزاری کا انجام
۶۱۹	۵۹۳	شرک کی تردید
۶۲۰	۵۹۶	شفاعت کا غلط تصور
۶۲۲	۵۹۷	نظام کائنات کا استحکام
۶۲۳	۵۹۹	درس یازدہم ۱۱ (آیت ۴۲ تا ۴۵)
۶۲۳	۶۰۰	رابطہ آیات
۶۲۲	۶۰۱	مشرکین مکہ کا غدر رنگ
۶۲۷	۶۰۲	مشرکین کی بری تدبیر
۶۲۷	۶۰۳	تین لازمی وقوعات
۶۲۹	۶۰۴	سابقہ لوگوں کے نقش قدم پر
		اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت
		سورۃ یونس (مکمل)
		درس اول ۱ (آیت ۷۱ تا ۷۷)
		نام اور کوائف
		مضامین سورۃ
		فضائل سورۃ
		حروفِ شمس
		قرآن پاک کی حقانیت
		تصدیقِ رسالت
		مقصود نزولِ قرآن
		درس دوم ۲ (آیت ۸ تا ۱۲)
		رابطہ آیات
		گلے کے طوق
		آگے پیچھے دیواریں
		شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ
		ایک اشکال اور اس کا جواب
		صراطِ مستقیم کی تلاش
		جزائے عمل کی منزل
		آثار کی توضیح
		درس سوم ۳ (آیت ۱۳ تا ۱۹)
		رابطہ آیات
		بستی میں مسکین کی آمد
		اہل بستی کی طرف سے تکذیب

۶۵۷	صافیت پویر رحمت مآلونی	۶۳۱	مسلین کا نام
۶۵۸	جہانے علی کی منزل	۶۳۱	اہل بی فائز اشکون
۶۵۹	انفاق فی سبیل اللہ	۶۳۲	اہل بی کہ دیکھی
۶۵۹	تقصیر حق کی محکمت	۶۳۲	مسلین کا جراب
۶۶۱	وقوع قیامت کا وعدہ	۶۳۳	درس چہارم ۴ (آیت ۱۰ تا ۱۲)
۶۶۲	درس ہفتم ۷ (آیت ۱۵ تا ۱۶)	۶۳۶	رابطہ آیات
۶۶۳	رابطہ آیات	۶۳۶	ایک مومن کی غیر خواہی
۶۶۴	وقوع قیامت اور بعثت	۶۳۷	قریب پر استقامت
۶۶۶	جہانے علی	۶۳۸	مومن آدمی کا قتل
۶۶۷	پرو وکار کا سلام	۶۳۹	۱۰ بیت محمد میں مشامیں
۶۶۸	میزوں کی جہ کی	۶۴۰	مومن آدمی کی حسرت
۶۶۹	درس ہشتم ۸ (آیت ۲۰ تا ۲۸)	۶۴۱	ظالم آدمی کی مذمت
۶۷۰	رابطہ آیات	۶۴۳	درس نهم ۵ (آیت ۳۲ تا ۳۰)
۶۷۱	شیطان کی اطاعت	۶۴۳	رابطہ آیات
۶۷۲	صلو مستقیم	۶۴۵	زینت کی روئیدگی
۶۷۲	شیطان کا انفراد	۶۴۶	جہانوں کی پیدائش
۶۷۳	انسانی اعضاء کی مشابہت	۶۴۸	رات دن کا تغیر و تبدل
۶۷۴	دیگر اشیاء کی گراہی	۶۴۸	سورن اور چاند کی گردش
۶۷۵	مذاکی طوف سے ممکنہ سزا	۶۵۰	فعلی نظام
۶۷۶	پڑھانے کی حالت	۶۵۳	درس ششم ۶ (آیت ۳۰ تا ۵۰)
۶۷۸	درس ہفتم ۹ (آیت ۶۹ تا ۷۶)	۶۵۵	رابطہ آیات
۶۷۹	رابطہ آیات	۶۵۵	مکشفہ بطور نشان قدرت
۶۷۹	شعر گری کی انہی	۶۵۶	ذرائع نقل و نقل کی تخلیق

۶۸۱	آسمان دنیا کی زینت	۶۸۱	شعر گہنی میں استغنیٰ
۶۸۲	درس دوم ۲ (آیت ۱۱ تا ۳۵)	۶۸۲	قرآن بتائے اشعار
۶۸۳	رابط آیات	۶۸۳	موشیوں کی پیدائش
۶۸۴	تخلیق انسانی بطور دلیل	۶۸۴	موشی بطور خدام
۶۸۵	سنگین کی حجت بازی	۶۸۵	شرک کی تردید
۶۸۶	دوزخ کی طرف روانگی	۶۸۶	تسلی کا مضمون
۶۸۷	آبج اور متبوع کا مکالمہ	۶۸۷	درس دوم ۱۰ (آیت ۱ تا ۱۸۳)
۶۸۸	غذاب میں اشتراک	۶۸۸	رابط آیات
۶۸۹	درس سوم ۳ (آیت ۳۶ تا ۶۱)	۶۸۹	انسان کی پیدائش
۶۹۰	رابط آیات	۶۹۰	دوبارہ زندگی پر جھگڑا
۶۹۱	شرک پر اصرار	۶۹۱	درختوں سے آگ کی مثال
۶۹۲	شرک کا وبال	۶۹۲	آسمان و زمین کی مثال
۶۹۳	مخلصین کے لیے انعامات	۶۹۳	اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ
۶۹۴	خوب سیرت و خوبصورت حوریں	۶۹۴	سورة الصفات (مکمل)
۶۹۵	جناتی اور دوزخی کی ملاقات	۶۹۵	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۱۰)
۶۹۶	بیت بڑی کامیابی	۶۹۶	نام اور کوائف
۶۹۷	درس چارم ۴ (آیت ۶۲ تا ۷۴)	۶۹۷	مضامین سورة
۶۹۸	رابط آیات	۶۹۸	فرشتوں کی صفت بندی
۶۹۹	مقوم ہر کا درخت	۶۹۹	صفت بندی کی اہمیت
۷۰۰	دوزخیوں کی خوراک	۷۰۰	زجر کی ضرورت
۷۰۱	اندھی تقلید	۷۰۱	ذکر الہی
۷۰۲	منذرين کی آمد	۷۰۲	وصدائیت کی گواہی
۷۰۳	درس پنجم ۵ (آیت ۷۵ تا ۹۸)	۷۰۳	رب المشارق

۷۵	۷۷	ایسا ہی کی دعوت توبہ	نوح علیہ السلام کی دعا
۷۸	۷۸	ایسا ہی کا مرتبہ	نیل انانی کی بقا کا ذریعہ
۷۸	۷۹	لوگو کی دعوت	ابراہیم علیہ السلام اور قلعہ سلیم
۷۷	۷۹	جانے عبرت	ابراہیم علیہ السلام کا درس توبہ
۷۷	۷۹	درس ہفتم ۸ (آیت ۱۱۳۹ تا ۱۴۸)	کذب تلاوت
۷۷	۷۹	رابطہ آیات	بیت شکنی
۷۷	۷۹	پرسوں کا تذکرہ	گناہ کا رد عمل
۷۷	۷۹	پرسوں کی خطائے ابتدائی	ابراہیم کو جاننے کی کوشش
۷۷	۷۸	خصیت انبیاء	درس ہفتم ۶ (آیت ۱۱۳۹ تا ۱۱۳۸)
۷۷	۷۷	مولانا مودودی کی تعلیمی	رابطہ آیات
۷۷	۷۷	گشتی میں سواری	ابراہیم کی ہجرت
۷۸	۷۷	قرص اناری	بیٹے کے لیے دعا
۷۷	۷۷	پھیل کے پیٹ میں	ابراہیم کا خواب
۷۸	۷۷	پیٹ سے براہ گ	خواب کی حقیقت
۷۸	۷۷	مبتقین دلیہ	اسحاق کی قرانی
۷۸	۷۷	درس ہفتم ۹ (آیت ۱۱۳۹ تا ۱۱۶۱)	اسحاق کی بشارت
۷۸	۷۷	رابطہ آیات	قرانی۔ اسحاق آیا اسحاق
۷۸	۷۷	خدا کی اولاد کا عقیدہ	غذا ان ابراہیم
۷۸	۷۷	جہنم سے شش دانہ کا عقیدہ	درس ہفتم ۱۱ (آیت ۱۱۳۸ تا ۱۱۳۸)
۷۸	۷۷	شوق عقیدہ کی تردید	رابطہ آیات
۷۸	۷۷	مخلصین کی جماعت	موسیٰ اور ہارون کا ذکر
۷۸	۷۷	فرشتوں کی صفت بندی	ایکسرس کا تذکرہ
۷۷	۷۷	خدا تعالیٰ کی تین	جہنم کی پریا

۷۹۹	۷۹۳	درس دہم ۱۰ (آیت ۱۶ تا ۱۸۳)
۸۰۰	۷۹۴	ربط آیات
۸۰۰	۷۹۵	ہدایت یافتگی کے لیے مشرکین کا عذر گنگ
۸۰۱	۷۹۶	انبیاء کی مدد کا وعدہ
	۷۹۸	جند اللہ کا غلبہ

عصہ کی سعادت حاصل کرنے والے
 غنی تائیں و حضرات کیلئے انمول تحفہ
احکام عمرہ
 زیارات مکہ المکرمہ و مدینۃ المنورہ



تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

قیمت
 ۱۸ روپے



صفحات
 ۹۶

ملنے کا پتہ

مکتبہ درس القرآن فاروق گنج گو جہانوالہ

پیش لفظ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَكَفَىٰ وَكَفَىٰ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ آمَنَّا بَعْدَ

ہم اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی پر جس قدر میں شکر یہ ادا کریں کم ہے کہ وہ اپنے نابینا بننے والے
سے قرآن پاک کی خدمت جیسا علم کام لے۔ اسے سلسلہ دوس القرآن کی اشاعت کا کام
ہماری ہے اور اس وقت اس کی پندرہویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ جلد ستر
سورتوں افغان، آلہ سجدہ، الاحزاب، سبا، طہ، انعام اور الصفات پر مشتمل ہے۔ اس
سورتوں میں صرف سورۃ الاحزاب مدنی سورۃ ہے جس میں غزوہ احزاب
کے بعد نازل ہوئے۔ باقی چھ سورتیں مدنی ہیں اور ان کا نزاع نزول عام طبع پر مبنی بعد کا کوئی دور
ہے۔ جہاں تک ان سورتوں کے مضامین کا تعلق ہے۔ تو تمام مدنی سورتوں میں چار خبیثہ
عناوین ترمید، رسالت، قرآن پاک کی حقانیت اور فروغ قیامت کے تذکرے کے علاوہ
بعض ضمنی سائل بھی آئے ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ افغان میں مذکور نبی کی مثال کے علاوہ حضرت افغان
کا اپنے بیٹے کو بعض نصاب کا ذکر ہے جن میں سرخسیت، شرک کی تردید اور والدین کی
طاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز اسر بالمعروف اور نہی عن المنکر، صبر کی عظمت، غزوہ کی نصرت
اور اپنی پالی اور آواز کو میاں نہ لکھنے کا حکم ہے۔ اس سورۃ میں اللہ نے اپنا بعض صفات
کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر سارے سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلعیں بن جائیں
اور ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے کلمات کی نکتہ شروع کرے تو سارے سمندر و زمین کی سیاہی
ختم ہو جائیگی۔ محض اللہ تعالیٰ کے صفات ختم نہ ہوں گے۔ اللہ نے آباؤ اجداد کی اہمیت تسلیم
کی تردید فرمائی ہے۔ اور شرک کے رد میں کلمہ کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جب شرک کو لوگ

سمندر میں پھنس جاتے ہیں تو خالص اللہ کو پکارتے ہیں۔ مگر جب خشکی پہنچ جاتے ہیں تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔ سورۃ کے آخر میں اللہ نے ان پانچ چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کا علم اللہ نے مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔

اگلی سورۃ اہم سجدہ ہے۔ اس میں اہل عرب کو ان کے بُرے اعمال سے ڈرایا گیا۔ پھر تخلیق کائنات اور تخلیق انسان کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر پیش کر کے اللہ کی وحدانیت پر بطور دلیل پیش کیا ہے۔ بعثت بعد الموت کا خصوصی تذکرہ ہے اور حجاب کتاب کی منزل کا بھی۔ مجرم لوگ عذاب الہی کو دیکھ کر دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش کا اظہار کریں گے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکے گی۔

اللہ نے تہجد گزار بندوں کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ خوف و امید کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر اللہ کی بارگاہ میں مناجات پیش کرتے ہیں۔ کفار کی طرف قیامت کے روز خدا پر ایمان لانے کے متعلق فرمایا کہ اس دین ایمان لانا کچھ مفید نہیں ہوگا۔ اس دنیا میں ہی انسان ایمان سے مشرف ہو کہ کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے بعد مدنی سورۃ الاحزاب آتی ہے جس میں ۳۰ سالہ میں پیش آنے والے غزوہ احزاب کا ذکر ہے۔ مشرکین، یہود اور منافقین نے ملی بھگت کر کے مدینہ طیبہ پر زبردست حملہ کیا تھا، جس کے جواب میں مسلمانوں نے مدینہ کے ارد گرد خندق کھود کر اپنا دفاع کیا تھا اور اس طرح مخالفین کا یہ گٹھ جوڑ ناکام ہو گیا تھا۔ البتہ اس غزوہ کے بعد اہل اسلام نے یہودیوں کے گڑھ بنی قریظہ پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا، تمام باغ مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا گیا۔ اُس زمانہ کے عرب متبہنی کو حقیقی بیٹے والے حقدار مانتے تھے جس کی تم دید کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت زینبؓ کے حضرت زیدؓ سے نکاح اور طلاق اور مصیبت حضور علیہ السلام سے نکاح کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں نبی علیہ السلام کے بعض خانگی معاملات کا ذکر بھی ہے۔ ازواج مطہراتؓ نے ضرچہ بڑھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کا مال چاہتی ہو

تو جس میں فرشتے دیتا ہوں اور اگر اللہ اس کے رسول کو پہنچاتا تو میرا حوالہ دے دیتا۔
 رسول پر ہی حجت گرد۔ اس سورۃ میں پرستار کے جہنم میں ہیں۔ یہ شاق دنیا کا ذکر
 ہے۔ اہل بیت کی تعبیر اور تم نبوت کا مسئلہ بھی آگیا ہے۔ نبی کی اندوہ نگر مومنوں
 کی ماہیں قرار دیکر ان کے ساتھ نتائج کریمہ کے لیے حرام قرار دیا ہے۔ منور طریقہ
 کی تعلیم و توفیق اور صلۃ و سلام پڑھنے کا حکم ہے۔ آپ کے لیے ایک وقت
 چار سے زیادہ بیرونی فیوضی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ نبی علیہ السلام کو ذات
 پہنچانے پر کثرت مزا کی وعید بھی آئی ہے۔

سورۃ سبا ایک شخص، قیدی، بستی اور ملک کے نام سے موسوم ہے۔
 اللہ نے قرۃ سبا کی نر شمالی، متعارب، سرسری و شادابی اور باغات کا ذکر
 کیا ہے۔ اس کے ساتھ اس قوم کے طرز و تکبر اور خدا سے دوری کا ذکر بھی ہے
 جب اللہ کا غضب آیا تو ان کا بنایا ہوا سرسبز اور شادابی کا ماحول بے لوث گیا
 اور تمام باغات اور کھیتیاں تباہ ہو گئیں اور لوگ دوست علاقوں کی طرف پھرتے گئے۔
 بنیادی عقاید کے علاوہ اس سورۃ میں، عذریہ، اخلاق اور تہذیب انسانی پر
 زور دیا گیا ہے۔ اللہ کے جلیل القدر انبیاء و اولاد اور علیہ السلام پر ان کو
 ملنے والے انعامات کو ذکر ہے۔ و اولاد علیہ السلام کے ہر قدر پرستار کوستے و زور کھینے
 اور آپ کو خوضِ غالی عطا کرنے کا بعد و عذر نہ کر رہے ہیں۔ یہاں حیدر السلام
 کو ان درجہ کے تہذیب میں اللہ نے مثال حکومت عطا کی اور جنات، بواہر
 و تہذیب آپ کے لیے مسخر کر دیا۔ اس سورۃ مبارکہ میں علیہ السلام کی وفات کا واقعہ بھی
 مذکور ہے کہ آپ لائمی کے مہارے کو شہرے کھڑے غالی کائنات سے
 جاتے ہوئے کھڑے ہو کر جنات کو اس کو علم نہ ہو سکا۔

دیگر نئی سورتوں کی طبع سورۃ فاطر میں بھی بنیادی عقائد کا ذکر ہے
 اللہ تعالیٰ کی قدرت و امر کو ختم کر دیتا ہے کہ اگر وہ کسی کو کوئی چیز دینا چاہے
 تو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر روک دے تو اس کے سوا کوئی شے نہیں ساقط

اور عزت کا سرچشمہ صرف ذات خداوندی ہے شیطان کے مکر و فریب سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اللہ نے کفار ایمان کا تقابل بھی پیش کیا ہے۔ ہر قوم میں مندر بھیجنے کا ذکر ہے اور نافرمانوں کو دائمی عذاب کی وعید سنائی ہے۔ مشرکین کو کہتے تھے کہ اگر کوئی مندر آگیا تو ہم زیادہ ہدایت پر ہوں گے۔ مگر جب اللہ کا آخری نبی آگیا تو یہی لوگ آپ کے دشمن بن گئے۔ اللہ نے یاد دلایا کہ تم سے پہلے لوگ تم سے زیادہ طاقتور تھے جن کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ مگر تم انہی کے نقش قدم پر چل کر بہتری کی توقع کیسے کر سکتے ہو؟ یہ تو اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ فراگرفت نہیں کرتا۔ ورنہ زمین پر کوئی بھی چلنے پھرنے والا جاندار باقی نہ بچتا۔

سورۃ نسیس ایک اہم سورۃ ہے جس کو قرآن پاک کے دل سے تعبیر کیا گیا ہے اس سورۃ کورات کے وقت تلاوت کرنے سے اللہ کی طرف سے مغفرت کا اعلان ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ کی رضا اور آخرت کا گھر مطلوب ہے وہ اس سورۃ کی تلاوت کیا کرے۔ اپنے فرمایا۔ یہ سورۃ میری امت کے ہر فرد کے سینے میں محفوظ ہونی چاہیے۔ مرض الموت میں مریض کے سر پر لے کر یہ سورۃ پڑھنے سے اُس کی روح آسانی سے نکلتی ہے اور اُس کو ایمان نصیب ہوتا ہے۔ فیسے بھی زندگی کے اہم مواقع پر اس کی تلاوت کیسے رکھتی ہے۔ اس سورۃ میں توحید، وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کا ذکر مؤثر پیرائے میں کیا گیا ہے۔ منکرین کی نہجی اللہ اُن کی سزا کا ذکر ہے جب کہ اہل ایمان کے لیے انعامات کی خوشخبری دی گئی ہے اس سورۃ مبارکہ میں ایک بستی کا ذکر بھی ہے جس میں رسول یا مبلغین آئے مگر انہوں نے تکذیب کی۔ شہر کے دو سرکار سے آکر ایک شخص نے بستی والوں کو سمجھانے کی کوشش کی مگر انہوں نے اس کو بھی قتل کر دیا اور مرسلین کو بھی نہ چھوڑا پھر ایک چیخ اُٹی اور سارے بستی والے نابود ہو گئے۔ وقوع قیامت کے سلسلہ میں صوفیانی، مردوں کے زندہ ہونے اپنے رب کی طرف تیزی سے جانے اور دوبارہ بعث پر لوگوں کی حیرت کا ذکر ہے۔ پھر اہل جنت کے انعامات کا ذکر ہے۔ مجرموں کو علیلہ

موجہ نے کا حکم ہے، اللہ نے تمام نبی نوح ان کو یاد دلایا ہے کہ میں نے تمہیں شیطان کی اتباع سے منع کیا تھا مگر تم میں سے اکثر اسی کے پیچھے پھرتے ہوئے جہنم تک پہنچ گئے۔

سورۃ الصافات میں بنیادی عقائد کے علاوہ حضرت نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، الیاسؑ اور یونسؑ علیہ السلام کا خصوصی ذکر ہے۔ اللہ نے مشرکوں کے اس عقیدہ کی تردید کی ہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں اور مادہ جن خدا کی بیڑیاں ہیں۔ اس طرح جنات کو خدا تعالیٰ کے سرالمانے کو شرکیہ عقائد میں داخل کر کے اس کی تردید کی گئی ہے۔ اللہ نے فرشتوں کو مبرور ماننے کی بھی نفی فرمائی ہے۔ بلکہ فرشتے تو اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کے حکم سے سر موافق امت سب کر رہے اس سورۃ میں خدا کے مجلس بندوں کے لیے انعامات کا ذکر ہے بنفیعوں کا وفد خبروں کو منہ میں تلاش کر کے ان سے سوال و جواب کا بیان اور وفد خبروں کو سننے والی سزا کی جھکیاں بھی اس سورۃ میں موجود ہیں۔

الحمد للہ دروس القرآن کی طباعت و اشاعت کا کام حسب توقع جاری ہے اور اب صرف ماٹھے سے سا پارے کی طباعت باقی ہے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سے توقع ہے کہ یہ کام بھی چند مزیہ جلدوں میں پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا اور اس طرح قرآن پاک کی تفسیر و تشریح کا ایک بڑا ذریعہ ممکن ہو جائے گا۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ حضرت مولانا صوفی صاحب کی صحت اور دینی عمر اور اس کام میں حصہ لینے والے تمام کارکنان کے لیے خیر و برکت کی دعا کریں۔

احقر العباد

(الماجد لعل دین و ایم۔ اے)

شاہ مارٹن لاہور

اے اب تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن مکمل ہیں جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔ (فیاض)

سخنہائے گفتنی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم
الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين . اما بعد
فَاَيُّ حَبِيْبٍ لَعَدُّ لَوْ مِثْوَتُكَ ۝

قرآن کریم کو محبت اس کے معانی و مطالب میں متغیر اور غور و فکر کرنا، برسرِ ان کے
یہے نہایت ضروری ہے کیونکہ اللہ رب العزت کا برگزیدہ اور آخری کلام ہے، اس
میں برہنہ کے لیے رشہ و ہدایت کے جیش باخترانے اور فوز و فلاح کے گراں قدر فوائد
ہیں۔ یہ نبی فرح انسان کے جہاں ایک مکمل قانون و دستور ہے وہاں اقوام عالم کے لیے
غور و خوض کے تمام طور طریقہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، رہتی دنیا تک انسانیت
کے لیے آئین اور پروگرام ہے، اس پر عمل پیرا ہو کر ہی خودی و نجات کی راہ عمود و سستی
سے یکدم و تدریج و نزول بھی اس صحیفہ مفید سرچ عمل کرنے اور نہ کرنے سے وابستہ ہے
جیسا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے ۔

ان الله يرفع بهذا الكتاب اس كتاب الى بدولت بستان
اقولنا ويضع به اخيرين رسول الله ﷺ
سبعين آية سماں نے قرآن کریم پر چنے کی بجائے گندار و شکرین کے نظام کو بارگاہ سے
خاتمہ کریم لے اس آخری کلام کو فروکش کر دیا ہے اور سے پس پشت ڈال کر اغیار کی
تعلیق میں فخر مسموس کر رہا ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں ہر دو چیز موجود ہے جو تمام دنیا نے
نظاموں سے بے نیاز کر دیتی ہے لیکن اس پر عمل پیرا ہونا شرط اذول سے اعلیٰ و اسی صورت
میں ممکن ہے کہ پہلے اسے سمجھا جائے قرآنی سلسلہ میں تغیر معالہ العرفان فی دروس القرآن

کامفیہ اور مقبول عام پروگرام کتابی شکل میں عوام کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگ قرآن مجید کے صحیح ترجمہ اور تفسیر سے باخبر ہو سکیں۔ معالم العرفان کی چند صوبی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جو کہ سات سو تین پر مشتمل ہے۔ سورۃ لقمان، سورۃ الحجۃ، سورۃ الاحزاب، سورۃ سبا، سورۃ فاطر، سورۃ یونس اور سورۃ الصفات کی مکمل تشریح اس کے اندر درج ہے۔ سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی انتہائی سادہ، اردو وال، دو ال، ہلکے پھلکے اور اور دلنشیں انداز میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور احادیث صحیحہ و خلفاء راشدین کے تعامل، صحابہ کرامؓ کے آثار، ائمہ متبوعینؒ کے اقوال، سلف صالحینؒ کے ارشادات، بالخصوص امام ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حکمت و فلسفہ اور اکابر علماء دیوبند کے مسلک مشرب کے مطابق تفسیری نکات کے خزانوں کو عوام الناس کے سامنے کھولا گیا ہے ہر طبقہ کا آدمی اس کو سمجھ سکتا ہے خواہ وہ معمولی اردو خوان ہو یا متوسط پڑھا لکھا یا اعلیٰ تعلیم ہو قرآن کریم کو سمجھنے میں مکمل تعاون حاصل کر سکتا ہے چونکہ اس جلد میں سورتوں کی بہت سے مختلف موضوعات ہیں جس کے مطالعہ سے ذہن میں کسی قسم کا کوئی خلجان یا پیچیدگی باقی نہیں رہتی۔ اس جلد میں جملہ نظام ہائے زندگی پر بحث کی گئی ہے۔ خواہ وہ معاشیات سے متعلق ہوں یا اقتصادیات و سیاسیات سے جمہوری نظام ہو یا ملکیت، ڈکٹیٹر شپ ہو یا مارشل لا، سربازی ہو یا جاگیر داری تمام نظاموں کی خرابیوں کو طشت از باہم کیا گیا ہے اور قرآن کریم کو بطور نظام زندگی پیش کیا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں جملہ باطل نظاموں کا رد کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے انقلابی پروگرام سے روگردانی اور اس کے بھیاںک نتائج کا ذکر ہے اور مسلمانوں میں پائے جانے والے جملہ روگ از قسم لہو و لعب، اسراف و تبذیر، تعیش و آرام طلبی، شراب نوشی و حرام کاری، نشہ خوری و بدکاری، رشوت ستانی و زنا کاری، بلڈنگ بازی، سینیما بینی اور جملہ رسومات باطلہ جیسے بیسودہ کاموں پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے، مسلمانوں کے تنزل کے جملہ اسباب اور ان کا انکار کے ہاتھوں کٹھ پتلی بننا اور ان کے ہر جائز و ناجائز کام میں سرسری غم کرنا امریکہ و روس چین و برطانیہ، فرانس، جرمن اور دیگر سپر پاورز سے بوجہ ضعف ایمان مرعوب و مغلوب ہونا، خدا نے

وحدہ لائبریری کی ذات پر بعد دوسرے کتب کی پہلے اختیار کا درست نکتہ بنایا۔ سب
اسم قرآن کریم کو ہی پشت ڈالنے کے اسباب و محرکات ہیں جن کا ذکر ہر
حسن پرانے میں اس جلد کے اندر کیا گیا ہے۔ اس جلد کے بعد امید ہے کہ پانچ جلدوں
میں تغیر و تبدل کی گنجینہ ملے گی۔ اس جلد میں احقر نے اکثر و بیشتر مقامات پر ملاحظہ
میں نگاہیں رکھ کر احادیث اور بعض دیگر کتابوں کے حوالہ جات بھی صفحہ درج کر
دئے ہیں۔ اگر کسی صاحب کو اس جلد میں یا اس سے قبل کی جلد جلد میں کوئی قابل
اصلاح بات نظر آئے یا کتابت وغیرہ کی کوئی غلطی نظر آئے، وہ ضرور مطلع کرے
تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔

درس الحدیث جلد ۲۔ دوسرے احمدیہ جلد اول کے بعد دوسری جلد کی کتابت
جو مکمل ہو چکی ہے اس جلد میں بھی امام احمد بن حنبلہ کی سند احمد کی منتخب احادیث
کی تشریح معالم العرفان فی دروس القرآن کی طرز پر عنقریب شائع ہو کر منظر عام پر
آ رہی ہے۔ محترم دوست جناب بلال احمد ان کی صاحب نے معالم العرفان فی
دروس القرآن اور دروس الحدیث کو بڑی جدوجہد اور جانفشانی سے کیسٹ میں
محفظ کیا ہے جسے اصلاح لعل دین صاحب نے مناسب غزوات کے ساتھ
صلوہ قرطاس پر منتقل کیا ہے اللہ تعالیٰ ان حضرات کی کوششوں کو کامیاب
فرمائے اور ان کیلئے آخرت کا ذخیرہ بنائے۔ دروس احمدیہ جلد دوم میں بھی حضور
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو سمجھنے کے لیے نہایت عام فہم انداز
اختیار کیا گیا ہے جس سے ایک عام اور دو خواں بھی فہمی آسانی کے ساتھ
حدیث کا مضمون اور تشریح سمجھ سکتا ہے۔ قرآن مجلی کی احکامات اس کتاب میں نہیں
کی گئیں، ہر حدیث پر مقدمہ حوالہ اور سند احمد طبع پر روایت کا بقیہ صوفی حوالہ
بھی دیا گیا ہے تاکہ اگر کوئی اصل کتاب سے حدیث تلاش کرنا چاہے
تو اسے کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ ہو۔ قارئین کرام دروس احمدیہ کی ہر جلد
کی اشاعت کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جلد مشکلات آسان فرمائے، اور
لے اب تک دروس الحدیث کی چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ (فیاض)

اپنے غیب کے خزانے سے ان کی اشاعت کے لیے سامان پیدا فرمائے۔ آمین

خطبات سواتی ۱۔ قارئین کرام کے لیے ایک مشردہ جان فزایہ بھی ہے کہ دروس القرآن اور دروس الحدیث کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حضرت صوفی صاحب مدظلہ کے جموع کے خطبات کو بھی کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا ایک اہم کام شروع ہو چکا ہے۔ یہ خطبات بڑے بڑے علمی و تحقیقی موضوعات پر مشتمل و محتوی ہیں۔ محترم دوست جناب انجم لطیف نے عرصہ پندرہ سال قبل سے بڑی محنت لگن اور شوق و ذوق سے تسلسل کے ساتھ تمام خطبات کو کیسٹوں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ یہ ان کا بڑا قابلِ داد کارنامہ ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر عنایت فرمائے۔ ان خطبات کے شائع ہونے کے بعد جو لوگ ان سے استفادہ کریں گے انہیں ان خطبات کے بے حد بیشمار دینی، علمی، تحقیقی اور سیاسی معلومات حاصل ہوں گی ۱۹۸۲ء کے سال کو منتخب کر کے اس کے خطبات کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا کام محترم بزرگ اکھاج محل دین صاحب نے شروع کر دیا ہے۔

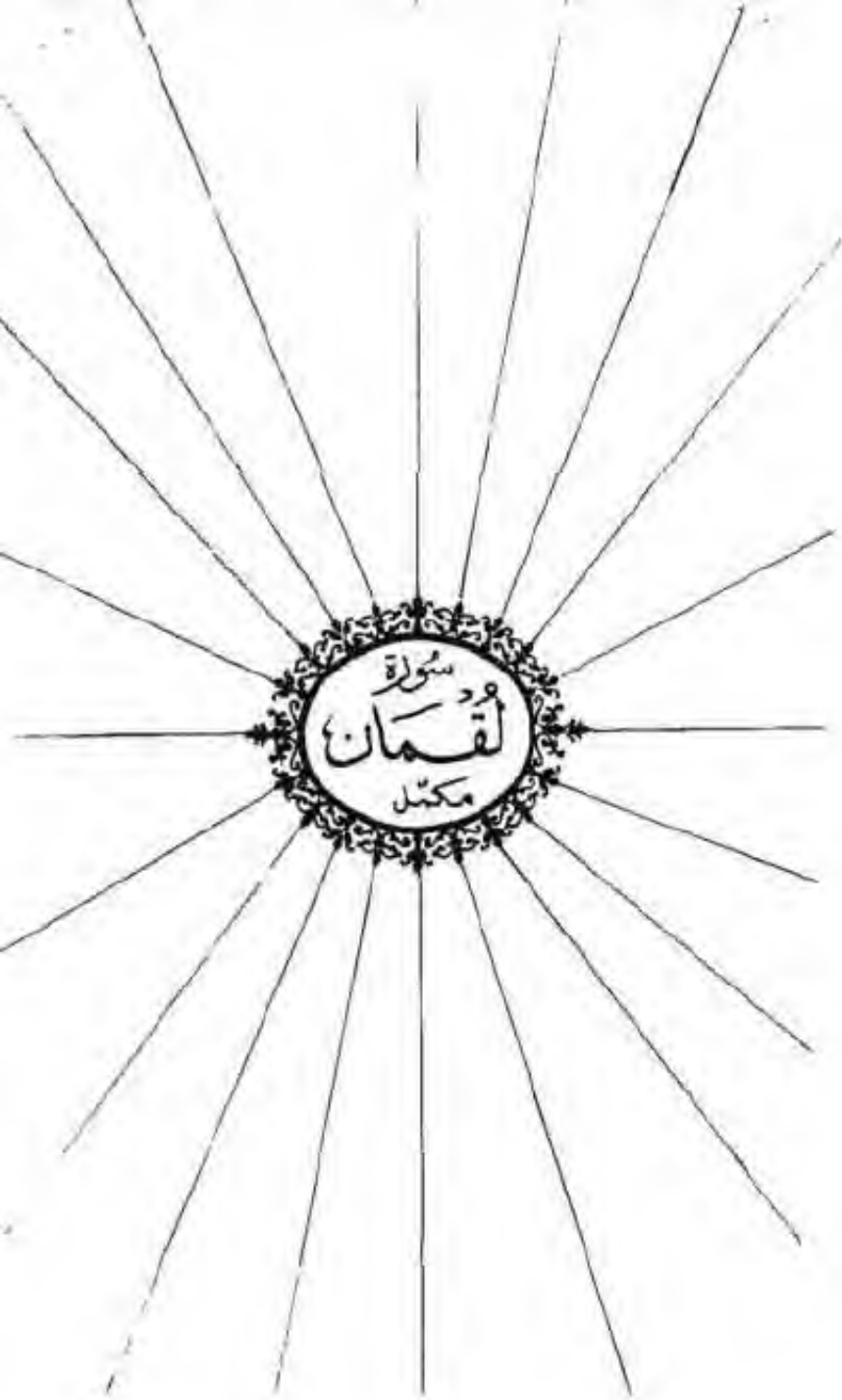
قارئین سے التماس ہے کہ اس کار خیر کی تکمیل کے لیے اللہ رب العزت کے حضور دُعا فرمائیں کہ وہ اس کام کی اشاعت کے لیے آسانی پیدا فرمائے اور صاحب دروس حضرت صوفی صاحب مدظلہ اور جملہ اراکین انجمن ادرچہ جو حضرات اس مشن میں دالے، درے، قدمے، سنے حصہ لے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو استقامت علی الخیر نصیب فرمائے اور آخرت کے لیے ذخیرہ بنائے۔ احقر کے ساتھ اس جلد کی پروف ریڈنگ میں حافظہ شرف یاسین گجراتی نے حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اس کار خیر میں تعاون پر اجر جنبل عطا فرمائے۔ آمین۔ وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين۔

احقر
محمد فیاض خان سواتی

مہتمم مدرستہ ناصرة العلوم گوجرانوالہ

۱۱ محرم ۱۴۱۵ھ - ۲۷ جون ۱۹۹۴ء

۱۔ خطبات سواتی کی اب تک چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ (فیاض)



لقمان ۳۱
آیت ۱ تا ۵

اتل ما اوحی ۲۱
درس اول ۱

سُورَةُ لُقْمَانَ مَبْنِيَّةٌ بِحُجُوهِ الْوَجْهِ وَشَلْثُونَ آيَةً وَالْوَجْهُ زَكَاةٌ
سورة لقمان مکی ہے۔ یہ چونتیس آیات اور چار رکوع پر مشتمل ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
شرعیہ کراماتوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الْم ۱ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۲ هُدًى وَ
رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ ۳ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ
وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۴
أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۵

ترجمہ ۱۔ اَلْم ۱ یہ آیت ہے حکمت والی کتاب
کی ۲ یہ ہدایت اور رحمت ہے نیکی کرنے والوں کے
لیے ۳ جو قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ
کو اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۴ یہی لوگ ہیں
ہدایت پر اپنے رب کی طرف سے اور یہی لوگ ہیں فلاح
پانے والے ۵

نام اور کوائف اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ لقمان ہے۔ یہ نام اس سورۃ کے دوسرے
رکوع میں آمدہ لفظ لقمان سے اخذ کیا گیا ہے۔ حضرت لقمان ایک نیک، صالح
اور دانا انسان تھے۔ پرانی قوموں کے مال میں ان کے مال اور ان کی نصیحت آموز

تقریر کا ذکر تھا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی، اور وہ نصیحت اس سورۃ مبارکہ میں بھی مذکور ہے۔

یہ سورۃ مبارکہ کئی دور کے پہلی زمانہ میں نازل ہوئی۔ جب کہ حضور علیہ السلام کی نبوت کے چھ یا سات سال گزر چکے تھے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ سورۃ الطہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ کی چونتیس آیات اور چار کلمات ہیں۔ اور یہ ۲۸ الفاظ اور ۲۱۱۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

اس سورۃ کے مضامین بھی دیگر کئی مرقوں کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ اس میں اسلام کے بنیادی عقائد کے علاوہ بعض ضمنی احکام بھی آگئے ہیں، اللہ نے حکمت و دانائی کے اصول کو سامنے رکھ کر کفر و شرک کی مذمت بیان فرمائی ہے اور ساتھ ساتھ توحید کا مسئلہ بھی بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اس کی قدرتِ مہمہ کے دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ اگر توحید کا مسئلہ ایسی طرح سمجھ میں آجائے۔ وقوعِ نیست اور کاسبِ اعمال کا ذکر بھی ہے۔ رسالت کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے اور ساتھ متکبرین رسالت کا رد بھی آگیا ہے قرآن پاک کی حقانیت و صداقت اور اس کے وحی الہی ہونے کا ذکر ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں اخلاقی تعلیمات اور نصیحت کی گزراں جاباتیں پائی گئی ہیں۔ اللہ کی کتاب سے مستفید ہونے والے اور اس سے اطاعت کرنے والوں کا حال اور ان کا انجام بیان ہوا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ گذشتہ سورۃ التہم میں زیادہ تر اطاعت کرنے والوں کا ذکر تھا۔ جب کہ اس سورۃ میں خدا تعالیٰ کی توحید، اسس کی کتاب اور نصیحت کو سننے والوں کا ذکر ہے۔ گزشتہ سورۃ میں اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن میں طالع طرح کی مثالیں بیان کر کے عقائد کو سمجھایا ہے۔ اسی طرح اس سورۃ میں بھی حکیمانہ مثالوں کے ذریعے مندرجہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور شرک کی قہامت بیان کر کے اس کی مذمت کی گئی ہے۔

لے کنان جیشک و نصیر الراعی ص ۳۱۱ ۱۷ معارف القرآن ص ۲۲۵ (قیام)

گذشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کا آغاز بھی حروف مقطعات سے ہوا ہے۔
 قرآن پاک کی کل انیس سو تین سورۃوں کا آغاز مختلف حروف مقطعات سے ہوا ہے۔ اس
 سورۃ کے علاوہ سورۃ بقرہ، سورۃ عنکبوت، سورۃ روم، سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کا
 آغاز بھی انہی حروف سے ہوا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ (اے اللہ
 کے رسول جبرائیل علیہ السلام اور تم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ یہ
 قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی جانب سے جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے حضرت محمد مصطفیٰ
 صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس مقام پر (اے مراد الاء
 یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں) اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق خاص طور پر انسان پر بے شمار
 نعمتیں نازل کی ہیں۔ اس لیے فرمایا فَادْكُرُوا اللّٰهَ (اعراف - ۶۹) اللہ تعالیٰ
 کی نعمتوں کو یاد کرو اور ان کا شکریہ ادا کرو، مگر وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ
 (سبا - ۱۳) اللہ کے شکر گزار بندے بہت کم ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ (اے
 نبی اور تم سے محمد اور ملائکہ مراد ہے۔ اور اس طرح مکمل مفہوم یہ بنتا ہے کہ تمام نعمتیں خدا تعالیٰ
 کی جانب سے ہیں اور ساری بزرگی اور عظمت اُنہی کے لیے ہے۔

نعمتیں دو قسم کی ہیں مادی اور روحانی۔ مادی نعمتیں تو ہر مومن، کافر، گورے،
 کالے، چرند، پرند اور جانوروں کو بھی حاصل ہیں، البتہ روحانی نعمتوں سے خاص لوگ
 ہی مستفید ہوتے ہیں۔ قرآن کریم روحانی نعمتوں میں سے سب سے اعلیٰ نعمت
 ہے۔ اسی لیے آگے اسی کا ذکر آ رہا ہے۔ اس کے بعد دوسری بڑی نعمت پیغمبر
 صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ (اے الزار، اے لایع یعنی پیکار اور تم سے متوالی مراد
 ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان چکنے والے انوار کا نظارہ کرنا ہے تو اس سورۃ کو پڑھ

لے تفسیر کبیر ص ۱۶ و تہذیب القیاس ص ۱۷۲ تہذیب القیاس ص ۱۷۲ ابن کثیر ص ۱۶
 رکۃ والا تعان اردو ص ۱۶ (فیاض)

لو کہیں کہ اس میں حکمت کی بلند ترین چیزیں مذکور ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ اپنے ذوق اور کشف کے مطابق ان حروف کے متعلق بتاتے ہیں کہ عالم غیب سے جو حقائق اس مادی جہان میں متعین ہوتے ہیں، وہ لوگوں کے بڑے عقائد اور اعمال و اخلاق سے متصل ٹکراتے پہنچتے ہیں تو ان کی حقیقت واضح ہوتی ہے، مطلب یہ کہ اس حروف مبارکہ میں عالم غیب سے آنے والے حقائق کی طرف اشارہ ہے۔

امام جلال الدین سیوطی اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ حروف متعلقات سے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ حضرت علیہ السلام نے نہ تو ان حروف کی از خود تشریح کی ہے اور نہ ہی صحابہ کرام نے ان کے متعلق دریافت کیا، بلکہ اسی طرح تلاوت کرتے رہے۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں ان حروف کے متعلق کچھ سرائات اٹھے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے تقریب قیام کے لیے کچھ معانی بتائے، تاہم سلامتی والا راستہ یہ ہے کہ اللہ اعلم فیہ و بہ و ہذا لک ان حروف کی حقیقی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، لہذا اعلم کے لیے انسانی کافی ہے کہ ان حروف سے اللہ تعالیٰ کی جو بھی مراد ہے ہمارا اس پر ایمان ہے ہمیں اس کی شے میں جملے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

ارشادِ باری ہے **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلْبَسُوْا حُلُوْمَکُمْ** (نساء: ۳۱) کی آیتیں ہیں، حکمت والی جی مراد یا ہا کتاب ہے اور ستم بھی مطلب یہ کہ یہ ضرور کتاب کی آیتیں ہیں، حالانکہ حکمت کا تعلق ہے اس کا ذکر آگے ایمان کے واقعہ میں آ رہا ہے، قرآن کریم بلاشبہ حکمت پر مشتمل ہے، جیسے اللہ کا فرمان ہے **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلْبَسُوْا حُلُوْمَکُمْ** (نساء: ۳۱) اللہ تعالیٰ جسے چاہے

لے الفوز الکبیر ص ۸۳ لے مہالین ص ۵۵
 لے محمد اللہ البالغہ ص ۱۴۳ و طبری ص ۱۹۱ (فیاض)

حکمت اور دانائی عطا کر دے۔ اور جسے اُس نے حکمت عطا کر دی، اس کو خیر کثیر عطا کر دیا گیا۔ حکمت کو خیر کثیر سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا مکمل نصاب قرآن کریم میں موجود ہے اس کے علاوہ پیغمبر کی زبان سے جو شرع بیان ہوتی ہے وہ سنت کہلاتی ہے اور وہ بھی حکمت میں داخل ہے۔

ہدایت اور
رحمت

فرمایا، یہ ایسی کتاب حکیم کی آیتیں ہیں جو ہُدٰی و رَحْمَةٌ لِّلْمُحْسِنِينَ نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ قرآن کریم میں بیانات اور ہدی دو الفاظ آتے ہیں جیسے فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْفَرُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنْ الْبَیِّنَاتِ وَالْهُدٰی (البقرہ - ۱۵۹) بیشک وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ بیانات اور ہدی کو چھپاتے ہیں۔ محققین فرماتے ہیں کہ بیانات سے مراد وہ واضح و بے شک باتیں ہیں جو ہر عام و خاص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ ان میں خدا تعالیٰ کی توحید، ذکر شکر، صبر وغیرہ چیزیں شامل ہیں اور ہدایت میں وہ چیزیں شامل ہیں جو اساتذہ سے سیکھے بغیر سمجھ نہیں آتیں۔ اسی لیے امام بخاری فرماتے ہیں کَرِهُنَا الْعِلْمَ بِالْغَلَطِ یعنی علم سیکھنے سے آتا ہے۔ کوئی شخص کہتا ہے پڑھ کر خود بخود عالم نہیں بن سکتا۔ اس قسم کی باریک باتوں کو ہدایت سے تعبیر کیا گیا ہے تو فرمایا، قرآن کریم ایک تو ہدایت ہے اور دوسری چیز رحمت ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت پر چلنے لگتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (الاعراف - ۵۶) بیشک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہو جاتی۔ ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ رحمت کی صورت میں نکلتا ہے جس شخص کا عقیدہ درست ہوگا، ایمان صحیح ہوگا۔ توحید پر استقامت ہوگی۔ اعمال و اخلاق ٹھیک ہوں گے۔ وہی شخص نیکی والا ہوگا۔ اور اللہ کی رحمت اس کے قریب ہوگی۔ بہر حال رحمت

کی زیادہ ہدایت ہے جو سب کے لیے ہے مگر اس سے فائدہ نہیکی والے ہی اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے سورۃ البقرہ کی ابتدا میں قرآن کریم نہی قسّمَتَیْنِ کَرَاتٍ ۱۲۰ لکھا گیا ہے یعنی یہ ہدایت متفیوہ کے لیے نہیں ہوتی ہے۔

منہ
مستند

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے محسنین یعنی نیکی کرنے والوں کے بعض افعال بیان کیے ہیں جن میں سے پہلا صفت یہ ہے اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔ نماز تعلق اللہ کی درستگی کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔ یہ اعمالی ضروریوں سے پہلے نمبر پر ہے۔ یہ سات عبادات ہے کیونکہ اس میں کوئی فعلی اور قلبی مادی عبادات شامل ہیں۔ نماز کے دوران اللہ کی زبان پر خدا تعلق کی عمدہ ثنائیہ مناجات ہوتی ہے، آدمی کے اعضاء و جوارح اطاعت الہی میں ہمہ تن مصروف ہوتے ہیں اور قلب میں شغریہ و مضمروع ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کو اللہ کا قرب دلانے والی اولین عبادت قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ العلق کے آخر میں ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی نماز کے ذریعے سجدہ و ریزہ ہو کر خدا کا قرب حاصل کر لو۔

موظا امام، مکتب میں حضرت محمد فاروق کا وہ سرکار موجود ہے جو اپنے خلافت اسلامیہ کے تمام گزروں کو لکھا تھا اِن مِثْ اَھْلِہِ اُمُوْرُکُمْ عِنْدَیْ اَبْعَدُ لَمَۃً تَمَاسُکَ کاموں میں سے میرے نزدیک اہم ترین کام نماز ہے۔ جس نے نماز کو قائم کیا۔ اس نے سانسے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ باقی چیزوں کو بھی بہت زیادہ ضائع کر لے والا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ عربی اسلام کے زمانے میں خلافت کے گورنر زیادہ دیر سے اعلیٰ افسر لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے وہ صلاحیت والے لوگ تھے اور کتاب اللہ کو جانتے تھے۔ ہمارے زمانے میں ماکروں کی اکثریت فساد و فحار پر مشتمل ہے۔ یہ شکل و صورت اسلامی اور اخلاقی

اعمال۔ عالمگیر، صلاح الدین ایوبی، ناصر الدین التمش اور محمود غزنوی جیسے حکمران اسلامی تاریخ میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ اسلامی تعلیمات سے واقف تھے۔ اور ان کا عمل بھی صحیح تھا۔ آج کے احکام تو نماز کا تسخر اڑاتے ہیں اور نمازیوں کی تحقیر کرتے ہیں بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ یہ دو رکعت کے امام کیا جانیں افسوس کہ انہوں نے نماز کی حقیقت کو نہیں سمجھا، ورنہ نماز کا یوں مذاق نہ اڑاتے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی

فرمایا نیکی والے لوگوں کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں اور دوسری یہ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا ذکر اس کی سورۃ میں آیا ہے حالانکہ زکوٰۃ ہجرت کے بعد ۲ھ میں فرض ہوئی تھی امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ بھی ابتداء میں ہی فرض ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس کا تذکرہ سورۃ منزل میں بھی ہے حالانکہ یہ سورۃ نبوت کے بعد پہلے سال ہی نازل ہو گئی تھی، البتہ زکوٰۃ کا نصاب ۲ھ میں مقرر ہوا، جو کہ صاحب نصاب آدمی کے لیے چالیسواں حصہ ہے۔ تقدال میں سے اڑھائی فیصد سالانہ، پانچ اونٹوں میں ایک بکری تیس گائے بھینسوں میں ایک بچھڑا، چالیس بکریوں میں ایک بکری، زمین کی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ، اور معدنی پیداوار کا پانچواں حصہ ادا کرنا لازمی قرار پایا۔ الغرض مکی زندگی میں زکوٰۃ کے طور پر کچھ نہ کچھ حصہ ادا کرنا ضروری تھا۔ پھر جب مدنی زندگی میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو مال کا نصاب اور شرح ادائیگی بھی مقرر ہو گئی۔

ایمان بالآخرت

فرمایا نیکی والوں کی تیسری علامت یہ ہے وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ وقوع قیامت، محاسبہ اعمال اور جزا سزا پر ایمان لانا بھی مسلمان کے بنیادی عقاید میں شامل ہے، جو شخص نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے مگر آخرت پر یقین نہیں رکھتا اس کی نماز و زکوٰۃ کا کچھ فائدہ نہیں۔ نیکی والے لوگوں کو یقین ہے کہ قیامت کا دن آنے والا ہے۔ اُس دن

اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر اعمال کا حساب کتاب دینا ہے اور یا مین لوگوں
 میں یہ تین اوصاف پائے جائیں گے اُولَئِكَ عَلَفٌ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ
 اپنے رب کی طرف سے وہی لوگ ہدایت پر ہوں گے و اُولَئِكَ هُمُ
 الْمُفْلِحُونَ اور فلاح بھی انہی کے حصے میں آئے گی۔ یہی لوگ آخرت میں کامیاب
 کامیاب ہوں گے۔ یہ لوگ خدا کے نصاب کی کراحت کے مقدمہ تک پہنچ جائیں
 گے۔ سورۃ آل عمران میں ہے فَمَنْ رَضِيَ رَحِمْتَ اللَّهِ وَ ادْخِلْ
 الْجَنَّةَ فَفَاقْدُ فَإِنَّ آيَةَ ۱۸۵۔ اور شخص دو تہ سے بھی اور جنت
 میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ اگر فرمایا یہ تین طے لوگ کامیاب ہوجائیں گے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ⑥ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّى مُسْتَكْبِرًا كَانَ لَمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ⑦

ترجمہ :- اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو خریدتے ہیں کھیل کی باتوں کو تاکہ گمراہ کریں اللہ کے راستے سے بغیر علم کے ۔ اور جانتے ہیں ان چیزوں کو ہنسی ۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلت ناک عذاب ہے ⑥ اور جب پڑھی جاتی ہیں اُس پر ہماری آیتیں تو پشت پھیرنا ہے تکبر کرتے ہوئے گویا اُس نے ان کو سنا ہی نہیں ۔ گویا کہ اُس کے کانوں میں بوجھ ہے ۔ پس ایسے شخص کو خوشخبری دے دیں وہ ذلت ناک عذاب کی ⑦

ربط آیت

سورۃ کی ابتدائی آیات میں حکمت والی کتاب قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان فرمایا ۔ نیز فرمایا کہ قرآن حکیم سراسر ہدایت ہے جس کو اختیار کرنے والے نیکو کاروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی حاصل ہوتی ہے ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نیکو والے لوگوں کے اوصاف بھی بیان کیے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں ، زکوٰۃ دیتے ہیں ، اور آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں ۔ فرمایا ایسے ہی لوگ ہدایت پر ہیں اور یہی منسلح پائے گئے ہیں ۔

منطین کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے اُن پر بھت لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اپنی مجالست، صلہ اور ہمت دھڑکی بنا پر قرآن پاک کی طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ کیں تماشا، گناہ، گناہ اور دیگر وہابیات و خرافات میں رغبت رکھتے ہیں ایسی ہی چیزوں میں پڑے لوگ دین کی طرف گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ارشاد ہوا ہے ۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنُ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو خریدتے ہیں کہیں کی باتوں کو لِيُفْسِدُوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ یعنی بیکرا کر دہ اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں، نادانی اور بے بھی کے ساتھ وَيُفْسِدُوا هَٰذَا مُسْلِمًا اور بھتے ہیں ان چیزوں کو جنسی مذاق کا ذریعہ أَوْ لِبَاطِلٍ لَّهُمْ حَذَائِقُ منطین ایسے لوگوں کے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت ناک عذاب ہوگا ۔

منطین کلام فرماتے ہیں کہ اسوۃ الہیہ سے ہر وہ چیز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ایسی عبادت کے راستے میں رکاوٹ بنے۔ جب قرآن پاک کا نزول ہوا تھا اور لوگ اس سے متاثر ہونا شروع ہوئے تو مشرکین نے کھٹکھٹائی شروع کر دی اور انہوں نے اس پر دگرگام میں بہن کی کہ وہیں کھڑی کرنے کی کوشش کی۔ مشرکین میں سے ایک شخص نصر بن حارث ابن علقامین کہ وہ جس آدمی کی تجارت کے لیے اکثر ایران کی طرف جایا کرتا تھا۔ لوگوں کو قرآن کی طرف متوجہ کیا اور جو کہ اس شخص نے کون شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں قوم عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں، آؤ میرے تمہیں ہمیں، اس قدر یاد اور ایران کے پرانے بادشاہوں کے قصے سناتے جو عاد و ثمود کی کہانیوں سے کہیں زیادہ دلچسپ ہیں، پھر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں نماز جیسا مشکل کام بتاتے ہیں جس کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوا آؤ میرے تمہیں

لہ روح المعانی ج ۲۲ و ابن کثیر ج ۲۲ و تفسیر الرازی ج ۲۲ و صفحۃ التفسیر ج ۲۲
 لہ روح المعانی ج ۲۲ و طبری ج ۲۲ و معالم التنزیل ج ۲۲ و مارک ج ۲۲ و زاد المرید ج ۲۲
 و تفسیر شعبی ج ۲۲ و ربیب القرآن ج ۲۲ و تفسیر الرازی ج ۲۲ (فیاض)

خوش طبعی والی چیزیں بتلاؤں۔ جن سے کم از کم تمہیں تفریح تو حاصل ہو۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ لغویات میں مصروف رہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں چنانچہ بعض کمزور ذہن کے لوگ اُس شخص کی باتوں میں آکر اسلام کی دعوت سے پھیر لیتے اسی لئے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو دین اسلام سے ہٹانے والی، احکام شرعیہ سے باز رکھنے والی یا کسی گناہ کا سبب بنتی ہو لہذا الحدیث میں شامل ہے جو چیزیں فرائض سے روکتی ہوں وہ ناجائز اور حرام ہیں بعض چیزیں مکروہ تحریمی کے درجے میں آتی ہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ شکار میں اس قدر رہنا کہ نہیں رکھنا چاہیے کہ اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے نماز ہی ضائع ہو جائے۔ ایسی صورت میں شکار حرام کے درجے میں آجائے گا۔ البتہ بعض کھیل جائز بھی ہیں جن سے کوئی دینی یا دنیاوی مقصد حاصل ہو۔ یا تفریح طبع ہی حاصل ہوتی ہو، اگرچہ ایسی چیزوں کو پسند نہیں کیا گیا مگر ان سے منع بھی نہیں کیا گیا لہذا یہ مباح کے درجے میں آتی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر کھیل کی چیز باطل ہے سوائے تین چیزوں کے یعنی گھوڑ دوڑ، تیر اندازی اور بیوی کے ساتھ دل لگی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسابقت یعنی دوڑ میں مقابلہ کرنا بھی مباح ہے، یہ دوڑ خواہ پیدل ہو گھوڑے، سائیکل یا گاڑی وغیرہ پر ہو مگر ایسی دوڑ شرط سے خالی ہونی چاہیے۔ اگر ساتھ شرط بھی ہوگی تو پھر یہ جوئے میں شمار ہو کر حرام ہو جائے گی۔ اس قسم کے کھیل تفریح کے لیے ہوں یا صحت کے قیام کے لیے یا بکطرفہ انعام کی خاطر ہوں تو پھر بھی جائز ہے، ان میں ہاکی، فٹ بال، تیر اندازی، نشا بازی، کشتی اور تیراکی وغیرہ بھی شامل کیے جاسکتے ہیں آلات ضرب و ضرب کے استعمال میں مهارت پیدا کرنا بھی مباحات میں شامل ہے۔

۱۔ ابن کثیر ص ۴۴۱ در روح المعانی ص ۶۱۱ و نظری ص ۲۵۱

۲۔ ۳۔ ۴۔ (فیاض)

البتہ جو کھیل کر انسان کے فرائض میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ ان کی اجازت نہیں ہے۔
 شطرنج، چھوڑ، تاش، کبوتر بازی، شیر بازی، کتوں اور دیگر جانوروں کی لڑائی، جنگلات
 گزراں کھیلنا، آتش بازی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو حکم و تعویذ کا اضافہ بھی ہوتا ہے جس میں فانی
 ہیں۔ یہ شطرنج قدم بازی سے چلے آئے ہیں اور آج بھی مختلف طبقات میں پائے
 جاتے ہیں۔ البتہ اس زمانے میں ان میں بہت سی چیزوں کا اضافہ بھی ہوا ہے اس
 وقت حرکت کا کھیل ساری دنیا میں رائج ہے مگر یہ تو بین الاقوامی کے سوا کچھ نہیں
 علم و تجربہ کی حد تک گزروں کے سوا۔ پر سچی ہے۔ پہلے سینما گھروں میں جا کر دل
 بہلا جاتا تھا، اب ہر گھر سینما گھر بن چکا ہے جہاں ٹیلی ویژن اور ریڈیو بھی ہیں۔
 میں سے سولہ گھنٹے لوگوں کو کھاناات میں مصروف رکھتے ہیں۔ وہی سی آر کی کوئی
 تھوڑی نہیں چلتے۔ چوبیس گھنٹے اس کے سامنے بیٹھے رہو۔ اب ہر گھر باندھ میں
 ویڈیو گیمز کی دبا پھیل چکی ہے جس میں تو صبح اوقات کے علاوہ قریباً مال صبحی ہر گھر
 ایسی چیزوں میں چھس کر نہ دنیا ہی نقصان کی فکر ہوتی ہے۔ اور نہ وہی نقصان
 کا ڈر۔ فضولہ قہر کے ڈرائے، ساری ساری رات کعبوں میں ترویج اوقات، آرٹ گیلریوں
 میں فنون لطیفہ کی پیشکش، تصاویر وغیرہ کی نمائش، ہنسی مذاق کی مجلسیں۔ یہ سب
 چیزیں ہمارے تمدن کا حصہ بن چکی ہیں مگر بالکل اجنبی ہیں۔ اسلام ان کی ہرگز اجازت
 نہیں دیتا۔

اب تو نایاب کا نام بھی فنون لطیفہ میں داخل ہو چکا ہے جسے کچھ کا حصہ سمجھا جاتا
 ہے۔ مختلف ملک میں ثقافتی وفود کا تبادلہ کرتے ہیں اور اس طرے ایک ملک
 کی عریانی اور فحاشی دوسرے ملک میں بھیج جاتی ہے۔ نایاب گانا میموریں، عیادتوں،
 ہندوؤں اور دوسروں کی تہذیب ہے جو سکھوں میں بھی سرور کرتی ہے۔ حالانکہ
 یہ شیطانی کام ہے اور انسانی ذہن کو غلط راستے پر ڈالنے کا ذریعہ ہے۔ مومن کے
 متعلق بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ ان کے دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔

سے سالہ التشریل ص ۵۴ و قسطی ص ۵۴ (فیاض)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، امام حسن بصریؒ وغیرہم لہذا الحدیث سے گانا بجانا مکرر دیتے ہیں۔

قدیم زمانے میں رقص و سرود کے لیے لونڈیوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اور آزاد عورتیں یہ پیشہ اختیار نہیں کرتی تھیں۔ اس مقصد کے لیے لونڈیوں کو خاص طور پر ٹریننگ دی جاتی تھی اور وہ بھولوں میں تفریح کا سامان پیدا کرتی تھیں۔ مگر اس زمانہ میں نہ صرف آزاد بلکہ تعلیم یافتہ لڑکیوں نے ناچ گانے کو آرٹ کے طور پر اپنا لیا ہے۔ اس کے لیے تربیت لگائی جاتی ہے۔ اس نام نہاد فن کی ڈگریاں ملتی ہیں۔ حضور کا فرمان قریہ ہے کہ گانے بجانے والی لونڈیوں کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے کیونکہ یہ فحاشی پھیلانے اور لوگوں کو غلط راستے پر ڈالنے کا سبب بنتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایسی لونڈیوں کی کھائی کو بھی حرام قرار دیا ہے مگر دیکھ لیں آج ہمارے ہاں کیا ہو رہا ہے؟ موجودہ دور کی ایکسٹریس امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایک ایک فلم سے لاکھوں روپے کماتی ہیں اور ایک ایک گانے کی ریکارڈنگ کے لیے ہزاروں روپے وصول کرتی ہیں۔ لوگ ان کو بڑا مقام دیتے ہیں اور ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ یہ سب لہذا الحدیث کا حصہ ہیں۔

گانے کے لیے استعمال ہونے والے آلات موسیقی بھی حرام ہیں۔ اسی لیے قرآنی بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعریف غزل یا نعت کی صورت میں کی جائے تو جائز ہے بشرطیکہ اُس کے ساتھ آلات موسیقی استعمال نہ ہوں۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مفسر غزالت میں ہے کہ ان سے قرآنی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ قرآنی جائز ہے۔ مگر اُس کی بعض شرائط بھی ہیں کہ اس میں آلات موسیقی استعمال نہ ہو، گانے والی

عورت یا بے ریش بچہ نہ ہو بلکہ لانے والا آدمی متشرع ہو۔ حمد و نعت کی محفل کا مقصد اقرب الیٰ ہونے کی تکمیل تھا۔ دیکھ میں ہماری قوالیاں کس طرح ان شرعی لفظ پر پوری اُتتی ہیں۔ چچہ بڑی افضل حق مہر مہر نے کہا تھا کہ کتنے انوس کا ستام ہے کہ ساری رات قوالی بوقت رہتی ہے، جب فجر کی نماز کا وقت ہوتا ہے تو سنے نہانے والے سو جاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ ایسی محفل سے کیا فائدہ ہو گا جبکی وجہ سے نماز ہی ضائع ہو گئی، آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ایسی مجلسوں سے اللہ اور اس کا رسول خوش ہو لگے یا ناراض۔ جو چیز فنانے غافل کرتی ہے وہ تو زری نصحت ہے۔ جو قوالی مذکورہ مسئلہ لفظ کے بغیر ہوگی وہ حرام یا مکروہ تحریمی کے زمرے میں آئے گی۔

فرمایا لغویات میں منہک لوگوں کی حالت یہ ہے وَإِذَا مَسَّ الشَّيْطَانُ مَغْشَاةً
الْيَتَا وَلَیْ مُسْتَكْبِرًا کہ جب ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ پشت پھر کر ٹکیر کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اللہ کے کلام کی کچھ پروا نہیں کرتے كَأَن لَّكَ رَبُّهُمْ مَغْرِبًا کہ انہوں نے اُس کو نہ ہی نہیں كَأَن لَّكَ رَبُّهُمْ أَذْنِبَهُ وَقَرَأَ کہ اگر اللہ کے کافروں میں ڈاٹ گئے ہوئے ہیں اور وہ عمت سے یکسر محروم ہیں۔ تمام غافل لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ آیات الہیہ سنتے وقت اندھے اور بہرے سو جاتے ہیں۔ اُن کا فائدہ تو اسی میں ہے کہ وہ علوم الہی کو نہیں اس میں غرور و فخر کریں اور اس کے مطابق عقیدہ اور عمل بنائیں مگر اس کو کئی اللہ کئی کر دیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔ یہاں پر خوشخبری کا لفظ محکم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان کو مطلع کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے جس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہو گا اور ان کی رہائی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

قرآن سے
روگردانی

اتلہ ما اوی ۲۱

درس سوئم ۳

لقمن ۳۱

آیت ۱۱ تا ۸

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ
النَّعِيمِ ⑧ خَالِدِينَ فِيهَا وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ⑨ خَلَقَ السَّمَوَاتِ
بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَالْقَى فِي الْأَرْضِ
رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ
كُلِّ دَابَّةٍ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا
فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ⑩ هَذَا خَلْقُ
اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ لَوْلَا
الظُّلُمُونَ فِي ضَلالٍ مُبِينٍ ⑪

ترجمہ :- بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنوں نے
اچھے کام کیے، اُن کے لیے باغات ہیں نعمتوں کے ⑧
ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں ۔ وعدہ ہو چکا ہے
اللہ تعالیٰ کا سچا ۔ اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے ⑨
پیدا کیا ہے اُس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جن کو
تم دیکھتے ہو ۔ اور ڈال دیے ہیں اُس نے زمین میں بوہل
پھاڑ تاکہ وہ حرکت نہ کرے تمھارے ساتھ ۔ اور پھیلا
دیے ہیں اس نے زمین میں طرح طرح کے جانور ۔ اور

آہرا ہے ہم نے آسمان کی جانب سے پانی پھیرا گئے ہیں
ہم نے زمین میں ہر قسم کے عہد جوڑے ۱۵ یہ ہے اللہ
کی پیدا کردہ ہیز۔ پس بتاؤ مجھے کیا پیدا کیا ہے انہوں
نے جو میں نے کیا ہیں، بکہ عالم لوگ کھلی ٹھہری میں ہیں ۱۶

سورہ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حمایت اور صداقت
بیان کی اور پھر محسنین کے اوصاف بیان کر کے ان کی فلاح کا ذکر کیا۔ اس کے
بعد اشقیاء کا گھڑا بھی اور ان کے انجام کو بیان کیا۔ کروہ دنیا میں کیوں نہاٹے
کو رائج کر کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے ہٹا چاہتے ہیں اب آج کی پہلی
دو آیات میں اہل ایمان کا ذکر کر کے انہیں جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔
پھر اللہ کی قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ اور انہیں توحید کی دلیل کے طور پر پیش
کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ شرک کی تردید بھی ہو گئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الْاِيْمَانَ يَنْفَصِلُ عَنْ الْاِيْمَانِ كَمَا يَنْفَصِلُ عَنْ الْمَرْءِ شَرْكٌ .
 شُرک، انفاق، بدعت وغیرہ کی طرح ایمان بھی قرآن پاک کی ایک اصطلاح ہے ۔
 ان میں سے ہر اصطلاح کا ایک خاص معنی ہے جس کا اننا ضروری ہے ۔ ایمان کی
 تعریف قرآن پاک کی مختلف آیات میں کی گئی ہے اس کے علاوہ حضور علیہ السلام کی
 ایک بڑی واضح حدیث بھی ہے جس سے ایمان کا مفہوم مکمل کھل کر سامنے آتا ہے
 حدیث جبریل میں ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا فَاتَّخِذْنِي
 عِبْدَ الْاِيْمَانِ مجھے بتائیے کہ ایمان کی چیز ہے، تو آپ علیہ السلام نے
 فرمایا اَنْ تُوْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ
 الْاٰخِرِ وَتُوْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی
 وَالْبَعَثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ایمان اس چیز کا نام ہے کہ تم اپنے اُمیدوار

ارادے سے اس بات کی تصدیق کر دے کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے ، وہ واجب الوجود ، خالق کل ، مدبر ، مجبور برحق اور غیر مرئی ہے ۔ غرضیکہ اس کی ذات اور تمام صفات پر ایمان لانا ضروری ہے ۔ اگر کسی چیز کے بارے میں دل میں غل پیدا ہو تو ایمان ضائع ہو جائے گا ۔ بعض اوقات ایمان کا معنی یقین بھی کر دیا جاتا ہے ۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ یقین تو کبھی اضطراری حالت میں بھی ہو جاتا ہے ۔ مثلاً کوئی حادثہ پیش آگیا تو کسی چیز کا یقین آگیا ۔ یہ مستقل یقین نہیں ہوتا حقیقت میں ایمان تصدیق کا نام ہے اپنے دل سے اپنے اختیار اور ارادے سے تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ واقعی وحدہ لا شریک ہے ۔

ایمان کا ایک جزو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق ہو گیا اور دوسرے کہ انسان فرشتوں پر بھی یقین رکھے کہ وہ اللہ کی مقدس اور نورانی مخلوق ہے جسے اللہ نے بنی نوع انسان کی مصلحت کے لیے انسانوں کی پیدائش سے اربوں کھربوں سال پہلے تخلیق کیا ۔ فرشتے بَلَّ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ (الانبیاء - ۲۶) وہ خدا کے معزز بندے ہیں اور ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں وَهُمْ بِأَمْرٍ یَّعْمَلُونَ (الانبیاء - ۲۷) وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں فرشتے ہماری طرح جسم اور اس میں روح رکھتے ہیں ۔ اس سے علامہ مشرقی والا ایمان مراد نہیں جو کہتے ہیں کہ فرشتے کوئی مخلوق نہیں بلکہ انسان کی ایک اچھی قوت کا نام ہے ۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اپنی کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں وضاحت کی ہے کہ فرشتے وجود رکھتے ہیں اور ان کے جسم میں بھی روح ہے البتہ ان کے اجسام بہت لطیف ہیں ۔ علاوہ اعلیٰ سے لیکر ملاء سافل تک فرشتوں کے سات طبقات ہیں اور ان میں سے ہر ایک طبقے کا مادہ تخلیق الگ الگ ہے ۔ فرشتوں کے علاوہ اللہ کی مخلوق جنات بھی وجود رکھتے ہیں ۔ البتہ

شریک نہ شایعین کی رو میں گنہگار ہوتی ہیں جو شرک پسندی ہیں۔ غرضیکہ فرشتے، جنات اور
شایعین سب جبراً اور دھوکے سے ہیں، اس کو جان میں نہیں نظر نہیں آتے جیسا یہ
جہان تبیل ہو جائیگا اور انھوں نے جان آئے گا تو سب کچھ نظر آئے گا۔

ایمان کا ایک جزو شرک کا تمام کٹاؤں پر بالا ہمال اور قرآن مجید پر انصاف
یقین رکھنا ہے۔ قرآن پاک کی ہر بات کو برحق سمجھنا اور اس پر عمل کو لازم و بدیہ
اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء پر یقین رکھنا بھی جزو ایمان ہے۔
اللہ نے بنی نوح انسان کی ہدایت کے لیے اپنے ان انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ ان
کو شرک یقین کٹاؤں اور صحیفے عطا کئے، ہم دہشت سے سب انبیاء کی تصدیق کرتے
ہیں، کسی ایک نبی کا انکار کرنے والا بھی کافر ہو جائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تصریح پر ایمان والا بھی مزدوری ہے آج تک جو
کچھ کائنات میں ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے، سب کچھ اللہ تعالیٰ
کے علم و حکمت اور ارادے کے مطابق ہو رہا ہے **حَقَّقَهُ فَقَدَرَهُ** (پس ۱۹)
اللہ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور اس کی تصریح نہائی۔ لہذا اللہ تعالیٰ سے انکار نہ کرنے
والا بھی ایمان سے خالی تصور ہو گا۔ اور اس کی کئی نئی قابل قبول نہیں ہوگی، اسی طرح
بعث بعد الموت پر یقین رکھنا بھی جزو ایمان ہے، مرنے کے بعد ہر انسان کو وہ وہ
نزد کیا جائے گا، قیامت قائم ہوگی، حساب کتاب کی منزل آئے گی اور جزا و سزا کا فیصلہ
ہوگا۔ ان سب چیزوں پر ایمان کی تصدیق کرنا مزدوری ہے اللہ کا فرق ہے **وَمَنْ**
يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ
مَسَلًا مُّبِينًا (المائدہ، ۱۷۶) جس نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی کئی رحمت
کا انکار کیا، یا اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کیا تو وہ
گمراہ ہو کر دور ہوا پڑا۔ ایسے شخص کو نجات نہیں مل سکے گی، جو ایمان ایک ایسی نیا رہے
جس پر عمل کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ سورہ الانبیاء میں ہے **فَمَنْ قَامَ**
مِنَ الْقِبْلَتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ هَلَّا كَفَرَ لَا يُسْعِفُهُمُ اللَّهُ (۱۹۲)

جو شخص نیک اعمال انجام دے گا بشرطیکہ اس میں ایمان موجود ہو تو اس کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی، اگر ایمان کی بجائے کفر اور شرک بھرا ہوا ہے تو اس کچھاڑوں جتنے بڑے بڑے عمل بھی ضائع ہو جائیں گے اور انسان مجرم بن کر دائمی جہنم کا مستحق سمٹے گا۔ ایمان ہرنکی کی جڑ اور بنیاد ہے اسی لیے تمام انبیاء اور ائمہ کے متبعین اولیاء اور بزرگان دین سب سے پہلے ایمان کی درستگی کی تعلیم دیتے ہیں۔ آپ کسی بزرگ کی کوئی کتاب یا مخطوطہ اٹھا کر دیکھ لیں، انہوں نے پہلا سبق ایمان کی درستگی کا ہی دیا۔ ہرنی نے بھی یہی تعلیم دی قَالَ يَقُومُ عَبْدُ اللَّهِ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ (ہود - ۸۴) اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ بہر حال یہ سارے اجزائے ایمان ہیں جن کی تصدیق کرنا ضروری ہے ورنہ ایمان مکمل نہیں ہوگا۔

فرمایا، وہ لوگ جو ایمان لائے وَصَلُوا الصَّلَاتِ اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے۔ نیک اعمال تو بے شمار ہیں تاہم بنیادی طور پر ان سے فرائض مراد ہیں۔ حضرت مہر الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان اور توحید کی درستگی کے بعد فرائض اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج نیک اعمال ہیں۔ دیگر نیک اعمال میں جہاد، قربانی، صلہ رحمی، صدقہ، خیرات، حسن اخلاق وغیرہ شامل ہیں۔

تو فرمایا ایمان لانے کے بعد جن لوگوں نے اچھے اعمال انجام دیے۔ كُفُّوا حَبْثُ النَّفْسِ اَنْ كَبِهَ لِيْ نِعْمَتُوْنَ كَے باغات میں خردبین فیہا وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے عام طور پر جنت کے ذکر کے ساتھ اللہ نے جَدَّتْ عَدْنٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ (البینۃ - ۸) کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ ایسے رنگینی باغات ہوں گے جن کے سامنے سرسبز بستی ہوں گی۔ فرمایا وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَرَّةً يَّوْمَ لَا يَنْفَعُكُمْ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ كَانْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ - ۲۴) کہ تمہارا ایمان تم کو اس دن سے نفع نہیں دے گا اگر تم نے ایمان نہیں لیا تو اس دن تم کو اس سے کیا فائدہ ہے۔

اعمال نیک
اور انعام

اس میں شک و شک کی کوئی گنجائش نہیں **وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک اور محنت والا ہے۔ اس کا ہر کام رحمت پر مبنی ہے۔ انسان کی تخلیق اور پرورش اس کا سارا انعام اس کے حکم کرنے کی واسطہ دلیل ہے۔

آسمانوں کی
پیداوار کی
تفصیل

قرآن اللہ تعالیٰ کا کمال قدرت کا مالک ہے اور یہی حکم ہے جس نے **الْأَسْمَانِ** آسمانوں کی تخلیق کی تھی۔ **تَوَوَّهًا** بغیر ستاروں کے آسمان پیدا کیے نہیں تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ آسمان کے ستاروں میں ہر ستارہ زمین پر نظر نہیں آتا۔ **وَالَّذِي فِي الْأَرْضِ** روایسی اور زمین میں ہر چیز پاؤں کے نیچے ہے۔ **أَنْ تَبْصُرَ بِهِمْ** اگر وہ کسی طرف جھک نہ جائے یعنی ڈھلے نہ گئے۔ ایک حادثہ یہ ہے کہ اگر کشتی میں ایک طرف ہوجہ زیادہ ہو تو وہ چلنے وقت اس طرف کو جھک جائیگی لہذا اس کو ستاروں بنانے کے لیے دوسری طرف بھی ہوجہ دکن پڑتا ہے۔ زمین بھی ایک گروہ ہے جس میں مختلف بہت قدر مختلف کھیتیں تھیں کہ زمین میں کسی ایک طرف زیادہ مائوسی نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ حرکت ہے اور زمین گھومتی ہے۔ زمین گھومتی ہے جب کہ سال بھر میں سورج کے گرد ایک پیر منسلک کرتا ہے۔ ہر سال یہ پہلے ہوتا ہے کہ جب یہ حرکت کرتی ہے تو اس پر ہر چیز بھی حرکت کرتی ہے لہذا اس کے ڈھلنے کا کیا مطلب؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عمومی طور پر زمین کے ساتھ تمام چیزیں بھی حرکت کرتی ہیں مثلاً بعض مقامی عوامل بھی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے زمین کے توازن میں خلل واقع ہو سکتا تھا۔ مثال کے طور پر زمین کے بعض خطے میلنے اور میرا رہے۔ بعض علاقے اونٹ اور بعض علاقے کھڑے ہیں۔ اس لیے شیب و ڈھلوان کی وجہ سے زمین کے توازن میں بڑا ہی پیدا ہو کر وہ ڈول مکتی تھی۔ ایک طرف کو جھک سکتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس توازن کو برقرار رکھنے کے لیے مناسب فعلوں میں بڑے بڑے پار کھڑے کر دیے ہیں۔ جن کی وجہ سے اس کو توازن برقرار ہوئی ہے اور یہ کسی ایک طرف کو رجحان نہیں جاتی۔

یہ تفسیر تفسیر المیزان ص ۳۳۳ و ابن کثیر ص ۳۳۳ ۳۴۳ روح المعانی ص ۳۳۳ (ایضاً)

پرانی تحقیق کے مطابق دنیا کے بلند ترین پہاڑوں کی بلندی تین میل کے قریب ہے۔ زمین کی وسعت کے اعتبار سے اتنے بڑے پہاڑ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے گز کے اوپر ایک جو کاستر ہواں حصہ رکھ دیا گیا ہو۔ پہاڑوں کی بلندی کے متعلقے میں سمندروں کی گہرائی کہیں زیادہ ہے، مگرہ ارض کے ارد گرد چودہ کروڑ تین میل پر بلند پہلے ہوئے ہیں اور انسانوں اور جانوروں کی رہائش کے لیے خطی کا حصہ صرف ایک چوتھائی کے قریب ہے، لہذا پرے مگرہ ارض میں توازن برقرار رکھنے کے لیے اللہ نے جو جبل پہاڑوں کو تخلیق فرمایا ہے

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی **اَنْتَ تَجْعِدُ بِكُمُ كَالِهٍ مَطْلَب** لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں جگہ جگہ پہاڑ نصب کر کے میدانی لوگوں کو اضطراب سے محفوظ کر دیا ہے۔ پہاڑوں میں پیشمار پتھر، درخت، جڑی بوٹیاں اور طرح طرح کی معدنیات ہوتی ہیں جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اگر پہاڑ نہ ہوتے تو میدانی علاقوں کے رہنے والے لوگ بہت سی چیزوں سے محروم رہ جاتے جو ان کے لیے وجہ اضطراب بنتی۔ تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ زمین کے ڈولنے کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں کے بغیر زمین کے رہنے والے مضطرب ہو جاتے۔ اللہ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین کے اضطراب کو نہیں بلکہ لوگوں کے اضطراب کو دور کر دیا۔

آگے ارشاد ہوتا ہے **وَبَيَّنَّا فِيهَا مِنْ كُلِّ ذَاتٍ حَيَّةٍ** اور اللہ نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلایے ہیں۔ موشیوں کو تو اللہ نے خاص طور پر انسانوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے اور ان کے علاوہ بھی اللہ نے بہت سے جانور اور کیڑے مکوڑے پیدا کیے ہیں۔ جو انسانوں کی خدمت پر مامور ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

پھر فرمایا **وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً** اور ہم نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا ہے۔ یہ بھی انسانوں اور جانوروں کی حیات کے لیے ضروری ہے۔ پانی نہ صرف جانوروں

جانور اور
پانی

کی پیٹے کی ضروریات پوری کرتا ہے جبکہ واسطہ ان کی خوراک کو انحصار ہی پانی پر ہے
 فرمایا اسی پانی کے ذریعے فَاتَبَسَّتْ ثَمَرَاتُهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ فَيَكْسِرُهُمْ يَوْمَئِذٍ
 میں سمجھ جائے گا کہ پانی کی طرف سے بارش پر سارے پودوں کی خوش نظر
 اور کامیاب و برکت پیدا کیے ہیں۔ طریقتوں کے پھول پھل آج اور مریضوں کے پانی ہیں جو
 ان نون اور جانوروں کی خوراک بنتی ہیں۔ سورۃ القدر میں اللہ نے پانی کا یہ کمال بھی بیان
 کیا ہے کہ دیکھو! زمین پر طریقتوں کے درخت، پودے اور پھل ہیں جو نصف زمین
 اور نصف آسمانوں کے پانی پر کھڑے ہیں حالانکہ کھیتی بیکار و عاجز و ناتوان
 وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں کوئی چھڑا پھل سے نہ کوئی بڑا کوئی بڑ
 ہے کوئی شریف اور کوئی درویش کسی کا زلف و سیٹھ ہے کسی کا پیر کا اور کسی کا کھڑا اور
 پانی سب کے ایک ہی گھاٹ سے پیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بہت بڑا شکار
 ہے۔ اے عجیب و غریب اللہ وہی اکہام و تناسل جو تمام قدروں کا مالک اور ہر چیز
 کا خالق اور مقرر ہے

توبہ پر
 دلیل

آگے اشارہ ہوتا ہے هَٰذَا خَلَقَ اللَّهُ بِسْمِ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ
 آسمان سے لے کر زمین تک اور زمین اور سمندروں کے اندر کی ہر چیز اللہ ہی نے
 پیدا کی ہے۔ فَأَرْوَاهُمْ مِمَّا ذَلَّلُوا الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ سب
 بتلاؤ کہ مشرکوں نے اللہ کے سوا جن کو اپنا معبود، حاجت روا اور مشکل کشا بنا رکھا ہے
 انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ جب کسی اور کے لئے پیدا کیا نہیں گیا تو پھر وہ معبودیت
 کا کیا حق رکھتا ہے؟ یہ ایسی دلیل ہے جسے عالم اور جاہل جہاں طور پر سمجھ سکتا ہے
 مفسر حقانی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ کسی راستے پر ایک عیسائی پاروی
 لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے کہہ رہا تھا بوجہ سچ خدا ہے۔ نہ الا جی ہے۔ وہ نہ ایمان نہ
 اور نہ استیہ ہے۔ اسے میں ایک ان پروردگار کی آواز سے گھر گھر کر کے نکال کر پڑی مس
 تم صبح عید السلام کر نہ کہ پست یعنی لائق بنائے ہو۔ عبادت تو بتلاؤ کہ کائنات کی تمام
 چیزوں کا خالق کون ہے؟ پادری کہنے لگا کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ پھر دہاتی کہنے

لگا کہ اگر ہر چیز اللہ کی پیدا کردہ ہے تو بلاؤ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی کچھ پیدا کیا ہے؟
 پادری لاجواب ہو گیا کہ جو کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہیں وہ خدا یا خدا کا بیٹا کیسے ہو گیا
 اس آیت کبریٰ کا بھی یہی مفہوم ہے کہ اگر تمھارے خود ساختہ معبودوں نے کچھ پیدا کیا ہے
 تو دکھا دو کون سی چیز پیدا کی ہے اور اگر کوئی چیز پیدا نہیں کی تو پھر وہ حاجت روا اور
 مشکل کشا کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر ان کو مصیبت کے وقت کیوں پکارتے ہو اور ان
 کے سامنے نذو نیاز کیوں پیش کرتے ہو؟ وہ تو خود لاچار اور درماندہ ہیں۔ وہ خود ہر
 چیز اللہ سے طلب کرتے ہیں، بھلا تم ان سے کیا توقع رکھتے ہو؟

فرمایا حقیقت یہ ہے **بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ**۔
 کہ ظالم یعنی مشرک لوگ ہی کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ اتنی واضح دلیل ہے
 کہ جو شخص خود محتج ہے وہ دوسرے کو کیڑے سکتا ہے اور معبود کیسے بن سکتا ہے؟
 اللہ کا فرمان تو یہ ہے **يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمن - ۲۹)**
 آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ ہی کے سامنے دست سوال دراز کرتی ہے مگر تم کہتے
 ہو کہ فلاں بھی رزق، اولاد، کاروبار وغیرہ دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دلیل
 کے ذریعے شرک کا رد بھی فرما دیا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَنَ الْحِكْمَةَ إِذَا اشْكُرْ لِلَّهِ وَمَنْ
يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ
اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ (۱۲)

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق وہی ہم نے لقمان کو حکمت دی کہ
شکر ادا کر اللہ تعالیٰ کے لیے ۔ اور جو شخص شکر ادا کرتا
ہے ، پس بے شک وہ شکر ادا کرتا ہے اپنے نفس
کے واسطے اس کے لیے ۔ اور جو شخص ناشکری کرتا ہے پس
بے شک اللہ تعالیٰ بے پروا اور غنی و مہربان والا ہے (۱۲)

سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی صداقت و حقیقت اور آیت
کے عقلی و نقلی دلائل پیش کیے ۔ اب اس رکوع میں حضرت لقمان کی فطرت
بیان کی گئی ہے جس میں سے اہم ترین نصیحت اللہ تعالیٰ کی توحید کرمانا اور شرک سے
نفرت کرنا ہے ۔ شرک اور کفر کی تباہی اس کے بعد کی آیات میں بھی آ رہی ہے
توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ہی گزشتہ اور آئندہ آیات میں ذریعہ رہے ۔
نزدک قرآن کے زمانہ میں اگرچہ لقمان کی حکیمانہ باتیں اسرائیلیوں اور عربوں میں
زبان زد عام تھیں مگر آپ کی شخصیت کے بارے میں مفسرین کرام میں بہت تاثرات
پا جا رہے ہیں ۔ حضرت لقمان کسی زمانے میں اور کس مقام پر ہوئے ہیں ۔ نیز آپ خدا سے
یا آزار مفسرین کی محنت رہیں ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ سوزان کے شمالی علاقہ کو
کے کسی سیاہ فام صبی آدمی کے غلام تھے ۔ جب کہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ :-

لہ قرطبی ص ۱۱۱۱ و در مشورہ ص ۱۱۱۱ و طبری ص ۱۱۱۱ (فیاض)

حضرت لقمان
کی شخصیت

آپ مین کے رہنے والے آزاد آدمی تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت لقمان عاوانیہ میں سے تھے۔ جب قوم عاد ہلاک ہو گئی تو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والے لوگوں سے چلنے والی نسل عاوانیہ کہلائی، آپ انہی لوگوں میں سے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حمیر قبیلے کے بادشاہوں میں سے ہوئے ہیں انہی بادشاہوں میں تتبع نامی مشہور بادشاہ بھی گزرا ہے۔ بعض کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت لقمان شاد کے بھائی تھے۔ شاد تو بڑا جابر اور ستبد شخص تھا، تاہم اس کی ہلاکت کے بعد اقتدار لقمان کی طرف منتقل ہو گیا ذوالقرنین کی طرح آپ نہایت ہی صلح آدمی اور عادل بادشاہ تھے۔

حضرت لقمان کے زمانے کے متعلق بھی قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر آپ کو عاوانیہ سے تسلیم کیا جائے تو آپ کا زمانہ مسیح علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل کا ہے، اور آپ کو بنی اسرائیل کا فرد تصور کیا جائے تو آپ کا زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ اس دور میں حضرت داؤد، اور حضرت لقمان کی رفاقت کا ذکر بھی ملتا ہے، بلکہ بعض کہتے ہیں کہ آپ اس زمانے میں قاضی تھے۔ بہر حال یہ زمانہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام سے کم و بیش ایک ہزار سال قبل کا ہے۔ حضرت لقمان بنی اسرائیل اور عربوں میں یکساں طور پر مشہور تھے، بلکہ بنی اسرائیل کے پاس آپ کا ایک صحیفہ بھی تھا جس میں مندرج نسل کا امثال لقمان کے نام سے مشہور ہیں۔ اس صحیفہ کی نقول یورپ کے بعض کتب خانوں میں اب بھی ملتی ہیں۔

جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان مومن، نیک آدمی اور اللہ کے ولی تھے، محمد بن اسحاق، امام شافعی اور بعض دوسرے حضرات آپ کو نبی بھی تسلیم کرتے ہیں مگر یہ بات درست نہیں بلکہ اکثر و بیشتر مفسرین آپ کو صالح آدمی ہی مانتے ہیں۔ البتہ آپ بہت بڑے حکیم، دانشور اور معاملہ فہم آدمی تھے اور اسی بنا پر آپ مہذب دنیا

میں مشورہ

محکم
مضمون

ارشاد ہوا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ اور البرصیق مرنے
حضرت لقمانؑ کو حکمت عطا فرمائی حکمت کا لفظ قرآن وحدیث دونوں جگہ مذکور ہے
سورۃ لقمان سورۃ صافات اور بعض دیگر سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے فرائض منصبی میں سے ایک پر فرض بھی بیان کیا ہے وَلْيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ
وَالْحِكْمَةَ یعنی آپ لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اسی طرح سورۃ لقمان
میں ہے يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (آیت ۱۲۹) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے
حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی اُسے غیر کثیر سے نواز لیا اسی طرح
تذہبی شریعت کی روایت میں آپؐ کے حضور علیہ السلام نے فرمایا كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ
مَسْأَلَةُ الْمُتَوَكِّلِينَ فَقِيلَتْ وَجَدَهَا فَهَوَا حَقَّ بِهَا مِثْلُ نَفْسٍ مَرْتَمِلَةٍ
کی گمشدہ میراث ہے جہاں بھی اُسے پاتا ہے حاصل کر لیتا ہے

ابن دہبہ اور بعض دیگر حضرات حکمت کا تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ ہر
وہ بات جو عقل سے لیے نصیحت کا باعث ہو برائی اور قیامت سے روکے اور
بندگی پر آمادہ کرے وہ حکمت ہے بعض مفسرین ابن عباسؓ کی تفسیر منطوقی بھی
شامل ہیں فرماتے ہیں کہ حکمت کا مضمون یہ ہے مَعْرِفَةُ أَفْضَلِ الْأَشْيَاءِ
بِأَفْضَلِ الْعُلُومِ یعنی افضل چیز کو افضل علم کے ساتھ جاننا حکمت کہلاتا ہے
یہاں ہے کہ افضل ترین چیز تو ذات خداوندی اور اس کی صفات ہیں اور افضل علم
علم خداوندی ہے جو انسان کے قلب میں موجود ہو۔ تو اگر یہ علم حضوری کے ساتھ ذات
وصفات خداوندی کو پہچان سکے۔

۱

(فیاض)

۱۲۹

۱۲۹

بیعتی شریعت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود ہے رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللَّهِ
یعنی حکمت کی جڑ اور بنیاد اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ بہر حال عام فہم الفاظ میں یوں کہہ
سکتے ہیں کہ دانائی عقل، فہم، فراست اور فرائیجی کا نام حکمت ہے، حکم اور حکمت میں
یہ فرق ہے کہ حکمت ہمیشہ درست بات کی طرف منسوب کی جاتی ہے جب کہ حکم میں
غلطی کا امکان بھی ہوتا ہے جیسے مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ تَحْكُمُونَ تَحْسِبُونَ کیا ہو گیا ہے
کیسے غلط لٹ فیصلے کرتے ہو۔ تاہم حکمت ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی بلکہ جس پر
اللہ مہربانی کرے، اُس کو عطا فرماتا ہے۔

حکمت کی ایک عام تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے صَوِّفَ اَلْعِلْمِ
وَالْعَمَلِ يَقْدَرُ طَاقَتَهُ یعنی حکیم وہ شخص ہے جس نے اپنے علم اور عمل دونوں
کو پختہ کریں۔ دانشور وہی آدمی ہوگا جس کے علم کے ساتھ عمل بھی ہو، وگرنہ بے عمل آدمی
حکیم نہیں ہو سکتا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت یعنی فہم و فراست، دانائی اور عقلندی
حضرت لقمانؑ کو وافر مقدار میں عطا فرمائی تھی، جن کا ذکر تمام مفسرین، مؤرخین اور دانشور
کرتے ہیں۔ ان کی عجیب و غریب مثالیں اور حکمت کی باتیں ان کے صحیفہ میں بھی موجود ہیں
امام بیضاویؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ کہ ایک
موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمانؑ سے کہا کہ بکری ذبح کر کے اُس کے
گوشت کا بہترین حصہ میرے پاس لاؤ۔ آپ نے تعمیل حکم کی، بکری ذبح کی اور
اس کا دل اور زبان حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا، کچھ وقفہ
کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کرو اور اس کے
گوشت کا بہترین حصہ میرے پاس لاؤ، حضرت لقمانؑ نے بکری ذبح کی اور دوسری
دفعہ بھی دل اور زبان کا گوشت ہی پیش کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے

حضرت لقمانؑ
کی حکمانہ
باتیں

بہترین اور بہترین چیزوں میں ول اور زبان کو ہی جیسے تسلیم کیا، کہنے لگے حضرت اگر انسان کا دل اور زبان درست ہے تو اس سے پاکیزہ چیز ان کی جسم میں باہر کوئی نہیں۔ اور اگر یہ دونوں غائب ہو جائیں تو پھر اس سے بڑی چیز بھی کوئی نہیں، ظاہر ہے کہ اگر قلب میں نور ایمان ہے، توحید اور یحییٰ کی باتیں ہیں اور زبان سے بھی اچھی باتیں اور بوری ہیں تو پھر اسے دونوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، اور اگر دل میں کفر، شرک، کینہ، بغض، عناد اور نفاق ہے، اور زبان سے کلمہ کلائی ہوتی ہے تو ان سے بڑھ کر بڑی چیز بھی کوئی نہیں، غرضیکہ ایمان لانے یہ نہایت ہی حکیمانہ بات کی۔

مشہور شہ ہے کہ حضرت ایمان کسی بے سحر پر گئے۔ جب کچھ عرصہ بعد واپس لوٹے تو راستے میں اپنا خادم مل گیا۔ پوچھا یہ سہ والہ کا کیا حال ہے؟ خادم نے کہا کہ وہ تو فوت ہو چکے ہیں، معاف لے ڈالیا ملککٹ آٹھویں اب میں اپنے معاملہ کا غور، نکس بن گیا ہوں۔ والد کی موجودگی میں ہر چیز کے وہی ذمہ دار تھے مگر اب یہ ذمہ داری مجھ پر آ پڑی ہے۔ پھر آپ نے بڑی کامال پوچھا تو خادم نے بتایا کہ وہ بھی فوت ہو چکے ہیں، اس کے بعد اس نے اس کے متعلق پوچھا تو وہی جواب ملا کہ وہ بھی فوت ہو گئی ہے، حضرت ایمان نے کہا ستر گت عفو ترقی اب میری ہمدہ پوچھی ہو گئی، بن کی دہ سے بہت سی ذمہ داریاں تھیں اس کی وجہ سے میرا پردہ ہو گیا۔ پھر اپنے بھائی کا حال پوچھا تو پوچھا کہ وہ بھی فوت ہو گئے ہیں، حضرت ایمان نے کہنے لگے انقطاع ظہیر می سہ میری پشت ٹوٹ گئی ہے۔ بھائی بھائی کا سہا باہو تہا ہے۔ ہر وقت پر العین یا یحییٰ آدمی اپنے بھائی کے ساتھ ہوتا ہے۔ مشہور مقولہ ہے۔

چکہ ہمارے ہمارے
وقت ہمارے ہمارے

جس کا بھائی نہیں، اس میں قوت بازو نہیں۔ جس طرح ماں کے بغیر شفقت اور باپ کے بغیر سرپرستی نہیں ہوتی، اسی طرح بھائی کے بغیر قوت بازو نہیں ہوتی۔

مولانا رومیؒ نے یہ حکایت اپنی مشنوی میں بیان کی ہے کہ حضرت لقمانؑ غلام تھے آپ کے آقا نے بعض درس غلاموں کے ہمراہ آپ کو اپنے باغ کی حفاظت پر مامور کیا۔ اس دوران باقی غلام تو باغ سے چل توڑ توڑ کر کھاتے رہے مگر حضرت لقمانؑ نے بالکل کچھ نہ کھایا کیونکہ وہ اسے امانت میں خیانت سمجھتے تھے۔ ایک موقع پر آقا باغ میں آیا تو اسے چل کا کچھ گرا پڑا حصہ ملا۔ دریافت کرنے پر باقی غلاموں نے کہا کہ یہ چل لقمانؑ نے توڑ کر کھایا ہے۔ جب آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا، اے آقا! آپ ہم سب خادموں کو گرم پانی پلا کر دوڑنے کا حکم دیں تو آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ سب نے قے کی جس سے کھانے ہوئے پھل کی نشاندہی ہو گئی۔ صرف لقمانؑ کی قے ایسی تھی جس میں سے پانی کے سوا کچھ بڑھ نہ ہوا، اور مالک کو پتہ چل گیا کہ سائے غلاموں میں سے صرف آپ ہی امانتدار ہیں۔ مشہور ہے کہ لقمانؑ نے کہا کہ میں نے بہت سے بیویوں کی زیارت کی ہے بنی اسرائیل کے دور میں انبیاء کثرت سے آتے تھے اور خود لقمانؑ کی عمر بھی ایک ہزار سال تھی لہذا ان کی بہت سے انبیاء سے ملاقات بعد از قیاس نہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان انبیاء کے اقوال میں سے میں نے آٹھ باتوں کو خوب یاد کیا ہے، اور وہ یہ ہیں :-

- (۱) اگر رحم نماز کی حالت میں ہو تو رول کی حفاظت کرو۔
- (۲) اگر کھانے پر بیٹھے ہو تو خلق کی حفاظت کرو اور ضرورت سے زیادہ نہ کھاؤ۔
- (۳) اگر کسی غیر کے گھر میں جانا ہو تو آنکھوں کی حفاظت کرو۔
- (۴) اگر لوگوں کے درمیان بیٹھے ہو تو زبان کی حفاظت کرو۔
- (۵) ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو۔

(۶) ہر وقت نوبت کبریا اور کعبہ

(۷) کسی اپنے بغیر کے ساتھ احسان کرو تو قبول ہوا۔

۸۶) جوتیرے ساقد بڑی کا سلوک گرسے ۱۰ میں کو بھی ایسوی جاڑ اور کسی کے سستے نہ کو نہ کرو۔

کسی نے شہرت لقمان ٹٹے پر بچا: حضرت! آپ اس مرتبہ کھانے پر بیٹھے
کہ اللہ نے آپ کو بڑی فہم و فراست عطا کی ہے۔ فرمایا:

(۱۱) اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے

(۲۱) لائٹ کی اوائلی سی کی دھجی

۷۲۱.۵ (۱۳)

(۴) طالبین ہاتھ کے ترکے سے

پھر کسی نے پوچھا، لقمان: تم فلاں نغذان کے غلام تھے، تم میں منہم و فرست، غلامی، دانشوری اور خزانہ کی کیسے آگئی؟ اس گرام ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ حضرت لقمان نے فرمایا کہ مجھے یہ چیزیں اس وجہ سے حاصل ہوئی ہیں، کہ میں نے:-

(۱۱) ننگہ کر ہمیشہ نیچا رکھا ہے۔

۱۴) زبان کو فضول باتوں سے روکا ہے

(۴) خراک کریم بنایا ہے۔

۱۴) اپنے مائوس کی حفاظت کی ہے

(۱۵) کی برائے۔

(۹) عبد کریم کی ہے

(۱۷) مسلمان کی عزت کی ہے

(۸) ٹرودی کی مخالفت کی ہے

(۹) لایعنی چیزوں کو ترک کیا ہے۔

حضرت لقمانؑ کا یہ قول بھی مشہور ہے ضَرْبُ الْوَالِدِ كَالسَّامِ یعنی والد کا بچے کو تہیہ کے لیے مارنا بچے کے لیے بمنزلہ کھار کے ہے بچے کو سزائش کرنا بری بات نہیں بلکہ اس کے حق میں اچھی ہوتی ہے۔ سعدی صاحب کا قول بھی ہے ”مہر پر سے ضرب استاد بہتر ہے“

اساد کا مار والدین کی شفقت سے زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ آپ کا یہ قول بھی ہے
رَأَاكَ وَالَّذِينَ فَاتَهُ ذُلُّ النَّهَارِ وَهَمَّ الْبَيْدُ لَمِنْ قَرْضٍ مِمَّا كَرِهَ
دین کی ذلت اور رات کی فکر مندی ہے۔

ایک دفعہ حضرت ولید علیہ السلام نے حضرت لقمانؑ سے پوچھا کَيْفَ أَصْبَحْتَ
یعنی آپ کا کیا حال ہے تو کہنے لگی أَصْبَحْتُ فِي يَدِ غَيْرِي مِثْلَ يَدِ أَبِي
کو غیر کے ہاتھوں میں پانا ہوں۔ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ غیر کا قصہ مراد دست قدرت
اور عدل ہے۔ حفیظ جالندھریؒ نے بھی کہا ہے۔

دیکھو او گمانی دنیا ہے فانی

آگ لگی ہے حسن میں

دل ہے پرانے بس میں

اسی طرح اگر کوئی امام ماکات سے پوچھتا کَيْفَ أَصْبَحْتَ یعنی آپ کا کیا حال ہے، تو
جواب دیتے عَمَّنْ يَنْقُصُ وَذُلُّوْبٌ تَزِيدُ مَعْنَى عَمْرُكُث رہی ہے، اور گناہ بڑھ
ہے ہیں۔

حضرت لقمانؑ سے بھی منقول ہے کہ میں نے بہت سی کٹردی چیزوں کو چکھا ہے۔
مگر فقر سے زیادہ کٹردی چیز کوئی نہیں پائی۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی

فقر سے پناہ دینی سے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ الْمَدْفِقِ لے
 الشَّرَّ اَمِنْ خیر کی راستہ کے ساتھ کہ میں ملائیت لے فقر سے پناہ دالتی ہوں ۔

آپ کا یہ قول بھی بہت کر دینا میں اُن سے ہو کر اس کی طرف پشت اور آخرت
 کی طرف رخ کر لو جس دنیا کو تم قریب سمجھتے ہو وہ بہت بعید ہے اور جس آخرت
 کی طرف جا رہے ہو وہ حقیقت میں بہت قریب ہے آپ سے یہی معمول ہے
 کہ کھانا کھلانے کے لیے پرہیزگاروں کی تلاش کر دو اور شمس کے لیے علماء کو
 تلاش کرو ۔ تمدنی شریعت میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ
 بہت اور دعوت کو کھانا ملتی آدھی کو کھلاؤ ۔ کیونکہ وہ کھانا کھاکر خدا کا فضل اور کرم
 عبادت کرتے گا اور اس کا قصہ بھی فائدہ ہو گا ۔ پر خلاف اس کے اگر ناسق فاجر
 کو کھلانے کے لئے وہ ناشدنی کسے گا ، گناہ کا شریک ہو گا اور اس میں نصیب بھی حصہ ہو
 گا لہذا قرآن فرماتے ہیں کہ جہاد سے میں شریک ہو کر اس سے آخرت یاد دلائی ۔ نیز
 شادی میں جانے سے گریز کر دو کہ اس سے دنیا یاد آتی ہے ، آپ نے یہی مسئلہ
 لکھا : اِنِّیْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اَعْفُفَ لِحَاکُمَا کہ وہ عینی خدا تعالیٰ سے اپنی غفلتوں
 کی معافی طلب کیا کرو ۔ حدیث میں آتا ہے کہ غور حضور علیہ السلام ایک ایک
 مجلس میں ستر ستر مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے ۔

بے گناہ
 نصیب

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو بہت سی نصیحتیں کیں جن میں سے بعض کا
 ذکر اہل آیات میں آیا ہے ۔ ان کے علاوہ بھی حضرت ابن ابی عمیر اور ابن مسعود
 پر روایات کا ذکر کرتے ہیں ، مثلاً اپنے بیٹے سے کہنا یا قَبْلَکَ اِنَّ الدُّنْیَا
 بَخْعٌ عَیْنُیْ هَلْکَ فِیْہَا خَلْقٌ کَثِیْرٌ اے بیٹے دنیا ایک گرا
 ہوا ہے جس میں بہت سی مخلوق ہلاک ہو چکی ہے ، یاد رکھو ! اس مندر کردہ نصیحت

اے تمدنی ص — ستر ستر مرتبہ

(فیاض)

ستر ستر مرتبہ

پار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا تمہارے لیے بمنزلہ کشتی کے ہے، خدا کی نجات پر بھروسہ تمہارا بادبان ہے اور اس سفر میں تمہارا ترشہ تقویٰ ہے۔ پھر اگر تم اس مندر کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو سمجھ لینا کہ اللہ کی رحمت سے بچ گئے اور اگر ہلاک ہو جاؤ تو اسے اپنے گناہوں کی شامت سمجھنا۔

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا کہ علما اور حکماء کی مجلس میں ضرور بیٹھا کرو کیونکہ علم و حکمت کے ذریعے اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ آپ کا یہ قول بھی مشہور ہے کہ اے بیٹے! میں نے بڑے بڑے پتھروں اور وزنی لوہے کو اٹھایا ہے فلنم احمیل شیئا اثقل من حبار صوفی مگر میں نے بڑے پڑوسی سے بوجھل کسی چیز کو نہیں اٹھایا۔

شکر کا اصول

ارشاد خداوندی ہے کہ ہم نے حضرت لقمانؑ کو حکمت عطا کی اِنْ اَشْكُرْ لِّلّٰهِ كَمَا اَللّٰهُ تَعَالٰی كَا شَكَرْ اِذْ اٰكْرَمَ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فہم و فراست اور عقل و دانش جیسی بلند چیز عطا کی ہے، اس انعام پر اس کا شکریہ ادا کرو اور یاد رکھو۔ وَمَنْ يَشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ جُوکڑی شکر ادا کرتا ہے۔ تو وہ اپنی ہی بھلائی کے لیے کرتا ہے۔ خدا کی ذات و صفات میں شکر کرنے سے کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَیْسَ شُكْرُکُمْ لَیْ اَزِیْدَکُمْ وَلَیْسَ کُفْرُکُمْ اِنْ عَذَابُنَا لَشَدِیْدٌ (ابراہیم۔ ۷) اگر انعام پا کر میرا شکر ادا کر دے تو میں مزید نعمتیں عطا کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کا اظہار کیا تو پھر بلا درد کھو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے، مطلب یہ کہ شکر گزاری میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ دنیا میں اس کے انعام و اکرام میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا اخلاق درست ہوتا ہے اور آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں۔

۱۶۲ درمنثور ص ۱۶۲

۱۶۳ درمنثور ص ۱۶۳

(فیاض)

فَرِيَا وَمَنْ كَفَسَ فَإِنَّ اللَّهَ عِنْدَ حَبِيبِهِ الَّذِي مَخَصَّنِي مِنَ الْفُتُورِ
 اللہ تعالیٰ بے نیاز اور تعویضوں والی ہے۔ کسی کی فتنہ سے خدا تعالیٰ کا ترکہ نہیں ہوتا
 عطا، البتہ وہ خود ہی مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، اُسے کسی کے شر یا دشمنی
 کی کچھ پروا نہیں۔ وہ ہر حالت میں تعویضوں والی ہے۔ اگر فی اس کی تعویض کرے یا نہ
 کرے۔ وہ کمال صفات کا مالک ہے اور اس کی ذات ہر عیب از غصہ پاک ہے۔

وَإِذْ قَالَ لُقْمَنُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا
تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ⑬
وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ
وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصْلُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ
اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ⑭ وَإِنْ
جَاهَدَكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ
عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفَانِ
وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ
فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑮

ترجمہ :- اور (اس بات کو یاد کرو) جب کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے اور وہ اس کو نصیحت کر رہے تھے ، اے بیٹے ! نہ شرک کرنا اللہ کے ساتھ ۔ بیشک شرک البتہ بہت بڑا ظلم ہے ⑬ اور ہم نے تاکید حکم دیا ہے انکے کو اُس کے والدین کے بارے میں ۔ اٹھایا ہے اُس کو اس کی ماں نے صنعت پر صنعت بہداشت کرتے ہوئے اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہوتا ہے دہم نے اس کو حکم دیا کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا

میری ہی طرف لوٹ کر آتا ہے (۱۴) اور ہر وہ قصہ جو
 کہیں اس بات پر کہ تم میرے ساتھ شریک کرو گے
 کہ جس کا قصہ علم نہیں، اپنے اُن کی بات نہ مارو اور
 وفات اختیار کرو، اُن کے ساتھ دنیا میں بستر کے
 مطابق، اور پسروی کرو اُس نے اسے کی جو عجز کہتا
 ہے میری طرف۔ میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر
 آؤ گے۔ پھر بتا دوں گا کہ وہ کبہ جو تم کی گرتے
 تھے (۱۵)

گذشتہ آیات میں حضرت لقمان کی حکمت کو ذکر فرمایا، اور اس ضمن میں
 اُن کو اجمالی تعارف بھی عرض کر دیا تھا۔ حضرت لقمان اللہ کے نیک بندے
 و راجس تھے۔ اللہ نے اُن کو حکمت سے دلوں پر عطا فرمایا تھا اُن کی آیات
 میں لقمان کی دو حکیمانہ باتیں بیان کی گئی ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو بطور نصیحت
 کی تھیں۔ ان نصائح میں اولین نصیحت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک
 نہ بناؤ اور ہی اُن کے حکیم ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ انہوں نے شرک کی
 جگہ پر غلطی نہ کی تھی۔

ارشادِ بڑا ہے اس بات کو یاد کرو وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ جب کہ
 لُقمان نے اپنے بیٹے سے۔ وَكُنْ عَلِيمًا اس مال میں کہ آپ اس کو
 نصیحت کر رہے تھے۔ شادی اور محبت و محرم و عطا کا مطلب یہ بتا رہے
 ہیں قَهْرُ الْمَدَارِكِ الظُّلُمَاتِيَّةِ بِالْأَوَّلِ الْمَعَارِفِ الْقُدْسَانِيَّةِ
 یعنی ذہنی تاریکی کو معرفت کے نور سے دور کرنا۔ یہ عقیدہ ترغیب اور ترہیب
 کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ گہرا، اچھی پسروں کی طرف رغبت و لائق ہونا

اور کبھی بڑے عقائد و اعمال کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔ بہر حال حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو اس طرح نصیحت فرمائی **لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ** اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ مفسرین کرام اس نصیحت کی بنیاد دو چیزوں کو قرار دیتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اُن کا بیٹا واقعی شرک میں مبتلا ہو اور آپ اُس سے ہٹانا چاہتے ہوں۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بیٹا فی الوقت شرک میں ملوث نہ ہو مگر اس کی قباحت کے پیش نظر باپ اپنے بیٹے کے ساتھ نہایت ہی خیر خواہی کا بردار دُکرتے ہوئے اُسے آئندہ کے لیے بھی اس کے قریب جانے سے منع کر رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ باپ کو اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت ہوتی ہے اور اس محبت کا تقاضا ہے کہ اُسے ہر اس چیز سے دور رکھنے کی کوشش کرے جو اُس کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہو۔ بہر حال آپ نے دو کلمات لفظوں میں یہ نصیحت کی کہ **بِئْسَ مَا يَفْعَلُ الْيَهُودُ** اے یہ کہ تمہارا پاؤں پھسل کر شرک کی دلدل میں پھنس جائے اور یاد رکھو **إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ** عظیم گمراہی شرک بہت بڑی بے انصافی کی چیز ہے۔

ظلم کا لغوی معنی ہے وضع الشيء في غير محله یعنی کسی چیز کو بے محل رکھ دینا۔ اس میں بڑے بڑے گناہ سے لیکر چھوٹے چھوٹے گناہوں اور لغزشوں تک آجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کفر، شرک اور دیگر کبار گناہ بھی ظلم کی تعریف میں آتے ہیں۔ قتل اور زنا جیسے بڑے افعال بھی اسی مد میں آتے ہیں۔ معمولی لغزشوں میں مثلاً یہ ہے کہ کوئی شخص جو آپس میں مسجد میں چلا جائے یا مسجد میں داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں پہلے اندر رکھ دے تو بظاہر یہ معمولی خطائیں ہیں مگر ظلم کی تعریف میں یہ بھی آتی ہیں۔ بہر حال جس طرح شرک جیسے کبیرہ گناہ کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح کفر کے متعلق بھی

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ الْقُلُوبِ وَالْأَفْئِدَةِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

لوگ ہیں۔ غرضیکہ لہذا ان کے لئے عذاب ہے کہ ان کے دل سے شریعت کے قیام کے لئے بہت بڑا نقص

کھڑا ہو شرک میں فرق ہے۔ کفر یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کی توحید، رسالت،

ان کے فرشتوں، کتابوں یا قیامت کا سہم سے انکار ہی نہ کرے اور نہ ہی یہ ہے

کہ انسان بظاہر تو اقرار کرے کہ وہ نیکو دل میں ایمان نہ ہو۔ اور شرک یہ ہے کہ کوئی شخص کسی

کی ذات کو اس قدر نہیں کرتا، جتنا اس کی ذات، صفات و عبادت میں کسی تیسرے کو شرک

بنالیا ہے۔ مثلاً محمدی دودھ لڑی کر لیتے ہیں۔ ایک دروان ہے اور دوسرا اہل بیت،

ایک غیر کا خدا ہے اور دوسرا شرک کا ایک خدا اور ایسی گریہ انکسے والا ہے اور

دوسرا تاریکی اور بلی کی۔ ہندوؤں میں ساتن دوسری فرشتے کا عقیدہ ہے کہ خدا تین ہیں

ایک پیداکرت والا، دوسرا بقا رکھنے والا اور تیسرا فنا کرنے والا۔ یہ ہیں یہاں تک کہ

تثلیث کے قائل ہیں بھروسہ کیا اور روح القدس قیروز کو الگ لیتے ہیں۔ جو سب

کے دونوں کی تہذیب الشریعہ سورۃ النور کی ابتدائی آیت میں کر دی ہے کہ سب تعزین

اس امر تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا وَتَجْعَلُ الظُّلُمَاتِ

وَالنُّورَ ۚ ذٰلِكَ آيَاتُہِ ۚ اور جس نے تاریکی اور روشنی دونوں چیزوں کو پیدا کیا۔ گویا

قدرت اور لڑکر کا خالق ایک ہی خدا ہے۔ دو مجلہ و علمہ نہیں ہیں۔ وہی الْقَیُّوْمُ

ہے جو سب چیز کو قائم رکھتا ہے۔ اور وہی الْمُبِیِّنُ ہے جو سب چیز کو کھینچ کر ثابت

لہذا ہنوز اور اخصائی کا تثلیث والا عقیدہ بھی باطل ہے۔ یہ شرک ذات میں شرک

کی نوعی برکتی۔

دوسری قسم کا شرک یہ ہے کہ کوئی شخص مخلوق میں سے کسی کو خدا تعالیٰ کی صفات

مختصہ میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے وَاللَّهُ بِكُلِّ

شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۚ اور کلمات۔ ۱۰ ہر چیز کو جاننے والا صرف خدا تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اِلٰهَ یَحْكُمُ ۚ شَیْءٌ ۚ یَحْیِیْطُ (ختمہ سجدہ - ۵۳) اور ہر چیز کو لحاظ

کرنے والا بھی وہی ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ کے علاوہ

شرک کی
تعریف

مخلوق میں سے بھی کوئی نبی، ولی، فرشتہ یا جن ہر چیز کو جانتا ہے۔ یا اُس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے تو ایسے شخص نے اللہ کی صفت میں غیر کو شریک کیا اور اس طرح شرک کا مرتکب بن گیا۔ اسی طرح صفت خالق بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے جیسے فرمایا اللہ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر - ۱۶۲) ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص مخلوق میں سے کسی کے متعلق عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ بھی پیدا کر سکتا ہے تو ایسا شخص مشرک ہو جائے گا۔ کیونکہ اُس نے صفت خالق میں اللہ کا شریک بٹھرایا۔ انتہائی درجے کی تعظیم قولی، فعلی یا جہانی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے کیونکہ معبود برحق اور نفع نقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ اب اگر اسی نظریہ کے ساتھ کسی غیر کی تعظیم کی جائے کہ وہ بھی نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے تو یہ بھی شرک ہے، نذر و نیاز صرف مالک اور خالق حقیقی کے لیے مخصوص ہے۔ اگر غیر اللہ کے سامنے پیش کی تو شرک کا ارتکاب کیا۔ (غیر کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جو نذر و نیاز دی جاتی ہے)

تدبیر بھی اللہ کی صفت خاصہ ہے یَدِ بَنِ الْأَمْرِ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (الکرسی - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ مدبر کا لفظ سورۃ النزعۃ میں فرشتوں کے لیے بھی استعمال ہوا۔ جیسے فرمایا فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا (آیت - ۵)۔ یعنی وہ امور دنیا کی تدبیر کرتے ہیں۔ مگر وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ اللہ نے دنیا کی جس ڈیوٹی پر لگا دیا ہے، وہ اس کو انجام دیتے ہیں اور از خود کوئی کام نہیں کرتے، لہذا اُن کی تدبیر بھی اللہ ہی کی تدبیر کے تابع ہے۔ غرضیکہ اللہ کے سوا کسی چیز کی تدبیر بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ایسا اعتقاد رکھے گا۔ تو وہ مشرکوں کی صف میں کھڑا ہو جائے گا۔

شرک کی بہت سی قسمیں ہیں اور اکثر و بیشتر لوگ کسی نہ کسی قسم میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ آج کل کے تعویذ گندے بھی اسی قبیل سے ہیں۔ ایسے تعویذوں میں لبا اوقات

صرف اُسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ دیکھ لیں، یہاں بھی توحید باری تعالیٰ اور والدین کے حقوق کو اکٹھا بیان کیا گیا تو فرماتے ہیں کہ والدین سے نیک سلوک کا حکم حضرت لقمانؑ بھی اپنے بیٹے کو دے سکتے تھے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ ایسا کہہ لے ہیں ذاتی غرض سامنے آتی تھی، لہذا والدین سے حسن سلوک کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اس مقام پر بڑا قیمتی نوٹ لکھا ہے کہ حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت کے بعد اور دوسری نصیحتوں سے پہلے باپ کا حق فرما دیا کہ اللہ کے حق کے بعد والدین کا حق ہے۔ باپ نے بیٹے کو اللہ کا حق بتایا تو اللہ نے اُس کو باپ کا حق بتلا دیا۔ باقی پیغمبر مرشد یا ہادی کا حق بھی اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ بھی اُسی کے نائب ہوتے ہیں۔

بہر حال باقی انسانوں میں سے ماں باپ کا حق سب پر مقدم ہے۔ اس کے بعد دوسرے انسانوں کے حقوق آتے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ میں کس کے ساتھ نیکی کروں، تو آپ نے تین دفعہ ماں کا نام لیا اور چوتھی دفعہ باپ کا ذکر کیا۔ اس کے بعد باقی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ چنانچہ جیسا کہ آیت کے اگلے حصے میں اشارہ ملتا ہے ماں کے حق کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

فرمایا ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا تاکید ہی حکم دیا اور خاص طور پر ماں کے ساتھ کیونکہ حَمَلَتْہُ اُمُّہُ وَهَنَ عَلٰی وَهْنِ اُس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے اُس کو اٹھایا یعنی دورانِ حمل ماں نے سخت تکلیف برداشت کی، اور جب بچہ پیدا ہو گیا وَفَصَلَّہُ فِیْ عَامَیْنِ اور اُس کا

ماں کا خصوصی حق

دو روز چھڑاؤ دو سال میں ہو آیت یعنی ماں نے دو سال تک بچے کی اپنے دودھ پر پرورش کی جو کہ اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ اسی لیے ہائیکہ میں مگر وہ اپنے اشک کو لپی کر بلا شکر بڑا کر دو۔ کہ میری تمہارا حقیقی خالق ہوں۔ وَلَوْلَا إِلَهُ يَدْفَعُ اور اپنے والدین کا بھی شکریہ ادا کر دو کہ وہ تمہارے اس دنیا میں گئے کا ظاہر ہی سبب بنے اور انہوں نے بچپن میں تمہاری پرورش کی۔ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الْمُنِيبِ الرَّحِيمِ مایہ سزی ہا طرف لوٹ کر آئے۔ میں تم سے پوچھ لوں گا کہ تم نے میرے حکم کے مطابق عمل کیا ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس ہائیکہ میں حکم اور والدین سے حسن سلوک کا یہ تقاضا ہے کہ ان کی قولا اور فعل کو خدمت کی جائے اگر وہ مستحق ہیں قرآن کی مالی خدمت کی جائے اور اگر غنی ہیں ترجمانی طور پر خدمت کی جائے اور انہیں کسی بھی صورت میں تکلیف نہ پہنچانی جائے خاص طور پر جب وہ بڑے ہو جائیں تو اللہ کا فرمان ہے فَلَا تَقْلُ لَّهُمْ مَا أُوتِ قَوْلَ تَتَّقُنَّ هُمْ وَلَقَدْ لَّهُمْ مَا قَوْلَ لَا كُفْرَ لَنَا (یعنی اسرائیل ۲۳) کہ انہیں اُن آیت تک نہ کہو ادا نہ ان کو بھڑکو۔ بلکہ ان کے ساتھ حسن کلام سے پیش آؤ۔ والدین کو ذہنی، جسمانی کسی طرح بھی تکلیف نہ پہنچانا حکم ہے۔

رضاعت
کام

اس آیت کریمہ میں رضاعت کا سند بھی بیان ہوا ہے کہ بچے کی دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اسے کو اربعہ سال بیان کرتے ہیں آجہم حنبلی کے نزدیک دو سال ہی ہے۔ وَلَوْلَا إِلَهُ يَدْفَعُ اور اپنے والدین سے حسن سلوک کا یہ تقاضا ہے کہ ان کی قولا اور فعل کو خدمت کی جائے اگر وہ مستحق ہیں قرآن کی مالی خدمت کی جائے اور اگر غنی ہیں ترجمانی طور پر خدمت کی جائے اور انہیں کسی بھی صورت میں تکلیف نہ پہنچانی جائے خاص طور پر جب وہ بڑے ہو جائیں تو اللہ کا فرمان ہے فَلَا تَقْلُ لَّهُمْ مَا أُوتِ قَوْلَ تَتَّقُنَّ هُمْ وَلَقَدْ لَّهُمْ مَا قَوْلَ لَا كُفْرَ لَنَا (یعنی اسرائیل ۲۳) کہ انہیں اُن آیت تک نہ کہو ادا نہ ان کو بھڑکو۔ بلکہ ان کے ساتھ حسن کلام سے پیش آؤ۔ والدین کو ذہنی، جسمانی کسی طرح بھی تکلیف نہ پہنچانا حکم ہے۔

پہلی آیت میں حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو مشرک کی قباحت بیان کر کے اس سے منع کیا تھا۔ پھر درمیان میں اللہ نے والدین سے متعلق حسن سلوک اور اُن کی اطاعت گزاری اور خدمت گزاری کا حکم دیا، مگر شرک کے متعلق فرمایا وَإِنْ جَاهِدْكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اگر تیرے والدین تجھے مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ ایسی چیز کو شرک بناؤ جس کا تمہیں علم نہیں فَلَا تَطِعْهُمَا تو اُن کی بات نہ مانو۔

اس مقام پر اللہ نے صرف شرک کے معاملہ میں والدین کی اطاعت سے منع فرمایا ہے مگر صاحب تفسیر منظر سنی اور بعض دوسرے مفسرین کہہ رہے ہیں کہ اگر والدین شریعت کے کسی بھی حکم کے خلاف مجبور کریں تو اُن کی بات نہیں مانی جائیگی۔ مثلاً والدین مجبور کریں کہ کسی فرض، سنت، مکرہ یا واجب کو ترک کر دو تو اولاد کے لیے حکم ہے کہ وہ والدین کی بات نہ مانیں، ہاں اگر کسی مباح عمل سے منع کریں مثلاً نفل پڑھنے کی بجائے اپنے پاس رہنے کا حکم دیں تو ایسی صورت میں نفل ترک کیے جاسکتے ہیں۔ اور اگر وہ کہیں نماز باجماعت کے لیے مسجد میں نہ جاؤ یا غیر اللہ کی نذر و نیاز دو تو اُن کا یہ حکم ماننے کی اجازت نہیں ہے۔

والدین سے
حسن سلوک

فرمایا والدین کے غلط حکم کا انکار کر دو، البتہ وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا دنیا میں اُن کے ساتھ دستور کے مطابق رفاقت اختیار کرو۔ اگر والدین کافر بھی ہوں تو پھر بھی دنیاوی معاملات، لین دین اور خدمت گزاری کے سلسلے میں اُن سے اچھا سلوک کر دو۔ ہمارے بزرگوں میں سے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اس حکم کی زندہ مثال ہیں۔ آپ کی والدہ آخری دم تک ہندو مت پر قائم رہی۔ اگرچہ آپ بڑی عمر کے ہو چکے تھے مگر والدہ آپ کو پیٹ بھی لیتی تھی مگر آپ اُن تک نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ماں نے ایک گلے کی قرمانش کی تاکہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اُسے دان (خیرت) کر سکے۔ مولانا نے گائے خرید کر دی اور ماں کو راضی

کیا اور بغیر مذہب میں رحمت کے وجود کے ہیئت اپنے ہاتھ رکھ، چہ زیب آپ
ہجرت کر کے افغانستان چلے گئے تو ان میں رہ گئی، یہ اسلام لایا، ان کی رہت تھی
کہ مولانا نے غیر مسلموں کا بھی پورا پورا حق ادا کیا۔

جب حضرت سید احمد اسلام لانے تو ان کی والدہ سخت ناراض ہو گئی تھی اور ان سے
قسم اٹھائی کہ جب تک سید احمد اسلام کو نہیں چھوڑے گا، کھانا نہیں کھا دیں گی، آپ نے
ان کو زبردستی کھانا کھلانے کی کوشش میں کی مگر پختہ ارادہ تھا کہ اگر وہ جھوٹ سے مر
ہی باقی ہے تو اسلام کو ترک نہیں کروں گا، بالآخر مال مجبور ہو گئی اور اس نے حضرت
سید کو دین سے ہٹانے کی کوشش ترک کر دی۔

خداوند
سہ شہاد

آگے اللہ نے فرمایا: وَاشْبِغْ سَيْدِلْ هَسَنَ آبِ الْيَمْنِ اور اس سے
لے کر آج تک کرو جزیری طرف ہجرت رکھتے ہیں، مافوقوں، مافوقوں، مشرکوں کو
بہ قبول کا اتباع نہ کرو، بلکہ ان لوگوں کے غرض قدم پر چوبی کا حقیقہ، اتباع اور عمل
تسکین اور جن میں اعلیٰ است اور جنی کا منہ پایا جاتا ہے، اس آیت سے عطا کرنا
انہ کو کہہ کر تعلیم لپی، بت کرتے ہیں، اسم ابو شعیبہ، ابو شعیبہ، ابو شعیبہ، ابو شعیبہ
کا منہ ہی تعلیم کھلا آگے، کچھ خبر نہ تھی اور اعلیٰ است کے لوگ تھے، بعض لوگ اس
تعلیم کو محاورہ قرار دیتے تھے، اپنی طرف جاتے ہیں مگر ان لوگوں میں تقویٰ اور سچو رویہ
کمال حرا اور کرم میں پائی باقی تھی، مگر انہ کو اتباع دینا پھر میں کیا جاتا ہے، یہ سچ
کھانڈ سے یہ رو لوگ تھے، سچ یہ کرنا تھے، یہ جی لوگ درجہ کامل پہنچا کر دے
ہیں، وہ شاعری کی تعلیم اس لئے کی جاتی ہے کہ آپ نہایت ہی ذہین و سمجھدار
تھے، اور اسی طرح دوسرے انہ کو کرم میں تھے، ان کا اتباع اسی لئے نہایت
تحت کیا جا رہا ہے کہ یہ اصحاب امت کے دیگر لوگوں کے نیکی اور تقویٰ میں
بڑھے ہوئے تھے اور انہ نے انہیں غیر "فہم و فہم" سے لڑائی۔

فرمایا میری طرف رجوع رکھنے والے کا اتباع کرو ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ پھر
 تم سب نے میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے فَاَنْتَبِثُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ پھر میں تمہیں بنا دوں گا جو کچھ تم دنیا میں کام کرتے ہو۔ قیامت
 والے دن تمہاری ساری کارگزاری تمہارے سامنے آجائے گی۔

يٰٓأَيُّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ
 خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَوٰتِ
 أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ
 خَبِيرٌ ۝۱۶ يٰٓأَيُّهَا أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَامْرُءًا مَّعْرُوفًا
 وَانَّهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ
 ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝۱۷ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ
 لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
 الْمُكْبِرِينَ ۝۱۸ وَاقْصِدْ فِي سَبْعِكَ وَاعْظُضْ
 مِّنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝۱۹

تو جہد اللہ سے کیجئے! بیشک اگر ہو ایک دانہ کے برابر
 کے برابر ہی کوئی چیز۔ پس ہو وہ کسی پتھر میں یا آسمان
 دے کسی گھٹنے پر یا زمین دے کسی گڑھے میں۔ اللہ
 کو اس کو اللہ تعالیٰ بیشک اللہ تعالیٰ لطیف ہے اور
 ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے ۝۱۶ اے نبیؐ اپنے
 غم نہ کرو اور حکم دو نیکی کا اور منع کرو برائی سے اور
 صبر کرو اس چیز پر جو تم پر آئے۔ بیشک یہ بات پختہ امور
 میں سے ہے ۝۱۷ اور نہ پیچھے ہٹنے کا حال لوگوں کے سامنے
 اور نہ پیچھے ہٹنے میں اترتے ہوئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ

نہیں پسند کرتا ہر اترانے والے اور بڑائی کا اظہار کرنے والے شخص کو (۱۸) اور میانہ روی اختیار کرو اپنی چال میں اور پست رکھو اپنی آواز کو۔ بیشک سب سے بڑی آواز گدے کی آواز ہے (۱۹)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمانؑ کی بعض نصیحتوں کا ذکر کیا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کیں۔ اُن میں سب سے پہلے آپ نے شرک کی قہر بیان کر کے اُس سے منع فرمایا۔ پھر اللہ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا تاہم اگر والدین کفر، شرک یا کسی دیگر خلاف شرع کام کا حکم دیں تو اُن کی حکم عدولی کی اجازت دی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ دنیا میں اُن کے ساتھ دستور کے مطابق اچھا سلوک کہتے رہو۔ اللہ نے اُن لوگوں کی پیروی کا حکم دیا جو اس کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور واضح کہ یہ بالآخر تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور وہ تمہارے سارے اعمال تمہارے سامنے رکھ دے گا۔

ربط آیات

احمال کی پیشی

گزشتہ درس میں پہلے حضرت لقمانؑ کی نصیحت تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ اب آج کے درس میں حضرت لقمانؑ کی طرف سے بیٹے کے حق میں باقی نصیحتوں کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: لَيْسَ بِيْئًا اِنَّكَ وَمَنْ يُكَلِّمُكَ مِنْ خَدِّكَ اِلَيْهِ مِيْرًا بیٹے! اگر کوئی چیر (از قہر) یا بدی، ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ہو کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کی مثال دینی ہو تو ذرہ یا رائی کے دانے کے ساتھ دی جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں بالکل چھوٹی چیزیں ہیں۔ تو فرمایا کہ اگر کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ہو فَتَكُنْ فِيْ صَفْحَةٍ اور وہ ہو بھی کسی پتھر کے اندر اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ یا وہ آسمانوں کے کسی کنارے پر یا زمین کے کسی گوشے میں ہو يَاۤتِيْ بِهَا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا، مطلب یہ ہے قیامت کو جب محاسبہ اعمال کی منزل آئے گی تو اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کو جہاں کہیں بھی ہو گا اُسے حاضر کر دے گا۔ اور ایسا

دن سب سے پہلے اسی کے متعلق سوال ہو گا۔ کہ دنیا میں نماز قائم کی تھی یا نہیں
فارسی شاعر نے بھی کہا ہے۔

روز محشر کہ جان گذار بود

اولیں پرکشش نماز بود

نماز تقرب الی اللہ کا قوی ترین ذریعہ ہے۔ یہ ایسی جامع العبادات ہے جس میں روح و دماغ
زبان اور دیگر اعضا و جوارح اللہ کی تعلیم میں مشغول ہو جاتے ہیں، گویا ظاہری اور باطنی ہر ذریعہ
سے عبادت کا ذریعہ نماز ہے، نماز میں جو مناجات اور دعائیں کی جاتی ہیں ان میں تمام نیک
لوگ شامل ہوتے ہیں جنہوں علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جب کوئی نمازی نماز میں
اَلَسَّلَامُ عَلَیْکُمْ نَا وَ عَلَیْکُمْ عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ پڑھتا ہے تو اس کا اثر ارض و سما
میں ہر نیک بندے تک پہنچتا ہے، نماز میں تمام اہل ایمان، فرشتوں اور نیک جنات
کا حق ہوتا ہے۔ جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ تمام بندوں کا حق ضائع کرتا ہے۔

نماز انفرادی عبادت بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ یہ انفرادی عبادت اس لیے ہے کہ اس کے
ذریعے ہر نمازی کی ذاتی اصلاح ہوتی ہے۔ اور اجتماعی فریضہ اس لحاظ سے ہے کہ نماز کا
قیام ہر اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب ازالۃ الخفا
میں لکھتے ہیں کہ ہر سلطان خلیفہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مساجد تعمیر کرے، ان میں امام
مقرر کرے اور نماز باجماعت اور جمعہ کا اہتمام کرے۔ دینی تعلیم کا بندوبست کرے
اور حصول انصاف کے لیے شرعی عدالتیں قائم کرے۔ حدود کو قائم کرے، دین کی تبلیغ
کا انتظام کرے، ملکی سرحدوں کی حفاظت کرے وغیرہ بھی فرائض خلافت میں شامل ہیں۔
آج کل تو نظریہ بدل چکا ہے اور امور سلطنت اور امور دین کو الگ الگ چیز سمجھا جاتا ہے
مگر حقیقت میں یہ سب ایک ہی چیز کے مختلف شعبے ہیں۔ جس طرح دیگر امور سلطنت
انجام دینا حکومت کا فریضہ ہے اسی طرح نماز کا قیام بھی حکومت کے فرائض

یہ کام سرانجام دیں۔ اور عوام ان اس کا فرض یہ ہے کہ وہ دل سے ہی ٹکی کر اچھا اور برائی کو بڑا سمجھیں۔

علمائے حق نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہمیشہ ادا کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں بڑی بڑی تکالیف برداشت کی ہیں۔ دنیا میں ایسے حکمران بھی گزرے ہیں کہ اگر کسی عالم نے یہ فریضہ ادا کیا تو حکم دیا کہ اس کے دانت اکھاڑ کر اس کے سر میں ٹھونک دو۔ کہتے ہی اللہ ولے گزرے ہیں جنہیں اس راستے میں جاہل شہادت قورش کمر ناپڑا۔ منکرات ہماری سوسائٹی کا جزو بن چکے ہیں جس میں برائی کو برائی سمجھا ہی نہیں جاتا۔ آج فلم انڈسٹری کے خلاف آواز بلند کروا کون سنے گا؟ سریانی، فحاشی، عیاشی، قمار بازی وغیرہ اپنے عروج پر ہیں مگر ان کی روکنے کی ہمت کس میں ہے؟ یہ تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان قبیح چیزوں کا قلع قمع کرے مگر وہاں بھی مصلحتیں آڑے آرہی ہیں۔ بہر حال حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نصیحت بھی کی۔

انہوں نے بیٹے سے یہ بھی کہا وَاصْبِرْ عَلٰی مَا آصَابَكَ بِئِذَا هَرَّ
پیش آمدہ تکلیف پر صبر کرنا۔ راہ حق میں لوگ تمہیں طعنے دیں گے، ماریں پیٹیں گے
ذہنی تکلیف دیں گے مگر تم صبر کا دامن نہ چھوڑنا۔ دیکھو! خود حضور علیہ السلام اور
آپ کے صحابہؓ نے دین کی راہ میں کس قدر تکالیف برداشت کیں مگر زبان پر حرف
شکایت نہ آیا۔ یہ بڑی کٹھن منزل ہے جس پر ثابت قدم رہنا اور حوصلہ نہ ہارنا۔
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ یہ سب سخت باتوں میں سے ہیں عزم الامور
کا معنی یہ ہے کہ دین میں یہ ٹوکھ چیزیں ہیں جن پر سختی سے کاربند ہونا ضروری ہے۔
اقامتِ صلوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور مصائب میں صبر کرنا، تاکیدِ احکام
میں شامل ہیں۔ اس کا دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیشک یہ چیزیں حوصلے کی بالو
میں سے ہیں۔ ہر آدمی ان امور پر حاوی نہیں ہو سکتا۔ ان کاموں میں وہی پورا اترتے ہیں۔
جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے۔

صبر کی
ترغیب

تجربہ کی
محنت

اس کے بعد بیٹے فرمایا: لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ اور لوگوں
کے سامنے اپنے گالوں کو نہ تھکھڑو نہ جھلاؤ کہ تمہیں کتنا غرور اور تجرہ کی محنت
سمجھا رہا ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ واصل معہ اوٹوں کی ایک بھائی کا دست
جس کے دوران اوٹ اپنی گردن کا اوپر کی طرف اٹھاتے اس لفظ کو چاروں طرف
پر تجرہ کے لیے ہی استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ غرور آدمی عام طور پر اپنی گردن
اونچی کر کے ہٹاتا ہے۔

حضرت علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جس شخص نے اپنی گردن اونچی کی نہ اس
کو دلیل کرے کہ اس میں کتنا راضع انبیاء کی نہ اس کو عزت بخشنے کو۔ اپنے آپ کو
بڑا سمجھنا، دوسرے کو حقیر سمجھنا اور حق بات کو سنا کر اپنا تجرہ کی علامات میں سے ایک سمجھنا
نے حضرت علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں غلو کر کے سات حقیرے کہتے ہوتا
ہوں اور کبھی کبھی دو لڑکے اچھا لگتا ہے، دوسرے شخص نے کہا میں بھی لڑکی شمال
کر رہا ہوں، اچھا لباس پہنتا ہوں، لڑکیاں بہترین خبر میں رہتی ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ یہ تو
ہمال ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ و سُبْحَانَ
السَّكْبَرِ لَعَلَّكَ الْخَافِقُ وَعَمَّطُ الشَّيْءِ اللہ تعالیٰ خود خوبصورت ہے، اور
خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، البتہ تجرہ ہے کہ حق کو ٹھکرانے اور لوگوں کو حقیر جانے

چال میں
میان میں

فرمایا: تَجَرُّوا طَرِيقَهُ سے چنے گالوں نہ پھیلانے وَلَا تَعْلَشُ فِي الْأَرْضِ
مستحق اور زمین پر اترتے ہوئے نہ پیو، یہ بھی تجرہ کی نشانی ہے اور یاد رکھو
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ بیشک اللہ تعالیٰ غرور اور بڑائی
اعتیار کرنے والے آدمی کو پسند نہیں کرتا بلکہ اسے تو عاری از انکسالی پسند ہے
پانچویں صفت ایمان نے بے گریہ سمیت کہا وَأَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ
اپنی چال میں زیادہ حق اعتیار کرو، غرور آدمی زمین پر لڑکھو جاتا ہے اور پاؤں دور

سے آتا ہے مگر تم ایسا نہ کرنا کیونکہ یہ سخت ناپسندیدہ چیز ہے۔ خود حضور علیہ السلام کی چال اگرچہ تیز ہوتی تھی مگر آپ آگے کی طرف جھکے ہوئے نظر آتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی ڈھلوان سے اتر رہے ہیں۔ آپ قدم کو گھسیٹ کر نہیں بلکہ اٹھا کر رکھتے تھے یہ آپ کی تواضع کی علامت تھی۔ طبیعت کے خلاف نہ بہت چیز چال چلنا اچھا ہے اور نہ بہت سست بلکہ میانہ روی ہی بہتر ہے۔ خدا تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے نہ کہ اکثر۔

سک السلوک محلے بزرگ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کو تپڑ چلتے ہوئے قدرے جھک کر جاتے تھے، کسی نے دریافت کیا، اے علیؑ! کیا تمہاری پشت پر کوئی بوجھ رکھا ہے جو اس قدر جھکے جا رہا ہو؟ فرمایا، میں جھک کر کیوں نہ چلوں کہ میری پشت پر اتنا بڑا بوجھ ہے جس کو اٹھالے سے زمین، آسمان اور پہاڑوں نے بھی انکار کر دیا۔ مگر حَمَلَهَا الْإِنْسَانُ (الاحزاب ۷۲) اس بوجھ کو انسان نے اٹھالیا۔ یہ انسان کے مکلف ہونے کا بوجھ تھا جو اس نے اٹھالیا۔ تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں شریعت کے منشا اور حضور علیہ السلام کی سنت کے مطابق جھک کر چلتا ہوں۔

حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو چال میں میانہ روی اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا وَإِغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اپنی آواز کو پست رکھا کرو۔ آواز کو بلا ضرورت بلند نہ سمجھنا پسندیدہ فعل ہے۔ اللہ نے بطور تشبیہ فرمایا إِنَّ الشَّكْرَ لَا صَوَاتٍ لَصَوْتِ الْحَمِيرِ بیشک آوازوں میں سے قبیح ترین آواز گدھے کی ہے۔ جو آدمیوں کے لیے سخت مکروہ ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب مرغ فرشتے کو دیکھتا ہے تو آواز نکالتا ہے۔ لہذا جب مرغ کی آواز سنو تو اللہ کا فضل مانگو۔ اور جب گدھا شیطان کو دیکھتا ہے تو سخت ناگوار آواز نکالتا ہے، لہذا ایسے وقت میں شیطان اور اس کے وساوس سے خدا کی ذات کے ساتھ پناہ پکڑا کرو۔ غرضیکہ ان کو بلا وجہ

آواز کی
پستی

۱۔ روح المعانی ج ۹ ص ۲۱۱ ۲۔ سک السلوک ص

۳۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۲ و تفسیر ثعلبی ج ۲ ص ۲۱۱ (فیاض)

آواز بلند کر کے استرا کرنا چاہئے۔

یہ تمام برائی اور اخلاقی نصیحتیں ہیں جو حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو کہیں
مگر تمام نئی نوع انسان کے لیے نیاں طور پر کہا۔ آمد ہیں۔ حضرت لقمانؑ بڑے
حکیم یعنی دانشور آدمی تھے۔ اور دانا آدمی وہی ہوتا ہے جو قیود پر کام بند ہو۔ اور
شرک سے متغیر ہو۔ اس باپ کا خدمت گزار اور اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانتا ہو
دانا آدمی وہ ہے جو نماز پڑھتا ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فریضہ ادا کرتا
ہو، مصائب پر صبر اور تجسس پر زہر کرتا ہے۔ الیا شخص زمین پر اترا ہو نہیں
چلتا اور اپنی آواز کو بھی پست رکھتا ہے۔ سب حکیمانہ باتیں ہیں جو سب کے
لیے ضروری ہیں۔ ان نصائح پر عمل آ کر کامیابی کی ضمانت ہے۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَاوَاتِ
 وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً
 وَبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ
 بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّبِينٍ ②۰
 وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا
 بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءُنَا أَوْ لَوْ كَانَ
 الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ②۱
 وَمَن يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
 فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ وَإِلَى اللَّهِ
 عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ②۲ وَمَن كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ
 كُفْرُهُ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا
 عَمِلُوا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ②۳
 نَسِيعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ
 عَذَابٍ غَلِيظٍ ②۴

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ایک اللہ تعالیٰ نے
 مسخر کیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے

اور جو کچھ زمین میں ہے اور پوری کی ہیں اُن سے
 تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں۔ اور لوگوں میں سے بعض
 وہ ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ کے پاس ہیں بغیر
 ہدایت اور روشنی کتاب کے (۶۱) اور جب اُن سے کہا
 جاتا ہے کہ پیروی کرو اس چیز کی جس کو اللہ نے آقا
 بنا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ ہم پیروی کریں گے اُس چیز کی
 جس پر پالا ہم نے اپنے اباؤ اجداد کو اگرچہ شیطان اُن
 کو جلا ہے دوزخ کے عذاب کی طرف (۶۲) اور جو شخص
 تابع کہے گا اپنے چہرے کو اللہ کے اور وہ
 بھی کرنے والا ہو، پس بے شک اُس نے پلا یا
 ہے مضبوط کڑا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اہم
 سب کاموں کا (۶۳) اور جس شخص نے کفر کیا۔ پس
 زعفران ڈالے تھکوا اُس کا کفر۔ ہماری طرف ہیں اُن
 کا لوٹ کر آنا ہے۔ پس ہم اُن کو بتا دیں گے
 جو کچھ وہ عمل کرتے تھے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جاننے
 والا ہے سینوں کے رازوں کو (۶۴) ہم غاڑہ پنچائیں
 گے اُن کو تھوڑی مدت تک۔ پھر ہم اُن کو بھجوا
 کریں گے سخت عذاب کی طرف (۶۵)

بعد آیت

گزشتہ رکعت میں حضرت لقمان کی کچھ نصیحتیں بیان ہوئیں جن میں سے
 اولین نصیحت توحید باری تعالیٰ پر استقامت کے متعلق تھی۔ شرک کو غلط طریقہ
 قرار دیا گیا۔ اور اس سے بچنے کی تلقین کی گئی۔ پھر والدین کی فرمانبرداری کا حکم
 دیا اور ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر وہ شرک پر آمادہ کریں تو ان کی بات نہ مانو
 ایسی صورت میں والدین کی نسبت اللہ کا حق مقدم ہے کہ اُن کے ساتھ کسی

کو شرک نہ بنایا جائے۔ اس کے بعد محاسبہ اعمال اور اللہ تعالیٰ کی صفات علی وسعت کا ذکر ہوا۔ پھر نماز کی تاکید ہوئی اور ساقی ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی کہا مصائب پر صبر کرنا، غرور و تکبر سے بچنا اور زمین پر اترتے ہوئے نہ چلنا، اپنی چال میں میاں روی اختیار کرنا، اور آواز کو بھی پست رکھنا۔ یہ سب اخلاقی تعلیمات اور بیش قیمت نصیحتیں ہیں جو لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو کیں۔

تسخیر ارض و سما

جیسا کہ میں نے عرض کیا حضرت لقمانؑ کی نصائح میں سرفرست توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے متعلق نصیحت تھی۔ اب اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعض عقلی دلائل پیش کیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْمَاءَ تَرَوْنَ اے مخاطبین! کیا تم نے نہیں دیکھا؟ رویت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بصری اور دوسری قلبی۔ اس مقام پر رویت قلبی مراد ہے کہ کیا تم نے غور نہیں کیا، یعنی اس چیز کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی کہ اِنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

تسخیر کا معنی کسی چیز کو تابع کر دینا ہوتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو کوئی چیز براہ راست کسی شخص کے قبضہ میں آئے دی جاتی ہے کہ جس طرح چاہے اُسے استعمال کرے یا اُس سے کام لے۔ جب جانور یا زمین پر کسی آدمی کے تصرف میں ہوتی ہے تو وہ زمین میں کاشتکاری کرتا ہے اور اُس سے پھل اور اناج حاصل کرتا ہے یا اس پر تعمیر کرتا ہے۔ اسی طرح جانوروں کو باربرداری یا کاشتکاری کے لیے استعمال کرتا ہے، اُن کا دودھ اور اُون حاصل کرتا ہے اور بعض کو ذبح کر کے اُن کا گوشت بھی استعمال کرتا ہے۔ تسخیر کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی چیز کو براہ راست کسی فرد واحد کے سپرد تو نہیں کیا جاتا بلکہ اُسے خاص ضابطے کے مطابق کام میں لگا دیا جاتا ہے جس سے انسان اور جانور مستفید ہوتے ہیں۔

نعمتیں ہیں جن کے بغیر انسان جانوروں سے بھی بدتر بن جاتا ہے۔ اللہ نے ایسی ایسی کمال ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کی ہیں کہ انسان کسی ایک نعمت کا بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ مگر یہ اس کی قسمتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا ناشکر گزار بنتا ہے اور اس کی ذات، صفات اور شان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی توحید کو مانتا ہے۔ بہر حال اللہ نے واضح کر دیا کہ میں نے تو انسان کو عطا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اب انسان ان چیزوں سے کس حد تک فائدہ اٹھاتا ہے، یہ اس کی اپنی مرضی پر موقوف ہے۔

دلائل توحید

ظاہری اور باطنی انعامات کا مقصد تو یہ تھا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے مگر صورت حال یہ ہے وَمِنَ النَّاسِ أُولَٰئِكَ

بعض ایسے بھی ہیں مَن مَّجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى

وَلَا كِتَابٍ مِّنْ يَّجُوزُ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔ اللہ نے اس مقام پر ان تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ لوگ توحید خداوندی کا انکار کرنے کے شرک میں مبتلا ہوتے ہیں مگر علم، ہدایت اور روشن کتاب میں سے اپنے حق میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔

پہلی چیز علم ہے جس سے عقلی دلیل مراد ہے کہ کافر اور مشرک شرک کے حق میں کوئی عقلی دلیل پیش نہیں کر سکتے جس کی بنیاد پر وہ دوسروں کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ پچھلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں بہت سے دلائل پیش کیے ہیں۔ ان میں ارض و سما کی تخلیق، پہاڑوں کو کاڑھ دینا،

آسمان کو بغیر ستون کے کھڑا کرنا، جانوروں کو زمین میں بکھیر دینا، بارش اتار کر اس سے بارونق اور عمدہ قسم کے پھل، پھول اور اناج پیدا کرنا شامل ہے۔ یہ

سب عقلی دلائل ہیں جن میں غور و فکر کرنے کے انسان توحید الہی کو سمجھ سکتا ہے مگر اس کے برخلاف شرک کے حق میں کوئی بھی عقلی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔

دوسری چیز کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ بغیر ہدایت کے اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔ ہدایت سے مراد عقلی دلیل ہے جو انبیاء کی وحی و

سے وہی الٰہی سے حاصل ہوتی ہے، بالکلے، رابین اور نیوٹن لوگوں میں
 قہم و فخر است اور عقلوں لوگوں سے حاصل ہوتی ہے، انسانیت کی پوری تاریخ شاہد
 ہے کہ ان شرک کے برگزیدہ شیعوں نے ہمیشہ توحید کی طرف دعوت دی اور شرک کی
 تردید کی۔ ائمہ اربعہ و انشور اور عقلوں لوگ ہی توحید کا سبق پڑھاتے تھے ہیں۔
 ایسے لوگ ہر زمانے میں موجود تھے ہیں جو توحید کی دعوت دیتے تھے یہ سچ آپ
 کو کہہ کر ہی وہ انشور جھلنے، ٹھیکہ اور صاحب علم آدمی نہیں ہے مگر جو شرک کی دعوت
 دیتا جو تو معلوم ہوا کہ شرک کے حق میں نقل و حمل ہی کوئی نہیں ہے،

تیسری چیز جو کتاب ہے جس کے ذریعے کسی چیز کے حق میں اس کے
 تفاوت دلیل پڑی جاسکتی ہے اللہ تعالیٰ نے چار مسئلے کن ہیں اور بہت سے
 عینے اپنے انبیاء پر نازل فرمائے ہیں، ان سب میں توحید کی دعوت کوٹ کوٹ
 کر مبعوث ہوتی ہے اور بلکہ مگر شرک کی قیامت بیان کر کے اس سے منع کیا گیا
 ہے۔ اس آخری کتاب قرآن پاک ہی کو ہے جس کا کوئی ورثہ، کوئی سوراہ اور
 کوئی پارہ ایسا نہیں ہیں وہیں توحید نہ دی گیا ہو اور شرک کی تردید نہ کی گئی ہو یہی
 حال دوسری کتب کا وہ یا درصالحات کا ہے مگر ہر مبعوث شرک کی طرف مائل
 مسموٹاتے ہیں حالانکہ ان سے پاس نہ گورہ میں روٹوں میں سے کوئی دلیل بھی نہیں
 ہے۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی توحید پر لاکھوں اور کھروڑوں عقلی اور نقلی
 دلائل موجود ہیں کہ وہ وسوسہ لا شرک ہے۔

آپ کو یاد
 کی اندھی گھبراہ

اللہ نے ایسے ہی بہت دوسرے لوگوں کے متعلق فرمایا: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ
 تَبِعُوا هَٰذَا أَمَرُوا بِاللَّهِ حُبِّ ان سے کہا جاتا ہے کہ تم میرے
 کرو جو اللہ نے ان کی ہے یعنی اللہ نے کتاب، دین، ہدایت، شریعت اور
 عام احکام نازل فرمائے ہیں، ان پر عمل کرو، هَٰذَا الْوَسِيلُ نُسَبِّحُ مَا وَجَدْنَا
 تَلْکَ اٰیَاتِنَا تَوْکِیۡتَہِمْ ہیں کہ ہم تو اس چیز کا اتباع کریں گے جس پر جو ہے اپنے
 باپ دادا کو پایا، وہی الٰہی کو جس کو بعض آباء و اجداد کے حلقے پر چلا ہی ان میں

تقلید کہلاتی ہے۔ ایسے لوگ نہ کسی نبی کو مانتے ہیں اور نہ کسی کتاب کو اور نہ کسی نیک شخص کے اتباع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں بلکہ اپنے باپ دادا کے طریقے کو ہی اول و آخر سمجھ لیتے ہیں، اور اُس کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

آباؤ اجداد کی تقلید اس صورت میں تو جائز ہے کہ وہ اللہ کے نبی یا نیک صالح اور اللہ کے لوگ ہوں۔ جیسے یوسف علیہ السلام نے قید خانے کے دوران کہا تھا۔
 وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مَا كَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ (یوسف ۳۸) میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا اتباع کرتا ہوں اور ہمارے لیے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مقرر کریں وہ تو اللہ کے نبی اور مہدی برحق تھے۔ ایسے لوگوں کے نقش قدم پر چلنا تو باعثِ فخر ہے، یہ تو عین سعادت ہے۔ لیکن اگر آباؤ اجداد شرکیہ، کفریہ اور معصیت والے راستے پر ہوں تو اُن کا اتباع اندھی تقلید ہوگا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کا اتباع کریں گے اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ اگرچہ شیطان اُن کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو، تو کیا پھر بھی انہی کے نقش قدم پر چلو گے؟ یہ تو بڑی بد بختی کی بات ہے۔ سورۃ فاطر میں فرمایا کہ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے اور اُسے دشمن ہی سمجھو اِنَّهَا يَدْعُوْا حِزْبًا لِّىْ كُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (آیت ۶۰) وہ تو اپنے گروہ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع کر کے جہنم کے عذاب کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ لہذا بغیر سوچے سمجھے آباؤ اجداد کی تقلید نہ کسی عقلی دلیل سے ثابت ہے، نہ نقلی دلیل سے اور نہ کسی کتاب سے سورۃ بقرہ میں فرمایا گیا اَبَاؤُاِجْدَادُكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَبَاؤُاِجْدَادُكُمُ لَا يَقْلُوْنَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُوْنَ (آیت ۱۷۰)

اگرچہ تھیں بے باپ و اکل و عقل نہ رکھتے جنوں اور نہ ہی وہ ہدایت کے راستے پر چلے
 کافر، مشرک اور باطل پرست لوگ ہمیشہ اپنے لہذا ایداد کی رسوم پر جمے رہتے تھے
 ہیں۔ مشرکین نے بھی کہنے تھے کہ قصی ابن کلاب جیسے بڑے بڑے لوگ ہم سے
 ہیں۔ ہم ان کا طریقہ کیوں چھوڑیں۔ یہ لوگ ہمارے سردار اور بڑی حیثیت کے مالک
 تھے۔ ہم سب انہی کے متبع ہیں کیونکہ وہ کوئی بڑی قوم تھے۔ تم بڑے مولود آگئے ہو ہیں
 ہمارے طریقے سے روکنے والے آتے ہیں مشرک اور عجمی لوگ اپنے بڑوں کو بطور رسد
 پیش کرتے ہیں کہ یہ کام فلاں بزرگ کا ایکاد کر رہا ہے، کیا وہ کوئی کم عقل تھا، اور پھر
 اس کے ماننے والے ہزاروں لاکھوں ہیں، بھلا وہ کیسے غلط ہو سکتے ہیں؟ پس باطل
 دلیل ہے، کوئی ملکی یا علاقائی رسم و رواج یا ریلواری اور فائدان کا طریقہ استناد نہیں
 ہو سکتا۔ لہذا مشرک کے ارتکاب میں یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔

یہاں کا
 منظر غور

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، یٰۤاَکْکَرُ! وَمَنْ يَّمْلِكُ فِیْ سَمَوَاتٍ وَجْہَہٗ اِلَیَّ
 اللہ جس نے اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا۔ چہرے کا ذکر کر کے
 ذات مراد لی جاتی ہے کیونکہ چہرہ انسان کا محترم ترین عضو ہے، حواس ظاہر اور
 باطن اس سے خارج ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے ساتھ عاجزی کے اظہار کے
 لیے ایسی خدمت جو کم از کم پر رکھ کر سمجھ دیا جاتا ہے۔ اس میں موجودہ رواج ہے جو
 توڑنے والے کو کم کر دیتے اور انسان کی شکل و صورت میں اسی حصے سے ممتاز کرتے ہیں
 توڑ دیا جس نے اپنے چہرے یا ذات کو خدا کے برابر کر دیا وہ تو تجسّس اور وہ
 شخص برہمنی بنی کر کے والا، تو سمجھ لو فقط استغناء بالعدوۃ والوفاقی
 کہ اس نے عضو کو کلمہ کو بچھڑایا۔ یہ کوڑا چھوٹ تو کلمہ سے منکر ٹوٹ نہیں سکتا۔
 حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے خواب دیکھا کہ
 وہ کسی اونچے ستون پر چڑھے ہیں اور کلمہ کو ہاتھ میں تھا۔ جب
 انہوں نے یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا تو آپ علیہ السلام نے
 فرمایا کہ تم نے عضو کو کلمہ کو بچھڑا لیا ہے، تم اہل جنت میں سے ہو، اللہ تعالیٰ

کافران بھی ہے۔ وَيُؤْمِنُ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى
 لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرہ ۲۵۶) جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اس نے گویا
 مضبوط کڑے کو پکڑ لیا جو ٹوٹے گا نہیں تو فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ
 کے تابع کر لیا، اور اس کام میں انبیاء ہمیشہ پیش پیش ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم
 علیہ السلام کے واقعوں میں بھی آتا ہے اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ
 لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (البقرہ ۱۳۱) جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے
 اطاعت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے عرض کیا، مولا کریم! میں ہمہ تن مطیع اور فرمانبردار
 ہوں۔ تو جس کام کا حکم دے۔ میں بسر و چشم تعمیل کے لیے تیار ہوں۔ جب کوئی
 شخص اس حال میں اطاعت گزار بن جائے گا تو یقیناً کامیاب ہوگا۔ وَالِی
 اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے
 قیامت والے دن جب اللہ تعالیٰ کے حضور حساب کتاب کی منزل آئیگی، تو ہر
 چھوٹا بڑا اور نیک و بد عمل حاضر کر دیا جائیگا اور پھر اپنی کے مطابق خدا تعالیٰ
 کی عدالت میں فیصلے ہوں گے۔

کفر کا انجام

فرمایا وَهَمَّ بِكَفَرٍ اور جس شخص نے کفر کیا یعنی توحید کا انکار کیا، رست
 اور کتب سماویہ کا انکار کیا اور روز جزا کو جھٹلادیا، تو اے نبی علیہ السلام فَتَدَّ
 یَحْزَنُكَ كُفْرُهُ ایسے شخص کا کفر کرنا آپ کو زیادہ غم میں نہ ڈالے کیونکہ اَلْبِنَا
 مَرْجِعُهُمْ اَنْ سَبَّ كُوہاری ہی طرف لوٹ کر آتا ہے فَذَبَّ عَنْهُمْ مِّنَ
 عَذَابِہُمْ اِیْمًا اَنْ كَرِهَ اللّٰهُ لِهٰذَا الصَّدُورِ بیشک اللہ تعالیٰ
 سینوں کے راز بھی جانتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ زبان پر آنے سے پہلے دل کی بات کو
 بھی جانتا ہے۔ وہ لوگوں کے انجام دیے ہوئے کاموں سے کیسے غافل ہوگا؟ وہ
 تمام مخفی چیزوں کو بھی جانتا ہے، لہذا ہر شخص کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہی
 جزا اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔

مفسر قرآن مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ دوسروں کو ہدایت پر لانے کے لیے ایک خاص مہم کو سرش کرنا ضروری ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی ایمان نہیں لائے تو اس کے پیچھے زیادہ نہیں پڑنا چاہیے کیوں کہ معاملہ اس قدر ہے کہ جو دنیا چاہیے، وہ خود ایسے شخص سے نہیں ملے گا۔ یہاں یہ بات فرمائی ہے کہ جو لوگ کھانے کے باوجود حق کی طرف نہیں آتے، آپ ان کے بارے میں زیادہ فکر نہ کریں کیونکہ لَنَجْزِيَنَّهُمْ قَلِيلًا ہم انہیں قصور سے عرصہ کے لیے فائدہ پہنچائیں گے۔ اس دنیا کی زندگی کے دس میں، پچاس، سو سال تک دنیا کی مجبونیوں سے مستفید رہیں، مال و دولت سے دل بہلائیں ثُمَّ لَنَقْصُرَنَّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ مُّضِلٍّ پھر ہم انہیں شدید عذاب کی طرف کٹاں کٹائیں گے۔ وہ ایسا سخت عذاب ہوگا، جو ناقابلِ برداشت ہوگا، مگر برداشت کرنا پڑے گا۔ جس قسم کا جرم کیا ہوگا، اسی مناسبت سے سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یہ دنیا کا مفاد تو بہر حال ختم ہونے والا ہے جو کہ بالکل ہی ٹھیک ہے، مگر آخرت میں نضر کرنے والوں کو شدید عذاب کا القہر بن ہوگا۔

وَلَيْنَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
 لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ
 لَا يَعْلَمُونَ ٢٥ إِنَّ اللَّهَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ٢٦ وَلَوْ أَنَّ مَا فِي
 الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ
 مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ
 اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ٢٧ مَا خَلَقَكُمْ
 وَلَا بَعَثَكُمْ إِلَّا كُنْفُسٍ وَأَحْدَقُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ
 بَصِيرٌ ٢٨ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي
 النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ
 الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَى أَجَلٍ
 مُسَعًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ٢٩
 ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ
 مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ
 الْكَبِيرُ ٣٠

توجہ نہ اور اگر آپ ان لوگوں سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو البتہ ضرور کہیں گے نہ لوگ کہ اللہ نے۔ آپ کو دیکھئے سب قومیت اللہ کے لیے ہے، بلکہ اکثر ان میں سے علم نہیں رکھتے (۲۵) اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی غنی اور قویوں والا ہے (۲۶) اور اگر ہر جانب جو زمین میں درخت ہیں غنیں، اور سمندر اُس کی سیابی دین جائیں، اس کے بعد سست مزید سمندر اُس کی مدد کریں، تو نہیں ختم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات، بیشک اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک اور حکمتوں والا ہے (۲۷) نہیں ہے قصار پیدا کرنا اور نہ قصار دوبارہ اٹھانا مگر ایک نفس کی طرت بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سنا ہے اور دیکھا ہے (۲۸) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں، اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اُس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک جلتا ہے ایک مقررہ وقت تک، اور بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اُس کی خبر رکھنے والا ہے (۲۹) یہ اس وجہ سے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے، اور جس کو یہ لوگ پکارتے ہیں اُس کے سوا، وہ باطل ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب سے بلند اور مہربانی والا ہے (۳۰)

اس سورہ مبارکہ میں زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی توحید اور بعثت بعد الموت

کا منہ ہی کھجایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ کے آغاز میں قرآن حکیم کی حقانیت اور صداقت اور اس کے وحی الہی ہونے کا بیان تھا۔ پھر حضرت لقمانؑ کی بعض نصیحتوں کا ذکر ہوا جن میں ہر فرستادہ کی تردید ہے، اس کے بعد توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان کیے، نیز یہ بھی کہ مشرکوں کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ کسی نبی یا بزرگ کا قول اور نہ کوئی روشن کتاب ہے جس سے وہ کفر یہ اور شرکیہ عقائد کو ثابت کر سکیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا ذکر ہوا، اور یہ بھی کہ شیطان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اکثر لوگ اپنے اباؤ اجداد کی رسومات پر چلتے سہتے ہیں۔ البتہ جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر لیتا ہے اور نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ گویا دین کے مضبوط کھڑے کو پکڑ لیتا ہے۔ پھر اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کا کفر و شرک میں مبتلا ہونا آپ کو زیادہ غم میں ڈالے۔ سب نے ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے، ان کے تمام عقائد و اعمال اس کے علم میں ہیں۔ فرمایا ہم تھوڑی مدت کے لیے ان کو دنیا میں فائدہ اٹھانے کی مہلت دیں گے، اور پھر گھسیٹ کر دوزخ کے سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عقیدہ توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں کچھ دلائل ذکر کیے ہیں، اور اپنی بعض صفات کمال کو بیان کیا ہے

اِنَّ سَآءَ مَا يَصِفُوْنَ وَلَٰكِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
اور اگر انہیں ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے لَيَقُوْلُنَّ
اَللّٰهُ لَيَقْبُنَا كَيْفَ كَرِهَ الشُّرَكَآءُ يَدْعُوْنَ
بیان کی گئی ہے کہ آپ کسی بھی مشرک سے ارض و سما کی تخلیق کے متعلق سوال کر کے دیکھ لیں وہ اسے اللہ کی طرف منسوب کیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ خلق سے اپنی الوہیت کو ثابت کیا ہے کہ معبود بھی وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہے۔ اور جو خالق نہیں وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

دلائل توحید

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ صرف دہریوں کی ایک قلیل
سی تعداد ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کو خالق تسلیم نہیں کرتے بلکہ صرف ماریت پر
دیکھتے ہیں، ورنہ ہر مذہب و ملت کے ہر دگر خواہ وہ بچے یا بچہ اللہ تعالیٰ
کی صفات خلق کا انکار نہیں کرتے بلکہ خود، نصاریٰ، ہندو، مجوسی، صابی وغیرہ ہر
اللہ ہی کو خالق تسلیم کرتے ہیں۔ فرمایا اگر ایسی بات ہے قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ
ترآپ کہہ دیں کہ رب تعالیٰ اللہ ہی کے لیے ہیں۔ یٰۤاَکْفُرْهُمْ لَا یَفْلَحُوْنَ
مشرکوں میں سے اکثر لوگ بے علم اور بے سمجھ ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ کے ہر کوئی
خالق نہیں مگر اس کے باوجود اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہیں۔

تو مجھے
پتا رہے

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب حجۃ اللہ الیہ میں لکھتے ہیں
کہ توحید کے بارے میں جن میں سے دو پر تو تمام مذاہب والے متفق ہیں اور باقی
درجات میں اختلاف کر کے کافر اور شرک بن جاتے ہیں۔ توحید کا پہلا درجہ یہ ہے
کہ خدا تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی وہ ایسی ذات ہے جس کا وجود خود بخود ہے
یہ کہ کسی کا عطا کردہ۔ فرماتے ہیں واجب الوجود مستجمع لجميع الصفات
الکمال مبرا من النقص والذوال وہ ایسی خود بخود ذات ہے جو
جملہ صفات کمال کی حامل اور ہر نقص اور زوال سے پاک ہے۔ فارسی کے واجب الوجود
کا ترجمہ خدا کرتے ہیں، یعنی ایسی ہستی جو خود بخود ہے توحید کے اس درجے پر تمام
اہل مذاہب متفق ہیں۔ سوائے دہریوں کی ایک قلیل تعداد کے جو مادہ پرست
ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ توحید کا دوسرا درجہ خدا تعالیٰ کی صفات خلق سے
یعنی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہی خدا تعالیٰ ہی ہے۔ کائنات کی ہر چیز خواہ جام
ہوں یا اعراض ہر ایک کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس لیے کہ وہی ہر شے کا ذیہب

لے حجۃ اللہ الیہ ص ۶۹

(فیاض)

۵۹ حجۃ اللہ الیہ ص ۵۹

کے لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا خالق بھی کوئی نہیں، مگر ضحکہ ان دور درجہات میں سب کا اتفاق ہے۔

توحید کا تیسرا درجہ اللہ کی صفت تدبیر ہے یعنی کائنات کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ اس درجہ میں اکثر لوگ اختلاف کر کے شرک کے مرتکب ہو جاتے ہیں مثلاً ستاروں کا علم جاننے والے نجومی ستاروں کو مؤثر مان کر ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی عبادت بھی کرنے لگتے ہیں۔ عیسائی لوگ مسیح علیہ السلام کو خدا کی صفت تدبیر میں شریک کرتے ہیں۔ یہودی عزیر علیہ السلام کو اور بعض دوسرے لوگ کسی ولی، بزرگ، جن یا فرشتے کو اس صفت میں شریک کر کے مشرک بنتے ہیں۔ البتہ اہل ایمان کا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح خدا کے سوا واجب الوجود اور خالق کوئی نہیں۔ اسی طرح اس کے سوا تدبیر بھی کوئی نہیں۔ وہ ہر چیز کی تدبیر خود بلا واسطہ کرتا ہے اور اس نے یہ اختیار کسی دوسری ہستی کو نہیں دیا۔ مگر ضحکہ بہت سے لوگ تدبیر میں آکر شرک کرنے لگتے ہیں، اللہ نے اس کا ذکر قرآن میں بکثرت کیا ہے۔

توحید کا چوتھا درجہ عبادت کا ہے۔ ایک مومن کا عقیدہ تو یہی ہوتا ہے کہ عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے جو واجب الوجود، خالق اور مدبر ہے۔ مگر بہت سے لوگ کسی نبی، ولی، بزرگ، فرشتے یا جن کو بھی عبادت میں شریک کرتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی عبادت براہ راست درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی۔ جب تک درمیان میں مقررین الہی کی عبادت نہ کریں۔ ان کا یہ عقیدہ خود قرآن نے بیان کیا ہے مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر-۳) کہ ہم ان کی عبادت تقرب الہی حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے مقبول بندے ہیں، ہماری عبادت ان کی عبادت کے ساتھ مل کر درجہ قبولیت کو پہنچتی ہے، یا یہ کہ ان ہستیوں کو ہم اللہ کے ملا سفارشی بناتے ہیں۔

اللہ نے اس عقیدے کی بھی قرآن میں جگہ ملکہ ترویج فرمائی ہے عبادت
یہ ہے کہ ہر شخص کی عبادت اللہ تعالیٰ بڑا راستہ قبول کرنا ہے۔ بشرطیکہ
وہ صحیح طریقے پر کی گئی ہو، درمیان میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں ہے عبادت
کی قبولیت کے لیے واسطہ تلاش کرنا شرک کیسے جو کہ ناقابل معافی جرم ہے۔
بہر حال اس چرچے میں قوی، فعلی، بدنی، مالی اور فکری وسائے کی ضرورت میں
مختلف طریقوں سے غیر اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔

بعض اوقات اُمّ یحییٰؑ میں شرک کیا جاتا ہے یا پھر ان کے میں شرک
ہوتا ہے یا قربانی میں یا غور و گہرائی میں شرک پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ کعبت
کی پیدائش میں غیر اللہ کی نذر مان کر شرک کے متعلق ہوتے ہیں۔ یا من
بازاروں کے معاملہ میں اور جنس جنات اور ملائکہ سے استدعا کر کے شرک بن جاتے
ہیں۔ شرک کی یہ تمام صورتیں سورۃ الانعام میں بیان کر دی گئی ہیں۔

اللہ کی
صفت کمال

ارشاد ہوتا ہے: وَكَيْفَ اللَّهُ بِمَا فَعَلَ الْمُؤْمِنِينَ
اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ہر چیز اس کی پیدائش
اُسی کی ملکیت اور اُسی کے تصرف میں ہے إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ
بیک اللہ تعالیٰ ہے نیاز اور تحریضوں والا ہے، کوئی شخص اس کی تعریف کئے
یا ذکر سے وہ بہر حال تمام تحریضوں کا مالک ہے۔ اس کو کمال بالذات ہے۔
نہ کہ کسی درجہ سے حاصل کر دے۔ وہ تمام عزتوں اور غریبوں کا مالک ہے۔
وہ ہے نیاز ہے کہ وہ کسی کی پروا نہیں رکھتا۔ جو کوئی اس کے ساتھ دوسروں
کو شریک بنائے گا وہ خود نقصان اٹھائے گا۔

آگے اللہ تعالیٰ کی صفت کمال کا ذکر ہے وَلَوْ أَنفِ
الْأَرْضُ مِنْ شَيْءٍ أَفْلاَمٌ اور اگر زمین کے تمام درخت زمین بن جائیں
وَأَنْجَسُ بِسْمِ اللَّهِ اور منہ اس کی یا ہی میں تبدیل ہو جائے۔ مِنْ أَجْلِ
مَنْعَةٍ أَنْجَسُ اس کے بعد مزید سات سورتہ اس کی درجہ کے لیے آجائیں اور

ان ان جن، فرشتے، غرضیکہ ساری صاحب شعور مخلوق ان قلموں اور سیاہی کے ساتھ لکھنا شروع کر دے، تو تمام قلمیں ٹوٹ جائیں گی، سیاہی ختم ہو جائیگی۔ مگر مَا نَقِذَتْ کَلِمَاتُ اللّٰهِ الشَّرِّ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، سائنس دان کہتے ہیں، کہ دنیا میں صرف پودوں کی دس لاکھ سے زیادہ قسمیں ہیں اور درختوں کا تو شمار ہی نہیں ہے۔ ذرا انداز لگائیں کہ تمام پودے اور درختوں کی قلمیں بنالی جائیں اور تمام سمندروں کے پانیوں کو سیاہی میں تبدیل کر دیا جائے اور خدا تعالیٰ کے کلمات لکھنا شروع کر دیں تو یہ تمام چیزیں ختم ہو سکتی ہیں مگر پھر بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ اتنے کلمات اور وسعت کا مالک ہے

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ کلمات الہیہ کی تفسیر دو طرح سے کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات اس قدر وسیع ہیں جو ختم نہیں ہو سکتیں۔ اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کے کلمات اور اُس کی خوبیوں کو لکھنے لگیں تو سات سمندروں کی سیاہی لکھتے لکھتے ختم ہو جائے گی، مگر اللہ کی صفات ختم نہیں ہوں گی۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا میں کہا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثْنِیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ اے اللہ! میں تو تیری تعریف کو شمار نہیں کر سکتا یعنی کما حقہ تیری تعریف کہہ ہی نہیں سکتا، تو ایسا ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کی وسعت یا اُس کی خوبیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک اور حکمت کا مالک ہے

توحید اور صفت کمال کے مسئلہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کا مسئلہ بھی سمجھا دیا ہے ارشاد ہوتا ہے، دیکھو اِمَّا خَلْقُکُمْ وَلَا بَعْثُکُمْ اِلَّا کُنْفُسٌ وَّاحِدَةٌ نہیں ہے تمہاری اولین تخلیق

بعث
بعد الموت

اور نہ تھا۔ دوبارہ ہی اٹھنا اگر ایک نفس کی طرح۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کسی ایک
ذات کو آسانی کے ساتھ پیدا کرتا ہے، پھر اس پر موت طاری کرتا ہے اور
قیامت کو اُسے دوبارہ زندہ کر دیتا ہے، اسی طرح پوری مخلوق کے ساتھ بھی یہی
سلوک کرنا، اُس کے لیے کوئی مشکل نہیں، اس کے لیے کوئی ایک فرد یا پوری جماعت
یا قوم اور ماری کی ماری مخلوق یکساں ہے۔ اُسے پیدا کرنے، موت دینے، اور
دوبارہ اٹھانے کے لیے کوئی مشقت برداشت نہیں کرنا پڑتی، اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ
بَصِيرٌ۔ بیک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننا اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

فرمایا اس قسم کے کمالات قدرت تم پر روزِ شام ہوا کرتے ہو اَللّٰهُ
تَعَالٰی اِنَّ اللّٰهَ يُوَلِّجُ الْكَلْبَ فِي النُّهْجِ وَ يُوَلِّجُ الشَّمْسَ فِي
الْكَلْبِ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیک اللہ تعالیٰ رات کو روں میں اور دن کو
رات میں داخل کرتا ہے یعنی رات اور دن کے بعد دوسرے آتے رہتے
ہیں۔ اُس نے انسانوں کی مصلحت کے لیے شب روز کا نظام قائم کر رکھا ہے
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور سورج اور چاند کو گھوم کر رکھا ہے۔ یعنی
انہیں مسلسل ایک کام پر لگا دیتا ہے کُلٌّ فِيْ غَلَبَةٍ اَلَمْ اَجْعَلْ لَّيْلًا
مِّنْ مَّوَدَّہِ ہر ایک ایک مقررہ وقت تک چل رہا ہے یعنی جب تک اللہ تعالیٰ
کو منظور ہے یہ نظام شمسی کام کر رہا ہے گا اور اس سے شب روز اور سورتوں
کے تغیرات و تبدل پیدا ہوتے رہیں گے پھر جب یہ مقررہ مدت پوری ہو جائیگی تو
سارا نظام ورجم ورجم ہرگز نئے نظام کی آمد کا پیش خیمہ بنے گا مطلب یہ
ہے کہ جس طرح لیل و نارا درخشاں قدر کا نظام چل رہا ہے اور ہر ایک دن ختم ہو رہا
ہے گا اور نیا نظام قائم ہو گا۔ اسی طرح انسان کی زندگی کا نظام بھی چل رہا ہے پھر ایک
وقت آئیگا کہ جو بھی طور پر سب پر موت طاری ہو جائیگی اور اس کے بعد سب
کو دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا۔ پھر حساب کتاب کے لیے نیا جان تہذیب ہو گا اور
جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔ اِدْرِكُوْهُ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

خِیَیْوُ بَشِکَ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اور وہ انہی کے مطابق تمہیں بدلہ دے گا۔

فرمایا ذٰلِکَ یٰۤاَنَّا اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ یہ سب کچھ اس لیے ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے۔ اُس کی ہر بات معنی برحقیقت ہے اور اُس کا ہر وعدہ سچا ہے وہ وعدہ لاشریک ہے۔ وَ اَنّٰ مَکَیْدُ عُوْنٍ مِّنْ دُوْنِہِ الْبَاطِلُ اور اُس کے علاوہ جس کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔ ہر ماسوی اللہ فانی ہے کوئی چیز قائم و دائم نہ ہونے والی نہیں۔ یہ لوگ جس نبی، ولی، بزرگ، شیخ، مجتہد، فرشتے یا جن کو حاجت دوا یا مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ سب فانی ہیں وَ اَنّٰ اللّٰہَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بلند اور بڑائیوں کی مالک ہے، لہذا عبادت بھی صرف اُسی کی کرنی چاہیے کیونکہ اُس کے علاوہ ہر چیز باطل ہے۔

اندل ما اوحی ۲۱

درس نهم ۹

لقمن ۲۱

آیت ۲۱ تا ۲۳

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ
 اللَّهِ لِيُزَيِّدَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً
 لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٢١﴾ وَإِذَا عَشِيتُمْ
 فَمَوْجٌ كَالظُّلُمِ دَعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ
 فَلَمَّا نَجَّيْتُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ
 وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿٢٢﴾
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَآخِشُوا يَوْمًا
 يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوجًا
 عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا
 تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ
 بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جہاز بحیرہ میں
 ہے سمندروں میں اللہ کے فضل سے بہا کر وہ دکھائی
 دیتے ہیں اپنی قدرت کی نشانیاں ہیں سے۔ جبکہ اس
 میں بہت نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے اور شکر ادا کرنے
 والے کے لیے ﴿۲۱﴾ اور جب ڈھانسی ہے اُن کو
 موج سائبان کی طرح تو بہت ہے میں اللہ تعالیٰ کو غافل

اُسی کے اطاعت گزار بن کر۔ پھر جب وہ اُن کو نجات دیتا ہے خشکی کی طرف، پس بعض اُن میں سے درمیانی چال پر ہوتے ہیں اور نہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کے ساتھ مگر ہر وہ شخص جو عہد شکن اور ناشکر گزار ہوتا ہے ﴿۳۲﴾ اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار سے اور ڈرو اُس دن سے کہ نہیں کام آئے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کے لیے اور نہ کوئی بیٹا کفایت کرنے والا ہوگا اپنے باپ کے لیے کچھ بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔ پس نہ دھوکے میں ڈالے تمہیں دنیا کی زندگی اور نہ دھوکے میں ڈالے تم کو اللہ کے ساتھ بڑا دھرمیٰ ﴿۳۳﴾

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان کیے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے پہلے تخلیق کا مسئلہ سمجھایا اور اس کو الوہیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ جب خالق اللہ کے سوا اور کوئی نہیں، واجب الوجود اور مدبر بھی وہی ہے تو پھر عبادت بھی اُسی کی ہونی چاہیے، پھر اس میں دوسروں کو کیوں شریک بناتے ہو؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رست، دن، سورج اور چاند کے تغیرات کا سلسلہ بیان فرمایا کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہیں۔ خدا تعالیٰ کا علم اور قدرت لامحدود ہیں اس کی مثال اس طرح بیان کی گئی کہ اگر زمین کے تمام درخت اور پودے قلمیں بن جائیں اور ہفت اقلیم کے سمندروں کے پانی سیاہی میں تبدیل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق ان قلموں اور سیاہی کے ساتھ اُس کی معلومات یا صندوقوں کے کلمات سمجھنے لگیں تو فرمایا کہ قلمیں گھس گھس کر ٹوٹ جائیں گے، سیاہی کے تمام سمندر ختم ہو جائیں گے، مگر اللہ کی صفات ختم نہیں ہوں گی۔ اس چیز کو سعدی صاحب نے بھی بیان کیا ہے۔

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید و عمر
لہم چنان در اوّل وصف تو ماندہ ایم

نکھتے نکھتے تمام دفتر ختم ہو جائیں گے، مخلوق کی عمر بھی جواب دے جائیگی۔
 اللہ تعالیٰ کے کسی ایک وصف کا حق بھی ادا نہیں ہو سکے گا۔ ہر مال منسوب
 کہ اللہ کی ذات و صفات میں دوسروں کو شریک بنانا یا غیر اللہ کی عبادت
 کرنا باطل ہے۔ ہر چیز غائی ہے، حق اور ثابت صرف اللہ کی ذات ہے
 اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے ہی بلند و برتر ہے اور صفات کا اعتبار
 سے بھی کبیر و عظیم ہے، لہذا عبادت بھی صرف اسی کی ہونی چاہیے اور اس کے
 علاوہ کسی کو شریک نہیں بنانا چاہیے۔

کشمکشانی
 بطور ثانی

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات کمال کا ذکر کیا ہے۔
 اللہ تعالیٰ نے انسان کے روزمرہ مشاہدے میں آنے والے بعض حقائق کا ذکر
 کر کے انہیں ترمیم کے دلائل کے طور پر پیش کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔
أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلُوكَ يَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ
 کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جہازیں سمندر میں کشتیاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے
 چلتی ہیں۔ جغرافیہ والے کہتے ہیں کہ پورے کریم ارض پر صرف ایک چوتھائی
 خضکی ہے جب کہ اس کے ارد گرد چوہہ کوڑھ بیچ سیل پر پانی ہی پانی ہے۔ قدیم
 زمانے سے بکری، استوں کوڑھ لیو سفر بنایا جاتا رہا ہے۔ بڑے بڑے دریاؤں میں
 بھی ایک خاص سے درخت مقام تک کا سفر کشتی کے ذریعہ ہوتا رہا ہے۔ اور
 آج بھی بعض دریاؤں میں بڑے بڑے ٹیمر چیتے ہیں جب کہ بین الاقوامی نقل و حمل
 کے لیے ٹرینوں کو بھی ذریعہ سفر بنایا جاتا رہا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے
 زمانے میں یہ سفر باد بلی کشتیوں کے ذریعے ہوتا تھا جب کہ موجودہ زمانے
 میں لاکھوں ٹن وزنی مہا وایکاد ہو چکے ہیں جو بڑے بڑے تھیر و فاری اور نرادرہ سے
 زیادہ بوجھ اٹھانے کے لیے زیادہ کا آہ ثابت ہو رہے ہیں۔ تیل سے چلنا
 والے بڑے بڑے جہاز اور مینٹر لاکھوں ٹن سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ
 منتقل کر رہے ہیں، کئی کئی مینٹر لاکھ ٹن پر بار بار بھی ہیں مگر سمندروں کی وسعت

کے ہیش نظر ان کی حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہیں۔ جب ہوائیں چلتی ہیں ہمندروں میں طوفان برپا ہوتے ہیں تو بڑے بڑے جہاز بھی ہمندری لہروں پر تنکوں کی طرح تھپیڑے کھاتے رہتے ہیں اور بعض اوقات تمام تر انتظامات کے باوجود طوفانی لہروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور غرق ہو جاتے ہیں۔ ابھی قریب زمانے میں ہندوستان کا جہاز "وارا" ہمندری میں غرق ہوا تھا۔ اس پر بارہ سو مسافر سوار تھے۔ باہر طوفان تھا اور ادھر جہاز کے انجن میں دھماکہ ہوا، پھر کیا تھا، جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ڈوب گیا اور صرف دو اڑھائی سو آدمی بچائے جاسکے باقی سب لقمہ اجل بن گئے۔

ابھی چند سال کی بات ہے کہ فیصل آباد سے ایک صاحب اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے گوجرانولہ آئے اور کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے یہاں مسجد میں بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ وہ اٹلی کے ایک مال بردار جہاز پر ملازم تھے۔ اسی ہزار ٹن وزنی یہ جہاز کچھ ترنارٹن لوٹے کر اٹلی سے امریکہ جا رہا تھا۔ اٹھ دس غلے کے آدمی تھے جن میں دو مسلمان اور باقی انگریز تھے۔ جہاز شدید طوفان میں چنسن کر ٹہرنے لگا۔ اُس وقت اللہ کی رحمت کے سوا تمام دوا لی کام ہو چکے تھے جب بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو انگریزوں میں سے بعض نے شراب پی کر ہمندری میں پھلانگ لگا دی۔ کہتے ہیں کہ ہم دو مسلمانوں نے اللہ پر بھروسہ کر کے ایک چھوٹی کشتی کو ہمندری میں اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہم ہمندری لہروں کے تھپیڑے کھاتے رہے۔ بھلا اتنے بڑے جہاز کے مقابلے میں چھوٹی کشتی کی کیا حیثیت تھی مگر ہم اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئے تھے۔ اتنے عرصہ میں باہر کی دنیا میں اس حادثے کی خبر پہنچ چکی تھی۔ کسی ملک کے ایسلی کاپٹرنے ہمیں ہمندری سے زندہ نکال لیا اور لے جا کر ہسپتال میں داخل کر دیا ہفتہ عشرہ کے بعد ہمارے ہوش و حواس قائم ہوئے تو وطن آنے کی اجازت ملی بمطلب یہ کہ ہمندریوں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا محض اللہ کے فضل و کرم کا مرہون منت ہے، وگرنہ وسیع و عریض ہمندریوں کی سطح پر ان کشتیوں اور

جہاں زوں کی کرنی ہمیشہ نہیں ہوتی، تو فرمایا کہ مندر دروں میں چنے والی کشتیاں
 اللہ کے فضل سے ہی رواں دواں ہوتی ہیں۔ اور ان سے مقصود یہ ہے -
 لِيُؤَيِّدَ كُمْ فِي هَٰذِهِ ۖ اِنَّ اَكْبَرَكُمْ شَأْنًا لِّمَنِ اُنْفِذَتْ اَنْتُمْ
 کہ دیکھو اُس نے تمہاری زبانت کے کیا کیا سامان پیدا کر سکے ہیں۔ اگر نقل و حمل
 کا یہ مسئلہ نہ ہو تو مختلف خطوں کے لوگ سخت وقت محسوس کریں اور مختلف مقاموں
 کی پیداوار سے کتنا استفادہ کر سکیں۔

موجودہ
 کنز

فَاِذَا رَأَوْاٰ اَنَّ فِيْ ذٰلِكَ اٰيٰتًا لِّمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ شَكٌّ اَسْ
 میں نشانیاں ہیں، مگر صبر اور شکر کرنے والے شخص کے لیے۔ جو شخص مناسب مشاغل
 میں صبر کا دامن تھامے رکھتا ہے، اور نعمت سے پرندہ گالی کا شکار نہ کرتا ہے۔
 اس کی زمین درخیز ہے اور اُس کے لیے شاہداتِ قدرت واضح نشانیاں ہیں۔
 صبر اور شکر بہت بڑے اصول ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایمان کے
 دو حصے ہیں، ایک صبر اور دوسرا شکر، کوئی انسان دو معاملوں سے خالی نہیں۔ یا تو
 اُس پر تکلیف اور پریشانی کا دور ہوگیا ہے اور یا آسودگی اور خوشحالی کا۔ جب کسی
 مومن کو پریشانی لاحق ہوتی ہے تو صبر کرنا ہے اور جب خوشحالی آتی ہے تو شکر
 ادا کرنا ہے۔ صحیح معنوں میں مومن کہلانے کے حقار بھی لوگ ہوتے ہیں۔ حضور
 علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ مومن آدمی کی حالت بہت خوب ہے کہ جب اُس
 کو تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرنا ہے اور جب راحت ملتی ہے تو شکر کرنا ہے
 اس کے لیے دونوں حالتیں بہتر ہوتی ہیں۔ تاہم عام لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے
 کہ دنیا میں آکر کما کما یا اور پھلتے جاتے۔ جیسے لوگ کسی خرابی کے ہلکے نہیں ہوتے
 آخری غل بادشاہ سبازیرٹ ولفرنے بھی کہا تھا۔

ظفر سے آدمی نہ جانے گا، مگر ہر کیا ہی رہا ہے ہم نے؟

جسے پیش میں یا ورنہ نہ ہی جسے پیش میں خوفِ خدا نہ رہا

جس نے آسودگی میں شکر نہ ادا نہیں کیا اور غصے میں اس کے خوف سے کان ہو

گیا، وہ انسان کہلانے کا حقدار ہی نہیں۔

توحید کی
دلیل

آگے اللہ نے ایک مثال کے ذریعے توحید پر عقلی دلیل قائم کی ہے مشرکوں کی حالت یہ ہے وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوَاجٌ كَالظُّلُلِ جب ان کو سمندر کی موجیں بادلوں کے ساٹبان کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں۔ سمندر میں طوفان اٹھ رہا ہو، کشتی ہچکولے کھا رہی ہو اور اُدھر سے بادلوں نے سایہ تان رکھا ہو۔ ایسی حالت میں ہر آن ڈوبنے کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہو تو فرمایا دَعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الْدِّينَ اس وقت مشرک لوگ نہایت ہی اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ جب بچ جانے کے تمام ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے ہیں کسی مادی امداد کی امید ختم ہو جاتی ہے تو پھر آخر کار ساری نظریں اللہ کی رحمت کی طرف لگ جاتی ہیں کہ اب اُس کے سوا اس طوفان سے کوئی نہیں بچا سکتا، وہی ذات ہے جو ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو کنارے تک لے جائے۔ لہذا گڑ گڑا کر اُنسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

فرمایا پھر جِيبَ اللّٰهِ تعالیٰ اُن پر رحمت کی نگاہ ڈالتا ہے فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ اور انہیں خشکی کی طرف نہات دیتا ہے یعنی اُن کی کشتی ساحل تک پہنچ جاتی ہے اور وہ ڈوبنے سے بچ جاتے ہیں فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ تو اُن میں سے بعض میان روی پر سہتے ہیں۔ یعنی اگرچہ اُن میں مکمل خوف تو نہیں ہوتا، پھر بھی خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کا تصور دل میں ہوتا ہے ظاہر ہے کہ توحید کو ماننے والا میان روی پر ہوگا۔ جب کہ کفر، شرک کا مرتکب اور ناشکر گزار آدمی اعتدال سے باہر نکلنے والا ہوگا۔ تو فرمایا کہ طوفان سے زندہ بچ سنے والے بعض لوگ تو میان روی ہوتے ہیں وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كَلٌّ خِتَارٍ کفو پیر اور ہماری آیتوں کا ہر وہ شخص انکار کرتا ہے جو عمدہ کن اور ناشکر گزار ہوتا ہے۔ خیار کا معنی عمدہ توڑنے والا ہوتا ہے۔ جب طوفان میں بچنے کے لئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی خالص اطاعت کا وعدہ کیا تھا، مگر جب جان بچ گئی تو پھر وہی

شکرک، محاسنی اور رحم و راج۔

اوجھل گئے بیٹے حضرت مکر و فریب سے جس کے موقع پر بھاگ گئے تھے جہاز پر کھڑے ہو گئے مگر وہ بھی بیٹھو بیٹھو پیش کیا جب جہاز کو چانے کی تمام کوششیں اکاملاً ہو گئیں تو حلات کئے گئے کہ اب خدا تعالیٰ کے سوا ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ لہذا اسی کے ساتھ بجز گڑا گڑا دعائیں کرنا۔ اس پر مکر و فریب کے داعی پر چڑھ گئی۔ دل میں سوچا کہ آج تک تو ہم جانتے، مانتے اور غری کو پکارتے تھے، اب ان سے حاجت روائی اور غلط کٹائی کراتے تھے سزا آج جب جیٹھی غلطی میں پھنس گئے تو ہمیں خدا کے داعی کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ چنانچہ دل میں پختہ ارادہ کریں کہ اگر جان بچی تو سیدھا حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر ان کے ہاتھ میں ہاتھ ملے دوں گا۔ یہی حق تو وہ دیتے ہیں جو آج ہمیں مشکل کے وقت دیا جا رہا ہے جو رب العالمین ہاتھوں میں بچا سکتا ہے۔ وہ غلطی پر کیوں نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ حضرت مکہ میرٹھ ایمان لائے اور بہترین مسلمان بنے۔ سابقہ غلطیوں کی معافی مانگی، اسلام کی بڑھ چڑھ کر خدمت کی۔ پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک میاں میں شادی ہوئی۔ بہر حال کشتیوں کی مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ تو حیدر خاں خاں کو تسلیم کریں، اسی کو وہ بلا شکیب نہیں اور تمام حاجات میں اسی کو بچا دیں۔

جس طرح دنیا میں طوفان آتے ہیں تو ہر چیز درہم برہم ہو جاتی ہے۔ باقی اندام مال نقصان ہوتا ہے۔ البتہ ان حادثات میں لوگ ایک دوسرے کی مدد بھی کر پاتے ہیں۔ طوفان، زلزلہ، بارود، بران میں پھنسے ہوئے لوگوں کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس میں کسی نہ کسی کامیابی بھی ہوتی ہے۔ مگر ایک سب سے بڑا طوفان بھی آنے والا ہے یعنی قیامت برپا ہونے والی

قیامت کا
طوفان

ہے۔ یہ حادثہ اتنا شدید ہوگا کہ کوئی قریب ترین رشتہ دار اور یار دوست بھی ایک
دوسرے کے کام نہیں آسکیں گے، بلکہ ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی اور وہ دوسرے
کا پرسان حال نہیں ہوگا، اللہ نے اسی طامۃ الکبریٰ یعنی بڑے واقعہ کا ذکر فرمایا
ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ كَمَا تَعْلَمُونَ لعلکم ترحموا! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔
وَإِخْشَوْا يَوْمًا اور اس دن کا خوف کھاؤ لَا يَخْزِي وَالِدًا عَن ابْنٍ
وَلَا مَوْلًى هُوَ جَارِعٌ والدہ شیٹا اور نہ ہی کوئی بیٹا اپنے
باپ کی کذابت کر سکے گا۔ مطلب یہ کہ اگر کہیں بیٹا چنس گیا تو باپ نہیں
چھڑا سکے گا اور باپ چنس گیا تو بیٹا کسی کام نہ آئے گا۔ اُس وقت صرف
توحید، ایمان اور نیکی ہی کام آئے گی۔ اسی لیے فرمایا کہ اس دن سے ڈر جاؤ جب
کوئی رشتہ دار، کوئی برادری اور کوئی یار دوست کسی کی مدد نہیں کر سکے گا سورۃ قصص
میں فرمایا اس دن یہ حالت ہوگی يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ (۳۳) وَ
أُمِّهِ ۝ (۳۴) وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ (۳۵) کہ آدمی اپنے بھائی،
ماں، باپ، بیوی اور بیٹے سے دور بھاگے گا اور کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔
ایک موقع پر خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے گھروالوں سے خصوصی
خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہؓ، پھر بیٹی صفیہؓ، پھر عباسؓ کو مخاطب
کر کے فرمایا کہ آخرت کی فکر کر لو۔ میں دنیا کے مال کے ذریعے تو تمہاری مدد
کر سکتا ہوں مگر اگر توحید اور ایمان سے خالی ہوئے تو قیامت والے دن تم
کو نہیں بچا سکوں گا۔ لہذا تم خود اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی
کوشش کرو۔

ارشاد ہوتا ہے إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے قیامت
منورہ ہرپا ہوگی، حساب کتاب کی منزل آئیگا اور سب کو جزائے عمل سے دوچار ہونا
پڑے گا۔ فَلَا تَقْنَطُوا لِحَيَوَاتِكُمْ اللہ تمہارا پالنے والا ہے! تمہیں دنیا

دنیا اور
شیطان کا
دھوکہ

کہ زندگی دھوکے میں نہ ڈالے۔ بعد ازاں دنیا کے عشر و عشرت مال و متاع،
 کھیل تماشے میں مشغول ہو کر خدا تعالیٰ سے غافل نہ ہو جائے۔ یہ دنیا تو اعلیٰ ماضی اور فانی
 ہے۔ اس میں مبتلا ہو کر اپنی حقیقی منزل کو فراموش نہ کر دینا و اگر نہ سخت نقصان اٹھانا
 پڑے گا۔ **وَلَا يَغْنَصُكَ كَرُّ بِاللَّهِ الْغَنِيُّ** اور نہ ہو کرنی دھوکے اور نصیب
 اللہ کے اسے میں دھوکے میں ڈالے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ غنص غنصون
 (رع کی پیشش کے ساتھ) ہر شے چیر پیر ہو لانا ہے جو انسان کو دھوکے میں مبتلا
 کر دے، خواہ وہ دنیا ہو، کوئی انسان ہو، جن یا شیطان ہو۔ تاہم اس کا مقصد یہ
 غرور سے مراد شیطان ہے۔ یعنی خبردار رہنا کہ شیطان تمہیں جکڑ کر دھوکہ میں
 نہ ڈال دے شیطان سب سے بڑا فراڈ ہے وہ تمہیں وہلا کر توحید خداوندی،
 ایمان اور نبی کے راستے سے ہٹا کر شرک اور کفر اور عصیت کے راستے پر ڈالنے
 کی کوشش کرتا ہے، لہذا اس سے بچ کر رہنا۔ تو فرمایا کہ دیکھنا دنیا کی گنجینیاں
 شیطان کا بیکاوات ہیں دھوکے میں ڈال کر آخرت کی منزل سے غافل نہ کر لے لہذا
 خدا تعالیٰ سے ڈرو اور قیمتی مست کی فکر کرو۔

لقمن ۳۱

آیت ۳۴

اندما اوحی ۲۱

درس دہم ۱۰

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ
وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ
مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ
بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ :- بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے قیامت
کا علم۔ اور اُتارتا ہے وہ بارش۔ اور جانتا ہے جو کچھ رحموں میں
ہے۔ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ وہ کل کیا کھائے گا۔
اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کس سرزمین میں وہ مرے گا۔
بیشک اللہ تعالیٰ ہی (سب کچھ) جاننے والا اور (ہر چیز
کی) خبر رکھنے والا ہے ﴿۳۴﴾

سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قرآن پاک کی حقانیت اور
صداقت کا ذکر کیا، پھر توحید اور شرک کا مسئلہ بیان ہوا اور نعمتِ رسالت کا ذکر بھی ہو
گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفاتِ کمال اور بعض مشاہداتِ قدرت کا ذکر کر کے
انہیں اپنی توحید پر بطور دلیل پیش کیا۔ اس کے علاوہ وقوعِ قیامت، محاسبہ
اعمال اور جزائے عمل کا ذکر بھی ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ مختصہ
عالمِ الغیب ہونے کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔

ربو آیات

اس ضمن میں اُن پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے
اور کوئی دوسری ذات ان چیزوں کا تفصیلی اور واضح علم نہیں رکھتی۔ سورۃ الانعام
میں ان چیزوں کو مفتح الغیب بھی کہا گیا ہے وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

مفتاح الغیب

لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۝ آیت ۵۹ غیب کی چابیاں یا غیب کا خزانہ
 اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اہل لغت کہتے
 ہیں معراج جمع ہے مَفْعَجٌ یا مَفْعَجٌ کی اگر یہ لفظ ترکیبی ہے تو
 اس کا معنی خزانہ ہو سکتا ہے اور اگر کسرہ لاحقہ کے ساتھ قرآن کا معنی چابی ہے۔
 بہر حال مطلب یہی ہے کہ ہر قسم کے غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور کوئی
 دوسری ہستی اس کو نہیں جانتی۔

شان نزول

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ غیب کی تعداد چیزوں میں نہیں اللہ تعالیٰ
 کے سوا کوئی نہیں جانتا مگر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف پانچ چیزوں کو ذکر
 کیا کیوں کیسے؟ اہم بیفتاؤں: امام غزالی اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں
 کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص عمارت بن کر رہنے لگا جس پر علیہ السلام
 کی خدمت میں حاضر ہو کر ان پانچ ہی چیزوں کا سوال کیا تا جن کا جواب اللہ تعالیٰ
 نے اس آیت کے ذریعے دے دیا۔ اس شخص کے پانچ سوال یہ تھے کہ: ۱۔ آیت
 کب آئے گی؟ ۲۔ ارشاد کب ہوگی؟ ۳۔ بوی حاضر ہے، وہ کیا ہے؟ ۴۔ میں
 کل کیا کام انجام دوں گا؟ ۵۔ میری موت کہاں واقع ہوگی؟ مفسرین یہ بھی فرماتے
 ہیں کہ یہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو عام طور پر لوگ پیش گوئی جانتا رہتے ہیں۔ لہذا
 ان اشیاء کا ذکر بطور خاص کر دیا گیا ہے۔

دریغ
 قیامت کا
 علم

ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ عَشَدُّ عَلٰمَ السَّاعَةِ بِشَکِّ اللّٰهِ تَعَالٰی
 کے پاس یہی ہے قیامت کا علم، عربی زبان میں ساعت کا لفظ مختلف معانی
 میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی گھڑی، چھری، ہر قسم کے اور آجکل یہ لفظ گھڑی
 (WATCH) کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کا ایک معنی

لے مصباح لغات ۱۱۱ لے بیخاوی ۲۲۲
 لے معالم التنزیل ۱۱۱ لے روح المعانی ۱۱۱ تفسیر الرافعی ۲۱۱ (فیاض)

قیامت بھی ہے اور اس مقام پر یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
 اور مطلب یہ ہے کہ وقوعِ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس
 ہے۔ وقوعِ قیامت کے وقت کے متعلق سورۃ الاعراف میں ہے۔ لَا
 يُخْبِرُهَا لَوْ قُتِلَتْ إِلَّا هُوَ (آیت - ۱۸۷) اللہ تعالیٰ ہی قیامت
 کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ سورۃ الزخرف میں فرمایا ہے هَلْ
 يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ
 لَا يَشْعُرُونَ (آیت - ۶۶) کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ قیامت
 اچانک آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو؟ وقوعِ قیامت کی کچھ نشانیاں اور
 مابعد کے بعض واقعات تو اللہ نے اپنے پیغمبر کو بتلا دیے ہیں مگر اس کے وقوع
 کا عین وقت اللہ نے نہ کسی فرشتے کو بتایا ہے، نہ پیغمبر کو اور نہ کسی جن کو۔
 یہ علم صرف اُس کی اپنی ذات تک ہی محدود ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی۔
 فرمایا وَمِنْ آيَاتِ الْغَيْثِ أَنْ يُمْطَرَّ وَأَنْ يُمْسَكَ (آیت - ۱۸) جہاں
 تک بارش کا تعلق ہے تو اس کی پیشین گوئی کسی حد تک کی جاسکتی ہے
 آج کل محکمہ موسمیات والے بیرومیٹر (BAROMETER) کے ذریعے
 ہوا کا رخ اور دباؤ معلوم کرتے ہیں اور پھر اُس سے بارش کے نزول کا علاقہ
 اور وقت متعین کرتے ہیں۔ ان کی یہ پیشین گوئی بعض اوقات صحیح بھی ہوتی
 ہے اور بعض مواقع پر غلط ثابت ہوتی ہے کیونکہ بارش کے نزول کا علم
 بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ مزید برآں یہ پیشین گوئی بارہ گھنٹے،
 چوبیس گھنٹے یا اس سے زیادہ عرصہ کے لیے ہوتی ہے کوئی بھی ماہر بارش
 کے نزول کا عین وقت نہیں بتا سکتا اور نہ ہی وہ حصہ ارضی متعین کر سکتا ہے
 جس پر بارش متوقع ہے۔ یہ بھی کوئی نہیں بتا سکتا کہ فی الواقع کتنے رینچ یا کتنی
 سقداریں بارش ہوگی اور پھر یہ بھی کہ یہ مقامی طور پر مضید ثابت ہوگی یا سیلاب
 کی صورت میں نقصان کا موجب ہوگی۔ یہ تمام تفصیلات نزولِ بارش کا حصہ

نزول
بارش کا علم

ہیہ اور ان سب کا بیج جس علم اللہ کی ذات کے سوا کسی کو نہیں۔

محلہ

محل ہی ایک پرستہ و پیر ہے جس کی نوعیت کے متعلق فرما دینا
مخالف الذکر کا ہر ہی خدا تعالیٰ کا ہے کہ جنوں میں کیا ہے اس سے
عام فہم اور قوی ہے کہ اللہ کے سوا یہی کوئی نہیں جانتا کہ اس محل میں کچھ ہو یا
نہی۔ البتہ بعد و ماضی دور میں بعض آتے کہ دوست یہاں کی بعض ذرات
کے کسی حد تک اندازہ کرنا یا جانتے کو بچہ موقوف ہے یا کچھ مگر اس کی پوری
تفصیلات کوئی ماہر ترین ذکاوت بھی نہیں جانتا۔ مثال کے طور پر برصغیر و الہی
کئی علم ہائیکہ کرنا ہنر تھے کہ زندگی آسودہ ہوگی یا تنگ دہی میں مبتلا رہے
سید ہوگا یا شقی اور حتمی طور پر پیش ہوگا یا دوزخی۔ یہ ساری چیزیں ایسے ہیں جن کا
علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اسی لیے فرمادہ کہ وہی جانتا ہے کہ منزل کے
بمحل میں کیا ہے۔

نور کا
محل

اللہ نے چوتھی بات یہ فرمائی کہ تباری نفس جہاں آتے کبریا کے
کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کون کیا کہنے کو یعنی کیا کوئی ذکر ہے جو عام طور پر انسان
پہن روزمرہ زندگی کے معمولات کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور
کوئی مذہبی کوشش کو ہی بصفت و عرفیت اور اس کے مابعدی وغیرہ کو پیش کرتا ہے
کہا ہے۔ آتے کے اندر یافتہ دور میں ہر آدمی کے دور نہ ہفت وار، ماہانہ اور سالانہ
معمولات ہوتے ہیں۔ اور کوئی شخص آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ آتے قرآن نے
اپنا کام ختم کر لیا، کل پندرہ فلاں وقت پر کام شروع کر دیا، لہذا اس دور میں اس کی
مصرفیت کا تعین اس کے معمول کی بات معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ روزہ رو رہا ہو
مثلاً کہ کرنے میں کہ انسان کو کہتے ہیں واقعات معمول کے علاوہ بھی چیزیں آجاتی
ہیں۔ کسی شخص کو یقین ہوتا ہے کہ وہ محل اپنی اولیٰ پر حاضر ہو جائے گا۔ اگرچہ
میں اسے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے اور وہ اپنے کام پر نہیں پہنچ پاتا، لہذا یقین
کے ساتھ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا وہ فلاں فلاں کام کرے گا۔ اس بات کو بھی علم

بھی خدا تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔

جلنے
موت کا علم

اللہ نے پانچویں بات یہ فرمائی وَمَا تَذَرْنِي فَنَسَمٌ بَاطِلٍ اَرْضِ
تَمُوتُ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اُس کی موت کس سرزمین میں واقع ہوگی مطلب
یہ کہ اس چیز کا علم بھی اللہ تعالیٰ کی ذات تک محدود ہے۔ روزمرہ مشاہدہ میں آتا
رہتا ہے کہ انسان کسی کام کاج کے لیے نکلتا ہے تو اُس کی موت گھر، شہر اور
علاقے سے دور دراز جگہ پر واقع ہو جاتی ہے، حالانکہ ایسا ہونا اُس کے دھم دھماکا
میں بھی نہیں ہوتا۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو بس، ریل یا ہوائی جہاز کے حادثہ میں جاں
بحق ہو جاتے ہیں اور کتنے ہی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی لاش تک نہیں ملتی
سمندروں میں ڈوب جانے والوں یا لقمہ ورق صحرا میں جاں مینے والوں کے
متعلق کون جانتا ہے کہ وہ کس مقام پر موت کی آغوش میں چلے گئے۔ پاکستان کی
قومی کمپنی کا ہوائی جہاز چھگلت سے راولپنڈی آتے ہوئے ایسا غائب ہوا کہ آج تک
اُس جگہ کا بھی تعین نہیں ہو سکا۔ جہاں وہ گر کر تباہ ہوا۔ لاش تو کجا اتنے بڑے
جہاز کا ڈھانچہ تک نہیں ملا۔ اُس جہاز کے مسافر اور عملہ نہ خود جانتے تھے کہ اُن کی
موت کہاں واقع ہوگی اور نہ ہی پسماندگان کو آج تک اُن کی جائے موت کا علم
ہو سکا ہے۔

مفسر ابوسعودؒ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام
کے پاس آئے۔ اُن کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا جس کی طرف ملک الموت نے گھور
کر غور دیکھا۔ وہ شخص ڈر گیا اور سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے یہاں سے دور
کہیں ہندوستان کے کسی خطے میں بھجوا دو۔ جنات اور ہوا تو سلیمان علیہ السلام کے
تابع تھے۔ آپ نے حکم کیا تو وہ شخص دور دراز علاقے میں پہنچ گیا۔ پھر آپ نے
ملک الموت سے پوچھا کہ آپ اس شخص کو گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے

قرآن نے بتا کر مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ اس شخص کی جان ہندوستان کے
 غلام بنگل میں غلاموں وقت پر قبضہ کر لی ہے۔ وقت بالکل قریب تھا مگر میں
 اس شخص کو آپ کے پاس بیٹھا دیکھ کر میراں پروردگار کا کتنا عجز و رقت
 میں یہ شخص حق و مقام پر کیسے پہنچ سکے گا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے۔
 اور اس کی جان وہیں قبضہ ہوئی ہے۔ اس طرح اگر وہ شخص خود اپنی خواہش پر اپنی
 جانے موت پر پہنچ گیا اور ملک الموت نے اس کی روح اسی مقام پر قبضہ کر لی۔
 مشمولہ ہے کہ بعد ازاں کسی غلیظہ خراب میں فرشتے کو روایت و جملہ
 سے بچھتے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تاؤ میری عمر کتنی باقی ہے۔ اس کے جواب
 میں فرشتے نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ جب کہ ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کھلی ہوئی
 تھیں۔ صبح ہوئی کہ غلیظہ نے تمام حکم کو جمع کر لیا اور خراب کی تعبیر پوچھی۔ ہر
 ایک نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا۔ کسی نے کہا کہ اے غلیظہ! تیری عمر
 پانچ دن باقی رہ گئی ہے۔ کسی نے پانچ ماہ اور کسی نے پانچ سال بتایا۔ غلیظہ نے تسلی نہ
 ہوئی کسی نے مشورہ دیا کہ اس کے متعلق اہم ابو سفیانہ سے دریافت کیا جائے جب
 آپ کے ساتھ خراب کی روئید و بیان کی گئی تو اہم صاحب نے فرمایا کہ ہاتھ کے
 اشارے کا مطلب یہ ہے کہ اے غلیظہ! آپ کا سوال ان پانچ چیزوں میں سے
 ایک کے متعلق ہے جن کا علم اللہ کے مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ پھر آپ
 نے یہی آیت تلاوت کی۔

ابہر حال اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم محیط اور مخلوق کی جہے کسی
 کا ذکر فرما کر اسی وحدانیت پر دلیل قائم کی ہے۔ اس بات میں کچھ شک نہیں
 ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا اور ہر
 واقعہ کی خبر رکھنے والا ہے۔ اس کے احاطہ علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

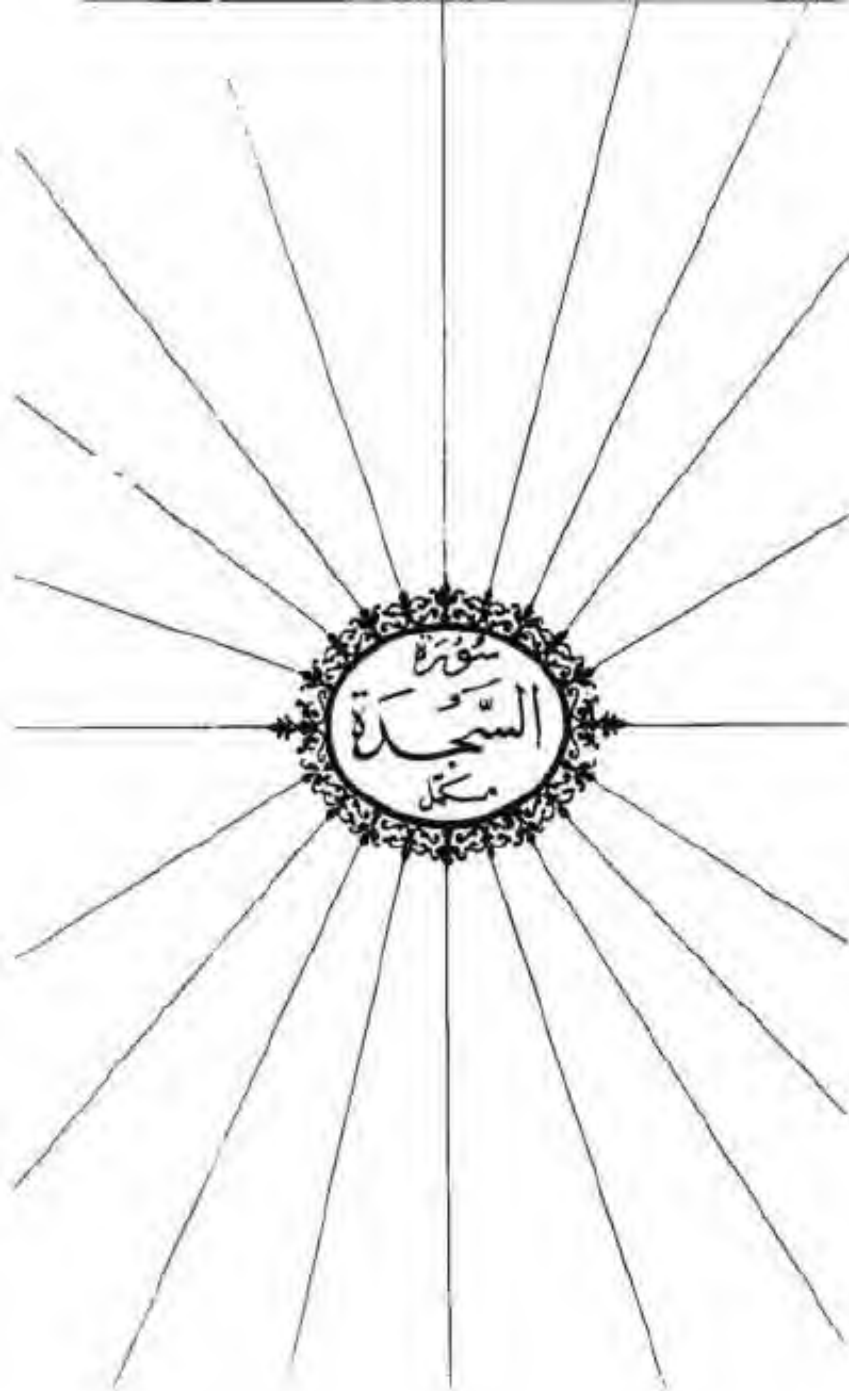
شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ یاد رکھنا چاہیے کہ غیب کی چیزوں کا تعلق یا تو احکام سے ہوتا ہے یا اکوان سے احکام سے مراد شرعی احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو بتلاتا ہے کہ فلاں چیز حلال ہے یا حرام، یا فلاں کام جائز ہے یا ناجائز۔ یہ احکام از قسم غیب سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا کلی علم اپنے پیغمبروں کو عطا فرمادیا۔ ہم دین کے کسی مسئلہ یا حکم کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ اس کا علم اللہ کے نبی کو نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو شرعی احکام کا تفصیلی علم دے دیا ہے یا وہ اصول بتلا دیے ہیں جن کی رو سے کوئی حکم نکالا جاسکتا ہے۔ سورۃ النجم میں بھی ہے عَلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ (۲۶) إِلَّا مَن رَّضِيَ مِّن رَّسُولٍ ۝ (۲۷) اللہ تعالیٰ کی ذات عالم الغیب ہے، وہ کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتا، البتہ اپنے رسولوں میں سے جسے پسند کرتا ہے اُسے بذریعہ وحی بتلا دیتا ہے۔ جہاں تک اکوان یعنی اس کائنات میں واقع ہونے والے امور کا تعلق ہے تو یہ چیزیں یا تو مسکن سے متعلق ہوتی ہیں یا ماضی، حال یا مستقبل سے، ان کی جزئیات کا بے شمار علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی دیا ہے اور بعض دوسرے لوگوں کو بھی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو بعض اکوانی چیزوں کا علم دے دیا جو اپنے جلیل القدر پیغمبر اور صاحب تورات رسول موسیٰ علیہ السلام کو بھی نہیں دیا۔ البتہ شرعی احکام کا علم اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو مکمل طور پر دیا جو حضرت خضر علیہ السلام کو نہیں دیا۔ بہر حال اس آیت میں مذکور پانچوں چیزوں کا تعلق اکوان یعنی زمان و مکان سے ہے، لہذا ان کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔

اہل بدعت اور شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر، ولی اور امام بھی غیب جانتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ حقیقت میں غیب وہ

علم غیب
پر اصولی
بحث

ہوا ہے جو بغیر کسی ذریعہ کے خود بخود معلوم ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے ہی کو تو بہت
 جانتا ہے اس میں دن کا ذریعہ شامل ہوتا ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کو بھی بعض
 اہم بات کشف یا خواب کے ذریعے کچھ بتا دیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ سب بھی
 بغیر واسطہ کے تو نہیں ہوتا۔ اسی طرح جس بات کو عقل یا غور و فکر کے ذریعے
 معلوم کیا جائے وہ بھی غیب نہ رہا۔ غیب وہی ہوگا جو بغیر کسی واسطہ یا آئے
 حواس کے حاصل ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کو ذات کے ساتھ مختص ہے
 اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے۔ قَدْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
 وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيْمُ۔ ۵۱۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میں
 میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ واللہ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ
 والحجرات۔ ۱۰۹۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو جاننے والا ہے اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
 عَلِيْمٌ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّهِ۔ ۱۱۰۔ ہر چیز کا اعطاء بھی خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ غرضیکہ
 علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ اس کا ملو ذاتی ہے جب کہ باقی تمام مخلوق کو
 ہر مہر و دہم آتے وہ عطا ہی ہوا ہے اور غیب کی تعلیم وہ نہیں آتا۔ علم
 خیر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔





سُورَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ تَرْقُوهَا ثَلَاثُونَ آيَةً ثَلَاثُ رُكُوعَاتٍ

سورة سجدہ مکی ہے۔ یہ تیس آیات ہیں اور اس کے تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الْحَمْدُ ① تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ
رَبِّ الْعَالَمِينَ ② أَمْرٌ يَقُولُونَ أَفْتَرَاهُ
بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا
أَنْتَهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ
يَهْتَدُونَ ③ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِنْ
دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ④
يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ
يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ
سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ⑤

توجہ: آیت ① اِذَا كُنْتَ اسْمًا كُنْتَ اسْمًا
 میں اسب العین کہ طرف سے ہے ② کیا تھے
 ہیں یہ لوگ کہ اس شخص نے اس کو ٹھٹھا یا ہے
 اپنی طرف سے۔ نہیں بکہ یہ حق ہے میرے بزرگ
 کی طرف سے تاکہ آپ ٹھٹھا میں اُس قوم کو کہ میں
 آیا ان کے پاس کر ڈرانے والا اس سے پہلے
 تاکہ یہ لوگ ہدایت کے راستے پر آجائیں ③ اور
 کی ذات وہ سے جس نے پیا گیا ہے آسمان اور
 زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ
 دن کے وقفے میں۔ پھر وہ قائم ہوا عرش پر۔ میں
 سے تھکے ہوئے اُس کے سوا کوئی جاننے والا نہ کوئی
 سفارش کیا کہ لیست حاصل نہیں کرتے ④ وہ تمیز
 کرتا ہے معاشقہ کی آسمان کی جہتوں سے زمین تک
 پھر عرش کرتا ہے اُس کی طرف ایک دن میں
 جس کی مقدار ہزار سال کے برابر ہوتی ہے جیسے تم
 شمار کرتے ہو ⑤

مذکورہ
 کائنات

اس سورۃ کا نام سورۃ السجدہ ہے۔ اسی نام کی ایک اور سورۃ سورۃ
 سجدہ بھی ہے۔ اس سورۃ کا امتیاز سورۃ لقمان کے اتصال کے ساتھ کرتے
 ہیں یعنی وہ سورۃ مبارکہ سورۃ لقمان سے متصل ہے۔ اس سورۃ کا دوسرا
 نام سورۃ المضاجع بھی ہے کیونکہ اس میں بستروں کا ذکر بھی آتا ہے کہ اعلیٰ
 اپنے بستروں کو چھو کر رات کے وقت اللہ کی بارگاہ میں مشاہدات کرتے ہیں۔

اس سورۃ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں سجدہ تلاوت آتا ہے۔ مگر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سجدہ تلاوت تو بہت سی سورتوں میں آتا ہے۔ پھر اس سورۃ کی کیا خصوصیت ہے کہ اس کا نام ہی سجدہ کے نام پر رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس سورۃ میں سجدے کا ذکر خاص انداز میں کیا گیا ہے کہ حسب اہل ایمان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پاک کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ فوراً سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اس سورۃ کا نام ہی سورۃ السجدہ رکھ دیا گیا ہے۔ اس سورۃ کی تیس ایتیں اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورۃ تین سو تیس الفاظ اور ایک ہزار پانچ سو اٹھارہ (۱۵۱۸) حروف پر مشتمل ہے۔ اس سورۃ کا زمانہ نزول سورۃ لقمان کے قریب قریب ہی ہے یعنی یہ بھی مکی دور کے درمیانی یا آخری دور کی سورۃ ہے۔ گزشتہ سورۃ لقمان میں حضرت لقمانؑ کی بعض نصیحتوں کا ذکر کیا گیا تھا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی اِنْ اَشْكُرْ لِلّٰهِ کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔ اب اس سورۃ مبارکہ میں اللہ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور وہ ہے اقامت صلوٰۃ۔ نماز پڑھنے والا آدمی گویا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں سورتیں آپس میں مربوط ہیں۔

سابقہ سورۃ
کے ساتھ
رابطہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ تیس آیات پر مشتمل ایک ایسی سورۃ ہے جسے ایک شخص نے پڑھا تھا۔ تو اس سورۃ نے اس آدمی کے حق میں سفارش کی اور اس شخص کو اللہ نے عذاب سے بچالیا۔ یہ وہی سورۃ السجدہ ہے۔ قرآن پاک میں تیس تیس آیات والی تین سورتیں ہیں یعنی سورۃ السجدہ، سورۃ الملک، اور سورۃ الفجر، عذاب قبر سے بچاؤ کے لیے ان تینوں سورتوں کی تلاوت مفید ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سونے سے پہلے سورۃ الملک

فضائل سورۃ

لے درمنثور ج ۱ ص ۵۶

لے درمنثور ج ۱ ص ۵۶ و فتح القدیر ج ۲ ص ۲۴۶ و تفسیر الثعالبی ج ۲ ص ۲۱۲ (فیاض)

اور سورۃ السجدہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ مسند احمد میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ کے دن فجر کی نماز میں مد نظر پر سورۃ السجدہ اور سورۃ المدھر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ گویا جمعہ کے دن ان سورتوں کی تلاوت تجب یعنی زیادہ باعث ثواب ہے۔

ملفوظ
سورت

گزشتہ سورۃ کی طرہٴ اس سورۃ مبارکہ میں بھی زیادہ تر نیا دی عتقاد کا ہی ذکر ہے چنانچہ اس سورۃ میں بھی توحید کے معنی اور عقل و لافیل بیان کیے گئے ہیں۔ شرک کی تردید ہے۔ رسالت کا بیان ہے اور قیامت اور جزائے عمل کی بات بیان کی گئی ہے۔ بیان تک قرآن مجید کی حقانیت اور صداقت اور اس کے وحی الہی ہونے کا تعلق ہے تو یہ ذکر گزشتہ سورۃ کی ابتداء میں بھی گزشتہ چکاتے اور اس سورۃ کی ابتدا میں بھی اس پر مضمون سے برکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لہذا ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اللہ تعالیٰ نے مومن علیہ السلام کو بھی قرأتِ مجیدی عظیم کتاب عطا فرمائی تھی مگر آپ کی قوم ہی انہیں نے اس نعمت کا شکر ادا کیا جس کے نتیجے میں انہیں دولت و خواہی کا سامنا کرنا پڑا۔ لہذا اس آخری امت کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی آخری کتاب سنے پر اس کا شکر ادا کریں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھیں اس میں غور و فکر کریں۔ اس کے اصولوں کو اپنائیں اور اسے پوری زندگی کا دستور العمل بنالیں۔ انہی عظیم کتاب کی موجودگی میں بھی اگر ہم ہدایت کسی دوسری جگہ سے تلاش کریں تو یہ ہمارے لیے بڑی ہستی ہے۔

علمی نظام
کی در آمد

ایسی کلاسے انبار میں آپ نے پڑھا ہو گا کہ پاکستان سے چھبیس آدمیوں پر مشتمل وفد کو ریا کے دور سے پہر بلائے ہوئے اس دور سے کا مقصد یہ ہے کہ گوریا کے دیات صحارہ پر گورنر کا مداخلت کریں اور اسے پاکستان میں بھی لائے

بعض احمدیہ وفد نشوونما و تفسیر علی ص ۲۱۳ و فتح القدر ص ۲۱۳ (فیاض)

بھی کام کرے۔ اس کی ابتدا، وسط اور انتہا اللہ کے ذکر سے ہونی چاہیے۔ ایسے کام میں ضرور کامیابی ہوگی۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کی یاد کو فراموش کر دیتا ہے، وہ کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

قرآن کی
حکایت

ارشاد مرقہ ہے كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكَ الْكِتَابَ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ كُنْتَ تَشَكُّ
اترے جانے میں کوئی شک نہیں ہے میں نے کتابِ علیہ السلام کو یہ ہے بھی
پہرہ و نگاہِ عالم کی طرف سے، اس میں قرآن مجید کے وہی الہی اور حق و صلہ اوقات
کے پیچیدہ ہونے کا اشارہ ہے۔ یہ ایسی واضح کتاب ہے جس کی صداقت میں
شک نہیں کیا جاسکتا۔ یہ دراصل کفار و مشرکین کے اس اعتراض کا جواب ہے
جس میں وہ کہتے تھے أَمْ لَمْ يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۚ كُنْ تَكْفُرُ یعنی
انہوں نے گھڑ لیا ہے، حالانکہ یہ بڑی ہی پیہرہ و بات ہے، اللہ نے تصدیق کی کہ
یہ من گھڑت کتاب نہیں ہے بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۚ فَلَمَّا أَتَتْكَ
پہرہ و نگاہ کی طرف سے حق ہے یعنی باطل کچھ کتاب ہے۔ اور اس کے نزول
کا قصہ یہ ہے لَتَنْذِرُ قَوْمًا مَّا أَتَتْهُمْ مِنْ نَذِيرٍ قَبْلُ ۚ قَالُوا
کہ آپ نہ نہیں اس قوم کو جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا
كَلَّا لَمَّا كَانَتْ هُمْ مَحْشُورًا تاکہ یہ لوگ اور راست پر آجائیں۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ فاطر میں تو اللہ نے فرمایا ہے وَأَنْ
مِّنْ أَعْيُنٍ لَّا تَحِطُ بِهَا نُزِيلٌ رَّأَيْتَ ۝۴۴ اللہ نے ہر امت میں
کوئی نہ کوئی ڈرانے والا بھیجا ہے مگر یہاں فرمایا کہ اس کتاب سے اس قوم کو ڈرانے والا
ہے جن کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ پھر یہ کلام اس کا جواب یہ ہے
ہے کہ اس قوم سے مل رہی تھی اہل ایمان ہے جن کے پاس ڈرانے والا قریب میں کوئی نبی
بعثت نہیں ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بعد ڈرانے والا ہوا۔

لے کبیرہ ۱۱۱۱ و قرطبی ۱۱۱۱ (قبائل)

تک عرب کی سرزمین پر کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ اور اس لحاظ سے یہ لوگ مانتے مروج تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تو بہت سے انبیاء شام و فلسطین میں آتے رہے حتیٰ کہ مین میں حضرت ہود اور صالح علیہما السلام بھی مبعوث ہوئے۔ مگر عرب کا علاقہ انبیاء کی آمد سے طویل عرصہ تک محروم رہا اور یہ لوگ وحی کے علم سے نااہل رہے۔ اس لیے ان کا لقب اُمّی مشہور ہو چکا تھا۔ چنانچہ بعض مفسرین نے اس سورۃ کا نام سورۃ الایمیین بھی بتایا ہے بہر حال مطلب یہی ہے کہ بنی اسماعیل میں طویل عرصہ تک کوئی نبی نہیں آیا تھا، لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل فرمایا کہ ان لوگوں کی تعلیم کا بندوبست کیا تاکہ یہ لوگ اللہ کے عذاب سے ڈر کر ہدایت کا راستہ اختیار کر لیں۔

استوی
علی العرش

آگے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان کی گئی ہے اللہ الذی
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فَسِتَّ اَیَّامِ
اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو مچھلون کے وقفے سے پیدا کیا۔ تخلیق ارض و سما کا ذکر قرآن میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ تو فرمایا کہ ان چیزوں کی تخلیق کے بعد اُسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہوا اللہ کریم کا عرش پرستوی ہونا متشابہات میں سے ہے۔ اس کا عرش پر قائم ہونا، اسی طرح ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ ہم اس استوی کو عام انسان کے کرسی، صوفی یا چادرپائی وغیرہ پر بیٹھنے پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مادی اشیاء اور زمان و مکان کی قید سے پاک ہے۔ وہ ان چیزوں سے وراد الورد ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کو تجلی سے تعبیر کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم کا عکس سب سے پہلے عرش پر پڑتا ہے، جس سے سارا عرش رنگین ہو جاتا ہے۔ عرش کے نیچے حطیۃ القدس کی جماعتیں رہتی ہیں۔

جہاں پر قضا و قدر کے فیصلے ہوتے ہیں اور ہر ساری کائنات میں نافذ ہوتے ہیں پھر ان فیصلوں کے نتائج پیش کر دیے گئے ہیں۔

فَرَأَاهُ مَعَ الْكَفَّةِ مَبْنُوتٍ دُونَكَ مِنْ قَوْلِي ذَلَّ شَيْعَانِ اَمْسَ كَ
 علامہ تصانیل کے لیے کوئی ممانعت اور کوئی سفارش نہیں ہے۔ اس سفارش سے مراد
 مشرک کا نہ سفارش ہے۔ مشرکوں کا عقیدہ یہ ہے کہ میں خود سافہ و صبر و دل کو وہ
 عبارت کرتے ہیں، ان کو کچھ ہوتے ہیں اور تہذیب و نیاہت پر محض کرتے ہیں وہ انہیں
 قیامت کے دن بچائیں گے، خواہ مداراضی ہر زمانہ میں، اس قسم کی شفاعت
 باطل ہے، البتہ صحیح سفارش وہ ہوگی جس میں اللہ پاؤں اللہ کی شرط ہوگی
 اللہ تعالیٰ جن مشرکین کو جن لوگوں کے حق میں سفارش کی اجازت دیں گے، وہ
 سفارش مفید ہوگی اور یہ وہی لوگ ہوں گے جو کفر و شرک سے پاک اور عقیدہ توحید پر
 پختہ ہوں گے، اگر ان کے اعمال میں کوئی کمی ہوگی، تو اللہ تعالیٰ قسطنطنیہ انبیاء
 خصوصاً خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم، شہداء، صالحین اور کامل الایمان لوگوں کو
 اجازت دیں گے اور وہ گنہگاروں کے حق میں سفارش کریں گے۔ فرمایا توحید کا
 یہ مسئلہ بالکل واضح ہے اَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ کیا تم ان باتوں میں غور و فکر
 کر کے نصیحت نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز سے بلند و برتر ہے
 اور اس کے سوا کوئی ممانعت اور سفارش بھی نہیں ہے، لہٰذا مشرک کفر کو ترک کر کے
 اُس کی توحید پر کار بند ہو جاؤ۔

ارشاد مہربان ہے خدا تعالیٰ وہ ہے یَذْكُرُ الْأَمْثِلَ مِنَ السَّمَكِ
 اَلْأَكْبَرُ جبرائیل کی بندگی سے کہ زمین کی پستیوں تک ہر چیز
 کا تذکرہ کر رہا ہے ثُمَّ يُعْرِجُ بِالسَّيْرِ فِي بُيُوتِكُمْ مَقْلُوبَةً
 اَلْفَ سَنَةٍ بِمَا نَقَدْتُمْ پھر وہ چلے گا اس کی طرف ایک دن
 میں جس کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر ہے جسے تم شمار کرتے ہو۔ اس سے
 مراد وہ ٹہسے ٹہسے امور ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ جاری کرتا ہے اور پھر ان کی تکمیل ہوتی

ہے اور اُن کے نتائج اُوپر چڑھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم نافذ کرتا ہے تو وہ نافذ ہو جاتے ہیں اور پھر ہزار سال تک اُن پر عملدرآمد ہوتا ہے اور اُس کے نتائج برآمد ہو کر اُوپر چڑھتے ہیں اور پھر دوسرے حکم نافذ ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون دوسرے مقام پر بھی آتا ہے وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّن دُونِ الْحِجَّةِ (۴۷) تمہارے پروردگار کے ہاں کا ایک دن تمہاری گنجی کے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوگا۔

شاہ عبدالقدور دہلوی فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے امور اور انتظامات سے متعلق حکم عرش سے جاری ہوتا ہے۔ پھر وہ نیچے کی طرف آتا ہے تو تمام حسی، معنوی، ظاہری اور باطنی اسباب جمع ہو کر اُس حکم کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں اللہ کی مشیت اور حکمت کے مطابق وہ حکم طویل مدت تک نافذ رہتا ہے اور اس کے بعد اُسے واپس لے لیا جاتا ہے اور دوسرے حکم جاری کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال پیغمبروں کی بعثت ہے۔ اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں کی تعلیم کا اثر قرون تک رہا۔ اس طرح بڑی بڑی قوموں اور نسلوں کی عملداری سینکڑوں اور ہزاروں سال تک چلتی رہی غرضیکہ فرمایا کہ اس دنیا کا ایک ہزار سال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دن کے برابر ہے۔

دوسرے مقام پر ایک دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر بھی بتائی گئی ہے تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج - ۴۲) فرشتے اور جبریل امین ایک دن میں اُوپر چڑھتے ہیں اور اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اُس کی طوالت یہاں کے پچاس ہزار سال کے برابر ہو گی۔ گنہگاروں کے لیے یہ دن اگرچہ اتنا طویل ہوگا۔ مگر اہل ایمان پر یہ عرصہ جلد گزر

مینے گا۔ اہم تہذیبیات الیہ دئے دن کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر بتائی گئی
 ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک سیکڑہا سے ملے کے ہزار سال کے برابر نافذ العمل ہوئی
 ہے۔ چہر جب اس کے نتائج برآمد ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کوئی دوسری سیکڑہ
 نافذ کر دیتے ہیں۔ قوموں اور خطوں کی ترقی و عمران کے دور اسی طریقے سے پیدا
 ہوتے رہتے ہیں۔ بعض قومیں اور ملک عرصہ دراز تک ہم عمری پر مشغول رہتے
 ہیں، پھر کوئی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ ان پر زوال آجاتا ہے اور کوئی دوسری قوم
 یا ملک ترقی کی منازل طے کرنے لگتا ہے۔ عمران و زوال کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا
 رہتا ہے۔

ذَٰلِكَ عَلِيمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ⑥
 الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ
 الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ
 سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ⑧ ثُمَّ
 سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ
 السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا
 تَشْكُرُونَ ⑨ وَقَالُوا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ
 عَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ
 رَبِّهِمْ كَفِرُونَ ⑩ قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ
 الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ
 تُرْجَعُونَ ⑪

۱۳۲

ترجمہ: وہی ہے جاننے والا پرشیدہ بات اور
 کھلی بات کو۔ کمال قدرت کا مالک اور نہایت رحم
 کرنے والا ⑥ وہ جس نے اچھا کیا ہے ہر ایک
 چیز کو جس کو اُس نے پیدا کیا ہے۔ اور شروع کی
 ہے اُس نے انسان کی پیدائش مٹی سے ⑦ پھر بنایا
 ہے اُس کی نسل کو ایک حقیر پانی سے ⑧ پھر بنایا
 ہے اُس کی نسل کو ایک حقیر پانی سے ⑨ پھر بنایا
 ہے اُس کی نسل کو ایک حقیر پانی سے ⑩ پھر بنایا
 ہے اُس کی نسل کو ایک حقیر پانی سے ⑪

پھر برابر کیا اُس کو، اور پھر نئی اس میں اپنی طرف سے
روح، اور نئے اُس نے تمھارے لیے کان، آنکھیں اور
دل۔ بہت تھوڑا قدر شعر ادا کرتے ہو ⑨ اور کہا ان لوگوں
نے کہ جس وقت ہم دل میں مائیں گے زمین میں، کیا
ہم نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے؟ مگر یہ لوگ
اپنے رب کی عداوت سے نظر کرنے والے ہیں ⑩ اُسے
پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، وفات دینا ہے تم کو موت کو
فرشتہ جو مقرر کیا گیا ہے تمھارے ساتھ، پھر تم اپنے
پروردگار کی طرف لوٹنے جاؤ گے ⑪

پس سورۃ کی ابتدا میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا، اور
اس کے بعد رسالت کا، پھر قرآن کے نزول کی طرز و کیفیت بیان ہوئی کہ
اُن پر جو لوگ اس سے ہدایت پائیں، پھر اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی وحدت
کمال کا ذکر ہوا، خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمان و زمین اور اُن کے
درمیان والی چیزوں کو چھ دن کے وقفے سے پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی
ہوا، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی ہمتی اور مددگار نہیں ہوگا، پھر توصیف
کیوں نہیں حاصل کرتے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ آسمان کی بندگیوں سے بے کر
زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر کرتا ہے، پھر اس تدبیر کے نتائج
ایک دن میں اسکی طرف چلا جاتے ہیں اور ایک دن کی مقدار میں اس کے
ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ یہ تدبیر خدا تعالیٰ خود کرتا ہے اور یہ کام
اُس نے کسی دوسری ذات کے سپرد نہیں کیا۔ بعض دوسری صفات
کی طرح تدبیر بھی خدا تعالیٰ کی صفات مختصہ میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ
کی ہدایت
مختصہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی

لے مجھے اللہ العزیز (فیاض)

صفات کی نسبت جب اس جہان کی تخلیق کی طرف کی جاتی ہے تو یکے بعد دیگرے اُس کی چار صفاتِ مختصہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کی پہلی صفت ابداع یا فطر ہے۔ قرآن میں اس صفت کا ذکر جگہ جگہ آتا ہے بِدِیْعِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البقرہ - ۱۱۶) فَاٰتٰی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (فاطر - ۱) وہ خدا تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا پیدا کنندہ ہے۔ بدیع یا فاطر ایسی تخلیق کو کہتے ہیں جو بغیر کسی مادے، آلے یا نمونے کے کی گئی ہو۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے نہ کوئی اس کے لیے مادہ تیار کیا گیا۔ نہ اُن کو بنانے کے لیے کسی شینری یا لیسر کی ضرورت پڑی اور نہ ہی پہلے سے کوئی سمپل موجود تھے جس کی نقل کی گئی ہو، تو گویا آسمان و زمین کی تخلیق کے ضمن میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفتِ بدیع نے کام کیا۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت خلق ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی چیز کسی دوسرے مادے سے تیار کی جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر مادے کے پیدا نہیں کیا بلکہ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران - ۵۹)۔ اللہ نے اُن کو مٹی کے مادے سے پیدا کیا۔ مطلب یہ کہ مٹی یا زمین کی تخلیق صفتِ ابداع کے مطابق بغیر مادے کے ہوئی تھی۔ اب آدم علیہ السلام کی تخلیق اس مٹی کے مادے سے ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت تدبیر ہے، کسی چیز کا گھٹانا، بڑھانا، صحت، بیماری ترقی و تنزل، زندہ کرنا، مارنا، غرضیکہ تمام تغیرات و تصرفات اللہ کی صفتِ تدبیر کے تحت انجام پاتے ہیں۔ یہ ساری تدبیر بھی اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے اور یہ کام بھی اُس نے کسی دوسری ہستی کے سپرد نہیں کیا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت تدلی ہے۔ جب انسان کی تخلیق ہوتی ہے تو اس کے قلب پر براہِ راست اللہ تعالیٰ کی تجلی کا عکس پڑتا ہے، اسی کو تدلی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس دنیا میں چونکہ لوگ حجابِ مادیت، حجابِ رسم و رواج یا حجابِ سود و معزفت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس لیے

ہاں اس پہلی کوسوس نہیں کرتے، البتہ اگلے جہان میں پہنچ کر اس کو ذلیعہ طرہ پھیری
 کریں گے۔ جب انسان کی موجودہ زندگی ختم ہو جائے گی، اس کا یہ مادی خزانہ آخر
 چلے جائے گا اور اندر سے اصلی انسان ظاہر ہو جائے گا اس وقت اس پہلی کوسوس
 چل جائے گا۔ یہ پہلی چھوڑاؤ پر سے آتی ہے اس لیے اس کی کشش ہی اور پرہیز کی طرف
 ہوتی ہے یعنی یہ کشش انسان کو عالم بالا یا غیبیہ القدس کی طرف کھینچنا چاہتی ہے
 مگر جس سے محروم انسان شیخ کی طرف کھینچنے بائیں گے، چنانچہ اوپر اور نیچے والی
 کشش میں برابر دست کھینچنا پڑتی ہوگی جس کی وجہ سے انسان کو بڑی تکلیف پہنچے گی
 گمراہ شدہ اس کے کافر میں اللہ تعالیٰ کی منسوب نمبر کا ذکر ہوا تھا، اسے نقل
 کے عالم الغیب ہونے کا تذکرہ ہوا ہے، ارشاد ہوتا ہے **ذَٰلِكَ خَلْقُ**
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اس سے جو پریشانی اور غما ہر چیز کو جانتی ہے
 ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر مکان اور ہر زمان میں موجود ہے، لہذا اس سے کو کوئی
 چیز پوشیدہ نہیں ہے، تو اس کے غیب کو جاننے سے کیا مراد ہے ہمعصرین کو
 فرماتے ہیں کہ اس غیب سے وہ چیز مراد ہے جو مخلوق کی نگاہ سے غیب ہے
 بلکہ اللہ کی نگاہ سے۔ اللہ تعالیٰ کا تراپا واضح اشارہ ہے **وَمَا يَغُوبُ عَنْ**
رَبِّنَا شَيْءٌ اور وہ اللہ تعالیٰ کے غیب کا لفظ اضافت کے طور پر استعمال
 ہوا ہے یعنی مخلوق کے اعتبار سے جو چیز غائب یا حاض ہے اللہ تعالیٰ سب
 کو جانتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ **الْعَزِيزُ** کمال قدرت کا مالک اور **الْكَبِيرُ**
 سنابیت رحم کرنے والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کی دلیل ہے کہ اس نے
 انبیاء کو مبعوث فرمایا، ان کے ہیں ازل و اقصیٰ اور اس طرح لوگوں کے لیے ہدایت کا
 سامان مہیا کیا، اور پھر آخر میں قرآن پاک سے ذریعہ ایک جامع پروگرام انزال
 فرما کر پوری کائنات کے لیے مادی اور روحانی حیات کا انتظام فرمایا۔

عالم الغیب
 و الشہادۃ

آگے اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ جس نے اپنی پیدا کردہ ہر چیز کو خوب بنایا ہے۔ اللہ کریم نے ہر شے کو ایسی کمالِ حکمت اور کمالِ مصلحت سے تخلیق کیا ہے کہ اس سے بہتر تخلیق ممکن ہی نہیں۔ امام غزالیؒ کا قول بھی ہے کہ کائنات میں خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں سے بہتر تخلیق ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں درخت، پیڑ، چرند، پرند، پھل اور پھول وغیرہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت کے شاہکار ہیں۔ خاص طور پر انسان کے متعلق فرمایا، لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین - ۴) ہم نے انسان کو بہترین سرشت میں پیدا کیا۔ انسان کی ظاہری شکل و صورت اس کا قدر، رنگت، بال، کھال، ہاتھ، پاؤں، حواسِ ظاہرہ اور باطنہ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کو کمالِ فہم کا بنایا ہے اور اس میں ضرورت کی ہر خوبی جمع کر دی ہے پھر فرمایا وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ اور انسان کی پیدائش کی ابتدا مٹی سے کی۔ انسان میں تمام تر خوبیوں کے باوجود اس کی اصل مٹی ہے جس سے آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہوا۔ اللہ کا فرمان ہے خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران - ۵۹) اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کے مادے سے تخلیق فرمایا۔ الغرض! اولین انسان کی تخلیق مٹی سے کرنے کے بعد ثُمَّ جَعَلْ نَسْلَهُ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ اس کی نسل کو ایک حقیر قطرہ آب کے خلاصے سے چلایا۔ اب نسل انسانی قطرہ آب سے چل رہی ہے۔ یہ قطرہ عذت کے رحم میں پہنچ کر بچے کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے اور اس طرح نسل انسانی کا سلسلہ چل رہا ہے۔

فرمایا ثُمَّ سَوَّاهُ پھر رحمِ مادر میں بچے کے اعضاء و جوارح کو درست کیا۔ ہر عضو کو اپنے ٹھکانے پر رکھا، اس میں حواسِ ظاہرہ اور باطنہ پیدا کیے جب ڈھانچہ مکمل ہو گیا وَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا تو پھر اس میں اپنی

طرف سے روح پہرے تک دن لفظ روح پہرے وضاحت طلب ہے۔ بظاہر اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جسم سے روح پہرے تک دی۔ البتہ اللہ تعالیٰ ترجہانیت سے پاک ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس میں روح پہرے کی یہ خدائیں کی قبلی کے نتیجے میں انسان کی تخلیق ہوئی۔

روح الہی ایک نہایت ہی لطیف چیز ہے جو محل کے بعد چرتے بیٹے میں دوسرے جہان سے آکر انسان میں داخل ہوتی ہے۔ دراصل روح تین چیزوں کا مرکب ہے۔ پہلی چیز نمر ہے۔ رحمہ اللہ میں ان لفظ کی صورت میں داخل ہوتا ہے۔ پھر اس کا کو قطر بنتا ہے، پھر اس کے اعضا، وجوہات پیدا ہوتے ہیں، خون پیدا ہوتا ہے اور یہ نمرہ آن فی خون میں ایک لطیف تہہ رکھا نام ہے جو خون کے ذریعے پورے جسم میں پھیل جاتا ہے۔

روح کا دوسرا حصہ نفس نامی ہے اور تیسرا حصہ روح الہی کا ہے جو ان کے ساتھ آکر مل جاتا ہے۔ یہ تینوں چیزیں مل کر روح بنتی ہے۔ یہ روح چونکہ دوسرے جہان سے آتی ہے اور یہ مادی نہیں بلکہ مجرد چیز ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، اور ہم نے ترجمہ یہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس میں روح پہرے۔

کان، آقا
اور دل

یہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کو ذکر ہو رہا ہے کہ اس نے ان کو تینوں چیزوں سے تخلیق کیا۔ پھر اس کی نسل لفظ آب سے پلائی، پھر اس کو بزرگ کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پہرے کی وجہ سے لفظ لکھوا الشیخ وَاِنَّ قَدْرًا وَآلَ قَدْرًا پھر اس نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ کان اور آنکھیں انسان کے لیے ذرائع علم اور بہت بڑی نعمت ہیں۔ کانوں سے سن کر اور آنکھوں سے دیکھ کر نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔ انسان کے ہونے کا انحصار بھی سلامت پر ہے۔ جو شخص سننے سے عاری ہوتا ہے وہ کوئی لفظ لول ہی نہیں ملتا۔ جب تک وہ سننے کا نہیں دیکھے گا نہیں اور جب تک دیکھنے کو نہیں، بول ہی نہیں سکے گا۔

شرعاً جاتی ہیں۔ ان چیزوں کا مشاہدہ کر کے کفار و مشرکین کہتے ہیں کہ بھلا اب وہ جو
جانے کے بعد ہم وہاں کیسے زندہ ہو جائیں گے؟ اللہ نے اس کے جواب میں
فرمایا کہ ان کا یہ اعتراض محض اس لیے ہے کہ **سَلِّمْ هُوَ بَالِغٌ عَنِ اَرْثِهِ**
كَيْفَ يُحْدِثُ کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کی طاقت کے ستر میں وہ بارہ زندگی کو نہ
مقصود ہی یہ ہے کہ انسان اگلے جہان میں زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو
اور اس زندگی کے عقائد و اعمال کا حساب کتاب اسے اور چہرئیں کے نتیجے میں
جزا یا سزا کو قبول کرے مگر یہ لوگ چونکہ اپنی بدکرداری کی وجہ سے سزا کو قبول
کرنے کے لیے تیار نہیں اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی طاقت کا ہی انکار کر رہے
ہیں کہ نہ وہ بارہ زندہ ہو کر خدا کے ساتھ ہمیشہ ہوں گے۔ حساب کتاب
کی سزا آئے گی اور نہ جہاں اس کا مسئلہ پیدا ہوگا۔ اللہ نے دوسری جگہ فرمایا کہ یہ
لوگ ترسے اس نرم و نازک جسم کی وہ بارہ زندگی کا انکار کرتے ہیں **فَلْيَكُونُوا**
سَحَابًا اَوْ **حَدِيدًا** ربی اس کی دلیل ۵۰ آئے بغیر! آپ ان سے کہیں کہ
اگر تم پتھر یا لوہے جیسی سخت چیز ہی بن جاؤ۔ تب بھی اللہ تعالیٰ تم کو زندہ کر کے
اپنے سامنے لا کر خدا کرے گا۔ تمہاری ان ہر سیدہ نبیوں کے ساتھ تو پھر بھی جیت
کا تعلق رہا ہے مگر لوہے اور پتھر میں تو ایسی کوئی چیز نہیں اگر تم اتنی سخت چیز
میں بھی تبدیل ہو جاؤ۔ تو پھر بھی تم کو وہ بارہ زندگی عطا کی جائیگی اور حساب کتاب یہاں
ہلے گا۔

انسان کی
جہان کی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی موت یاد دلانی ہے۔ ارشاد
ہوتا ہے **فَلْيَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَ بِكُمْ**
لے بغیر! آپ ان سے کہیں کہ موت کا وہ فرشتہ تمہیں وحشت دیتا ہے۔ جو
تمہارے ساتھ مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو زندگی عطا کرتا ہے اور پھر
عزرائیل علیہ السلام کے ذریعے اس پر موت بھی طاری کرتا ہے۔ یہ فرشتہ اللہ کے
چار مقرب فرشتوں میں سے ایک ہے۔ اس کے ساتھ ان کا عمل ہوتا ہے

جو تمام کائنات کے انسانوں اور دیگر جانداروں کی روہیں قبض کرنے پر مامور ہے سورۃ الانعام میں ہے حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُوْحُکَآ رَاٰیۃ - ۶۱ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے پیچھے ہوئے فرشتے اُس کی جان کو قبض کر لیتے ہیں۔ مفسرین کرامؒ اس کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب کسی کی موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو عزرائیل علیہ السلام کے ساتھی فرشتے متعلقہ شخص کی جان کو اس کے جسم حقیقی کہ اس کے ناخون اور بالوں سے سمیٹ لیتے ہیں۔ فَکُوْلَا اِذَا بَلَغَتِ الْحُلُوْمَ (الواقعة - ۸۳) حقیقی کہ جب وہ بالکل حلق میں آجاتی ہے تو ملک الموت اُس کو لے لیتا ہے اور پھر وہ اس کو آگے لے جاتے ہیں۔

حدیث میں ایک انصاری صحابیؒ کا واقعہ آتا ہے حضور علیہ السلام اس کی نزع کی حالت میں اُس کے پاس گئے۔ وہاں ملک الموت موجود تھے۔ آپ نے اُس سے فرمایا۔ اے ملک الموت! میرے صحابی کے ساتھ جان کنی میں نرمی اختیار کرو۔ اس نے جواب دیا، اے محمد! خدا کی قسم میں تو ہر مومن کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتا ہوں میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں اور اس کے حکم کی تعمیل میں تلاش کرتا رہتا ہوں کہ کس شخص کی جان کو کس وقت اور کس مقام پر قبض کرنا ہے حقیقت یہ ہے کہ میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادے اور قدرت سے نہیں نکالتا میں تو صرف خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ مجھے بھی عین وقت پر ہی بتلایا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی جان فلاں، وقت اور فلاں مقام پر قبض کرنی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ملک الموت مقرر ہے جو تمہاری جانوں کو قبض کر لیتا ہے۔

فرمایا جب کسی شخص کی روح قبض کر لی جاتی ہے تَوَفَّیْکُمْ رَبُّکُمْ

بعد از وفات

تَرْجَعُونَ پھر تم سب اپنے بدو روگا کی طرف ہی لوٹائے جاؤ گے۔ مرنے کے بعد انسان عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اللہ کے قریب بندوں کی مدد و خلیفہ اللہ میں بیعت مالتی ہے، اور اس کا تعلق قبر میں موجود جسم کے ساتھ بھی رہتا ہے۔ برزخ شریف میں جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے وہاں رہتی ہے، عالم برزخ میں جہاں اور سزا کا احاطہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ اہل سنت کا مذاہب قبر کے ریح ہونے پر اتفاق ہے اس کے بعد حشر کا تیسرا جہان قائم ہوگا۔ وہاں پر یہ مادی جسم اپنے تمام قوی و اعمال اور اطلاق کے ساتھ موجود ہوگا۔ پھر محاسب اعمال کی منزل آئے گی، جہاں اور سزا کے فیصلے ہوں گے اور پھر دائمی زندگی شروع ہو جائیگی یہ چوتھی بیعت ہوگی آمَنَّا بِالْمَعَادَةِ وَآَمَنَّا بِاللَّهِ پھر یہ تو کوئی شخص جنت میں چلا جائے گا۔ یا جہنم کا اندھن بن جائے گا۔ جہنم کے عمل کا کوئی بھی ممکنہ انسان اللہ نہیں کر سکتا، البتہ مشرک کا فخر اور ادا ان لوگ ہی اس کو بید خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہم بزم مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائیں گے تو پھر کیسے جی افسوس لگے۔ اللہ نے فرمایا کہ جب وقت آئے گا تو اللہ کے حکم سے مٹی میں خشر قائم ذرات پھر اکٹھے ہو جائیں گے کافران پوسے جسم اللہ قوی کے ساتھ زندہ ہو کر سامنے کھڑا ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک ہے جس نے ان کو پہلی دفعہ پیدا فرمادیا، اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کون سا مشکل کام ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ
عِندَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ شِئْنَا
لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًىٰ وَلَكِنْ حَقَّ
الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۴﴾ فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ
لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا
عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾
إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا
خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۱۶﴾ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ
عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا
وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ :- اور اگر آپ دیکھیں اس حالت کو جب
کہ مجرم لوگ اپنے سر نیچے کیے ہوئے ہوں گے
اپنے پروردگار کے سامنے (اور کہیں گے) اے ہمارے

پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔ پس لو! ہمیں سزا
 ہم اچھا عمل کر سکیں۔ بیشک ہم یقین کئے
 والے ہیں (۱۲) اور اگر ہم چاہیں تو تمہیں ہم سب
 کو اس کی عاقبت، لیکن حق بات میری طرف سے یہ
 ہے کہ میں حضور مبعوثوں کا تنبیہ کرنے والوں اور انہوں
 سب سے (۱۳) ہیں (انہی کو کہا جائے گا) چکھو اس
 دھبے کو تمہارے فراموش کر دیا تھا اس دن کی ملاقات
 کر۔ بیشک آج ہم نے تمہیں فراموش کر دیا ہے، اور
 چکھو ہمیشہ کا عذاب اس کے بدلے میں جو کچھ تم
 عمل کیا کرتے (۱۴) بیشک ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں
 پر وہ لوگ کہ جب ان کو وہ دلائل جاتی ہیں تو
 سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور قیام بیان کرتے ہیں اپنے
 پروردگار کی تعریف کے ساتھ، اور وہ ٹکڑے نہیں کرتے (۱۵)
 جدا رہتی ہیں ان کی کونڈیں اپنے بستر سے، پکارتے
 ہیں اپنے پروردگار کو ڈرتے ہوئے اور امید کرتے
 ہوئے، اور جو کچھ ہم نے ان کو یزیدی دی ہے اس
 میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں (۱۶)

اس سورۃ مبارکہ میں قرآن کریم کی حیثیت و صداقت کا تذکرہ ہوا۔ توحید
 کے عقلی اور فطری دلائل بیان کئے گئے۔ رسالت کا بیان ہوا۔ اور ساتھ ساتھ
 قیامت اور جہنم کے عمل کا تذکرہ ہوا۔ پھر تخلیق انسان کا مندر بیان ہوا۔ جب
 اس کی ہوشیاری کا شکوہ ہوا۔ پھر قیامت کے متعلق کفار، منافقین
 کے انکار کا ذکر ہوا۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی میں بدل جائیں گے
 تو پھر کیا دوبارہ زندہ ہوا کیسے ممکن ہو گا؟ اللہ نے فرمایا کہ دراصل ہر لوگ

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں۔ درمیان میں اختصار کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام کو خطاب کیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہاری جانوں کو ملک الموت قبض کر لے نہیں، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹاؤ گے جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا فرمایا تو اب دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیے مشکل ہو سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ ہے کہ وہ سب کو ضرور زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا، اور پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔

دنیا میں ہوا
آمد کی خواہش

اب اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کی دوبارہ زندگی کا کچھ حال بیان فرمایا ہے۔ آج تو یہ لوگ اس چیز کو ناممکن خیال کرتے ہیں مگر قیامت والے دن جب یہ فی الرقعہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیے جائیں گے تو ان کی پشیمانی قابلِ دفع ہو گی۔ فَرَأَىٰ فَلَمَّا وَلَّىٰ إِذَا الْعُجُفُ مُوِّنًا كَسَوَارَءَ فَوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اور اگر آپ دیکھیں ان مجرموں کو جب کہ وہ اپنے پروردگار کے سامنے سبزگوں حاضر ہوں گے، تو ذلت اور مذمت کے ساتھ عرض کریں گے دَبَبْنَا أَبْعَثْنَا اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا وَسَمِعْنَا اور اپنے کانوں سے سُن لیا۔ اب ہم یقین آچکا ہے کہ جس چیز کو ہم بعید خیال کرتے تھے۔ وہ ہمارے سامنے ہے۔ لہذا اب ہماری درخواست یہ ہے۔

فَارْجِعْنَا فَعْمَلْ صَالِحًا کہ ہمیں دنیا میں واپس پھیر دے۔ اب کی دفعہ ہم نیک اعمال انجام دیں گے۔ إِنَّا مُوقِنُونَ بیشک ہمیں یقین آگیا ہے کہ تیرا وعدہ برحق ہے۔ تو نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے جو جو پیغام بھیجے۔ وہ درست ثابت ہوئے ہیں۔ اب ہم تم سے عطا کردہ اعمال کو ترک کر کے اچھے عقائد و اعمال اختیار کریں گے۔ سورة الشعراء میں مجرموں کا یہ بیان آتا ہے فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (آیت - ۱۰۲) اگر ہمیں دنیا میں واپس جانے کا ایک موقع مل جائے تو ہم وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر ایمان لے آئیں گے۔ تیرے انبیاء اور کتابوں کو تسلیم کر لیں گے اور نہایت

اعلا امت گزار بن کر زندگی گزاریں گے، مگر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم اب جہنم سے نکلنے کے لیے جانے تڑپ رہے ہو۔ میں تمہاری ضرورت سے واقف ہوں۔ تیقنت یہ ہے وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا اِلَيْكَ اَنْتُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَكْتُمُوْنَ (انعام ۲۸) اگر ان کو دنیا میں لوڑھی دیا جائے تو یہ لوگ پھر وہی کام کریں گے جن سے ان کو منع کیا گیا ہے۔ جس تک یہ جمعیت برہان سے میں کہ واپس جا کر نیک اعمال انجام دیں گے۔ اللہ کے دلوں دنیا میں دوبارہ لوٹ آنے کا کوئی قانون نہیں ہے۔ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کا ذرا عمل ختم ہو کر دانا جہنم شروع ہو جاتا ہے، لہذا اب انہیں اپنی کارکردگی کو بدل دیکھنا ہوگا۔

[illegible]

عربی لغت
اصطلاحات

اُس کی اپنی پسند یا پسند پر ہے

فرمایا اگر ہم چاہتے تو سب کو راہِ راست پر لے آتے وَلٰكِنْ حَقَّ

الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

أَجْمَعِينَ مگر میری طرف سے حق بات یہ ہے کہ میں جنوں اور انسانوں سے

جہنم کو بھر دوں گا۔ جنوں اور انسانوں میں سے جو بھی کفر، شرک اور معاصی کے راستے

پر چلے گا، سب کو جہنم رسید کروں گا۔ جب شیطان نے اللہ کے بندوں کو گمراہ

کرنے کی قسم اٹھائی تھی تو اللہ نے اُس کے بارے میں بھی یہی الفاظ استعمال

کیے تھے لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّنْ تَبَعَكَ وَهُمْ

أَجْمَعِينَ (ص - ۸۵) میں تجھے اور تیرے پیروکاروں سے جہنم کو بھر دوں گا۔

مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے۔

ہیشکی کا
عذاب

فرمایا اب تمہاری دنیا میں واپسی کی خواہش پرری نہیں ہو سکتی، اب تو صرف

دنیا کی زندگی کا بدلہ ملنے والا ہے۔ وَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ

هَذَا پس اب عذاب کا مزہ چکھو اس وجہ سے کہ تم نے آج کے دن کی ملاقات

کو فراموش کر دیا تھا۔ اُس وقت تو کہتے تھے کہ نہ کوئی قیامت ہے، نہ حساب

کتاب کی منزل اور نہ ہی جزائے عمل۔ دراصل فراموش شدہ چیز کا تذکرہ نہیں کیا جاتا

بلکہ اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے مطلب یہی ہے کہ تم نے دنیا کی زندگی میں رہ کر

آخرت کی زندگی کو نظر انداز کر دیا۔ لہذا اب اس کا مزہ چکھو اِنَّا نَسِينَاكُمْ

آج ہم بھی تمہیں نظر انداز کر دیں گے۔ آج تمہاری کوئی درخواست قبول نہیں کریں

گے بلکہ اپنی رحمت سے دور کر دیں گے اب تمہارے ساتھ یہی سلوک ہونے

والا ہے وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ اب

اپنے اعمال کی پاداش میں ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ عقیدہ بھی ایک دائمی چیز ہے

جسے انسان اپنے ذہن و قلب اور روح میں جمالیتا ہے۔ پھر جب یہ عقیدہ ہی

باطل ہو جائے، انسان کفر اور شرک کو اپنے آپ پر حاوی کر لے تو اس کی سزا

اور اگر مجلس کی تبدیلی کے بعد دوبارہ یہی آیت پڑھی جاسی گئی تو دوبارہ سجدہ کرنا لازم ہو جائے گا۔

تکبر کی بیماری

فرمایا ہماری آیتوں پر ایمان لانے والے لوگ آیات کو سن کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید بیان کرتے ہیں وہم لَّا یَسْتَكْبِرُونَ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ تکبر بہت بڑی خصلت ہے، جو انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ شیطان تکبر ہی کی وجہ سے مردود ٹھٹھا۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ دیگر قباحتوں کی نسبت تکبر کو دل سے نکالنا زیادہ مشکل ہے، چنانچہ بیعت کا مقصد انسان کی تربیت اور اصلاح ہے۔ محض رسومات از قہم عرس، قوالی وغیرہ کو لینا تو بیعت کا مقصد نہیں ہے۔ مرشد کا کام تو یہ ہے کہ وہ اپنے مرید کی اس طرح تربیت کرے کہ اس کی تمام بُری خصلتیں دور ہو کر اچھی خصلتیں پیدا ہو جائیں۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ بہت بڑے بزرگ، عالم دین، مفتی اور پیر بھی تھے۔ سلوک کے موضوع پر آپ کی کتاب ”تربیت الائمہ“ وغیرہ پڑھیں۔ آپ کے سر پر خطوط کے ذریعے اپنے اشکال پیش کرتے تھے اور آپ ہر اشکال کا علاج تجویز فرماتے تھے اور واضح کرتے تھے کہ فلاں خصلت کو اس طرح دور کرنا ہے اور اس کے مقابلہ میں فلاں عمل کرنا ہے۔ آپ سے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ ہر قسم کے لوگوں نے اصلاح کا سلسلہ قائم کیا اور درجہ کمال تک پہنچے۔ ابھی حال میں ممبئی کے ڈاکٹر عبدالحی قریش نے آپ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے اور وکیل تھے۔ انہوں نے حضرت تھانویؒ سے بیعت کر کے علم اور تربیت دونوں چیزیں حاصل کیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کاپی پٹ دی اور انہیں کمال درجے کا مرشد بنا دیا۔ بہر حال تکبر کے متعلق پرانے بزرگ فرماتے ہیں نقل الجبال ایسر من اخراج الکبر من القلوب یعنی سوئی کے ذریعے پہاڑوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا تکبر کو دلوں سے نکالنے کی نسبت آسان کام ہے

مذکر فرماتے ہیں کہ بڑے اوصاف میں تجربہ ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر
 میں نکلتی ہے، تجربہ کا ممکن انسان کا دل ہوتا ہے۔ کوئی علم کی وجہ سے تجربہ
 نہیں ہوتا، کوئی مال و دولت اور قوت کی وجہ سے، کوئی حق و جلال
 اور حق کی وجہ سے، بہر حال تجربہ بہت بڑی نعمت ہے۔ حدیث شریف
 میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اَلَا يَعْلَمَنَّ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ
 اِنَّ اِيْمَانَ وَالْوَالِدِ الْاَبَدِ وَدَرْسِ كَمَ سَانِ فَعَزَّ كَيْ كَرُوْا۔ یکدفعہ کہہ دینے میں
 طرف دھی کی ہے کہ لوگ غور نہ کریں مگر تواضع و انعام ہی اختیار کریں۔ اِنَّ اِيْمَانَ
 اَلَا يَعْلَمَنَّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ (المحمد ۶۰) بیشک اللہ تعالیٰ تجربہ کرنے
 والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

محمد مجتهد
پنجاب

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اِیَّانَکِیْ یَسْتَعِیْذُ بِیْ یَا فَرِّیْقَیْ سَعْدٍ فَا جَبُوْهُمْ
عَنِ الْمَصَاحِبِ اُنِّیْ کَیْ سَیْءُ بَسْرُوْنَ سَیْءُ بَیْءُ عَیْیَبُیْہِ کَیْ جَبَیْ رَاۃ
کُوْا اَمَ کَرْنِیْ کَا وَقْتُ وَنَاۃ اَرِیَّ اِنِّیْ لَیْسَ نَزَمُ وَاکْرَمُ بَسْرُوْنَ کَیْ سَیْءُ اَکْرَبِیْ
پُرُوْگَار کَیْ سَاۃ سَاۃ یُجَاۃ یَیْنِ اَرِیْہِ لَکَیْہِ یَیْنِ اَیْذُ عَوْنُ رَیْہِ
خَوْفٌ وَطَمَنٌ اَکَلٰیہِ یَیْنِ اَیْہِ پُرُوْگَار کَا وَخَوْفٌ اَوَّیْہِ کَیْ سَاۃ
اِس بَات یَیْنِ قَدَرِیْ اَفْخَافٌ ہِیْ کَا وَکُوْنِیْ سَاۃ ہِیْ کَیْ سَیْءُ قَدَرِیْ
اَیْہِ کَیْ اَیْہِ اَیْہِ پُرُوْگَار کَا وَخَوْفٌ اَوَّیْہِ کَیْ سَاۃ ہِیْ ۔
سُفْرَتِ جَلَالِہِیْ رَاۃ یَیْنِ اَنَّاۃ کَیْ سَیْءُ اَرِیْہِ اَوَّیْہِ کَیْ سَاۃ
اَوَّاۃ کَیْہِ تَہِیْ اَوَّیْہِ کَیْ سَاۃ ہِیْ سَاۃ ہِیْ سَاۃ ہِیْ سَاۃ ہِیْ
فَرِیْقَیْہِیْ کَیْہِ کَیْہِ سَاۃ ہِیْ سَاۃ ہِیْ سَاۃ ہِیْ سَاۃ ہِیْ
کَیْہِ اَوَّیْہِ کَیْہِ سَاۃ ہِیْ سَاۃ ہِیْ سَاۃ ہِیْ سَاۃ ہِیْ

۱۰۰
۱۰۱
۱۰۲
۱۰۳
۱۰۴
۱۰۵
۱۰۶
۱۰۷
۱۰۸
۱۰۹
۱۱۰
۱۱۱
۱۱۲
۱۱۳
۱۱۴
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۷
۱۱۸
۱۱۹
۱۲۰
۱۲۱
۱۲۲
۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰
۱۵۱
۱۵۲
۱۵۳
۱۵۴
۱۵۵
۱۵۶
۱۵۷
۱۵۸
۱۵۹
۱۶۰
۱۶۱
۱۶۲
۱۶۳
۱۶۴
۱۶۵
۱۶۶
۱۶۷
۱۶۸
۱۶۹
۱۷۰
۱۷۱
۱۷۲
۱۷۳
۱۷۴
۱۷۵
۱۷۶
۱۷۷
۱۷۸
۱۷۹
۱۸۰
۱۸۱
۱۸۲
۱۸۳
۱۸۴
۱۸۵
۱۸۶
۱۸۷
۱۸۸
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰
۲۰۱
۲۰۲
۲۰۳
۲۰۴
۲۰۵
۲۰۶
۲۰۷
۲۰۸
۲۰۹
۲۱۰
۲۱۱
۲۱۲
۲۱۳
۲۱۴
۲۱۵
۲۱۶
۲۱۷
۲۱۸
۲۱۹
۲۲۰
۲۲۱
۲۲۲
۲۲۳
۲۲۴
۲۲۵
۲۲۶
۲۲۷
۲۲۸
۲۲۹
۲۳۰
۲۳۱
۲۳۲
۲۳۳
۲۳۴
۲۳۵
۲۳۶
۲۳۷
۲۳۸
۲۳۹
۲۴۰
۲۴۱
۲۴۲
۲۴۳
۲۴۴
۲۴۵
۲۴۶
۲۴۷
۲۴۸
۲۴۹
۲۵۰
۲۵۱
۲۵۲
۲۵۳
۲۵۴
۲۵۵
۲۵۶
۲۵۷
۲۵۸
۲۵۹
۲۶۰
۲۶۱
۲۶۲
۲۶۳
۲۶۴
۲۶۵
۲۶۶
۲۶۷
۲۶۸
۲۶۹
۲۷۰
۲۷۱
۲۷۲
۲۷۳
۲۷۴
۲۷۵
۲۷۶
۲۷۷
۲۷۸
۲۷۹
۲۸۰
۲۸۱
۲۸۲
۲۸۳
۲۸۴
۲۸۵
۲۸۶
۲۸۷
۲۸۸
۲۸۹
۲۹۰
۲۹۱
۲۹۲
۲۹۳
۲۹۴
۲۹۵
۲۹۶
۲۹۷
۲۹۸
۲۹۹
۳۰۰
۳۰۱
۳۰۲
۳۰۳
۳۰۴
۳۰۵
۳۰۶
۳۰۷
۳۰۸
۳۰۹
۳۱۰
۳۱۱
۳۱۲
۳۱۳
۳۱۴
۳۱۵
۳۱۶
۳۱۷
۳۱۸
۳۱۹
۳۲۰
۳۲۱
۳۲۲
۳۲۳
۳۲۴
۳۲۵
۳۲۶
۳۲۷
۳۲۸
۳۲۹
۳۳۰
۳۳۱
۳۳۲
۳۳۳
۳۳۴
۳۳۵
۳۳۶
۳۳۷
۳۳۸
۳۳۹
۳۴۰
۳۴۱
۳۴۲
۳۴۳
۳۴۴
۳۴۵
۳۴۶
۳۴۷
۳۴۸
۳۴۹
۳۵۰
۳۵۱
۳۵۲
۳۵۳
۳۵۴
۳۵۵
۳۵۶
۳۵۷
۳۵۸
۳۵۹
۳۶۰
۳۶۱
۳۶۲
۳۶۳
۳۶۴
۳۶۵
۳۶۶
۳۶۷
۳۶۸
۳۶۹
۳۷۰
۳۷۱
۳۷۲
۳۷۳
۳۷۴
۳۷۵
۳۷۶
۳۷۷
۳۷۸
۳۷۹
۳۸۰
۳۸۱
۳۸۲
۳۸۳
۳۸۴
۳۸۵
۳۸۶
۳۸۷
۳۸۸
۳۸۹
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۲
۳۹۳
۳۹۴
۳۹۵
۳۹۶
۳۹۷
۳۹۸
۳۹۹
۴۰۰
۴۰۱
۴۰۲
۴۰۳
۴۰۴
۴۰۵
۴۰۶
۴۰۷
۴۰۸
۴۰۹
۴۱۰
۴۱۱
۴۱۲
۴۱۳
۴۱۴
۴۱۵
۴۱۶
۴۱۷
۴۱۸
۴۱۹
۴۲۰
۴۲۱
۴۲۲
۴۲۳
۴۲۴
۴۲۵
۴۲۶
۴۲۷
۴۲۸
۴۲۹
۴۳۰
۴۳۱
۴۳۲
۴۳۳
۴۳۴
۴۳۵
۴۳۶
۴۳۷
۴۳۸
۴۳۹
۴۴۰
۴۴۱
۴۴۲
۴۴۳
۴۴۴
۴۴۵
۴۴۶
۴۴۷
۴۴۸
۴۴۹
۴۵۰
۴۵۱
۴۵۲
۴۵۳
۴۵۴
۴۵۵
۴۵۶
۴۵۷
۴۵۸
۴۵۹
۴۶۰
۴۶۱
۴۶۲
۴۶۳
۴۶۴
۴۶۵
۴۶۶
۴۶۷
۴۶۸
۴۶۹
۴۷۰
۴۷۱
۴۷۲
۴۷۳
۴۷۴
۴۷۵
۴۷۶
۴۷۷
۴۷۸
۴۷۹
۴۸۰
۴۸۱
۴۸۲
۴۸۳
۴۸۴
۴۸۵
۴۸۶
۴۸۷
۴۸۸
۴۸۹
۴۹۰
۴۹۱
۴۹۲
۴۹۳
۴۹۴
۴۹۵
۴۹۶
۴۹۷
۴۹۸
۴۹۹
۵۰۰
۵۰۱
۵۰۲
۵۰۳
۵۰۴
۵۰۵
۵۰۶
۵۰۷
۵۰۸
۵۰۹
۵۱۰
۵۱۱
۵۱۲
۵۱۳
۵۱۴
۵۱۵
۵۱۶
۵۱۷
۵۱۸
۵۱۹
۵۲۰
۵۲۱
۵۲۲
۵۲۳
۵۲۴
۵۲۵
۵۲۶
۵۲۷
۵۲۸
۵۲۹
۵۳۰
۵۳۱
۵۳۲
۵۳۳
۵۳۴
۵۳۵
۵۳۶
۵۳۷
۵۳۸
۵۳۹
۵۴۰
۵۴۱
۵۴۲
۵۴۳
۵۴۴
۵۴۵
۵۴۶
۵۴۷
۵۴۸
۵۴۹
۵۵۰
۵۵۱
۵۵۲
۵۵۳
۵۵۴
۵۵۵
۵۵۶
۵۵۷
۵۵۸
۵۵۹
۵۶۰
۵۶۱
۵۶۲
۵۶۳
۵۶۴
۵۶۵
۵۶۶
۵۶۷
۵۶۸
۵۶۹
۵۷۰
۵۷۱
۵۷۲
۵۷۳
۵۷۴
۵۷۵
۵۷۶
۵۷۷
۵۷۸
۵۷۹
۵۸۰
۵۸۱
۵۸۲
۵۸۳
۵۸۴
۵۸۵
۵۸۶
۵۸۷
۵۸۸
۵۸۹
۵۹۰
۵۹۱
۵۹۲
۵۹۳
۵۹۴
۵۹۵
۵۹۶
۵۹۷
۵۹۸
۵۹۹
۶۰۰
۶۰۱
۶۰۲
۶۰۳
۶۰۴
۶۰۵
۶۰۶
۶۰۷
۶۰۸
۶۰۹
۶۱۰
۶۱۱

حضور علیہ السلام کے بعض ارشاد سے بھی ثابت ہے کہ اس آیت کریمہ میں جس نماز کا ذکر ہے، وہ تہجد کی نماز ہے۔ آپؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ جنت میں ایسے بہترین محلات ہوں گے کہ اندر سے باہر کا اور باہر سے اندر کا بخوبی نظارہ ہو سکے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، حضور! یہ محلات کن لوگوں کی قسمت میں ہوں گے؟ فرمایا جو روزہ رکھیں گے، غریب و مساکین کو کھانا کھلائیں گے اور ایسے وقت میں نماز ادا کریں گے۔ وَالنَّاسُ نِيَمًاؕ جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں گے اور اس سے تہجد کی نماز ہی مراد ہے۔

اور باقی رہی یہ بات کہ اہل ایمان اپنے پروردگار کو خوف اور ایمان کے ساتھ پکارتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایمان میں یہ دونوں چیزیں شامل ہیں بلکہ اَلْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالتَّوَكُّلِ ایمانِ آدمی کا ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے، اُسے خدا تعالیٰ کے جلال و عظمت اور اُس کی گرفت کا خوف ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے جلیل القدر انبیاء بھی اُس کے خوف سے لرزتے ہیں۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا اَنْ يَنْفِرَ لِيْ خَطِيئَتِيْ يَوْمَ الدِّينِ (الشعراء: ۸۲) پروردگار! قیامت والے دن میری لغزشوں کو معاف فرما دینا۔ کہیں میری گرفت نہ ہو جائے۔ دوسری طرف مومن اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ پُر امید ہتے ہیں کہ وہ انکی لغزشوں کو معاف فرما کر نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ کیونکہ اُس کی رحمت اُس کے قمر پر غالب ہے۔

فرمایا اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے وَمِمَّا زَكَّاهُمْ يَنْفِقُونَ وہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرتے ہیں، فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے کے علاوہ صدقات و خیرات کرتے ہیں۔ غریب و مساکین

۱۔ قرطبی ج ۱، و خازن ج ۲۲۳

(فیاض)

۲۔ معالم التنزیل ج ۱، و خازن ج ۲۲۵

کوشیاں سکے ہیں۔ جہاں حج اور عمرہ کے لیے شرح کرتے ہیں۔ یہاں
ایمان لوگ ہیں کہ اللہ کی آیات سن کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخِیَ لَهُمْ مِّنْ وَتْرٍ
 أَعِیْنٍ ۚ جَزَاءُ لِّبِمَا كَانُوا یَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾
 أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا
 لَا یَسْتَوُونَ ﴿۱۵﴾ أَمَّا الذِّیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
 الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوٰی نُزُلًا
 لِّبِمَا كَانُوا یَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ وَأَمَّا الذِّیْنَ
 فَسَقُوا فَمَأْوٰیهِمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن
 یَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِیْدُوا فِيهَا وَقِیلَ لَهُمْ
 ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهِ
 تُكَذِّبُونَ ﴿۱۷﴾ وَلَنُذِیقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ
 الْأَدْنٰی دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ
 یَرْجِعُونَ ﴿۱۸﴾ وَمَن أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآیٰتِ
 رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۖ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ
 مُنتَقِمُونَ ﴿۱۹﴾

۱۵
 ۱۶

۲۲

ترجمہ :- پس نہیں جانتا کوئی نفس جو پوشیدہ رکھی
 گئی ہے اُن کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ۔ بدلہ اُس کا

جو کچھ وہ عمل کیا کرتے تھے (۱۷) پہلا وہ شخص جو ایمان پر ہو، کیا اُس کے برابر ہو گا جو نافرمان ہو یا یہ برابر نہیں ہو سکتے (۱۸) بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے، پس اُن کے لیے بہشت ہیں۔ رہنے کے لیے۔ اور یہاں اس کے بے میں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے (۱۹) وہ بہر حال وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کی، اُن کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے۔ جب ارادہ کریں گے کہ اس سے نکل جائیں تو اُن ایلے جائیں گے اس کے اندر ہی، اور ان سے کہا جائے گا چکھو دوزخ کا عذاب، وہی جس کو تم جھٹلاتے تھے (۲۰) اور البتہ ہم سنو، چکھائیں گے ان کو عسقرًا سا قریب کا عذاب بڑے عذاب سے پیٹے، تاکہ یہ لُٹ آئیں (۲۱) اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کو یاد دلائی جائیں اس کے پروردگار کی آنتیں، پھر وہ اُن سے اعزاز کرے۔ بیشک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں (۲۲)

ترجمہ

پہلے اللہ نے مشرکین اور منکرین قیامت کا ذکر فرمایا اور اُن کی جزا کا ذکر کیا اس کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کی تعریف فرمائی کہ جب ان کو اللہ کی آنتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور منکر نہیں کرتے بلکہ اللہ کے سامنے عاجزی و اطاعت کرتے ہیں۔ رات کے وقت اُن کے پہلو بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں وہ اللہ کو اللہ کی بارگاہ میں مناجات کرتے ہیں۔ اُن کے دل خدا کے عذاب سے خوفزدہ اور وہ اس کی ہمت سے پر امید ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روزی میں سے

اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

نخبة النعمات

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ صفات کے حامل مومنین کے لیے اپنے خفیہ انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ فَلَا تَعْلَمُوهُنَّ مَّا أُخْفِيَ لَهُنَّ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ پس کوئی نفس نہیں جانتا جو پوشیدہ رکھی گئی ہے ان کے لیے آنکھوں کی ٹنڈک، مطلب یہ کہ آج کسی اہل ایمان کے علم میں بھی نہیں کہ اللہ نے ان کے لیے کیسے کیسے انعامات خفیہ طور پر رکھے ہوئے ہیں۔ جو انہیں بہشت میں پہنچ کر ہی معلوم ہوں گے، اور ان کے لیے آنکھوں کی ٹنڈک بن جائیں گے، یعنی وہ اس جزائے عمل سے بہت خوش ہوں گے۔ فرمایا حَبْرَاءَ لَبِاسًا كَانُوا يَعْمَلُونَ یہ بدلہ ہے ان اعمال کا جو وہ انجام دیتے رہے۔

گزشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ اللہ کے بندے راتوں کو اٹھ کر اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی اور انکاری کا اظہار کرتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ لوگ دنیا میں رات کے وقت چھپ چھپا کر بلگاہ ایزوی میں مناجات کرتے رہے اسی طرح اللہ نے ان کے انعامات کو بھی پوشیدہ رکھا ہوا ہے جن کا علم انہیں وہیں جا کر ہوگا۔ اور وہ ان کے لیے اپنا نیک خوشی کا باعث بنیں گے۔ حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی دِل پر کھنکی ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہی آیت تلاوت فرمائی فَلَا تَعْلَمُوهُنَّ الخ

نیک و بد کا انجام

ان انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد استفہامیہ انداز میں فرمایا أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا کیا مبعلا ایک مومن

اس شخص کی طرف سے جو افران ہو، ایک طرف اللہ کی توحید کو تسلیم کرنے والا شخص ہے، اُس کے رسولوں کتابوں اور بعثت بعد الموت پر ایمان رکھنے والا ہے اور دوسری طرف آیات الہی کو چھٹانے والا، پیغمبروں کو سحر دانے والا، کتابوں کو قسے کہانیاں بتانے والا اور جہنم کے عمل کا پتلا منکوحہ آدمی ہے۔ بعد اُن دونوں کا انجام برابر کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ نے خود ہی فرمایا لَا يَسْتَوُونَ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں نعمت و نعمة اللہ کو فی اندر صریح نہیں ہے کہ پھر بھلا ایک پیسے ہوں، بلکہ دہاں توحید و انصاف کے فیصلے ہوتے ہیں، وہاں ایسا ڈرامہ نافرمانوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہیں ہوگا بلکہ ہر ایک کا انجام اُس کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہوگا۔

اہل ایمان
کی تعداد

آگے اہل ایمان اور افران کا انجام بیان کیا گیا ہے أَعْتَزُّ مِنَ الْمُشْرِكِ۔ بہر حال وہ لوگ جو ایمان لائے، ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی مصداقیت کو تسلیم کیا، اُس کی ذات اور اُس کی صفات میں کسی کو شریک نہیں منسوب کیا، کتب و صحا و پر یقین رکھا اور وقوع قیامت کو برحق مانا، اللہ کے تمام افعال و عزت کو تسلیم کیا اور اُس طرف سے اپنے ایمان کی اصلاح کی وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور اُس کے بعد نیک اعمال انجام دیے۔ نیک اعمال وہی ہوں گے جن کو خدا کرین اور شریعت بھی نیک قرار دے، اور عقل سلیم بھی نیک تسلیم کرے۔ ان اعمال میں سرفہرست عبادات اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں۔ پھر عباد، عمدہ، غیرت اور احسان وغیرہ اعمال صاف میں شامل ہیں، تو فرمایا کہ ہر لوگ ایمان لائے اور پھر اپنے اعمال بھی انجام دیے فَلْيَسَّرْ لَهُ جَنَّاتُ النَّارِ ایسے لوگوں کے لیے جہنم کے قابل بغاات ہوں گے۔ بعض بغاات میں رہائش اختیار نہیں کی جاسکتی مگر اللہ نے ان کے لیے ایسے بغاات تیار کیے کہ جہنم کے رہنے والے بھی ان کی تمام سہولتیں میسر ہوں گی، مگر وہ رہائش گاہ بھی ہوگی اور سیرگاہ بھی ہوگی کہ تمام دیکھ کر میسر ہوگا۔ نہایت کی چیز وہاں دستیاب ہوگی۔ یہ بغاات

میں پانی کی نہریں جاری ہوں گی اور درختوں ہر طرح کے پھل موجود ہوں گے۔ فرمایا یہ سب کچھ نَزَلَا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اُن کی مہمان نوازی کے طور پر ہوگا اُن اعمال کے بدلے میں جو وہ دنیا کی زندگی میں انجام دیتے تھے۔

اہل جنت کو یہ نعمتیں بغیر مشقت کے حاصل ہوں گی کیونکہ یہ اُن کی مہمان نوازی کے طور پر ہوگا۔ اپنے گھر میں انسان ہر طرح کی نعمتیں حاصل کر لیتے ہیں مگر اس کے لیے محنت و مشقت کرنا پڑتی ہے تب جا کر مطلوبہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ اس کے باوجود نعمت کے ختم ہو جانے کا ہر اُن امکان ہوتا ہے، خود انسانی زندگی دوبارہ زوال رہتی ہے اور آخر ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتی ہے اور تمام نعمتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، موت سے پہلے طرح طرح کی بیماریاں اور حوادث پیش آتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے انسانوں کو پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ مگر جنت میں نہ تو زندگی ختم ہوگی اور نہ کسی نعمت کے چھین جانے کا خطرہ ہوگا۔ اہل ایمان کی یہ مہمان نوازی دائمی ہوگی اور یہ اس لیے کہ وہ دنیا میں اچھے اعمال انجام دیتے رہے۔

کفار کا انجام

اس کے بالمقابل کفار کے متعلق فرمایا وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا بہر حال وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ فسق کا اطلاق انسان کی مختلف حالتوں پر ہوتا ہے۔ یہ لفظ مطلق گنہگار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جب کہ اس کا لغوی معنی اطاعت سے باہر نکل جانا ہے۔ اللہ نے مشرکوں کے متعلق فَسَقُوا وَاكْثَرَهُمْ فَسِقُونَ (التوبہ - ۸) اُن میں سے اکثر فاسق ہیں ایمان کی کتاب کے متعلق بھی فرمایا وَكَثَرَهُمُ الْفَاسِقُونَ (آل عمران - ۱۱۰) اُن کی اکثریت فاسقوں پر مشتمل ہے۔ منافقوں کے متعلق بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ (التوبہ - ۵۳) تاہم اس مقام پر فاسق سے مراد کافر ہیں کیونکہ یہ لفظ ایمان کے مقابلہ میں لایا گیا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ جنہوں نے کفر اور نافرمانی کا راستہ اختیار کیا فَمَا أَوْفَاهُمُ الْبَارَءُ اُن کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہوگا۔ اور وہ ایسا برا ٹھکانا ہے کہ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجتہ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
مجرمین کو دنیا میں اس ذمہ داری نظام کی موجودگی میں بھی بعض جرائم کی سزا دینا چاہتا ہے۔
کوئی بیماری آگئی، حادثہ پیش آیا، جان، مال یا اولاد کا نقصان ہو گیا، فحط پڑ گیا
یا جنگ مسلط ہو گئی۔ یہ سزا ہی کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ لوگوں کی
تنبیہ کے لیے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں سعادت مند لوگ
سمجھ جاتے ہیں اور وہ جرائم سے باز بھی آجاتے ہیں مگر جو ناجائز قسم کے لوگ ہوتے
ہیں وہ تنبیہ کا کچھ اثر قبول نہیں کرتے اور اعمال بد میں مہمک رہتے ہیں۔ اور
پھر آخر کار بڑے عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں۔
کہ بعض اوقات لوگ سزا کے مستحق بن جاتے ہیں مگر بعض اسباب کی وجہ سے وہ
سزا کی رہتی ہے۔ پھر جب وہ اسباب رفع ہو جاتے ہیں تو مقررہ سزا طوفان
کی طرح یکدم وارد ہو جاتی ہے۔

آیات اللہ
سے اعراض

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کا شکوہ بیان کیا ہے۔
وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ أَوْرَأْسَ سِوَالْمَلِكِ كُنْ
ہے کہ جب اس کے سامنے اس کے پروردگار کی آیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، اور
اسے بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام نازل فرمائے ہیں یا اس نے اپنی وحدانیت
کے یہ دلائل پیش کئے ہیں ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا تو پھر وہ شخص ان سے
اعراض کر جاتا ہے۔ آیات اللہ کی طرف توجہ ہی نہیں کرنا بلکہ ہر اچھی بات سنی ان
سنی کر دیتا ہے۔ اللہ نے اعراض کی یہ صورت بھی بیان فرمائی ہے۔ صَلُّوا
مُبْكَرًا عَمَلًا وہ اندھے، بہرے اور گونگے بن جاتے ہیں۔ حق بات سے
منہ موڑ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا إِنَّا وَفَّ الْمُحْجِرِينَ
مُنْتَقِمُونَ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔ ظاہر ہے

کہ جہانم کا ادب کتاب کر کے کوئی شخص نہ تعالیٰ کے انتقام سے بچ نہیں سکتا۔ اور
شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی سزا دقتی طور پر رک تو سکتی ہے مگر ناپائیدار
سکتی۔ بعض مجرم دنیا میں سزا سے بچے جیتے ہیں مگر مرنے کے فوراً بعد گرفتار ہوا
ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ بعض جہانم کی سزا آخرت کے عذاب سے
پہلے ہی ملے گئی ہے۔ جو لوگ والدین کو تنگ کرتے ہیں۔ قطع رحمی کے مرتکب
ہوتے ہیں اور ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔ بلا اوقات ان کو دنیا میں ہی سزا ملنے
لگتی ہے۔

امام ابن حجر نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت بیان کی ہے کہ تین
جہانم کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی ملے دیتا ہے۔

۱۔ حق کی مخالفت کرنا دنیا ہی میں سزا کا مستحق بناتا ہے۔ آپ روزمرہ مشاہدہ
کرتے ہیں کہ لوگ جھوٹے اٹھا کر اور نصرت و کامرانی کے احکام الہی کی خلاف ورزی
کرتے ہیں۔ اسلامی شعار کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حتیٰ کہ عورتیں بھی اپنے نام نہاد حقوق
کے حق میں مسلسل نکالتی ہیں۔ مشورہ اشد کا بوجھ گراہی کا یا نکاح اور طلاق کا
عورتوں کو اللہ کے عطا کردہ حقوق سے قتل نہیں ہے، وہ اس دنیا کے عیب و
مناکرتوں سے اپنے لیے سزا پر حقوق طلب کرتی ہیں۔ یہی لڑائی کی مخالفت ہے
جو آج سرعام ہو رہی ہے۔

۲۔ دوسری چیز والدین کی نافرمانی اور ان کو ناحق تنگ کرنا ہے۔ ایسے
لوگ دنیا ہی میں سزا کے شکنجے میں جاتے ہیں۔

۳۔ جو شخص خود ظلم کرتا ہے یا ظالم کی مدد کرتا ہے اور بھی دنیا میں سزا ملنے
کا اہل بن جاتا ہے۔

۴۔

تفسیر طبری ص ۱۱۴، تفسیر الثعالبی ص ۱۱۴، تفسیر الراغب ص ۱۱۴، تفسیر طبری ص ۱۱۴
(فیاض)

الغرض ! ان تین قسم کے جبرالم کی منشا دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اس سے بڑا عالم کون ہے کہ جس کے سامنے اُس کے رب کی آیات ذکر کی جائیں۔ اور وہ اعراض کر جائے۔ الٹریلے مجرموں سے ضرر انتقام لے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ
 فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى
 لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ ۖ ﴿٢٣﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً
 يَّهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا
 بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ۖ ﴿٢٤﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْفَصْلُ
 بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ
 يَخْتَلِفُونَ ۖ ﴿٢٥﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ
 أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ
 فِي مَسْكِينَهُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّأُولِي
 بَسْمَعُونَ ۖ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: اور البتہ تحقیق ہم نے دی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب
 میں نہ ہوں آپ شک ہیں اُن کی ملاقات سے ۔
 اور بنایا ہے ہم نے اُن کو کتاب کہ آیت بنی اسرائیل
 کے لیے ﴿۲۳﴾ اور بنائے ہیں ہم نے اُن میں
 سے پیشوا جو راہنمائی کرتے تھے ہمارے حکم سے
 جب کہ انہوں نے صبر کیا و اللہ تھے وہ ہماری آیتوں
 پر یقین رکھتے ﴿۲۴﴾ یہاں تیرا ہر دگر ہی فیصلہ

کرے گا اُن کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے (۲۵) کیا ان لوگوں کے لیے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی جماعتیں ہلاک کی ہیں جن کے ٹھکانوں میں یہ چلتے ہیں۔ بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں کیا یہ سننے نہیں؟ (۲۶)

ربط آیات

اس سورۃ کی ابتدا میں قرآن کی حقانیت اور صداقت بیان ہوئی۔ پھر اللہ نے توحید کا مسئلہ سمجھایا۔ اس کے بعد وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا ذکر ہوا۔ پھر منکرینِ قیامت کا رد ہوا اور قیامت میں پیش آنے والے بعض واقعات کا تذکرہ ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور فسق کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا اور بطور تنبیہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت کے بڑے عذاب سے پہلے ہم دنیا میں کمتر عذاب بھی بھیج دیتے ہیں تاکہ لوگ بڑے عقاب و اعمال سے باز آجائیں پھر اللہ نے منکرین کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ آیاتِ الہی کو سن کر ان سے اعراض کرتے ہیں، ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار نہیں کرتے ان سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے؟

نزولِ تورات

آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ تورات کا ذکر فرما کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد تورات ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر پرنازل ہوئی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی تعلیم و اشاعت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اسی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم کی تعلیم، تبلیغ اور اشاعت پر بے شمار مصائب برداشت کرنا پڑیں گی۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام

کو تلو دی ہے کہ **وَالَّذِي أَسْلَمْنَا الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ**
 ۶۰۔ اے نبی! آپ کو مکی حکیم و عہدہ دہا کی طرف سے کتاب دی گئی ہے جو
 آپ کے بہت سے حالات و صورتِ اعلیٰ علیہ السلام کے حالات سے مشابہت
 میں اس لیے اللہ تعالیٰ نے جو علیہ السلام کو بطور نبی و مرسل پیش کیا ہے کہ اُن کی طرف
 آپ بھی صبر و برداشت سے کھڑے رہنے والی مشکلات پر قیام فرمائیں۔

ہفت تہائی
شکریہ
تہا

فہم، جسے مولیٰ علیہ السلام کو قریب عطا فرمائی تھا، تسکینِ قلب و مددِ یقین یافتہ پس آپ اس کی طوالت کے متعلق کتاب میں نہ پڑیں۔ اس سے کرن سے ملاقات مراد ہے جس کے متعلق عدم تردید کی یقین کی گئی ہے ؟ معصومین کو اس کی مختلف توضیح سے بیان کرتے ہیں۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ کتاب میں ہ کی تفسیر کتاب کی طرف لڑائی ہے اور پوسے جملے کا معنی یہ ہے کہ آپ کتاب کے لئے سے متعلق کتاب میں نہ پڑیں، یعنی جس طرف اللہ نے مولیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی تھی، اسی طرف آخر بھی عظیم کتاب عطا فرمائی ہے۔ جس طرح مولیٰ علیہ السلام کو کتاب کی تعلیم و تبلیغ میں سخت محنت کرنا پڑی اسی طرح آپ کو بھی سخت کاوش کرنا پڑے گی۔

عاصم تفسیر مذکور فرماتے ہیں کہ یہاں پر جہ کی تفسیر موسیٰ علیہ السلام کی معرفت
لوقی ہے اور معنی یہ ہے کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کی اشر سے ملاقات کے متعلق
کسی نیک اور مرد کا شمار نہ ہوں۔ ایسا وقت آئے والا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام
اشر کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور وہ اشر سے اُن لوگوں کی شکایت کریں
گے جنہوں نے کتاب قرآن کی تکذیب اور منافقت کی۔ اسی طرح مضمون
عبارۃ الصلوۃ والسلام یعنی قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالیٰ کے سامنے شکایت

سنة الفرائد القسرة للشيخ الفاضل

(قیاض)

۲۹۰

پیش کرینگے کہ آپ کی قوم نے اس عظیم کتاب سے اعراض کیا۔ سورۃ الفرقان میں ہے ۔
 وَقَالَ الرَّسُولُ يُرَبِّ اِنْ قَوْمِي اخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝
 (آیت ۳۰) اللہ کا رسول کہے گا، یہ ور وگار! میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت
 ڈال دیا یعنی اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت قتادہؓ نے ایک تیسری تفسیر بیان کی ہے
 وہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ملاقات کے
 متعلق کسی شک میں نہ پڑیں۔ حضور علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین ملاقاتوں
 کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ واقعہ معراج والی حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا کہ میرا گزر ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہوا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مدفون
 ہیں، تو میں نے دیکھا رَأَيْتُ مُوسَى قَائِمًا يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ۔ کہ
 موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر جب آپ علیہ السلام
 بیت المقدس پہنچے تو وہاں تمام کے تمام انبیاء کو موجود پایا جن میں موسیٰ علیہ السلام
 بھی شامل تھے اور آپ نے سب کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام
 سے تیسری ملاقات چھٹے آسمان پر ہوئی۔ اللہ نے آپ کی امت کے لیے
 پچاس نمازیں مقرر فرمائیں مگر جب موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے
 حضور علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ ان میں کبھی کراہیں کیونکہ آپ کی امت اتنی مشقت
 برداشت نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام بار بار اللہ کے حضور درخواست
 پیش کرتے۔ الغرض! اللہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کے متعلق
 کسی شک میں نہ پڑیں کیونکہ آپ نے بعینہ موسیٰ علیہ السلام سے ہی ملاقات کی
 تھی۔ جو کہ جسم اور روح کے ساتھ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ معراج کے موقع پر انبیاء

لے تنزیہ المقیاس من تفسیر ابن عباسؓ ص ۲۲۷

لے خازن ص ۲۲۷ و منظری ص ۲۹۵ لے سلم ص ۲۶۸ و نائی ص ۲۴۲ و منہ احمد ص ۱۴۸ (فیاض)

کے رحوں سے یا تمہیل انبیاء سے ملاقات ہوئی تھی بخیر اللہ نے واضح کر دیا کہ آپ شمع میں نہیں جگہ آپ نے بعینہ ہوئی علیہ السلام سے ملاقات کی۔

جنت
الامت

قرآن مجید میں وہی علیہ السلام کو کتاب اٹھانے والی وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّلْبَشَرِ اور اس کے کتاب کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ کتاب قرأت کے نزول کے لیے خود بنی اسرائیل نے صحرانے سینا میں درخواست کی تھی کہ وہی علیہ السلام نے چالیس دن تک صبر کیا تو اللہ نے تعجبوں پر بھی مکھانی قرأت عطا فرمائی جس کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل اس کتاب کے قراءت کو لایق سمجھیں اور نہ ان کی ہڈیاں بھر کر دیں اور نہ ان کی تمہیل کریں۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً لِّمَنْ يَّهْتَدِي اور پھر نے ان میں اہم معنی پیشوا بنانے جو ہمارے علم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ آئمہ اہم کی جمع ہے اور یہ لفظ تین قسم کے لوگوں پر پورا جاتا ہے۔ یعنی اول علم و دہ، فقہاء اور دہ (۱۲) حکام و وقت (۱۱) سے مراد وہ شخص جو ہے جس کے قول فعل اور اتفاق کی اقتدا کی جلتی چنانچہ مذکورہ بالا تینوں طبقات کے لوگ ائمہ کے قابل ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ اس وقت بنایا گیا خاصہ ہے کہ جبکہ انہوں نے صبر کیا وَكُنَّا لَهُمْ آيَةً لِّمَنْ يَّهْتَدِي اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ مگر صبر اور یقین اہمیت کے لیے ہرگز شرائط کے ہیں۔

وصیہ، نماز، شجر، ذکر، غلطیوں سے بچنے کی طرف صبر بھی وقت پر ایسی کامیت
ہو، اصول ہے صبر کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً صبر نسبت اور تحمیل آئے
پر ہوتا ہے یا نفس کو خواہش کی طرف جانے سے روکنے پر ہوتا ہے صبر بہت
بڑی چیز ہے جس کے متعلق فرمایا ہے الْعَاصِيَ لَوْ كَفَرَ العاصی یعنی
نقض ہونے کے بعد حساب والے۔ صبر کر کے دلوں کو بغیر حساب

(فیاض)

۱۔ طبری ص ۲۱۱۔ ۲۔ ابن کثیر ص ۲۱۱۔ ۳۔ قرطبی ص ۲۱۱

کے اجر ملے گا۔ گریہ دار کامیابی صبر ہے۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ جب بنی اسرائیل کو سخت ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صبر کی تلقین کی۔ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اللّٰهُ سَعْدٌ لِّمُطِئِبِّ كُرُوْا صَبْرًا فَاِذَا رَکَرُوْا فَاَلْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ (آیت ۱۲۸) اچھا انجام متقیوں کا ہی ہوگا۔

امامت کے لیے دوسری شرط یقین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے تمام احکام اور ان کے نتائج پر یقین ہو۔ اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جو اصول وضع فرمائے ہیں سب کو دل و جان سے تسلیم کرے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت پر یقین ہو، وقوع قیامت اور جزائے عمل پر یقین ہو۔ اللہ کی جنت اور دوزخ پر یقین ہو۔ اگر کوئی شخص متروک ہے گا۔ اور ان چیزوں پر یقین نہیں کرے گا۔ تو وہ امامت کا مستحق نہیں بن سکتا۔

امام سفیان ثوری کی روایت میں آتا ہے کہ اُن سے حضرت علیؑ کے اس قول کے متعلق پوچھا گیا الصَّبْرُ مِنَ الْإِيْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ یعنی صبر کا ایمان کے ساتھ وہی تعلق ہے جو سر کا جسم کے ساتھ ہے۔ اگر سر نہ ہو تو جسم بیکار ہے۔ اسی طرح اگر صبر نہیں تو ایمان ناممکن ہے۔ اس پر امام ثوریؒ نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے اس بنیادی چیز کو پکڑ لیا تو اللہ نے ان کو دنیا میں امامت عطا فرمائی۔ سورۃ الفرقان میں اللہ کے نیک بندوں کی دعا بھی ہے۔ وَكَجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا (آیت ۷۴) مولا کریم! ہمیں نیک لوگوں کا پیشوا بنا دے جو ہماری اقتداء کریں۔ غرضیکہ جب صبر اور یقین جیسی چیزیں حاصل ہوں گی تو اللہ تعالیٰ منصب امامت پر فائز کرے گا۔

مسلمان آج دنیا کی امامت سے محروم ہیں جسکی وجہ یہی ہے کہ یہ صبر اور

مسلمانوں کی
محرومی

یعنی سے خالی ہے۔ اگر وہ ان درجہ نروں کو اپنا نہیں قرار دیتا تو اسے ان کے حصے میں آسکتی ہے۔ اس وقت امر کیجئے۔ ہوں جو منی چین اور فرانس دنیا کی پیشوائی کرتے ہیں۔ دو سو سال پہلے بڑا بیرونی کام تھا۔ دنیا کی دولت اگر محمد بنیست آج وہاں ان کے یہ پیشوائی محنت، محنت اور عروا پتہ کی بنا پر حاصل کی ہے۔ وہ تو اپنی دینت جانتے ہیں۔ فضا تو پر نہیں لڑا لے رہے ہیں۔ اس کام میں مرے ہیں۔ مال دولت اور دولت ہے۔ مگر کچھ پروا نہیں بلکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے حصول کے لیے محنت سے محنت کرتے ہیں۔ انگریز دنیا کی بلند ترین پہاڑی چوٹی مرٹن اور سمر کو سر کرنے کے لیے ڈیڑھ سو سال تک کوشش کرتے رہے تب جا کر وہاں حاصل ہوئی۔ اس کے بعد وہ مسلمان کا وہ درجہ دست ہو چکے ہیں۔ محنت میں جس میں نہیں گتا۔ آرام طلبی اور عیاشی کو شکست ہو چکے ہیں۔ اب تو یہ دوسروں کے پیچھے ہی چل رہے ہیں۔ خود آگے قدم نہیں بڑھاتے۔ دنیا ہر مہر مہلکاروں کی کوئی بھی چیز نہ معیاری نہیں ہے۔ حکمرانوں کو وہ جہاد پیش پرست ہیں۔ لوگ اور ڈکٹیٹر ہیں۔ نظام سربراہی میں پیسے ہوتے ہیں۔ مسیحا اور یحییٰ سے عادی ہو چکے ہیں۔ لہذا یہ دنیا کی کامت کے قابل ہی نہیں ہے۔

عوامی معیار کا تو یہ

ہمارے حکام و علمائے توحید کرتے ہیں کہ ہم عوام کا معیار زندگی بلند کریں گے۔ مگر ان کے دعوے اور عمل میں تضاد ہے۔ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ جب تک حکام اپنا معیار زندگی عوامی سطح پر نہیں لائیں گے۔ عوام کی حالت کیسے بہتر ہو سکتی ہے؟ آج ان حکام کی اقتدار کو ان کو رکھنا ہے۔ یہ تو بالمشان کر ٹیبلر ہیں۔ بہتے ہیں۔ لاکھوں روپے کی کار استعمال کرتے ہیں۔ ان میں شاید نہ جیہ۔ غریب کو قریب نہیں آتے۔ میتے۔ لہذا یہ لوگ اقتدار کے قابل کسے ہو سکتے ہیں؟ جب تک مسلمان صدامان اقتدار عطا نہ لائیں۔ دلائل و افکار اختیار نہیں کریں گے۔ خود عوام کی سطح پر اگر ان کا معیار زندگی نہیں آتا۔ ان کو کامت کیسے حاصل ہو سکتی ہے اور عوام کی حالت کیسے درست ہو سکتی ہے؟

ہمارے عوامی نمائندے کہتے ہیں کہ ہر بے زمین کاشتکار کو زمین اور ہر بے گھر
خاندان کو مکان کے لیے پلاٹ دیے جائیں گے۔ یہ تو بھی ہو سکتا ہے۔ جب یہ خود
اپنی زمینوں کو چھوڑ دیں۔ اگر یہ اپنی جاگیریں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو باقیوں
کو تقسیم کرنے کے لیے زمین کہاں سے آئیگی؟ یہ سب دھوکہ ہے۔ جب تک
تم خود عوامی معیار اختیار نہیں کرو گے، عوام کا معیار کیسے بند ہو سکتا ہے؟ جو لوگ
اعلیٰ ترین دانشمندی اختیار کرتے ہیں۔ اعلیٰ ترین ہوش میں کھانا کھاتے ہیں۔ بہترین
کار استعمال کرتے ہیں، دیگر تمام مراعات حاصل کرتے ہیں جن کو عوامی مسائل سے
کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟

بہر حال اللہ نے اصول کے طور پر بتلادیا کہ بنی اسرائیل نے صبر کیا، ہماری
آیتوں پر یقین کیا تو اللہ نے دنیا کی امانت ان کے سپرد کر دی۔ اگر مسلمان بھی دنیا کی
راہنمائی کرنا چاہتا ہے تو اپنی اصولوں کو اپنانا چاہئے گا اور اس کے لیے سب سے
پہلے خود کو تبدیل کرنا ہوگا۔ وگرنہ موجودہ اتحادی اور سربراہ دار نظام کی موجودگی میں تو
اصلاح کی کوئی صورت ممکن نظر نہیں آتی۔

فرمایا آپ مخالفین کی ایذا رسانیوں پر صبر کا دامن نہ چھوڑیں اِنَّ رَبَّكَ
هُوَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَشْكُ تَبَرُّوْا بِرُؤُوسِكُمْ قِيَامَتِ وَلَئِنْ
وَرِنَ اَنْ كَے درمیان فیصلہ کرے گا فِیْہَا كَانُوْا فِیْہِ یَحْتَلِفُوْنَ، اَنْ
معاملات میں جن میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے۔ یہ لوگ حق کی مخالفت کرتے تھے
اور باطل کو رائج کرنا چاہتے تھے، اللہ کے انبیاء اور مصلحین کو ایذا میں پہنچاتے تھے
قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے تھے، اَنْ كَاھلِی فِیْصَلُ اللّٰہ تعالیٰ قیامت کے
دن فرمائے گا۔ دنیا میں تو اللہ نے ہدایت اور گمراہی کو بالکل واضح کر دیا تھا جیسا
کہ فرمایا قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ - ۲۵۶) اس وضاحت
کے باوجود جنہوں نے غلط راستے کا انتخاب کیا ان کے متعلق دو لوگ فیصلہ قیامت
کے دن ہو جائے گا۔

قیامت کے
دن فیصلہ

مذہبِ عرب

ارشادِ مہتاب ہے اَوَلَمْ يَتَفَكَّرْ لَمَوْ كَيْدِ اِيَّاكَ يَوْمَ تَوَلَّيْتَ اِيَّاهُمْ وَانْتَهَيْتَ عَنْهُمْ
 بَرَاءُ كَمَا اَهْلَكْتَ مَنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ كَمَا اَنْتَ مِنْهُمْ اَمَلٌ
 کتنی ہی جہمتوں کو ہلاک کر دیا بے شک و یقین کہ ان کے لئے آج یہ لوگ اہل
 ہلاک شدگان کی مالش کو ہوں میں جتنے بھرتے ہیں، اُن کے کفِ لڑت پر سے بڑھتے
 ہیں یہ لوگ بھی کسی دولت مند اور صاحبِ اقتدار تھے، مگر آج اُن کی ہلاکت کا منظر اپنی
 آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، ان میں سے بعض تو سعی و محنت سے اور عا د و مہو و پرانی
 مصرعوں اور گھڑائیوں وغیرہ کو انہوں نے سزا بھیج کر ہلاک کیا۔ کیا یہ چیز ان کے لیے ہانے
 عبرت نہیں ہے؟ جب یہ سرکش اور افران لوگ دنیا سے نادر ہو گئے تو آج کے
 زمانہ میں اسی ڈر پر جتنے ملے کیسے کیسے کئے ہیں۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّمَنْ اَهْلَاكَ
 تَسْتَعْوِذُ بِمَا يَرُوْكَ سَتَ نَسِيْهِمْ اَلَمْ يَنْزِلْ فِيْ قُرْاٰنِ كِيْ حَاكَا كَمَا لِيَا
 کر کے خجوار کیا ہے۔ مگر اس کا فائدہ تو اسی کو ہو گا جو ان حالات کو بغور سے سمجھ
 نے سنا ہی نہیں۔ اُسے کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دیا، دل میں بکھری
 نہیں دی، انہیں کون سی عبرت حاصل ہوگی؟ وہ تو اپنی کے نقش قدم پر چل کر اپنی
 کے انجام کو پہنچیں گے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ
الْجُرْزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ
أَنْعَامُهُمْ وَانْفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿٢٧﴾
وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ﴿٢٨﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ
الَّذِينَ كَفَرُوا إِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٢٩﴾
فَاعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرِ إِنَّهُمْ مُنْتَظَرُونَ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ بیشک ہم
چلاتے ہیں پانی کو خشک زمین کی طرف۔ پس ہم نکالتے
ہیں اُس کے ساتھ کھیتی کر کھاتے ہیں اُس سے اُن
کے مویشی اور یہ خور بھی۔ کیا یہ دیکھتے نہیں؟ ﴿۲۷﴾
اور کہتے ہیں یہ لوگ کہ کب ہو گا یہ فیصلہ،
اگر تم سچے ہو؟ ﴿۲۸﴾ آپ کہہ دیجئے کہ فیصلے کے
دن نہیں فائدہ دے گا کفر کرنے والوں کو ان کا
ایمان لانا، اور نہ اُن کو ملت دی جائیگی ﴿۲۹﴾ پس
دلے پیغمبر! آپ ان سے اعراض کریں، اور انتظار
کریں، بیشک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿۳۰﴾

گزشتہ آیات میں تاریخی واقعات کی طرف اشارہ تھا کہ کیا

رابطہ آیات

قرآن پاک میں اکثر مقامات پر اللہ نے پانی کے نزول کا ذکر اس طرح کیا ہے
وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً (البقرہ ۲۲۰) ہم نے آسمان کی طرف سے
پانی نازل فرمایا۔ ظاہر ہے کہ نزول آب سے مراد نزول بارش ہے جو براہ راست
کسی خطہ ارض میں برس کر دیاں کی خوشحالی کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ تاہم اس مقام پر
اللہ نے پانی کو چلانے کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف چلاتے
ہیں۔ اس چلانے سے بادلوں کا چلنا بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے
کسی چٹکی زمین کی طرف چل کر بارش برساتے ہیں۔ تاہم اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا
ہے کہ ہم پانی کو ایسی جگہوں تک چلا کر لے جاتے ہیں جہاں براہ راست بارش
نہیں ہوتی، یا اگر ہوتی ہے تو مفید نہیں ہوتی۔ اس کی واضح مثال پہاڑوں پر ہونے
والی بارش کی ہے کہ بارش کا پانی پہاڑوں سے نیچے ندی نالوں کی صورت میں
ترنکلتا ہے اور اس سے میدانی علاقے سیراب ہوتے ہیں۔ ان میں ایسے علاقے
بھی ہوتے ہیں جہاں بارش باکلی نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو کم یا بے وقت ہوتی
ہے اور لوگ اس سے کما حقہ مستفید نہیں ہو پاتے۔ پھر جب پہاڑوں پر ہونے والی
بارش یا پہاڑوں پر پڑنے والی برف کا پانی دریاؤں اور نہروں کے ذریعے دور دراز
علاقوں تک پہنچتا ہے تو لوگ ہر موسم میں حسب ضرورت اس کو استعمال کرتے
ہیں اور اس سے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک
چلانے کی ایک صورت بھی اللہ نے قرآن میں بیان فرمائی ہے اَلَمْ تَرَ
اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ نِيَابِيعَ فِي الْاَرْضِ
(النمر ۲۱) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے اور
اسے زمین میں چشمے بنا کر چلاتا ہے۔ گویا زمین دو ذیلیوں کے ذریعے پانی ایک
جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے اور پھر لوگ ٹوب و لٹوں اور کنوؤں کے ذریعے
پانی نکال کر زمین کو سیراب کرتے ہیں، خود بھی استعمال کرتے ہیں اور جانوروں
کو بھی پلاتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے پانی کو وسیلہ قدرت کے طور پر پیش کیا ہے

تاکہ لوگ اس میں خورد و خوراک کے صحیح نیچے پہنچ سکیں۔

اس پانی کا فائدہ دیر برتبہ کہ اس کے کینق پیدا ہوتی ہے قَاطِلٌ مِمَّا
 اُتَتْ مِنْهُمْ وَالْفَسْخُ جے ان کے جانہ کہتے ہیں اور یہ خود ہی بطور
 خوراک استعمال کرتے ہیں۔ اکثر پانی کے ذریعے جس کو آبی، پیل اور
 چربی برٹیاں پیدا کرتے انسانوں اور جانوروں سب کی خوراک کا بندوبست کر دیا
 ہے۔ جب غریب پیدا ہوتا ہے تو اصل دئے انسانوں کی خوراک بنتے ہیں۔ جب
 کہ مہرہ، گاس، مہرہ اور چربی پائیاں جانور اور موشی کی پیتے ہیں۔ سورۃ النحل
 سورۃ الاحکام اور بعض دوسری سورتوں میں موجود ہے کہ اکثر جانوروں کو
 تھری خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اُن کی خوراک کو بندوبست کیا ہے اور
 قرآن سے کالیں پھر، ان کو دودھ پیتے ہیں۔ کمال اور بال استعمال کرتے ہو
 اور اُن کا گوشت بھی استعمال کرتے ہو۔ عَاطِیْکَ زَیْلًا وَجَعَلْنَا مِنْ ثَمَرِ
 کُلِّ شَیْءٍ حَبًّیًّا ذَاقُوا کُیْبًا۔ ۳۰۔ جس سے سریشہ کو پانی کے ذریعے
 زندہ کی گئی ہے۔ سریشہ کا مہرہ آیت پائی ہے۔ تمام انسانوں، جانوروں اور پتوں
 کی زندگی پانی کے ساتھ وابستہ ہے۔

پانی انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ایک اہم ترین ضرورت ہے انسانی
 نشو و نما کا انحصار خون پر ہے جس میں اسی بنیاد پانی اور آبی سیس فیصد دیگر
 فلیات اور پروٹین ہیں۔ ہر جاندار کا صخر خون کی فیکری کے طور پر کام کرتا ہے
 تمام خورد و خوراک انہوں اور ہر ایک رگوں کے ذریعے جگر میں پہنچتی ہیں۔ اس
 فیکری میں انس کے گروہوں کا ذمہ کام کر رہے ہیں جو خوراک کو خون میں
 تبدیل کرتے ہیں۔ خون خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ بہت بڑی نعمت ہے۔ جو
 مصنوعی طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے جب حادثاتی طور پر
 انسانی جسم سے خون زیادہ مقدار میں بہا جائے تو اسے لہر کرنے کے لیے انسانی
 خون کو منتقل کرنا پڑتا ہے۔ الغرض! پانی کے بغیر خون تیار نہیں ہو سکتا

اور خون پر ہی انسانی جسم کا دار و مدار ہے، لہذا پانی ہر جاندار کے لیے نہایت ہی ضروری ہے۔ اللہ نے اسی لیے یہ احسان فرمایا ہے کہ ہم پانی کو بحیرہ زمین کی طرف چلاتے ہیں، پھر اُس سے کھیتی اگاتے ہیں جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہے۔

حیوانات اور نباتات کے لیے پانی کی جس قدر زیادہ ضرورت ہے، اللہ نے اسی قدر اس کی بہم رسانی کا بھی فری انتظام فرمایا ہے۔ قدرت کا مہیا کردہ ذخیرہ آبِ قربا بالکل صحت ہے، البتہ اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے کبھی کم اور کبھی زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کے لیے ہر (دالین) پانی سے بھی زیادہ ضروری ہے، اس لیے اللہ نے اُس کو بالکل ہی فری مہیا کیا ہے ہوا ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے جسے حاصل کرنے کے لیے کسی محنت مشقت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح پانی کی سپلائی بھی بالکل فری ہوتی چاہیے، اور اس پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں عائد ہونا چاہیے۔ ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملک کے کونے کونے میں حسب ضرورت پانی مہیا کرنے کا انتظام کرے۔

فرمایا ہم نے پانی کو چلا کر اس سے سبزی، پھل اور اناج پیدا کیے ہیں، اور اسے انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنایا ہے اَفَلَا يَبْصُرُونَ کیا یہ لوگ قدرت کی اس نشانی کو دیکھتے نہیں۔ اللہ نے اپنی قدرت کی ایک ایسی زندہ مثال پیش کی ہے جو ہر روز مشاہدہ میں آتی ہے، لوگوں کے سامنے بارش برسی ہے، زمین میں ہریالی پیدا ہوتی ہے۔ فصل پکیتی ہے اور پھر وہ جانداروں کی خوراک بنتی ہے۔ کیا یہ دلیل ان کے لیے کافی نہیں؟ گزشتہ درس میں تاریخی واقعات کا ذکر کئے اللہ نے فرمایا، کیا یہ سنتے نہیں؟ ظاہر ہے کہ واقعات کا تعلق سماعت سے ہی ہوتا ہے اور اب مشاہداتی مثال بیان کر کے فرمایا ہے، کیا یہ دیکھتے نہیں؟ مطلب یہ کہ دونوں مثالیں غور و فکر کا مطالبہ کرتی ہیں تاکہ لوگ بعض باتیں سن کر اور بعض چیزیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں اور اُنے والی ابدی

دلائل قدرت
کا مشاہدہ

زندگی کو سنواریں۔

فیصلہ کا
دن

سمجھنے کے لئے میں جب اہل ایمان اور کافر میں جلسہ میں آتا ہوں تو کہہ دوں گا کہ لوگو! ایمان والوں کا مذاق اڑاتے۔ اس کے جواب میں اہل ایمان کہتے کہ آج تو قرآن مجید میں حالتِ پیشتہ ہرگز ایک وقت آئے والہ ہے جب ہم تمہارے ساتھ تھے اور تمہاری حالت تھی اور ذلت و غرور کی وجہ سے تمہاری نظریں نہیں بند ہوں گی۔ اس پر کافر اور مشرک کہتے وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتلاؤ کہ فیصلہ کا وہ دن کب آئے گا جب تم ہماری جگہ پر نظر آئے اور ہم ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ اس کا جواب اللہ نے یوں دیا قُلْ لَّيْسَ بِي خَبِيرٌ آپ کہہ دیں يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا ایسا نہیں کہ جیسے کہ کفر کے دن کافروں کا ایمان ان کو کچھ فائدہ نہیں دے گا بعض فرماتے ہیں کہ فیصلے کے دن سے مراد یومِ یومِ یوم ہے۔ یہ فتح مکہ کا دن ہے جس میں لوگوں کو ہادی علیہ السلام ہزار ان اور مواقع پر فیصلہ واقعی مسلمانوں کے حق میں ہوا اور کفار و مشرکین ذلیل و خوار ہوئے۔ مگر یہاں یہ اشکال پیدا ہوا ہے کہ اس دن بعض لوگوں کا ایمان لانا ان کے لیے بلاشبہ معنی نہایت بُرا اور ان کی ہولناکی جو جہنم میں مسلمانوں کے خلاف ہر سرچسما ہوئے والے کافروں میں سے بعض بعد میں ایمان لائے اور ان کی وفات ایمان پہنچ گئی۔ لہذا وہ کامیاب ٹھہرے۔ اسی طرح فتح مکہ کے دن بھی تقریباً دو ہزار کافر ایمان لائے اور ان میں سے بعض نے بڑے بڑے کاروبار کی نمایاں سرانجام دی جو بلاشبہ ان کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس فیصلے کے دن سے مراد قیامت کا دن ہے

تذخیر القرآن ص ۳۳۳ و زاد المسیر ص ۳۳۳

(فیاض)

تذخیر القرآن ص ۳۳۳ و زاد المسیر ص ۳۳۳

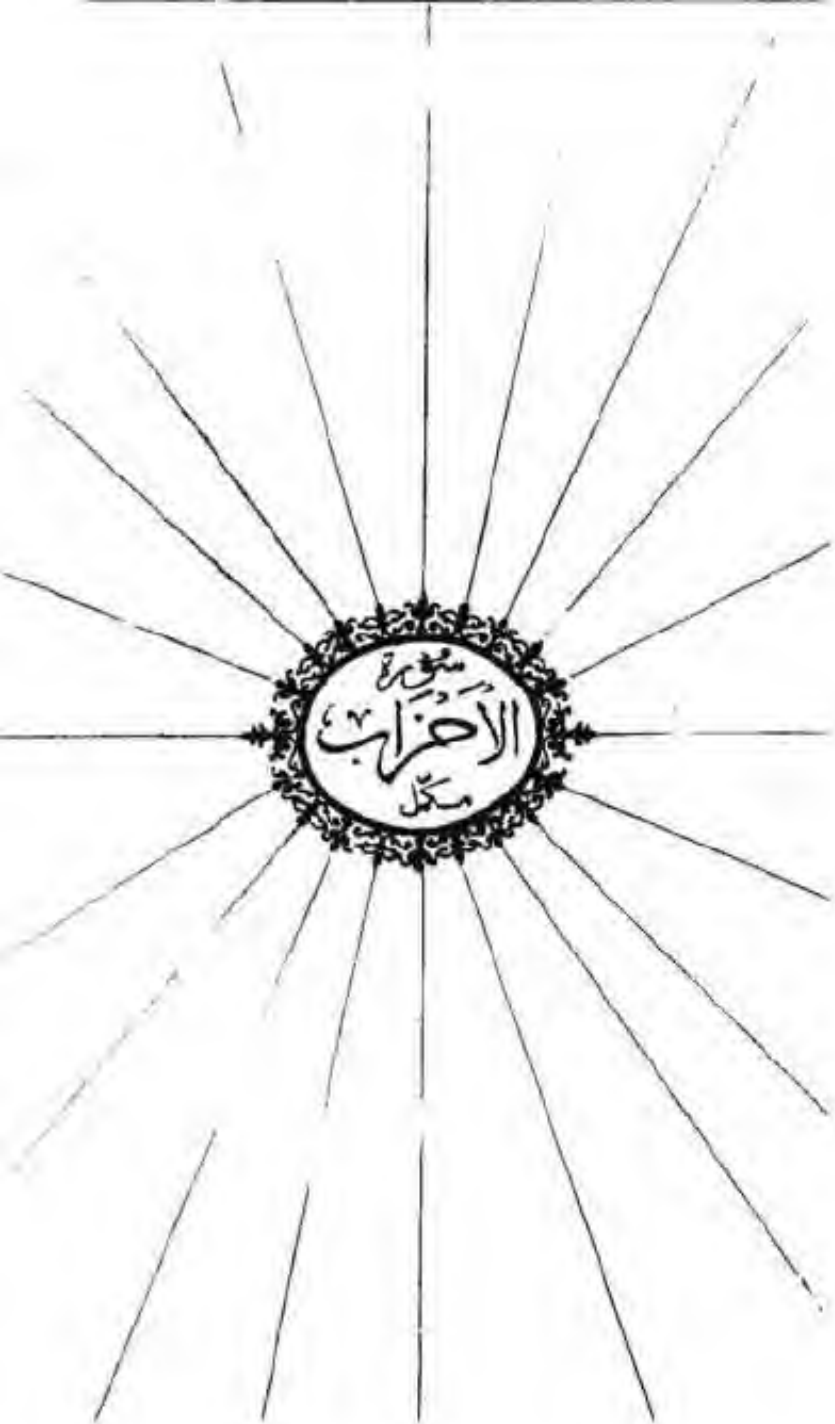
کہ اُس دن ہر چیز اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لانا ہوگا۔ وَلَا
 هُمْ يُنظَرُونَ اور نہ ہی ان کو مزید بہت دی جائے گی کہ دنیا میں واپس
 جا کر اپنے عقابہ اور اعمال کو درست کر لیں۔ دیکھ دو سگر رکوع کی ابتدا میں گزر چکا ہے
 کہ جب مجرم لوگ عذاب الہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو کہیں گے رَبَّنَا
 اَقْبِرْنَا وَرَبِّنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوقِنُونَ
 (آیت - ۱۲) اے ہمارے پروردگار ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، اب ہمیں دنیا
 میں واپس بھیج ہم اچھے کام انجام دیں گے اور تیری باتوں پر یقین کریں گے۔
 مگر اُس وقت کوئی درخواست قبول نہیں ہوگی اور ایسے مجرموں کو کوئی مسلت
 نہیں دی جائے گی۔ اللہ فرمائے گا اب عمل کا وقت ختم ہو کر جزائے عمل کا
 وقت شروع ہو چکا ہے۔ اُس وقت ان کی حالت یہ ہوگی فَيَقُولُ هَيْدِلَا
 يَنْفَعُ الْذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ
 (الرعد - ۵۷) کہ اُس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ مفید نہیں ہوگی، اور نہ ہی
 انہیں خدا تعالیٰ کو منانے کا موقع ملے گا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔
 قَاٰ هٰرِضٌ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اٰیٰتِ الْبَٰغِیِّیْنَ اِذَا ارْسٰیوْا
 درگزر کریں، ان کی طرف دھیان نہ دیں اور جزائے وقت کا انتظار کریں۔
 کہ اللہ تعالیٰ ان کی ایذا رسانیوں اور تھکے صبر کا کیا نتیجہ نکالتا ہے۔ اہل ایمان
 کو دنیا و آخرت ہر دو جگہ پر کامیابی حاصل ہوگی، جب کہ کافر اور مشرک ذلیل و
 خوار ہی ہونگے۔ آج تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ کھٹی بھڑکی مسلمان کامیابی حاصل نہیں کر
 سکیں گے مگر انہیں جلدی ہی پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کین کے ساتھ
 ہے اور وہ کسی طرح اہل ایمان کے حق میں نتیجہ نکالتا ہے اِنَّهُمْ مُنْتَظَرُونَ
 بے شک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔

یہ تین رکوع کی تیس آیات والی سورۃ ہے۔ سورۃ الملک کی بھی تیس
 فضائل سورۃ

درگزر اور
انتظار

14A



الاحزاب ۳۳

آیت ۲۱

اتل ما اوحی ۲۱

درس اول ۱

سُورَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَقُلْعٌ رُكُوعَاتٍ
سورة احزاب مدنی ہے۔ یہ تہتر آیتیں ہیں، اور اس کے نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ
وَالْمُنَافِقِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ①
وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ② وَتَوَكَّلْ
عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ③

ترجمہ :- اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہئے، اور
نہ کہا، مانیں آپ، کافروں اور منافقوں کا۔ بیشک
اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ①
اور پیروی کریں آپ اُس چیز کی جو وحی کی جاتی
ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے
بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اس کی خبر
رکھنے والا ہے ② اور آپ عبودیت رکھیں اللہ تعالیٰ

پہ۔ اور کافی سے اللہ تعالیٰ کو ہم بنائے والا ⑤

اس سورۃ کا نام سورۃ الاحزاب ہے جو کہ اس کی میسوں اور کسی نہایت
میں آہر اسی لفظ سے ماخوذ ہے۔ احزاب جمع ہے حزب کی۔ جس کا معنی گروہ
جماعت یا پارٹی ہوتا ہے۔ اس سورۃ میں اُن غیر مسلم گروہوں کا ذکر ہے جو مسلمانوں
کے خلاف جمن ہو کر مکہ میں مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوئے تھے اس سے پہلے
سورۃ الفرقان سے ہے کہ سورۃ النجمہ تک مکی سورتیں تھیں۔ سورۃ النجمہ کے بعد
اب یہ سورۃ پھر مدنی سورت ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی تسلسلہ آیات اور نوہ گزشتہ
ہیں۔ یہ سورۃ ۲۸۲ الفاظ اور ۵۵ حروف پر مشتمل ہے۔

میکہ کو جس نے عرض کیا غزوہ احزاب شدت میں واقع ہوا تھا اور اس سے
بعد یہ سورۃ نازل ہوئی کیونکہ اس میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ اگرچہ سورۃ مدنی
کی تحقیق سے ظاہر غزوہ احزاب سے چند عرصہ میں واقع ہوا لیکن صحیح بات یہ ہے
کہ یہ غزوہ شدت میں واقع ہوا۔ اس جنگ میں کفار، مشرکین، یہودی اور منافقین
سب نے اکٹھے کر لیا تھا اور مسلمانوں کو ختم کچلنے کے لیے مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے
مختلف تاریخوں کی روایات کے مطابق اس موقع پر حدوداً ۱۰۰۰۰ کی تعداد ہندو ہزار سے
سے کم تھی ہزار تک بتائی جاتی ہے جب کہ تامل جنگ مسلمانوں کی تعداد تین اور
چار ہزار کے درمیان تھی۔ اس موقع پر مسلمانوں نے مدینہ کے ارد گرد خندق بھی کھود
لی تھی اور کئی دوشیزکوں کے خلاف دفاعی جنگ لڑی تھی۔ اس لمحہ سے اسے
جنگ خندق بھی کہا جاتا ہے۔

مکی سورتوں میں عام طور پر فیادی عقائد کا ذکر ہوتا ہے جب کہ مدنی سورتوں میں
نیز وہ تراجم جو ہوتے ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں بھی بہت سے معاشقہ اور کلام
کیے گئے ہیں اور اس سورۃ کے ذریعے نہ صرف جامعیت کی بہت سی باتوں کو

ختم کیا گیا ہے۔ عورتوں سے متعلق طلاق اور عدت کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خصوصیات اور عام موصفتہ عورتوں کے بعض مسائل بیان ہوئے ہیں۔ مشرکین متبنی یعنی منہ بوسے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے حقوق دیتے تھے، جب کہ اللہ نے اس کا رد کیا ہے۔ خاص طور پر متبنی کی بیوی سے نکاح کا مسئلہ بھی آگیا ہے۔ عورتوں کے لیے پردے کے احکام نازل کیے گئے ہیں بعض تعزیری احکام بھی آگئے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کو حید اور ختم نبوت کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

قیامت اور محاسبہ اعمال کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کا ایک خاص موضوع پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آداب ہیں، آپ کی تعظیم و توقیر کا خصوصی ذکر ہے آپ کے خاتم النبیین ہونے کا تذکرہ ہے۔ آپ کے لیے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت کا ذکر ہے اور آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس سورۃ مبارکہ کی سابقہ سورۃ السجدۃ کے ساتھ یہ کناسبت ہے کہ سابقہ سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عام مومنین کے لیے تسلی کا مضمون بیان کیا تھا کہ آپ اپنے مخالفین کے پراپیگنڈا سے متاثر نہ ہوں بلکہ صبر کا دامن تھامے رکھیں، اپنا کام کرتے رہیں اور نتائج کا انتظار کریں اب اس سورۃ کی ابتدا ہی اللہ تعالیٰ نے تسلی کے مضمون سے کی ہے۔

سابقہ سورۃ
کے ساتھ
رابطہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان انوں کو مختلف طریقوں سے خطاب فرمایا ہے جہاں عام مومنوں سے خطاب مطلوب ہوتا ہے وہاں یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے الفاظ آتے ہیں اور جہاں پوری بنی نوع انسان کی توجہ مطلوب ہوتی وہاں یَا أَيُّهَا النَّاسُ کہہ کر خطاب کیا جاتا ہے۔ البتہ جہاں خصوصی احکام بیان کرنا مقصود ہوتا ہے یا تسلی دینا مطلوب ہوتا ہے تو وہاں پر خاص طور پر نبی علیہ السلام کو خطاب کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر بھی پیغمبر علیہ السلام کو خصوصی خطاب ہے یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ائْتِنِي بِالْبَيِّنَاتِ مِنَ الْبَيِّنَاتِ

شرف
خاتم النبیین

مفسرین کے لئے ایسے ہر خطابت سے یہ نقطہ نظر کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں دیگر
انبیاء طبرہ السلام کو خطاب کیا گیا ہے وہاں ان کے منصب کے خطاب کیا گیا ہے
جب کہ حضرت علیہ السلام کو امیہ یغیر فرما اور رسول کے لقب سے خطاب کیا گیا ہے
جب کہ اس طلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی تعلیم اور اکرام اور ہر محبوب ہے
اس کے علاوہ جہاں کہیں خطاب کے علاوہ بھی حضور علیہ السلام کا نام لیا گیا ہے
تو وہاں بھی آپ کی عظمت و شرف ہی کا اظہار ہوتا ہے جیسے فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ
بِأَنَّ رَسُولًا ۚ هَٰذَا خَلَقْتُ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلَ ۚ أَفَأَمَّا يَوْمَاتٍ أَوْفَيْتُ
أَنفُسَهُنَّ عَذَابًا أَتَعْتَابُ كَمَا رَأَىٰ لَحْمَانُ - ۴۴ اور میں نے محمد محمد
کے رسول - آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پس آپ طبعی
زندگی گزار کر فوت ہو جائیں یا شیعہ ہو جائیں تو کیا تم دین چھوڑ دو گے؟ یہاں پر
لفظ محمد نعوذ لاکر آپ کی عزت و توقیر کا اظہار کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ محمد
میں مومنوں کے متعلق فرمایا کہ جہاں انہوں نے نیک اعمال انجام دیے
وَأَهْتَمُوا بِمَا لَكُمْ عَلَىٰ مَحْسَنَةٍ رَّأَيْتُ - ۱۲۰ اور میں پیغمبر ایمان
لانے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔ یہاں پر بھی آپ کی شان
و عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ بہر حال قرآن پاک میں جہاں بھی آپ کو خطاب کیا گیا ہے
یا آپ کا نام لیا گیا ہے قرآنیت ہی عزت و احترام کے ساتھ لیا گیا ہے۔

خوف خدا

اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا اَتَقِ اللہَ اَبَ اللہ
سے ڈرتے رہیں۔ بعینہٴ حقیقت یہ سبہ کہ نبی کی زندگی کا کوہِ بھر بھی خوف خدا سے
خالی نہیں ہوتا مگر یہاں اسی بات کی تہقین کی گئی ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں
کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خدا کے خوف پر مدد دست اختیار کریں اور
اس پر قائم رہیں۔ پہلے کی طرح خوف خدا کو دل میں جاگزیں رکھیں وَلَا تَطِيعُ

(فیاض)

لے روح المعانی ج ۱۱، مکتوبات ۱۵۱، دورہ کہ ۲۹۲، ۲۹۳

الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیں۔ وہ جس
 شیخ پر آپ کو چپلا چاہتے ہیں۔ آپ ان سے بچتے رہیں اور تقویٰ پر قائم رہیں
 نبی کی ذات سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی وقت خوفِ خدا سے خالی
 بھی ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو مخاطب
 کر کے فرمایا لَیْسَ بِکَ اَشْرَکُکُمْ لَیَجْبُطَنَّ عَمَلُکَ (النمر - ۶۵) اگر
 آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا تو سارے عمل ضائع ہو جائیں گے کہ شرک اتنی بڑی
 چیز ہے۔ یہاں بھی وہی بات ہے بھلا اللہ کے نبی سے شرک کی کیسے توقع کی
 جاسکتی ہے۔ جب کہ اس کا اولین منصب ہی یہ ہے کہ لوگوں کو شرک سے باز
 رکھے۔ مطلب یہی ہے کہ جس طرح آپ پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر
 قائم ہیں اسی طرح اس پر قائم رہیں۔ یہاں بھی خوفِ خدا پر مداومت اختیار کرنے
 کا حکم ہے۔

امام ابن کثیرؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے ایک بزرگ طلق ابن عبید
 سے تقویٰ کا یہ معنی نقل کیا ہے اَنْ تَعْمَلَ بِطَاعَةِ اللّٰهِ عَلٰی نَوْبٍ
 مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ وَتَرْجُوْا ثَوَابَ اللّٰهِ وَتَتَوَلَّیْ مَعْصِیَةَ اللّٰهِ
 عَلٰی نَوْبٍ مِّنْ اللّٰهِ مَخَافَةَ عَذَابِ اللّٰهِ کہ اللہ کی عطا کردہ روشنی
 کے تحت اللہ کی اطاعت پر عمل کرتے رہیں، اللہ سے ثواب کی امید رکھیں
 اور اللہ کی معصیت کو ترک کر دیں اس نورِ ایمان اور نورِ ہدایت کے ذریعے جو
 اللہ نے عطا کیا ہے، اور خدا کے عذاب سے برابر ڈرتے رہیں۔ بہر حال اللہ
 نے فرمایا کہ آپ اللہ سے ڈرتے رہیں اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں۔
 مکی زندگی میں کفار و مشرکین حضور علیہ السلام سے سودے بازی کرنا چاہتے تھے
 اور ان کی یہ پیشکش دنیٰ زندگی کے ابتدائی دور میں بھی ہوتی رہی کہ آپ اپنے دین

مدحیت
 کی ممانعت

یہ کچھ نئی امتیاز کریں تو ہم بھی کسی قدر نرم پڑ جائیں گے اور اس طرے سے ہمارا آپ
 سید سید ساتھ بیٹا ہے گا۔ سورۃ القلم میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یاد
 دلایا ہے **وَذُكُّوا لِكُلِّ ذِي هِمٍّ** **فَبِمَا هُمْ يَسْتَعْجِلُونَ** **رَأَيْتَ ۙ** **اَلَّذِي يَدْعُو**
 ہیں کہ آپ کچھ ڈھیلے پڑ جائیں۔ تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے۔ کافر چاہتے تھے کہ
 آپ ہمارے معبودوں کی مذمت نہ کریں بلکہ بتوڑی بہت ان کی تعویذ کر دیا
 کریں اور اس بات کو تسلیم کر لیں کہ اگر اللہ کے ہاں منافقی ہیں تو ہم بھی آپ کے
 معبود کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے اور نہ آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو
 کو تنگ کریں گے۔ منافق لوگ دوسرے طریقے سے کفار کی ہاں میں ہاں دیتے
 تھے۔ وہ کہتے کہ اگر مشرکوں کے ساتھ اس قسم کا امن بھرتہ ہو جائے تو اس میں
 کیا حرج ہے؟ لوگ امن و امان کی زندگی بسر کریں گے جبکہ بعد ازاں یہ توانائی
 صرف کرنے کی بجائے لوگوں کی حالت بہتر بنانی چاہئے گی اور اسلام کو بھی تقویت
 حاصل ہوگی۔ پھر ان کے واضح ذہن پر یہ کہ تحقیق سے انھار میں کسی قسم کی دور رسائی
 نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کسی قیمت پر کافروں اور مشرکوں سے کوئی بھرتہ ہو سکتا ہے
 دین کے معاملہ میں وصیہ پڑ جائے، مہنت کھاتا ہے جو کسی صورت میں بھی جاننا نہیں
 خوش اخلاقی اور معاشرتی تعلقات متعلقہ چیزیں ہیں جو دین سے محبت میں کوئی سورا
 بازی نہیں ہو سکتی کہ دین کی حقیقت کو بھی چھپا دیا جائے۔ اس ضمن میں نہ خوف کا کم کر
 سکتا ہے اور نہ لالچ کا رگڑ ہو سکتا ہے۔ دین کے معاملہ میں کسی قسم کا ذاتی مفاد سرگز
 پیش نظر نہیں رکھا جائے گا۔ اس مقام پر بھی اللہ نے اسی بات کو دہرایا ہے
 کہ آپ کافروں اور منافقوں کی پیشکش کو قبول نہ کریں۔ بلکہ بلا خوف و خطر اللہ
 کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ شرک کی تردید کریں مگر احسن طریقے سے **وَلَا تَسْتَوُوا**
اَلْكَافِرِينَ **بِالدِّينِ** **وَلَا تَتَّبِعُوا** **اَلْاَنۡفُسَ** **اَلۡفٰسٰفَۃَ** **اَلَّذِیۡنَ** **قَالُوۡا** **اَللّٰهُ** **رَاۡیَۡنَا** **اَلۡاَنۡفُسَ** **اَلۡفٰسٰفَۃَ**
 اللہ کے سوا کچھ رستے ہیں ان کو گمراہی نہ دیں کہ یہ بد اخلاقی کی بات ہے۔ دلیل کے
 ساتھ کفر و شرک کا رد کریں کہ اللہ کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں اور

نہ کوئی سفارش کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دین کے معاملہ میں کسی کافر، مشرک اور ملحد کی بات نہیں مانی جاسکتی، نہ اُن سے مشورہ لیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں قانون سازی کے لیے غیر مسلموں، عیسائیوں اور یہودیوں اور دہریوں سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ تو تمہیں اپنا ہی قانون بتائیں گے اور اس طرح تمہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ دیکھو! اسلام نے سود کو قطعاً حرام قرار دیا ہے۔ مگر ہماری ساری بینکاری سودی نظام پر چل رہی ہے جب بھی سودی نظام کو ختم کرنی کی آواز بلند ہوتی ہے۔ تو پھر مشورہ غیر مسلموں سے ہی لیا جاتا ہے کہ بتاؤ ہم سودی نظام کو اسلامی نظام میں کیسے تبدیل کریں۔ یہی تو خرابی ہے جو ہمیں اسلامی قوانین رائج کرنے میں پیش آرہی ہے۔ ہاں البتہ عام دنیوی لین دین، تجارت اور انتظامی امور کے متعلق ہر چھی رائے کو قبول کیا جاسکتا ہے خواہ وہ کسی طرف سے آئے مگر دین کے معاملے میں کوئی رعیت نہیں ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اعدائے دین چار ہیں جن میں سے دو ظاہری ہیں اور دو باطنی، ظاہری دشمن تو یہی کافر اور منافق ہیں جن سے اس آیت کو کچھ میں بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کافر کھلم کھلا اسلام دشمنی کرتے ہیں جب کہ منافق درپردہ اسلام کے خلاف ریشہ دو انیاں کرتے ہیں۔ دین کے باطنی دشمنوں میں پہلے نمبر پر شیطان ہے جو نظر تو نہیں آتا۔ مگر انسانی دل و دماغ میں دوسرا ڈال کر اُس کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ اُس نے اللہ کے سامنے عہد کیا تھا کہ میں تیرے بندوں کو آگے بھیجے اور دائیں بائیں سے آکر بہکاؤں گا۔ میں ان کو دین کے معاملہ میں گمراہ کروں گا۔ ان کے بڑے اعمال ان کی نظروں میں مریں کر کے دکھاؤں گا۔ اور دنیوی معاملات میں ان کو بہکا پھلا کر برائی کی طرف مائل کروں گا۔ ایسے دشمن سے

چار اعدائے
دین

چونکہ رہا بھی مزدی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان کا دوسرا بطنی دشمن
خود اس کا اپنا نفس ہے اِنَّ النَّفْسَ لَا تَاْمَنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (روم ص ۱۵۳)
خود ان کا نفس جس اُسے برائی پر آمادہ کرتا ہے لہذا اس کا کما سبھی مزدی ہے
جو شخص ان چار اصلے دین سے بچ گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ فرمایا آپ کا فرزند
اور منافقوں کی بات نہ مانیں اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا
بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ وہ کا فرزند اور
منافقوں کی تمام خفیہ تدبیروں کو جاننا ہے اور آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے، وہ
حکمت سے خالی نہیں، لہذا آپ اس پر سختی سے عمل کریں۔

ارشاد دہوتا ہے کہ کفار و منافقین کی بات مٹنے کی بجائے وَاسْمِعْ مَا
يُؤْتِي الْكِلْبُ مِنْ دَبْلِكَ آپ اس چیز کی اتباع کریں جو آپ کی طرف
آپ کے پروردگار کی جانب سے وئی کی جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ
کے نازل کردہ احکام و شریع کی پیروی کریں۔ یہاں پر خطاب قرینہ علیہ السلام سے
ہے مگر مڑو سائے الہ ایمان میں بھی دوسری جگہ فرمایا اِصْبَحُوا مَعَ اٰمِنِ لِّ
الْيَوْمِ الَّذِي تَرْتَوْنَ مِنْكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ اَوْلِيَاءَ۔

(الاعراف ۳۰) اے ایمان والو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو رہی ہو
کا اتباع کرو اور اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کا اتباع نہ کرو۔ اگر ایسا کریں گے تو تمہارا
ہو جائیگا۔ دین کا اساسی قانون قرآن ہے۔ اُس کی شرح سنت میں ہے اور مزید
و نہایت صحابہ کرام کے عمل امداد مجتہدین کی تشریح میں ہے، اتباع میں یہ سب چیزیں
آجائیں گی۔ ظاہر ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے ہدایت و حُرور است ہے لہذا اس پر
عمل کرنے کے لیے صحابہ کرام کے عمل نمونہ ہیں، اُس کے بعد جو مشائخ و علمائے
دعوت جاتی ہیں ان کو مجتہدین واضح کر دیتے ہیں اور یہی شکل دین کا قلبِ نبوت ہے۔
مولانا حبیب اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ سارے ہندوستان و حیدر کے لوگ
بڑے اچھے ہیں مگر انہیں ہمیشہ لیڈر ہی گمراہ کرتے ہیں۔ جب اعلیٰوں کا ہاتھ آتا

ہے تو یہ نام نہاد لیڈر طرح طرح کے سرباز دھماکہ عوام کو اپنے پیچھے لگا کر ووٹ حاصل کرتے ہیں اور پھر اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسلام کے یہ نام لیوا بھلا کون سا اسلامی قانون لائیں گے، یہ تو اسلام کی میادیات سے بھی واقف نہیں۔ پارلیمنٹ کا ممبر تو وہ آدمی بنتا چاہیے جو اللہ کی کتاب، اُس کے رسول کی سنت اور خلفائے راشدین کے عمل کو جاننے والا ہو۔ ان چیزوں سے بے بہرہ لوگ اسلام کی کیا نمائندگی کریں گے اور کون سا قانون پاس کریں گے؟ ممبری کے قابل تو وہ شخص ہے جو دین کے اساسی قانون سے واقف ہو اور پھر اپنے اندر قربانی کا جذبہ بھی رکھتا ہو۔ ذاتی اغراض کو پس پشت ڈال کر اجتماعی مفاد کے لیے کام کرے اگر یہ چیز نہیں ہے تو پھر عوام سے فراڈ ہی ہوتا ہے گا۔ لوگ پراپیگنڈا کے زور پر یقین کر لیتے ہیں کہ واقعی فلاں آدمی یا جماعت ہماری نجات دہندہ ثابت ہوگی مگر وہ سرسردھو کہ ہوتا ہے مارشل لا کے دور میں ہم نے کتنی بار کہا تھا کہ اب تمام اختیارات فرد واحد میں مرکوز ہو چکے ہیں۔ نام نہاد عوامی نمائندوں سے جان چھوٹ چکی ہے لہذا اب بلا جیل و حجت قرآن کا قانون نافذ کر دیا چاہیے اور اس کے مخالفین کو تختہ دار پر چڑھا دو پھر دیکھیں کون مخالفت کرتا ہے۔ مگر ہماری یہ آواز بھی بیکار ثابت ہوئی۔ اسلام کے نام پر ریفرنڈم کر لیا تھا اُس کا کیا نتیجہ نکلا؟ کیا واقعی اسلام نافذ ہوا؟ اصل بات یہ ہے کہ نفاذ اسلام کا ارادہ ہی نہیں۔ ورنہ اس سے بہتر موقع کوئی نہیں آسکتا تھا مگر وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ اب پھر وہی نام نہاد جمہوریت کا راگ الاپا جا رہا ہے جس میں ووٹ خریدے جاتے ہیں اور پھر اسمبلی میں پہنچ کر سب سے پہلے الیکشن کے اعتراضات کا دگنا چوگنا اکٹھا کیا جاتا ہے اور باقی وقت ایک دو سکر کی ٹانگ کھینچنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے اور اسلام کا محض نعرہ ہی رہ جاتا ہے، اُسے نافذ کرنے کی کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کرتا کیونکہ الیا کرنے سے خود ممبروں کے مفاد پر زور پڑتی ہے۔ مقصد یہ کہ خود ہمارے لیڈر ہی ہمیں گمراہ کر رہے ہیں مگر نہ عوام میں تو کہیں نہ کہیں ایمان موجود ہے۔

اسلام
کی قرآنیات

ذرا اپنے اسلاف کے گرد پر نظر کر کے کہیں کہ انہوں نے یہی کی خاطر اس قدر فرمایا
ہیں اور آج ہم کس طرف مہلت میں۔ یہ ان قرآنیوں کا نتیجہ ہے کہ اسلام ہم ہمہ گیر
ہے اور نہ یہ ملت میں ہی دم قریب چکا ہو۔ حضرت عثمان کے نام میں خط ان میں جو
جنگ ہوئی تھی اس میں ذرا لکھ کر خود کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف
دس چار تھی۔ مگر وہ تین لاکھ کی شان سے شراکتے تھے کہ ان میں سے ایک مسلمان
یہی زندہ نہ بچا۔ سب شہید ہو گئے۔ اس قرآنی کا نتیجہ تھا کہ اس نے بالآخر فتح دی
اور جس وقت کہ علاقہ مسلمانوں کے رہ گئے اس میں قرآنی کا جذبہ اس قدر
تھکا کہ بعض نے کہا کہ ہادی اشول کو وقت کر کے تو بھگتے کھلا چھوڑ دینا اگر ہم سے
اور جو کہ نہیں کھانا ہیں۔ ہم حشر کے دن پہلوں کے چیلوں سے پڑا ہوا ہیں۔
کہیں کہے کہ ہم نے اللہ کے دین کی خاطر ایسی قرآنیات پیش کیں۔ اس قسم کے
واقعات فقہ البدال میں مذکور ہیں۔ عصر کی فتح کے دوران مسلمانوں نے سترہ سو پچاس
دیں جو کہ آج تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ توکل سمجھتے ہیں کہ اسلام آسانی سے تسلیم
ہو جاتا ہے۔ ان کے لئے آئی رہیگی اسلام نافذ نہیں ہو سکتا۔

فرمایا صرف وہی اللہ کا اتباع کریں اِنَّ اللہَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرًا۔ ایک اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کردار کا مدد کی نظر رکھنے والا ہے۔ کوئی چیز
اس سے مخفی نہیں ہے۔ جس نے عمل کی نازل آئے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال
کا ایک ٹیکہ بدلہ دے گا۔

توکل علی اللہ

قَالَ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ہُنَّ مَشْنُوعٌ لِّمَنۡ یَّجۡرِیۡہُمۡ بِعِزِّ مَرۡحُومٍ
اللہ تعالیٰ کی عزت پر کریں۔ تمام اسباب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہ جب
چاہے گا انہیں جوڑ جائے گا یا غیر مؤثر کر دے گا۔ لہذا ہر دور اسباب پر نہیں چل
اس کے ذراست پر ہونا چاہیے کہ سب اسباب وہی ہے۔ وہ کئی پانچ دیکھو
اور کوئی ہے اللہ کا سزا۔ وکیل کا معنی کام نہانے والا ہوتا ہے اور وہ صفت اللہ کی
قوت ہے۔ اس کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ سورۃ الزمر میں بھی فرمایا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا (آیت ۹۰) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
 لہذا کارساز بھی اسی کو سمجھو۔ وہی بگڑی بنائے گا کہ سارا اختیار اسی کے پاس ہے۔ ترمیم
 خالص کو اپناؤ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی صورت میں شرک نہ کرو۔ اس کی ذات
 پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے پروگرام کو جاری رکھو۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِلرَّجُلِ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ
 جُوفِهِۦ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ الْإِنِّ
 تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ
 أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ
 بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي
 السَّبِيلَ ﴿٥﴾ اَدْعُوهُمْ لِدِبَابِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ
 عِنْدَ اللَّهِ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ
 فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ
 عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلٰكِن
 مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
 رَّحِيمًا ﴿٥﴾

ترجمہ: ہم نے اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے لیے
 دو دل اس کے سینے میں۔ اور نہیں بنایا اس نے تمہاری
 بیویوں کو جن سے تم ظاہر کرتے ہو، تمہاری ماںیں اور
 نہیں بنایا اس نے تمہارے مرنے والے بیٹوں کو تمہاری
 بیٹے۔ یہ بات ہے تمہارے اپنے مرنے والے۔ اور
 اللہ تعالیٰ حق بات کہتا ہے اور ردِ راہنہائی کرتا ہے

راتے کی ④ پکارو ان کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے۔ یہ بات زیادہ انصاف والی ہے اللہ کے نزدیک۔ پس اگر تم نہ جانتے ہو ان کے باپوں کو پس۔۔۔ تم اسے بھائی ہیں دین میں، اور تمہارے ساتھی ہیں۔ اور نہیں تم پر گناہ اس چیز میں جو تم نے خطا کی، لیکن گناہ اس میں ہے جو تمہارے دلوں نے پنختہ ارادہ سے کیا اور اللہ تعالیٰ نختے والا مہربان ⑤

رابطہ آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کیا گیا۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں بلکہ وحی الہی کا اتباع کریں، اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے پر وگرام کو جاری رکھیں۔ کفار ہشکین، اور منافقین کے غلط پراپیگنڈا کا شکار نہ ہوں اور زمانہ جاہلیت کی غلط باتوں پر دھیان نہ دیں۔ اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی تین باتوں کا ذکر کیا ہے۔ جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں اور اپنے نبی کو ان کے مقابلے میں صحیح باتوں کو اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔

دو دلوں کی نظمی

زمانہ جاہلیت میں یہ ایک عام تاثر پایا جاتا تھا کہ اگر کوئی شخص غیر معمولی طور پر ذہین، سمجدار اور معاملہ فہم ہوتا تو اس کے متعلق کہا جاتا کہ اس شخص کے سینے میں دو دل ہیں۔ تہذیبی تشریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نماز میں بھول گئے تو بعض منافق کہنے لگے کہ آپ کے دو دل ہیں۔ ان میں سے ایک دل کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دوسرے دل کے ساتھ مخلص مومنوں کی طرف۔ اللہ نے اس بات کی تردید فرمائی ہے کہ کسی شخص کے سینے

میں دو دل نہیں ہوتے بشرطیکہ حکم میں سے ایک ذہین آدمی کے متعلق کہنا تھا کہ اس کے دو دل ہیں۔ اس آیت کریمہ سے اس بات کی بھی نفی ہوگئی۔ بہر حال ارشاد ہوتا ہے مَا جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ جَلَدٍ مِّنْ قَلْبٍ لِّیْنٍ فَبِجُودٍ اِنَّهُ تَعَالٰی نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے، دل ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے بعض جسمانی اعضاء زائد ہو سکتے ہیں جیسے کسی شخص کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں یا جگر کی بھیلے چھوڑ دیں۔ پچھلے دنوں اخبارات میں ایک حریت کی ڈکرائی تھی جس کی قیصری آنکھوں کی بھیلی جانب موجود تھی تو ایسا تو مشاہدہ میں آتا رہتا ہے، مگر کسی شخص کے جسم میں دو دل کبھی نہیں بنے گئے۔

یہ مسئلہ احکام شریعت سے تو متعلق نہیں، مگر اس کا تعلق علم تشریع کا حصہ یعنی انٹروی (ANATOMY) سے ہے کہ انسانی جسم میں کون کون سے اعضاء کتنی تعداد میں اور کس کس جگہ پر موجود ہیں۔ انسان کا دل عام طور پر سینے کے بائیں طرف ہوتا ہے، مگر بعض شاذ و نادر کیسوں میں اس کا دائیں جانب ہونا بھی پایا گیا ہے۔ صوبہ مدراس میں عمر آباد کے مقام پر اہل حق کا دینی مدرسہ جامعہ اسلامیہ ہے آج سے تقریباً نصف صدی پہلے اس مدرسہ کے بستر لاکھا ابراہیم کے متعلق مشہور ہے کہ ان کا دل دائیں طرف تھا۔ یورپی ممالک میں بھی لاکھوں کروڑوں میں کوئی کا دوا شخص ہی ہوگا جس کا دل دائیں طرف ہو۔ تاہم یہ امکان تو ہے مگر کسی شخص کے سینے میں دو دل کبھی بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچے۔

اس موقع پر غرضتیں کر ایم ایک اور نقطہ بھی اٹھاتے ہیں۔ یہ تو مشہور مقولہ ہے لَا یَسُوْبُهُ الْقَلْبُ فَاِنْ وَاحِدٍ الْفَرْقِیْنِ یعنی کوئی دل بیک وقت دو امور کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ مگر حضرت مرزا، شاہ اشرف علی تھانویؒ نے یہ اشکال پیش کیا ہے کہ بعض لوگ قیاس بھی چاہتے

۱

(فیاض)

۲ بیان القرآن ص ۳۵

ہتے ہیں اور ساتھ ساتھ گفتگو بھی کرتے ہتے ہیں، اس طرح اُن کے دل کی توجہ دل کی طرف اور باتوں کی طرف بیک وقت کیسے ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ ایک وقت میں یا ذکر ہوگا یا دیگر باتیں۔ تو ایسا کرنا محض دھوکہ ہے۔ کوئی شخص ایک ہی وقت میں ذکر کے ساتھ ساتھ دنیاوی باتیں کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ گفتگو میں تو مصروف ہوتا ہے۔ مگر ذکر سے خالی ہوتا ہے۔ بہر حال فرما کر کسی شخص کے سینے میں اثر نے دو دل نہیں بنائے۔ دل ایک ہی ہوتا ہے جو یا تو کفر کی طرف مائل ہوگا یا اطاعت کی طرف

ظہار کا
مسئلہ

اب دوسرا مسئلہ اللہ نے بیویوں سے ظہار کرنے کے متعلق بیان فرمایا ہے ظہار کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت، پیٹ، یا ران یا کسی دیگر اعضائے مستورہ سے تشبیہ دے جس کا دیکھنا بھی حرام ہے۔ یا وہ اپنی بیوی کو اپنی ماں، بہن یا دیگر محرماتِ ابدیہ میں سے کسی کے برابر قرار دے۔ ایسا کہنا اگرچہ ناجائز اور سخت ناپسندیدہ ہے مگر اس سے بیوی قطعی طور پر حرام نہیں ہو جاتی بلکہ شریعت کا مقرر کردہ کفارہ ادا کر کے مرد اور عورت ازدواجی زندگی برقرار رکھ سکتے ہیں۔ کفارہ کا مسئلہ سورۃ مجادلہ میں بیان کر دیا گیا ہے یعنی ظہار کرنے والا شخص ایک غلام آزاد کرے یا دو ماہ کے متواتر روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے زمانہ جاہلیت میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کا اعلان کر دیتا تھا۔ تو پھر وہ اس کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی اللہ نے اسی بات کی تردید فرمائی ہے وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمْ اِلٰہٰی قَظْمِمْ مَرْوٰنَ مِنْہُمْ اُمَّہَاتِکُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہاری اُن بیویوں کو تمہاری مائیں نہیں بنا دیا جن سے تم ظہار کرتے ہو یعنی اُن کو اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دے دیتے ہو۔

ظہار کا لفظ ظہر کے ماں سے ماخوذ ہے جس کا معنی پشت ہوتا ہے۔ یعنی اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دینا۔ دراصل پشت کے ساتھ تشبیہ

زبانہ مناسب معلوم نہیں ہوئی بلکہ پیٹ کے ساتھ تشبیہ دینی چاہیے۔ کیونکہ اعلیٰ
منازلہ اور مستورہ کو تعلق پیٹ کے ساتھ ہوا ہے۔ مگر پشت چرخ پیٹ کے
پل اہلکوستوں ہے۔ لہذا ایسے معاملہ میں پیٹ کی بجائے پشت کا ذکر کیا
گیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ نے قیام مندرجہ ذیل سے تعلق بیان کیا
ہے۔ نہ زنا باہت میں نہ لڑے یا لے پاک۔ جسے کہ حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا
جااتا۔ جب کہ فی شخص کسی کو نہ بولا جیانا یا تھا تو پھر وہ ایک دوست کے
دارست بھی بن جاتے تھے اور حقیقی بیٹے والے دیگر مسائل میں فرح ہوجاتے تھے۔
مثلاً شیشی بیٹے کی بڑی کے ساتھ نکاح حرام ہے تو مندرجہ ذیل سے کی صورت
میں بھی وہ اسے حرام ہی قرار دیتے تھے۔ اللہ نے اس خطہ مسئلہ کی بھی تردید مندرجہ ذیل
ہے وَمَا جَعَلَ أَوْفِيكُمْ كَمَا بَيْنَكُمْ اللہ نے تمہارے
بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا تم جو انہیں حقیقی بیٹے سمجھ کر وہی احکام لاگو
کرتے ہو۔ یہ درست نہیں ہے۔ ذَلِكَ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ
یہ تمہیں تمہارے منوں کی باتیں ہیں۔ ان میں حقیقت نہیں ہے وَاللَّهُ لَعَوْلُ
الْحَقِّ دراصل حق بات تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مندرجہ ذیل سے حقیقی
بیٹے نہیں ہوتے اور نہ ہی ان پر حقیقی بیٹوں والے شرعی احکام صادق ہوتے ہیں۔
اللہ کی بات سچی ہے وَلَهُوَ يَفْهَمُ السَّيْلَ اور وہی سیدھے راستے
کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

یہ مندرجہ ذیل اصناف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آرا و کردار و غلام حضرت زینب
بن عمار کے سلسلے میں پہلے ہوا۔ آپ کا نام اسی سورۃ میں آگے آ رہا ہے جنس
علی الصلوٰۃ والسلام کے حضرت خدیجہ کے ساتھ نکاح سے بھی پہلے کو رات
ہے کہ حضرت خدیجہ نے اپنے بیٹے حکیم ابن حزام کو کہا کہ وہ وفات کی سنائی میں جا کر

اُن کے لیے کوئی اچھا سا غلام خرید لائے جس سے روزمرہ ضروریات زندگی میں خدمت لے سکیں۔ جب وہ منڈی میں گئے تو اُن کی نظر حضرت زیدؓ پر جم گئی جو اُس وقت چھوٹے بچے تھے اور بڑے ذہین معلوم ہوتے تھے۔ حضرت زیدؓ حقیقت میں غلام نہیں تھے بلکہ بڑے وسیع قبیۃ کرب کے چشم و چراغ تھے۔ اتفاق سے یہ اپنے ماموں کے ہاں گئے ہوئے تھے کہ وہاں ڈاکر پڑا تو ڈاکر باقی چیزوں کے ساتھ زیدؓ کو بھی لوٹ کر لے گئے اور غلام بنالیا اور اس طرح آپ بحیثیت غلام عکاظ کی منڈی میں پہنچ گئے۔ بہر حال حکیم ابن حزمؒ نے حضرت زیدؓ کو خرید کر حضرت خدیجہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پھر حبیب حضور علیہ السلام کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہو گیا تو آپ نے حضرت زیدؓ کو اپنے لیے طلب کر لیا جو حضرت خدیجہؓ نے بخوشی منظور کر لیا اور اس طرح حضرت زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں آکر آپ کی خدمت پر مامور ہو گئے۔

جب حضرت زیدؓ بڑے ہو گئے تو آپ کو تجارت کے سلسلہ میں شام کے سفر پر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں اُن کو اُن کے والدہ حارثہ اور چچا نے پہچان لیا کہ یہ تو ہمارا بچہ تھا ہوا بچہ ہے، اُن کو یہ بھی علم ہو گیا کہ آپ خاندان قریش میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ چنانچہ جب حضرت زیدؓ سفر سے واپس آ گئے۔ تو آپ کے والد اور چچا بھی مکے پہنچے اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ ہمارا بچہ ہے، کسی وجہ سے غلامی کے چکر میں پھنس گیا ہے۔ آپ اسے چھوڑ دیں، ہم اس کا تاوان ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ مجھے تاوان کی ضرورت نہیں ہے، اگر زیدؓ جانا چاہتا ہے تو میری طرف سے کبھی اعزازت ہے۔ اس وقت تک حضور علیہ السلام منصب نبوت پر بھی فائز ہو چکے تھے اور حضرت زیدؓ آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ آپ غلاموں میں سب سے پہلے حضور پر ایمان لانے والے ہیں۔ جب آپ کے والد اور چچا نے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو حضرت زیدؓ نے انکار کر دیا اور کہا کہ

اپنے اعزاء کے برابر آواز نہ دی کہ حضور علیہ السلام کی غلامی پر ترجیح دیتے ہوں۔ وہ لوگ سخت بایں بر گئے۔ اس دوران میں حضور علیہ السلام نے اعلان فرمادیا کہ میں نے زنجیر کو آزاد کر کے اسے منہ بولا دیا بالیاب۔ اب یہ تیار دار بنے ہو گا۔ اور میں اس کا وارث ہوں۔ اس پر زنجیر کا باپ اور چچا خوش ہو گئے کہ یہ اگر سچا ہے، مانتا رہی بات تو اب وہ آزاد تر ہو گیا ہے۔

مشکوٰۃ
سے
۷۴

حضور علیہ السلام نے حضرت زینہ کا نکاح اپنی پسرچی زادہ بن حضرت زینب سے کر دیا تھا مگر پرچہ ان کا آپس میں نہ ہو سکا حضرت زینہ نے حضرت زینب سے طلاق دے دی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ بشرط کہ وہ ایک منہ بولے بیٹے کی مصلحت پر ہی سے نکاح عدال نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے اس مسئلہ کو قرب اچھالا اور حضور علیہ السلام کو بدنام کر دیا کی کوشش کی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو واضح کیا اعدان آیات کے ذریعے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا۔ یہ تو تمہاری اپنی زبانوں کی بات ہے۔ حق بات اللہ کے منہ بولے بیٹے کی مصلحت پر ہی سے نکاح ہونگا عدال ہے۔

کسی کو مینا کہہ کر پکارتا دو جو بات سے ہو سکتا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ بعض پیدا محبت اور شفقت کی بنا پر کسی کو مینا کہہ کر پکارتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس کو بھی مینا ہی کہتے تھے۔ مگر یہ کہہ کر کہتے تھے کہ حضور علیہ السلام حضرت خیرؓ اور ایک اور صحابی کو بھی اسی لقب سے پکارتے تھے۔ یہ چیز یاد رہے کہ کھاؤ سے درست ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی کو مینا بنایا جائے اور اُسے روزہ روکے مولات میں شریک کیا جائے۔ ایسی صورت میں بھی منہ بولا دیا نہ تو کھورن جاتا ہے اور نہ ہی اُسے حقوق وراثت حاصل ہوتے ہیں۔ ہاں اگر کسی شخص اپنی زندگی میں سے ایک

کے لیے اپنے تہائی مال تک کی وصیت کر سکتا ہے جس کا وہ حقدار ہوگا باقاعدہ وارث نہیں بنے گا۔

حقیقی باپ
کی طرف
نسبت

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم بھی دی ہے اُدْعُوهُمْ بِأَبَائِهِمْ اپنے بے پالک بیٹوں کو اُن کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو، نہ کہ اُس شخص کی طرف جس نے اُسے بیٹا بنا لیا ہے فرمایا هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ انصاف والی ہے کہ تم ایسے لوگوں کی نسبت اُن کے حقیقی باپوں کی طرف نہ کرو۔ صحابہ کرامؓ بیان کرتے ہیں کہ ان آیات کے نزول سے پہلے ہم حضرت زیدؓ کو زیدؓ ابن محمدؓ کہہ پکارتے تھے۔ اس کے بعد ہم زیدؓ ابن حارثہ کہنے لگے۔ حضور کا یہ فرمان بھی ہے مَنْ ادَّعَى الرَّحْلَ غَيْرَ أَبِيهِ فَقَدْ كَفَرَ جس شخص نے کسی کی نسبت غیر باپ کی طرف سے اُس نے کفر کا ارتکاب کیا، بلکہ ایک روایت میں اُس کے لیے جنت کے حرام ہونے کا ذکر بھی آتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ منہ بوسے بیٹوں کو اُن کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارا کرو۔

فرمایا فَإِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ أَبَاءَهُمْ اگر تم اُن کے باپوں کو نہ جانتے ہو فَإِنْ كُنْتُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ پس وہ دین میں تمہارے بھائی اور تمہارے ساتھی ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر کسی کے باپ کا علم نہ ہو تو ایسے لوگوں کو بھائی یا رفیق کہہ کر پکار لو مگر غیر باپوں کی طرف نسبت بالکل نہ کرو۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زیدؓ سے کہا أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا تم ہمارے بھائی اور ہمارے ساتھی ہو۔ اس طرح گویا آپ نے اس آیت مبارکہ کی عملی تفسیر پیش کر دی۔

فَرَاكَ لَيْسَ عَلَيْكَ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتَهُ بِهَامٍ بِسْمِ رَبِّهِ كُوفِي
 گناہ نہیں ہے جس میں تم نے غلط کی مطلب یہ کہ اگر کسی غلط فہمی کی بناء پر یا بھول کر
 کسی کو غریب آپ سے منسوب کر دیا تو اس میں کوئی عیب نہیں۔ مضر علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کا فرمان بھی ہے کہ اگر اللہ نے میری امت سے غلط اندیشیاں کے مواخذہ کو مٹا لیا ہے
 ایسے شخص پر آفریت میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ البتہ دنیا میں اس وجہ سے بعض افکار
 مرتب ہو جاتے ہیں مثلاً اگر دستور کرنے وقت غلطی سے پانی ملن میں ترکیب کو اڑھ
 فاسد ہو جائے گا جس کی تصحیح لازمی ہوگی مگر آدمی گنہگار نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی
 نے کسی دوست شخص سے جبراً کوئی تمنا کر لیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہو
 گا۔ کیونکہ اس نے اپنی جان کے غلطے سے کوئی غلط کلمہ زبان سے کہہ دیا ہے یا
 کوئی غلط کام کر دیا ہے۔

فَرَاكَ لَيْسَ عَلَيْكَ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتَهُ بِهَامٍ بِسْمِ رَبِّهِ كُوفِي
 وَلَكِنْ مَّا نَعْتَدُكَ قَلْبًا عَلَيْكَ الزَّكَاةُ كَمَا الزَّكَاةُ كَمَا تَمْنَىٰ بِلَا بُحْبُوحَةٍ
 کے اردو سے لیا کام کیا تو اللہ کے ہاں بخیر ہو گئے۔ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
 رَحِيمًا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ غلطی کی صورت میں
 وہ معاف فرما دے گا۔ اور اگر قصداً کوئی غلط کام کر دے تو گرفت ہوگی۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا ابْنُ تَفْعَلٍ إِلَىٰ أَوْلِيَائِكُم مَّعْرُوفًا كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ⑥

ترجمہ :- اللہ کے نبی کو زیادہ تعلق ہے ایمان والوں

کے ساتھ ان کی جانوں سے ۔ اور نبی کی بیویاں ان

(مومنوں) کی مائیں ہیں اور قرابت دار بعض زیادہ تعلق رکھتے

ہیں بعض کے ساتھ اللہ کی کتاب میں ایمان والوں اور ہجرت کرنے

والوں سے ، مگر یہ کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوئی احسان

کرنا چاہو ۔ یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے ⑥

سورۃ احزاب کے بنیادی مضامین اللہ کے نبی کا ادب و احترام اور

عورتوں سے متعلق بعض احکام ہیں ۔ گذشتہ درس میں اللہ نے فرمایا تھا کہ کسی شخص

کے سینے میں دو درل نہیں ہوتے ۔ نیز یہ کہ اگر تم اپنی بیویوں کو ظہار کے طریقے

پر مال کہہ دو تو وہ مائیں نہیں بن جاتیں ۔ یہ محض تمھارے منہ کی باتیں ہیں جن میں حقیقت

نہیں ہے ۔ پھر فرمایا کہ جس کو تم منہ بولا بیٹا بنا لیتے ہو وہ تمھارا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا

لہذا اس کو اس کے حقیقی باپ کی طرف ہی نسبت کر کے پکارنا چاہیے اور اگر

ایسے کسی شخص کے باپ کا نام پتہ معلوم نہ ہو تو پھر وہ تمھارے دینی بھائی اور ساتھی

رابطہ آیت

ہیں کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو مومن آدمی کا ایمان آفتابِ نبوت کی ایک شعاع ہے۔ ابریز والے بزرگ اگرچہ امی تھے مگر بڑے علم و فہم والے اور صاحبِ کشف بزرگ تھے، اُن کے ملفوظات اُن کے ایک مرید نے ایک عظیم کتاب کی صورت میں جمع کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ پیغمبر کے قلب مبارک سے ایک تار سا نکل کر ہر اہل ایمان کے قلب کے ساتھ آکر مل جاتا ہے۔ اگر یہ تار یعنی تعلق ٹوٹ جائے، تو انسان سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ کشفی بات ہے مگر درست ہے۔ اسی لیے بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر مومن غور کرے تو اُسے معلوم ہو گا کہ ایمان حقیقت میں اللہ کے نبی کے قلب مبارک کی شعاع کا نتیجہ ہے پیغمبر علیہ السلام آفتابِ نبوت ہیں، لہذا اگر کوئی شخص حقیقت ایمان کو سمجھنے کے لیے فکری حرکت شروع کرے گا تو ایمان کی حقیقت پانے سے پہلے اُسے پیغمبر کی معرفت حاصل کرنا پڑے گی۔ کیونکہ ایمان تو پیغمبر کے واسطے ہی آتا ہے۔ غرضیکہ نبی کا وجود مسعود ہم سے ہماری ہستی سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔

نبی منزلہ
باپ

نبی کے ساتھ اس روحانی تعلق کی بنا پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام مومنوں کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہیں۔ حضرت سلمان فارسی کی روایت میں آتا ہے کہ کفار و مشرکین حضور علیہ السلام کے متعلق طرح طرح کی بیہودہ باتیں کرتے تھے۔ اور مختلف قسم کے اعتراض کرتے تھے۔ مگر ہمارا جواب یہی ہوتا تھا کہ پیغمبر علیہ السلام ہمارے لیے بمنزلہ باپ کے ہیں بلکہ باپ سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ انہوں نے ہمیں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ استنجا پاک کرنے کا طریقہ بھی سمجھایا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے اَنَا لَكُمْ رَبٌّ ذُوْا الْقُرْبٰی یعنی میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ ہوں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت جابرؓ کی روایت کے مطابق قرآن کی بعض قراتوں میں یہ الفاظ بھی

۱۔ ابن کثیر ص ۴۶ ج ۳

۲۔ در منثور ص ۱۸۳ ج ۵ و روح المعانی ص ۱۵۲ و مدارک ص ۲۹۴ و احکام القرآن للجبلی ص ۳۵۵ (فیاض)

آتے ہیں وَاَزْوَاجُهُ اَمْهَاتُهُمْ وَهُوَ اَبٌ لِّمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّيْنِ مِنْهُمْ وَلِذَلِكَ
 کی پوریاں مومنوں کی ماںیں ہیں اور آپ ان کے حق میں منزلہ باپ کے ہیں۔
 اگر باپ اور بیٹے کے تعلق پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیٹے کا وجود
 باپ کو سر زبدا منت ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ بار بار من مہول
 کا حکم دیا ہے وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا رَّبَّنَا اَسْمٰئِل ۲۴۔ باپ
 کے اپنے بیٹے کے ساتھ اس قریب ترین تعلق کو نہ پر ہی بیٹے کے لیے، چہ
 کی شفقت اور تربیت طبعی ہوتی ہے۔ چنانچہ باپ کو بیٹے سے جو روي ہوتی ہے۔
 اتنی اندھی سے نہیں ہوتی۔ بر شریعت آپ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا اس
 سے بڑھ کر بڑے نیک بخت، لائق اور احسانیت ہو۔ یہ اس کی طبعی شفقت کو اجاگر ہوتا
 ہے۔ لیکن اگر بغیر غور و تمحاضے تو نبی اور اسی کا تعلق اس سے بھی زیادہ ہے۔ باپ
 تو بیٹے کے ظاہری وجود کا ذریعہ ہوتا ہے۔ نیز باپ کی شفقت بھی طبعی ہوتی ہے
 مگر نبی کو جو تعلق اور شفقت امتی کے ساتھ ہوتی ہے۔ وہ باپ سے کہیں زیادہ
 ہوتی ہے۔ نبیؐ، روحانی، جسمانی اور اس و ایمان نبی کی روحانیت کا عکس ہوتا ہے۔
 اسی لیے نبی کی طرف سے جو شفقت، نصرت، اور تربیت امتی کے لیے ہوتی
 ہے وہ والدین سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ باپ کے ذریعے اللہ کے ہمیں دنیا
 کی عارضی حیات عطا فرماتی ہے۔ جب کہ نبی کے طفیل انسانوں کو دائمی حیات حاصل
 ہوتی ہے۔ جسے ایمان، تعویذ، برکت، اور توحید کو جو میں آئینی اور نبی حاصل ہوگی اُسے
 گواہی دہی حیات ملے گی۔ فاضلہ اللہ کے نبی ہمارے ساتھ جو ہر روي، غیر خدائی،
 شفقت اور تربیت فرماتے ہیں، ایمانی شفقت اور ساتھ روي خود ہمارا وجود بھی نہیں
 کر سکتا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ کے نبی کو اہل ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے
 بھی زیادہ قریبی تعلق ہے۔

نبی کی کائنات
 و امتی

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی کو ہمنوں کے مال و جان میں تصرف کلاہ حق
 پہنچا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر دہلوی نے فرمایا کہ
 لہ موضوع الفقرات ۱۵۰ (ایضاً)

اللہ کے نبی کو یہ حق اس لیے حاصل ہے کہ وہ اللہ کا نائب ہے۔ تصرف کی مثال اسی طرح ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو آگ میں ڈال لینہ نہیں کرتا۔ لیکن اگر اللہ کا نبی حکم دیدے کہ غم الیا کرو۔ تو امتی پر ایسا کرنا فرض ہو جائے گا۔ لہذا معلوم ہوا کہ نبی کو ہماری جانوں اور روحوں پر بھی تصرف حاصل ہے۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کے والدین، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ نبی کو امتی کے ساتھ زیادہ لگاؤ اور تعلق کا یہی معنی ہے۔

اگر ہمارا نفس بُرا ہے تو وہ بری بات کی ہی تلقین کرے گا، مگر اللہ کا نبی ہمیشہ اچھی بات کی تلقین کرے گا۔ لہذا ثابت ہوا کہ نبی کو ہمارے ساتھ خود ہمارے نفسوں سے بھی زیادہ مہر دی ہے۔ اور اگر انسان کا نفس اچھا بھی ہے تو بہا اوقات وہ انسان کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتا اور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت غلط فیصلہ کر بیٹھے مگر یہ اللہ کے نبی کی شان ہے کہ وہ اپنے امتی کے حق میں ہمیشہ صحیح فیصلہ کریگا۔ اُس کے پیش نظر ہمیشہ امتی کی خیر خواہی ہی ہوگی۔ اپنی جان بھی اپنے ساتھ وہ مہر دی اور شفقت نہیں کر سکتی جو اللہ کا نبی امتی کے ساتھ کرتا ہے۔ لہذا اُسے امتی کے ساتھ اُس کی اپنی جان سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔

نیز یہ بھی وَازُوا جَاءَ أُمَّهَاتُهُمْ کہ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں یہ مسئلہ آگے بھی آ رہا ہے۔ جہاں نبی کی بیویوں سے نکاح کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ بہر حال ازواج مطہرات کو دو وجوہ سے مومنوں کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کی بیویوں کا

ازواج مطہرات
مومنوں کی
مائیں

نہیں کسی اسمی کے ساتھ جانز نہیں۔ یہ مسئلہ آگے بالتفصیل آ رہا ہے۔ اور دوسری
دو ادب و امتزاج کی ہے۔ حضور علیہ السلام کی بیویاں مومنوں کی عائشہ میں ان کے
کا ادب و امتزاج حقیقی ماں سے بھی بڑھ کر ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ نبی کی بیویوں پر حقیقی ماں جیسے تمام احکام الہامی
نہیں ہوتے۔ مثلاً کوئی کوئی حقیقی ماں سے پرورد نہیں کرتا۔ اُن کے پاس حضرت میں
بہنوہ سکتا ہے اور اس کو ہانڈ لگ سکتا ہے۔ مگر روحانی ماں یعنی نبی کی بیوی کے
ساتھ ایک اسمی یہ کار نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص حقیقی یا رضاعی ماں کی بیٹی سے
نکاح نہیں کر سکتا مگر نبی کی بیویوں کے سلسلے میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔
اسی طرح بیٹا ماں کی وراثت میں حقدار ہوتا ہے مگر نبی کی بیویوں کی وراثت میں
یہ حق قائم نہیں ہوتا۔ غرضیکہ نبی کی بیوی پر ماں کا اطلاق صرف دوسروں میں ہے
ایک یہ کہ اُن کے ساتھ نکاح امی حرام ہے اور دوسری یہ کہ اُن کا اولاد حرام
و واجب ہے۔ نبی کی بیویوں کی توہین کہنے والا شخص یا تو منافق ہے یا بے ایمان
والفی لوگ ام المومنین حضرت عائشہ کی توہین کے مرتکب ہونے۔ حالانکہ اُن
کی برکت کا ذکر ہم سورۃ نور میں پڑھ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے آپ کے
حق میں نازل فرما کر آپ کی طہارت اور پاکیزگی کو بیان کر دیا ہے اللہ نے آپ
پر رکھنے والے اہتمام کی مختلف الفاظ میں مذمت بیان کی ہے حقیقت یہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی بیویوں اور مومنوں کی ماؤں کو سرنجہ ست سے پاک رکھا
ہے۔ اللہ نے سورۃ نور میں یہ اصول بیان کر دیا ہے وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ
(آیت ۲۶) پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں۔ اللہ کا نبی پاک ہے
اور اُن کی تمام بیویاں بھی پاک ہیں۔ اللہ نے انہیں ہر قسم کی انطافی کجاستوں
سے محفوظ رکھا ہے۔

قرآن مجید
کا حق

کے وراثت کے سلسلے میں قرآن ارشاد کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا
ہے وَأُولُوا الْأَرْحَامِ يَنْصُبُهُمْ آبَاؤُكُمْ يَنْصُبُ فِي كِتَابِ

کہتے ہیں یعنی اُن کا حق نالغ ہے اِلَّا اَنْ تَعْلَمُوْا اِلٰہی اَوْ لِسِکْسِر
مَعْنُوْہُ وَفَا گھر یہ کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کرنی امان کرنا یا نہ کرنا جو قرعہ رشی
کر سکتے ہو اس میں کرنی نہ ہوں البتہ وراثت میں حصہ نہیں ہوں گے
ایک صورت میں اللہ نے امانت دی ہے اور وہ یہ کہ کوئی شخص اپنے کسی رفیق
یا ساتھی کے حق میں زیادہ سے زیادہ اپنے ایک تہائی مال کی وصیت کر سکتا ہے
کسی کی خدمت خاطر کرنا یا جو تو اس کی امانت ہے۔ كَانَ ذٰلِكَ فِی
اَلْکِتَابِ مَسْطُوْرًا اور یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے

اس کتاب سے کہیں کتاب مبرا ہے یا بعض مفسرین کتاب سے مراد
قرع محفوظا لیتے ہیں کہ وہاں یہ ممکن نہیں ہوا مگر وہ ہے بعض دوست مفسرین
اس سے کتاب تو امانت مبرا دیتے ہیں کہ وہاں بھی یہ سنادہ کو ہے اور قرآن پاک
میں قرع سنادہ بحال آیا ہے اور یہ بھی اللہ کی آخری اور عظیم ترین کتاب ہے قر
اس آیت کریمہ میں اللہ نے پہلے نبی اور مومنوں کے بعد تعلق کر دیا گیا۔ پھر
ازواج مطہرات کے ادب استراہ اور اُن کی محاسن میں ثوابیت کا ذکر کیا۔ چہ سلسلہ
مراعات کے احکام کو تبدیل کر کے فرمایا کہ وراثت کے معاملہ میں دینی صحابیوں کی
قیمت اصل رشتہ داروں کو فوقیت حاصل ہے۔ البتہ عام مومنین اور صحابہ
یعنی دینی صحابیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔

وَلَاذِ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ
وَمَنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنُ
مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٨﴾
لَيْسَ الصَّدَقَاتُ لِلْكَافِرِينَ عَنْ صَدَقَتِهِمْ وَاَعَدَّ
لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٩﴾

ترجمہ :- اور اس بات کو دھیان میں لاؤ جب
کہ ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا اور دھماں طور
پر آپ سے ۔ اور نوح علیہ السلام سے ، اور ابراہیم علیہ السلام
اور موسیٰ علیہ السلام سے ، اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام
سے ۔ اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا ﴿۸﴾ ، کہ پرچھے
اللہ تعالیٰ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں اور
تیار کیا ہے اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب ﴿۹﴾
گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کو مومنوں کے ساتھ ان کی
جانوں سے بھی زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے ، نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں ، لہذا
نبی کا اتباع اور ادب و احترام ضروری ہے ۔ اور دوسرے مسئلہ اللہ نے قرابت
داروں کے متعلق فرمایا کہ عام مومنوں اور مہاجرین کی نسبت قرابتداروں کا درجہ
میں حق فائق ہے ۔ البتہ دوسرے لوگوں سے حسن سلوک اور احسان کیا جاسکتا ہے
اس سے پہلی آیت میں پیغمبر علیہ السلام کا مرتبہ اور آپ کا اہلال و اکرام بیان ہوا تھا ۔
نبی علیہ السلام کو بخیر خواہی اور ہمدردی بنی نوح انسان سے بالعموم اور اہل ایمان کے
ساتھ بالخصوص ہے ، وہ کسی دوسری ذات میں نہیں ۔ جس قسم کی تربیت آپ

ملفوظات

کر سکے۔ ہیں کوئی اور نہیں کر سکتا۔ لہذا آپ کا اتباع ضروری ہے۔
 سورۃ کی ابتدا میں اللہ نے پیغمبر علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا: وَاتَّبِعْ
مَا يَدْعُو بِآيَاتِهِ۔ يَوْمَ تَذُكَّرُ آپ کے پروردگار کی طرف سے
 آپ پر جو دعویٰ نازل کی جاتی ہے آپ اس کا اتباع کریں۔ عام اہل ایمان کے
 لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ دعویٰ الہی کی پیروی کریں۔ اور جن پر دعویٰ نازل کی جاتی ہے
 وہ اللہ کے نبی اور رسول ہوتے ہیں اور ان کا اتباع بھی ضروری ہے۔ آپ آج
 کے در میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے علم و بیان کا ذکر کیا ہے۔
 ارشاد ہوتا ہے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ الْنَّبِيِّينَ۔ مِثَاقُكُمْ
 اور اس بات کی طرف توجہ کرو جب کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ عہد
 لیا۔ الْنَّبِيِّينَ سے مراد سائے کے ماتھے انبیاء ہیں کہ ان سے اقرار لیا گیا تھا۔
 اور آج کے عہد کی پختگی کا ذکر بھی آ کر ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اس عہد کے
 ضمن میں پانچ اولوالعزم انبیاء کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جن میں سرفہرست حضور خاتم النبیین
 صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ جب ہم نے پختہ عہد لیا۔ جاءنا علیہم السلام
وَحِثُّكَ اور خاص طور پر آپ سے۔ وَمِثْ توجہ فرماؤ هِنَّ و مُؤْمِنِي
وَعِصْمَى ابْنِ مَرْيَمَ اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام
 کے ہمراہ فرمایا وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْهُمُ مِيثَاقَهُمْ اور ہم نے ان سب
 سے پختہ اور مضبوط عہد لیا۔

قرآن پاک میں کئی ایک عہد و پیمان کا ذکر آیا ہے۔ ایک عہد الست ہے
 جس کا ذکر سورۃ الاعراف میں آیا ہے۔ یہ عہد عالم ابدان میں تمام بنی فرعون انسان
 سے لیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانی ریح کو حضرت آدم علیہ السلام
 کی پشت سے نکالا اور انہیں دکھایا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ بعض رومی

بڑی روشن اور چمکدار تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے متعلق دریافت کیا، تو آپ کو بتلایا گیا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے نبی یا رسول یا نبی ہی مکی دئے لوگ ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر بھی آتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے ان کے متعلق دریافت کیا تو اللہ نے فرمایا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے آخری دور کے نبی ہیں۔ پھر دریافت کیا کہ انکی عمر کتنی ہے، کہا ساٹھ سال۔ اس پر آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میری عمر میں سے چالیس سال ان کو دے دیے جائیں تاکہ ان کی عمر سو سال ہو جائے۔ آپ کی یہ درخواست قبول کر لی گئی۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی۔ جب اُس میں سے چالیس سال باقی رہ گئے تو اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا۔ آپ نے کہا ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔ فرمایا گیا کہ یہ عمر تو تم نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو دیدی تھی۔ مگر آپ وہ بات بھول چکے تھے لہذا انکار کیا جس طرح آدم علیہ السلام بھولے تھے اسی طرح آپ کی اولاد بھی بولتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے معاملات کو تحریر کرنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ بعد میں کوئی انکار نہ کر سکے۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ہوا تھا۔ جب آپ کو زمین پر اتار دیا گیا تو عرفات کے قریب داؤد نبی نعمان میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کی ساری روحوں کو نکالا، یہ روہیں چیز نیسوں کی مانند بالکل چھوٹی چھوٹی تھیں۔ بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر اہل ایمان کی روحوں کو برآمد کیا اور پھر بائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر کفار و مشرکین کی روحوں کو نکالا۔ بہر حال یہ عہد الہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی تمام روحوں کو مخاطب

کر کے دنیا تھا اَللّٰهُمَّ قَوِّمُوْهُ فَالْكَافِی (الاعراف ۱۸۰) کیا میں تمہارے پروردگار کا
 نہیں ہوں؟ تو سب باتوں کے جواب دیا کہ بیشک تیری ہمارا رب ہے۔
 اس علم کے علاوہ بعض دوسرے علم و بیان جو قرآن پاک میں آئے
 سُنُّوْا لِمَا نَزَّلَ مِنْ قِبَلِ رَبِّكَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (البقرہ ۲۳) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے
 ساتھ احسان کرنا، منکر و مکرہ اس علم پر قائم نہ رہے۔ اللہ نے ہی اس راہ پر
 عمل ہی لیا تھا کہ تم اللہ کی کتاب اور اس فرمان کو لَبِیْطُفْتُمْ لِّلنَّاسِ
 وَلَا تَكُنْتُمْ مِّنْہُمْ (آل عمران ۱۰۴) لوگوں کے سامنے ظاہر نہ ہو گئے اور چھپائے
 گئے نہیں مگر خفی اسرائیل اس علم پر ہی قائم رہے تھے۔ اور حق بات کو چھپاتے تھے
 جس وجہ کہ ذکر آیت نہ پروردگار میں ہو رہا ہے یہ بیشک البتین کہلاتے ہیں۔
 جو اللہ تعالیٰ نے قاصد انبیاء علیہم السلام اور خاص طور پر مذکورہ پانچ اولوالعزم انبیاء
 سے لیا تھا۔ اس وجہ کہ تفصیل سورۃ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ اللہ نے کتاب
 انبیاء علیہم السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب میں نے تمہیں کتاب اور وحی عطا فرمائی
 پھر تمہارے پاس وہ رسول آجائے جو اُن کتابوں کی تصدیق کرتے والا ہو جو تمہارے
 پاس ہیں تو اَسْمُوْا مِنْہٗ بِہٖ وَكَلِمَتُھُمْ رُبُّکُمْ (آیت ۸۱) تو اس پر ایمان
 لانا اور اس کی مدد کرنا طلب یہ کہ اگر پہلے نبی بھیجے نبی کا دور پانے تو اس پر ایمان
 لائے اور اس کی تائید کرے۔ اور مجبوری طور پر سائے انبیاء سے عمل لیا تھا کہ وہ حضور
 علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائیں گے اور اُن کی نصرت کریں گے۔
 اس وجہ کے متعلق مختلف اقوال ہیں کہ یہ کب لیا گیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ عہد الست
 کی طرح یہ عمل بھی اس مادی جہان میں آنے سے پہلے لیا گیا تھا۔ البتہ بعض دوسرے
 مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ عمل اللہ نے پرنبی سے اس کی دنیا میں بعثت کے بعد

لَعَلَّہُمْ تَقْبَلُوْنَ (انبیاء)

لیا تھا کہ اگر تمھارے زمانے میں دوسری نبی آجائے یا نبی آخر الزمان آجائیں تو ان کی تائید نصرت کرنا۔

شیخ ابن عمرؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ محمد خدا تعالیٰ کی توحید پر کار بند رہنے ، اداۓ رسالت اور لوگوں کو دین کی طرف دعوت دینے کا تھا اور بچتہ عہد لیا تھا کہ تم اس فریضہ کو پورے طریقے سے ادا کرو گے ، اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرو گے۔

حضرت علیہ السلام
کی خصوصیت

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تو تم ام انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے مگر اس آیت کریمہ میں آپ کا ذکر باقی انبیاء سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ امام ترمذیؒ نے ایک روایت بیان کی ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی تو آپ نے فرمایا میں اس وقت بھی نبی تھا و آدم بین الروح والجسد جس وقت آدم علیہ السلام کے جسم میں روح بھی داخل نہیں ہوئی تھی اور حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں تخلیق میں سب سے پہلے اور بعثت میں سب انبیاء کے بعد ہوں مطلب یہ کہ آپ کی تخلیق عالم ارواح میں بھی سب سے پہلے عمل میں آئی۔ اسی لیے اکثر بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس جہاں میں نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ذریعے اللہ نے باقی انبیاء کی ارواح کی بھی تربیت فرمائی اور اس طرح آپ کو اس عالم میں بھی شرف اور مرتبہ حاصل تھا۔

امام ابن عمرؓ اور بعض دیگر محققین فرماتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق کا باعث بھی حضور علیہ السلام کا وجود مبارک ہے اور سب سے مقدم ذریعہ فیضان بھی آپ

۱۔ تفسیر الشیخ الاکبر ص ۱۳۱ ۲۔ ترمذی ص ۵۱۹

۳۔ طبری ص ۱۲۵ و ابن کثیر ص ۲۶۹ و معالم التنزیل ص ۱۶۲ و درمنثور ص ۱۸۴

۴۔ تفسیر الشیخ الاکبر ص ۱۳۱ (فیاض)

ہی کی ذات ہے۔ عالم ارواح میں بھی اللہ نے آپ کی وحی کو سب سے پہلے پڑا دیا اور
 اُس کے ذریعے دوسری امداد کو فیصل پہنچایا۔ عینیکہ عمدہ ہدایا کے سلسلے میں آپ کا
 ذکر ضرور اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ عالم ارواح میں بھی آپ کی تعلیم سب سے پہلے
 پہنچی تھی۔

یہاں پر امر بھی وضاحت کے قابل ہے کہ اس آیت کریمہ میں جن ایک انبیاء
 علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے وہ ملتِ مرتبت اور عظیم الشان انبیاء کہلاتے ہیں۔ ارمیہ
 النبیعین میں کرسا سے کے سارے نبی شامل ہیں مگر یہ پہلے اور لو العوام انبیاء اور ہیں
 جن کا فیضان اور اتباع دنیا میں ہزاروں سال تک جاری رہا یہی وجہ ہے کہ
 اللہ نے ان کا بطور خاص تذکرہ فرمایا ہے کہ ان سے عمل لیا گیا کہ
 وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر کاربند رہیں گے۔ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف دعوت
 دیں گے۔ نمود ہی اس پر عمل پیرا رہیں گے۔ اور دوسروں کو بھی اس پر پابند بننا
 کی ترغیب دیں گے۔ اس کے علاوہ دنیا میں برائی کی بجائے نیکی اور نفاذ کی بہت
 اصلاحات کر عام کرنے کی سعی کریں گے۔

میں ان کی
 نصیحت

آگے اللہ نے اس میں ان کی غرض و غایت بھی بیان فرمائی ہے۔ لَسْتُمْ
 الْعِدُوِّ قَبْلَ أَنْ يَكُونَ الْعَدُوُّ لَكُمْ فَكُنْ حَاسِبِينَ اذْكُرْ اللّٰهَ تَعَالٰی پکے لوگوں سے اُن کی سچائی کے
 بارے میں سوال کرتے۔ سورۃ الاعراف میں یہ مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے۔
 فَلَسْتُمْ مِنَ الَّذِينَ اُرْسِلَ الْبَيِّنَاتُ وَلَكُنْتُمْ مِنَ الْمُنْكَرِينَ
 (آیت ۶۰) ہم اُن لوگوں سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا اور خود
 رسولوں سے بھی سوال کئے گئے کہ انبیاء اور اُن کے امتیوں نے مذکورہ حد تک کس
 حد تک پڑا دیا۔ بیروں سے سوال ہو گا کہ کیا انہوں نے تبلیغ حق کی ذمہ داری پوری
 کی اور امتیوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا انہوں نے نبیوں کی دعوت کو قبول کیا یا
 نہیں؟ انبیاء سے اس قسم کے سوال ہو کر جمیع الوداع کے واقعہ میں بھی آتا ہے۔
 حج کا نظیر ارشاد فرماتے ہیں کہ بعد منی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضرین سے فرمایا تھا

کہ لوگو! کھل قیامت کے دن میرے بارے میں تم سے سوال ہوگا تو کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا۔ نَشْهَدُ اَنْتَ قَدْ اَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَ نَصَحْتَ الْاُمَّةَ ہم اللہ کے حضور گواہی دیں گے کہ آپ نے امانت ادا کر دی، تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور امت کے لیے خیر خواہی بھی کر دی۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے اپنی انگشت شہادت۔ آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا، حنڈایا گواہ رہنا۔

بہر حال قیامت والے دن اللہ تعالیٰ سچے لوگوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے گا۔ اس بات کا ذکر سورۃ المائدہ میں بھی آتا ہے هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (آیت - ۱۱۹) اُس دن سچے لوگوں کو ان کی سچائی ضرور فائدہ دے گی۔ اور سچے لوگوں میں سر فرست انبیاء کی جماعت ہے جنہوں نے پوری سچائی کے ساتھ دین کو قبول کیا، اُس پر عمل کیا اور اس کی اشاعت و بفا کا بندوبست کیا۔ اس کے بعد جن لوگوں نے دین حق کو مانا اور اس پر عمل پیرا ہوئے وہ بھی سچوں میں شمار ہوں گے، اور قیامت کے دن ان کی سچائی کے متعلق سوال ہوگا۔ اور وہ اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچیں گے۔ ان کے برخلاف جنہوں نے دینِ توحید کو تسلیم نہ کیا اور کفر، شرک اور معصیت کا ارتکاب کرتے رہے، فرمایا وَ اَعَدَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب بھی تیار کیا ہو اسے جس کا وہ شکار ہوں گے، حقیقت میں ایسے لوگوں نے اُس عہد کا پاس نہ کیا جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ وہ انبیاء کے لائے ہوئے دین کو قبول کریں گے اور ان کی تائید و نصرت کریں گے ایسے لوگوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی اور ان کے لائے ہوئے دین کو ٹھکرا دیا اور بالآخر دردناک عذاب میں پھنس گئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
 إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا
 وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا
 تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ⑨ إِذْ جَاءَ وَلَكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ
 وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ
 وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ
 بِاللَّهِ الظُّنُونًا ⑩ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ
 وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ⑪ وَإِذْ يَقُولُ
 الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ
 مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ⑫

ترجمہ: اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی اس نعمت
 کہ جب آپؐ نے تم پر جنگی جہتیں پر حملہ کیا، جو تم سے
 بہت سے فوجیں ہیں، ہم نے بھیجی ان پر تھوڑا سا اور
 ایسا شعلہ جس کو تم نے نہیں دیکھا، اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں
 تم کو کھڑے ہو کر دیکھنے والا ہے ⑨ جب چڑھ گئے
 وہ تم پر اوپر کی جانب سے اور نیچے کی جانب سے،
 اور جس وقت آنکھیں پھٹا لگیں تھیں، اور دل اٹھیا

کہ گلوں تک آجے تھے، اور تم گمان کہتے تھے طرح طرح کے گمان ⑩ اُس وقت آزمائے گئے مومن اور وہ سخت منتزلزل کئے گئے ⑪ اور جب کہتے تھے

منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ اور اُس کے رسول نے مگر دھوکہ ⑫

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُس ميثاق النبیین کا ذکر فرمایا، جو

رابطہ آیات

اُس نے اپنے انبیاء سے عالم ارواح میں لیا تھا۔ ان میں سے پانچ اولوالعزم انبیاء کا ذکر اللہ نے خاص طور پر کیا۔ ان سب سے یہ پکا عہد لیا گیا تھا کہ اگر پہلا نبی ہکچلے نبی کا زمانہ پائے تو اُس پر ایمان لائے اور اس کی تائید کرے۔ اور مجموعی طور پر تمام انبیاء کا سچہ عہد یہ تھا کہ وہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور ان کی نصرت کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جب انبیاء نے یہ عہد کر لیا تو ہر اُمتی پر بھی یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ آخری نبی پر ایمان لائے اور اُس کی تائید و نصرت کرے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم نے یہ عہد اس لیے لیا تھا تاکہ سچے لوگوں کی سچائی اور کافروں کا کفر واضح ہو جائے اور پھر سچے لوگوں کو ان کی سچائی کا بدلہ جنت کی صورت میں دیا جائے اور کافروں کو دردناک عذاب کا مزہ چکھایا جائے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنگ احزاب کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے انہیں اپنی نعمت کی یاد دہانی کرائی ہے جو اُس نے اس موقع پر مسلمانوں پر کی اور جس کی بدولت مسلمانوں کو کفار کے غلبے سے محفوظ رکھا۔ ان آیات کا گزشتہ آیات کے ساتھ ربط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس سچائی، خلوص اور دین داری کو جانچنے کا اشارہ گزشتہ آیات میں کیا تھا۔ جنگ احزاب کے موقع پر اُس کا امتحان ہو رہا تھا کہ کون دین حق کے ساتھ مخلص اور نبی کا سچا و فادہ رہے اور کون منافق اور کافر ہے۔

جنگ اترالپنجا بنگ خندق میں لڑی گئی، اس سے پہلے کئی جنگیں
 ہوا اور اہل اسلام نے کئی کام سر کیے تھے، مسلمانوں کی تعداد
 وہیں بڑھ رہی تھی، اسلام تعزیت پڑا، لڑھا اور ہی چیز کا فروغ کے یہ کہن منع
 بنی ہوئی تھی اور وہ مسلمانوں پر کافی ضرب لگانے کے لیے مناسب موقع کی تلاش
 میں تھے۔ اس دوران بزنطیہ کے بیس مسزہ کہ میں قریش کے پاس حاضر ہوئے
 اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اپنی راہ کا یقین دلایا، اس کے بعد بزنطیہ کو - وہ
 بزنطیہ کے پاس گیا اور قریش کی طرف انہیں بھی اکادہ جنگ کیا۔ پھر انہوں نے
 عرب کے بعض دیگر قبائل کو بھی ساتھ لایا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے
 تیار کر لیا۔ قریش کو پہلے ہی ایسے موقع کی تلاش میں تھے، وہ فوراً جنگ پر
 اکادہ ہو گئے۔ پر وگراہ کے مطابق یہ سارے قبائل مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے
 اور چند دن میں مدینہ کے قریب دس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔ یہ آنا بڑا لشکر تھا کہ
 مدینہ کی کل آبادی سے بھی زیادہ تھا۔

اگرچہ مدینہ کی قیادت بھی بیزنطیہ تھی اور ان کی انہیں ہمیشہ حالات کی بعض
 پر رہی تھیں۔ جبرئی کھد کا یہ لشکر مدینہ کے قریب آیا، پھر انہوں نے اس کی اطلاع مدینہ
 میں کر دی۔ اطلاع پاتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ٹہان کی مجلس شوریٰ منعقد
 کی اور دفاعی منصوبہ رصلا و مشورہ شروع کر دیا، غزوہ خندق کے بعد حضرت سلمان
 فارسی کی تجویز منظور کر لی گئی کہ مدینہ طیبہ کے گرد مناسب مقامات پر خندق کھود کر
 دشمن کو شرمینہ داخلے سے روکا جائے، اس منصوبے پر فوراً عمل شروع ہو گیا، حضور
 علیہ السلام نے دس دس آدمیوں کو چالیس چالیس گز کا گڑھا کھودنے کا حکم دیا، چنانچہ
 سارے تین میل لمبی یہ خندق چاروں طرف میں مکمل کر لی گئی۔

خندق کی کھدائی کے دوران بھی بہت سے واقعات پیش آئے اور حضور

اور ہوا بھیج کر جانک کیا، اور سیرلی، اور مشرق کی طرف سے پہلے والی ہوا کے ساتھ
 کی۔ یہ ہوا نہایت ٹھنڈی تھی، عموماً اور اسے برداشت نہ کر سکے، لہذا اسے ایمان دل
 میں نے قریب دو سو سال بعد یہ فرمایا: **وَجَبُّوْا اَکْثَرُ مَقَدِّحًا** اور تیرے پہلے
 شعلے جیسے آگ تھیں، دیکھ جاتے تھے۔ دوستوں نے حملے دلوں کو مضبوط کیا جس
 کی وجہ سے تم دشمن کے خوف سے دل برداشتہ نہ ہو سنے اور بالآخر اس نے نیز
 اور ٹھنڈی مشرقی ہوا بھیج کر ملحدانوں کو ہلکے پڑھو کر مراد۔ **وَصَكَانَ اللّٰهُ**
بِمَا تَعْمَلُوْنَ كَيْفَ يَشَاءُ اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو دیکھنے
 والا ہے۔

پھر فرمایا: **اِنَّ وَرَثَةَ اَرْضِ جَاوَدُ وَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّتِكُمْ**
 جب دشمن تیرے پڑاؤ پر کی جانب سے پڑھائے **وَمِنْ اَسْفَلِ عِمَّاكُمُ**
 اور پچھلی جانب سے بھی، عرب کی مشرقی جانب، اونچی جگہ ہے جہاں نول ہیں
 جب کہ مشرقی سرحد پر ہے۔ دشمن دونوں طرف سے تیرے آگے آئے تھے۔
 تمہاری عمر تین، چھ سال ہو کر سے شہر میں تھے جن کی حفاظت کو کوئی بندہ بہت
 نہیں تھا کیونکہ سارے مجاہدین دشمن کے مقابلے میں خائف تھے اس پر مورخ **ابن**
ابن حالات میں اس وقت کو دسیان میں **اِذَا رَاَ عَصَابَ اَبْنَصَارَ**
 جب کہ خوف اور دہشت کی وجہ سے تھا، یا انھیں پتہ نہ تھا کہ **وَبَلَّغْتَ**
الْمَقْلُوْبِ الْمَكْرَاجِ اور دل پہنچ کر دشمن تک آ رہے تھے۔ اس
 موقع پر حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا: میں نے یہ سنا ہے کہ **اِذَا رَاَ عَصَابَ اَبْنَصَارَ**
عَوْدًا اور **اِذَا رَاَ عَصَابَ اَبْنَصَارَ** یہ وہ جگہ ہے جہاں سرحدوں کی پروردہ پر
 تھا اور اسے خوف کرا میں تبدیل کر کے بغیر وہ اندھے موقع پر بھیج دینے

الحقیر علیہ السلام در روح المعانی ج ۱۰ ص ۲۱۹

نے پٹ کر حملہ کر دیا تو مسلمانوں نے یہ دُعا پڑھی تھی **حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ** یعنی ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

فرمایا، اس وقت تمہاری حالت یہ تھی **وَلْتَظْفُوْنَا بِاللّٰهِ الظُّنُونَا** اور تم طرح طرح کے گمان کر رہے تھے، خاص طور پر منافقین اور کمزور دل لوگوں کے دلوں میں بہت سے دوسرے آہے تھے کہ پتہ نہیں اب کیا ہوگا۔ کیا مسلمان بالکل ہی ختم ہو جائیں گے؟ مصیبت کے وقت خوف پیدا ہو جانا طبعی امر ہے اور یہ کمال کے منافقین ہیں۔ سامنے دشمن کا لشکر جبار نظر آ رہا تھا، مسلمانوں کی تعداد بھی بالکل قلیل تھی اور سامانِ حرب بھی تھوڑا تھا۔ اور ادھر عورتیں اور بچے غیر محفوظ نظر آتے تھے۔ ان حالات میں خوف دہرا اس اور وسوس کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔

فرمایا **هٰنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ** اس وقت مومنوں کو آزمایا گیا کہ اس قدر مشکل وقت میں یہ کس حد تک ثابت قدم رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی گھبراہٹ کو سکون میں تبدیل کر دیا۔ اس کے برخلاف منافقوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ فرمایا **وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا** اور مومن اچھی طرح متزلزل کیے گئے مگر وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہے جس کی وجہ سے کفار کو شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔

فرمایا اس وقت کو بھی یاد کرو **وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ** جب کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں دُک تھا کہہ رہے تھے **مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا** کہ ہم سے نہیں وعدہ کیا اللہ اور اس کے رسول نے مگر دھوکے کا۔ غزوہ احد کے موقع پر جب دشمن دوبارہ حملہ نہ کر سکا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ آئندہ ہم کامیاب ہوں گے، اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے منافق کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ خندق کھودتے

منافقوں
کی بھڑاس

وقت حضور علیہ السلام نے بعض چیشین گرنیاں بھی فرمائی تھیں کہ اشتر ثمالی ایران اور
 روم پر مسلمانوں کو غلبہ عطا کرے گا۔ خندق کی کھدائی کچھ دن بعد ہونے لگی۔ ایک سخت چٹان
 پر کھدائی کا اثر فرمایا، اشتر اکبر! مجھے ملک شام کی کھنیاں دی گئی ہیں۔ میں اس وقت
 وہاں کے سترق محلات کو دیکھ رہا ہوں، پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی تو
 چٹان کا ایک ٹکڑا اعلیٰ ہوا۔ آپ نے فرمایا اشتر اکبر! مجھے ندرس دیا گیا ہے
 و اشتر! اس وقت میں مدائن کا منہ معلوم دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے تیسرا ضرب
 لگائی اور فرمایا اشتر اکبر! مجھے یمن کی کھنیاں دی گئی ہیں۔ میں اس وقت صنعاء
 کے پناہ دیکھ رہا ہوں۔ اس قسم کی چیشین گرنیاں بھی منافقوں کو یاد آ رہی
 تھیں۔ کتنے گئے آپ روم اور ایران کی ہاتھ کھڑے ہیں اور اسرار ہمارے
 حالت یہ ہے کہ ہر رول و ریزہ کے لیے جی بہر نہیں نکل سکتے۔ اسی بات
 کے متعلق اشتر نے فرمایا کہ منافق کتنے تھے کہ اشتر اور اس کے رول نے ہم سے
 چھوڑ دیا ہے کہ فوج مسلمانوں کو معاملہ ہوئی۔ حالانکہ ہم تو شدید ترین خطرات
 میں گھسے ہوئے ہیں۔ بہر حال اس رکوع میں منافقین کی شدید مذمت بیان کی
 گئی ہے اور ایمان والوں کو تسلی دی گئی ہے اور ان کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ کہ
 وہ ایسے کھن وقت میں ثابت قدم رہے۔

اتل ما اوحى ٢١
ورس ششم ١

الاحزاب ٣٣

آيت ١٣ ٦ ٢٠

وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ
لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ
مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ
وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنَّ يُرِيدُ وَنَ إِلَّا فِرَارًا ⑬
وَلَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ
سُيِّلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا فِيهَا
إِلَّا يَسِيرًا ⑭ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ
مِنْ قَبْلُ لَا يُولُوكَ إِلَّا دُبَارًا وَكَانَ عَهْدُ
اللَّهِ مَسْئُورًا ⑮ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ
إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذَا لَا
تُمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ⑯ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي
يَعْصِيكُمْ مِّنْ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا
أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً لَا يَجِدُونَ لَهُم مِّنْ
دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ⑰ قَدْ يَعْلَمُ
اللَّهُ الْمُعْوِقِينَ مِّنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ

لَا خَوْلَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ
 إِلَّا قَلِيلًا ۝۱۸ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ
 الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ
 أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُفْتَشِي عَلَيْهِ مِنَ
 الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ
 بِالنِّسَاءِ جَدِيدٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَئِكَ
 لَمْ يُؤْمِنُوا فَاحْبِطْ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ
 ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝۱۹ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ
 لَمْ يَذْهَبُوا وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابَ يَوَدُّوا لَوْ
 أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ
 عَنْ أَنْبَاءِكُمْ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا
 قُتِلُوا إِلَّا قَلِيلًا ۝۲۰

ترجمہ :- اور انہیں ہمت نہ ملے کہ وہ آپ کے پاس آئیں اور نہ آپ کے پاس آئیں۔
 کہا ایک گروہ نے کہ ان دشمنوں میں سے کس سے ہم
 کے لئے والو! یہ تھا کہ اللہ نے ان کے لئے کیا ہے۔
 پس لوٹ عازر واپس اپنے گھروں کو اور اہل بیت
 طلب کرنا ہے آپ گروہ ان میں سے کسی میں اللہ
 سے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے اللہ غیر محفوظ ہے۔
 وہ غیر محفوظ نہیں ہیں۔ نہیں جانتے یہ اللہ جانتا ہے۔

اور اگر شہر میں اس کے اطراف سے کوئی فوج داخل کر دی جائے، پھر ان لوگوں سے فتنے برپا کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو فوراً اس میں شامل ہو جائیں گے۔ اور نہ ٹھہریں گے اس کے بارے میں گمراہی بہت تھوڑا (۱۴) اور البتہ تحقیق انہوں نے معاہدہ کیا تھا اللہ سے اس سے پہلے کہ پشت نہیں پھیریں گے۔ اور اللہ کے عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا (۱۵) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، ہرگز نہیں فائدہ دے گا تم کو بھانگا اگر تم بھانگا چاہو گے موت سے یا قتل کیے جانے سے۔ اور اس وقت تم کو فائدہ نہیں دیا جائے گا گمراہی بہت تھوڑا (۱۶) آپ کہہ دیجئے کون ہے جو بھاتا ہے تمہیں اللہ سے اگر ارادہ کرے وہ تمہارے ساتھ برائی کا یا ارادہ کرے تمہارے ساتھ برائی کا۔ اور نہ پائیں گے وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی حامی اور نہ مددگار (۱۷) تحقیق جانتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو روکتے ہیں تم میں سے اور ان کے دالوں کو بھی جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف چلے آؤ۔ اور وہ نہیں جلتے لڑائی میں مگر بہت تھوڑا (۱۸) وہ نہیں ہیں تمہارے اوپر۔ جب آجائے خوف تو دیکھے گا ان کو کہ وہ ہکتے ہیں۔ آپ کی طرف گھومتی ہیں ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح جس پر غشی طاری ہوتی ہے موت کی وجہ سے۔ پس جب خوف چلا جائے تو پھر وہ کاٹتے ہیں تمہیں تین زبانوں سے۔ عربیں ہیں وہ مال کے۔ یہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لانے

پس اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا ہے۔ اور
 یہ بات اللہ پر آسان ہے (۱۹) گمان کرتے ہیں یہ
 فوجوں کے ہارے میں کہ وہ نہیں واپس ہوں گے۔ اور
 اگر انہیں کوئی اور فوجیں تو یہ پسند کرتے ہیں کہ
 کہ یہ دیانت میں ہی ہوتے اور پورے فغانی فوجوں
 کے ہارے میں۔ اور اگر یہ لوگ تمہارے درمیان ہوتے
 تو نہ رشتے مگر بہت نفور (۲۰)

گزشتہ آیات میں جنگ احزاب کا ذکر ہوا تھا جس میں قتل قتل کے
 باوجود مسلمان دشمن کے شہسے ممنوع ہے اور کفار نامزد واپس لوٹ گئے۔ اس
 سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی قتل کے لیے فوجوں کا لشکر نازل فرمایا۔
 نیز مشرق سے تند تیز ہوا چلا کر دشمنوں کو ہٹا کر جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ مدینہ میں
 داخل ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچا دیتے تھے مگر اللہ نے انہیں نازل
 کیا کہ تم اور عائشہؓ کا سر نہ دیا۔ اللہ نے اہل ایمان کو یہ نعمت عظیم عطا فرمائی اور اللہ
 کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا اور دوسری طرف منافقوں کی مذمت بیان کی۔ آج
 کی آیات بھی اسی سلسلہ کی گنتی ہیں۔

مسلمانوں نے فتنے کی حالت میں سخت مشقت برداشت کر کے
 سانسے تیس میل لمبی خندق کھودی اور اس طرح مدینے کے ارد گرد دفاعی حصہ
 قائم کر لیا۔ آئے بنی قریظہ کا حال بھی بیان ہو رہا ہے کہ عذرہ احزاب کے بعد
 ان کا بھی سہوہ بیٹھ رہی اور اللہ نے ان دشمنوں کا بھی ماتر کر دیا۔ حضرت سعد بن
 معاذؓ نے زہر پہنچا کر وہ اتنی چھوٹی مٹی کہ آپ کے بازو باہر نکلتے ہوئے تھے
 اس پر جوش میں آکر انہوں نے کہا۔

لَيْتَ قَلِيلًا مِّمَّنْ دَرِكَ الْهَيْجَا الْجَلُّ
لَا بَأْسَ بِالْمَوْتِ إِذَا حَانَ الْأَجَلُ

کاش کہ تھوڑا سا موقع مل جاتے جس میں میرا اونٹ میدان جنگ پہنچ جائے اور پھر اگر موت بھی آجائے تو کچھ پروا نہیں۔ ظاہر ہے کہ موت تو بہر صورت آتی ہے اور اگر یہ اسلام کے دفاع میں آجائے تو اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے۔ اس موقع پر حضرت سعدؓ کی والدہ نے آپؐ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! تاخیر نہ کر دیکھ عبدی کرو اور اللہ کے رسولؐ جہاں بھی ہوں ان کے پاس فرما دینا۔ مسلمانوں میں تو اس قدر جوش و جذبہ پایا جاتا تھا مگر منافقوں کا حال یہ تھا کہ وہ بدحوال ہو رہے تھے اور جیسا کہ گزشتہ درس میں گزر چکا ہے، کہنے لگے کہ اس جنگ سے پہلے اللہ کے نبیؐ نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ آئندہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہی کامیاب و کامران کرے گا۔ پھر جب شہر کا پوری طرح محاصرہ ہو گیا تو وہ مجاہدین کی حوصلہ شکنی کرنے لگے۔ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ هَاهُنَا یثرب کے رہنے والو! یہاں دشمن کے مقابلے میں مورچہ بند ہو کر رہنا تمہارے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ یہاں تو زری تباہی اور بربادی ہے۔ دشمن کی کثیر تعداد اسلحہ سے لیس تمہارے مقابلے میں ہے۔ تمہاری تعداد بھی قلیل ہے، سر و سامان کا فقدان ہے حتیٰ کہ تمہاری خوراک کا بھی کوئی بندوبست نہیں اور تمہیں غلے پر غلے آسے ہیں۔ ان حالات میں تم دشمن کا کیسے مقابلہ کر سکو گے۔ غزوہ اُحد کے موقع پر بھی منافق اسی قسم کی بات کر کے مسلمانوں سے علیحدہ ہو گئے تھے کہ قریش کی کثیر تعداد کے ساتھ مقابلہ کرنا تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، لہذا ہم تمہارے ساتھ اس تباہی میں شریک نہیں ہو سکتے۔ کہنے لگے حالات اب بھی ناموافق ہیں، ہم دس ہزار کے برابر لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکو گے لہذا فَارْجِعُوا اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور

منافقوں کی
طرف سے
حوصلہ شکنی

نور اپنے لاکھوں سے اپنی ہلاکت کر نہ ضرر ہو۔

یہ شرب دینے کا قیود نام ہے۔ یہ شراب شرب و شرب نامی کسی شمس کے
 نام پر مشہور ہو گیا تھا شراب، عادت، گناہ یا برائی کہتے ہیں۔ اسی لیے منور علیہ السلام
 نے فرمایا کہ نہ یہ کہ شراب نہ کہ گناہ۔ جو الیہ گناہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجئے
 آپ نے یہ بات تین دفعہ کہی۔ نیز فرمایا کہ یہ قوی ہے، طیب نامہ نیز الرسول ہے
 اس پاک شہ کو شراب کے نام سے مت پکارا کرو۔

سنا توں کے
 جھوٹے
 بنائے

یہ حال منافقوں کا ایک گروہ تو وہ تھا جو مجلس ایمان والوں کرٹنے لگے
 میں والیں پہلے جانے کی ترغیب دیا تھا۔ وَيَسْتَأْذِنُ فَيُطْعَمُونَ
الْبُخَارِ اور ان میں سے دوسرے گروہ وہ تھا جو جھوٹے جیلے باروں سے جو علیہ السلام
 سے محاذ جنگ سے واپس پہلے جانے کی اجازت طلب کرتا تھا يَقُولُونَ
إِنَّا جِيئْنَا لَعَفْوًا بیشک ہمارے گھر غیر مغفول ہیں۔ عورت کا معنی بہتر
 یا عیب دار ہوتا ہے۔ مطلب کہ ہمارے گھروں کی چار دیواریاں میں شیبہ ہے۔ یہ
 ہوسکتا ہے کہ دشمن دشمن گھس آئے اور ہماری عورتوں اور بچوں کو نقصان پہنچا
 عفو اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ بھڑاس کرتے ہیں وَمَا كُنْهُمْ لِيُعْفَوْا ان کے
 گھر قطعاً غیر مغفول نہیں بلکہ ٹھیک ٹھاک ہیں۔ حقیقت یہ ہے إِن
يُرِيدُوا الْإِفْكَارَ یہ جھوٹے جیلے جانوں سے راہ فرار اختیار کرنا ہے یا

دشمن کی

فرار یا یہ منافق ایسے فتنہ پرور ہیں وَلَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ
أَقْطَارِهَا اگر، جس کے اطراف سے کہیں دشمن کی فتنہ شرمیہ داخل
 ہو جائے۔ فَسَبِّلُوا الْفِتْنَةَ لَا تَكُونُوا پھر ان سے مسلمانوں
 کے خلاف فتنے کا مطالبہ کیا جائے تو فرمان مان جائیں گے۔ اور مسلمانوں کے خلاف
 دشمن کر دے جسے پر آمادہ ہو جائیں گے، فرمایا اس مسئلہ میں کوئی تاخیر یا نہیں

رکھیں گے بلکہ وَمَا تَلْبَثُوا فِيهَا إِلَّا يَوْمًا نہیں ٹھہریں گے مگر بہت کم اور
 دشمن کے ساتھ شریک ہو جائیں گے حالانکہ وَلَقَدْ كَلَّفْنَا هَٰذِهِمُ اللّٰهَ مِنْ
 قَبْلُ لَا يُؤْكَفُونَ إِلَّا دُبَارَ اس سے پہلے یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عہد کر
 چکے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں برابر شریک رہیں گے اور پشت نہیں
 پھیریں گے مگر ان کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی دشمن ان سے اہل ایمان کے
 خلاف مدد طلب کرتا ہے تو فوراً تیار ہو جاتے ہیں، مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیتے
 ہیں اور اس طرح عہد شکنی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ غزوہ احد کے موقع پر بھی منافقوں
 نے ایسی ہی خیانت کا اظہار کیا تھا مگر جب اللہ کی طرف سے سخت وعید آئی تو انہوں
 نے معافی مانگی۔ اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا مگر ایک لحاظ سے
 انہی کا پلہ بھاری رہا کیونکہ دشمن تعاقب نہ کر سکا بلکہ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے
 انہیں بھگا دیا۔ اُس وقت انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے ساتھ غداری
 نہیں کریں گے مگر غزوہ احزاب کے موقع پر انہوں نے پھر حیلوں بہانوں سے
 یہی کام کیا، حالانکہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ ہم پشت نہیں پھیریں گے۔ اللہ
 نے فرمایا کہ ان کو علم ہونا چاہیے وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُولًا اللّٰه سے کیا
 ہوا عہد رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ اس کے متعلق ان سے سوال ہوگا کہ تم نے
 عہد شکنی کیوں کی؟ اس کے برعکس اللہ کا نبی اور ایمان والے سخت تکالیف برداشت
 کر کے بھی دشمن کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ غزوہ خندق ہی میں سختی کا ایک دن ایسا بھی
 آیا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سارا دن مورچہ زن رہے حتیٰ کہ ظہر، عصر اور مغرب
 کی تین نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ پھر آپ نے عشاء کے وقت میں یہ نمازیں قضا کر کے
 پڑھیں۔ نماز عصر کی فوتیگی پر حضور علیہ السلام نے سخت افسوس کا اظہار کیا اور بدھ
 فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کی قبروں کو آگ سے بھر دے کہ ان کی وحشت

ہو۔ یہ سلسلہ وسطی نہیں رہ گئی ہے۔ الغرض! قرآن کریم ان منافقوں سے مسلمانوں کے خلاف نکتے کا مطالعہ کیا جائے تو اس کے لیے خود تیار رہا نہیں گئے۔

موت
نہیں

منافقین موت کے خوف سے میدان جنگ سے جا گئے تھے لکن اللہ نے فرمایا **قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْغُرُورُ اِنْ قَدْ رُمْتُمُ الْمَوْتَ** اور **الْقَتْلَ** اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم طبعی موت یا قتل کے جانے کے ڈر سے جا گئے ہو تو یہ فراموشی کچھ مفید نہیں ہوگا اور اگر کسی طرح بھاگ بھی جاؤ گے **وَ اِذَا لَا تُمْسِكُوْنَ اِلَّا قَلِيْدًا** تو پھر بھی تمہیں بہت کم ہی فائدہ پہنچے گا۔ تم مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر جاگ بھی جاؤ گے، تو کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھاؤ گے، بلکہ اللہ دوست اور پشالی کا سامن کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید خبر دے کر فرمایا **قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللّٰهِ** اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ کہن ہے جو تمہیں بچائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے **اِلَّا اَنْ تَكُوْنُمْ سُوْءًا** اگر وہ تم سے برائی کا ارادہ کرے **اَوْ اَنْ تَكُوْنُمْ رَحْمَةً** یا وہ تم سے بہتر ہو، لیکن یہ سب فرمایا تمام اعتیاد سے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ وہ چاہے تو کسی کو شست میں ڈال دے کہ چاہے تو اس پر انعام کر دے، اس کے ارادے میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ لہذا تمہارا موت کے خوف سے بھاگنا منہیں کچھ فائدہ نہیں لے سکتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے کہ وہ کسی کے ساتھ کچھ سمجھ کر نہ چاہتا ہے۔ فرمایا **اَوْ رَكْعَةً** اللہ تعالیٰ اگر چھپرہ نہ کر دے کہیں نہیں بابت **وَلَا يَجِدُ وُقُوْةً لَّهُمْ** **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَمْ يَكُنْ اَوْ لَا فَيَسِيْرًا** اور یہی وہ اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہے۔ اللہ کی رحمت کے خلاف نہ لے سکتے ہیں کوئی نصرت کا اگر نہیں ہو سکتا۔

فرمایا **قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُفَوِّقِيْنَ** میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ سے جگہ سے رہ گئے لوگوں میں منافقوں کو خوب جانتا ہے **وَالْغَافِلِيْنَ**

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ هَلْ كُنَّا اِيَّانَا اور اُن کو بھی خوب جانتا ہے جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آ جاؤ اور جنگ میں شریک نہ ہو۔ اُس زمانہ میں مخلص مسلمان اور منافق ملے جلے تھے۔ اگر ایک بھائی پکا مسلمان ہے تو دوسرا منافق ہے تو ان حالات میں منافق اپنے بھائی بندوں کو جنگ میں شرکت سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ جب کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی یا وہ شہید ہو جاتا، تو منافقوں کو غلط پراپیگنڈا کرنے کا موقع مل جاتا کہ اگر ہمارے ساتھ رہتے تو یہ تکلیف نہ پہنچتی۔ دوسری جگہ اللہ کا یہ فرمان موجود ہے کہ اگر تم مضبوط قلعوں میں بھی بند ہو جاؤ تو موت سے بچ نہیں سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ وہاں سے نکال کر اُسی مقام پر تم پر موت طاری کر دے گا۔ بہر حال مسلمانوں کے ساتھ شریک جنگ ہونے سے روکنے والوں کے متعلق فرمایا وَلَا يَأْتُوكَ الْبَاسُ إِلَّا قَلِيلًا کہ وہ خود لڑائی میں کم ہی جاتے ہیں اور اکثر جیلے بہانے سے اعتراض ہی کرتے ہیں۔

منافقین کی
بدکرداری

فرمایا اَشْحَاطُ عَلَيَّكُمْ وہ تم پر بڑے بخیل ہیں۔ تمہاری مدد کرنے اور مال خرچ کرنے میں انتہائی کنجی کا اظہار کرتے ہیں اور جیلے بہانے سے بچت چاہتے ہیں۔ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ پس جب خوف آئے یعنی خطرہ درپیش ہو۔

رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ اِلَيْكَ تَدُورُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ تو آپ دیکھیں گے کہ یہ منافق لوگ آپ کی طرف تکتے ہیں اور اُن کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جس طرح کسی شخص پر موت کی غشی طاری ہو۔ اُس وقت یہ لوگ بڑے حیران اور دہشت زدہ معلوم ہوتے ہیں فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ اور جب خوف زدگی دور ہو جائے سَلَفُوكُمْ بِالْأَسِنَّةِ حِدَادٍ تو آپ کو تیز زبانوں سے کاٹتے ہیں، طعن اور ملامت کرتے ہیں اور مسلمانوں کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔ پھر فرمایا اَشْحَاطُ عَلَيَّ الْخَيْرِ یہ لوگ مال کے بڑے حریص ہیں۔ جہاد میں تو شریک نہیں ہوتے مگر جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے اور مال غنیمت حاصل ہوتا ہے

کے متعلق خبریں پوچھتے رہتے کہ اُن کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے۔ وہ تو مخلص مسلمانوں کی شکست اور مالی و جانی نقصان کی خبر سننے کے منتظر رہتے۔ یہ اتنے بزدل لوگ ہیں کہ جو اپنی دشمن قریب آئے یہ خوفزدہ ہو کر قتل کرنے لگتے ہیں کہ وہ شر کی بجائے دیات میں ہوتے تو مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونا پڑتا۔

فرمایا منافقوں کا جنگ گمراہیہ ایک لحاظ سے اچھا ہے کیونکہ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ أَكْثَرٌ لَّكَرِهْتُمُوهُ وَكَانُوا فِيكُمْ مَوَاقِفُ لَوْ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ لَئِنْ لَمْ يَكُنْ فِيكُمْ لَبَدَدٌ لَّكُم بَلْ يَكُونُ لَكُمْ أَعْيُنٌ عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ فَلَتَّوْا وَرَأَوْا آلِهَتَهُمُ الْأُصْنُفَ وَجَنُودَهُمُ الْمُؤَيَّدَاتِ وَلَئِنْ أَفْرَأْتُمْ أَفْوَاحًا لَّأَسْفَرْتُم بِالْمُؤْمِنِينَ وَبِالْمُؤْمِنَاتِ أَعْلَانًا كَالْفُحْشَىٰ وَلَئِنْ جُمِعُوا عَلَيْهِمْ لَأَسْفَرْنَ عَنْهُمْ وَإِنَّ أَعْيُنَكُمْ لَهُم مَّكَشُوفَةٌ ۚ

میں نہیں شریک ہوں گے مگر بہت حقوڑا۔ مطلب یہ کہ تمہارے ساتھ رہنے کا فائدہ بھی کچھ نہیں جب انہوں نے نہ صرف خود جنگ سے اعراض کرنا ہے بلکہ اپنے بھائی بندوں کو بھی لڑائی سے علیحدہ کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ اس لحاظ سے ایسے لوگ تمہارے درمیان رہ کر نقصان کا باعث ہی بنیں گے۔ بہتر ہے کہ یہ دور دور ہی رہیں تاکہ ان کی خباثت بھی آشکارا ہوتی ہے اور مسلمان ان کے زیادہ خبردار بھی رہیں اور پھر اپنے لیے کوئی بہتر تدبیر اختیار کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی سازشوں اور اُن کی بزدلی کو ظاہر کر دیا تاکہ مخلص مسلمان اُن کی سازشوں کا شکار نہ ہوں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
 لِمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ
 اللَّهَ كَثِيرًا ②١ وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ
 قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ
 وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ②٢
 مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ
 عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ
 مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ②٣ لِيَجْزِيَ
 اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ
 إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا
 رَّحِيمًا ②٤ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَيْثِهِمْ
 لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ
 الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ②٥ وَأَنزَلَ الَّذِينَ
 ظَاهَرُواهُمْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَن
 صَيَّصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ

فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۝
وَأَوْرَثَكُم أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ
وَأَرْضًا لَمْ تَطَّوُّهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ

شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

ترجمہ :- البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک
اچھا نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اُمید رکھتا ہے
اللہ تعالیٰ سے ، اور قیامت کے دن کی اور اُس نے
ذکر کیا اللہ کا کثرت سے ۲۱ اور جب دیکھا ایمان
والوں نے شکروں کو تو کہنے لگے اور یہی ہے وہ چیز جس کا
وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا ہے
اللہ اور اس کے رسول نے ، اور نہ زیادہ کیا اس بات نے
اُن کے لیے مگر ایمان اور اطاعت کو ۲۲ مومنوں میں
سے کچھ مرد ایسے ہیں جنہوں نے سچ کہہ دکھلایا اُس چیز
کو جس پر انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا ۔ پس بعض
ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنا عہد پورا کیا ہے ۔
اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں
اور نہیں تبدیل کی انہوں نے کسی قسم کی تبدیلی ۲۳ تاکہ
بدلہ دے اللہ تعالیٰ سچوں کو اُن کی سچائی کا اور
سزا دے اللہ تعالیٰ منافقوں کو اگر چاہے یا توبہ قبول
کرے ان کی ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے
والا مہربان ہے ۲۴ اور لوگو! اللہ تعالیٰ نے ان
لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان کے غصے کے ساتھ ۔ نہ

پایا انہوں نے کسی قسم کی سبزی کر اور کھانیت کی انصر
 نے اہل دلوں کے لیے لڑائی سے ۔ اور اللہ تعالیٰ قوت والا
 زبردست ہے (۲۵) اور آہا اُن لوگوں کو جنہوں نے
 مرد کی عقی کا ذوق کی اہل کتاب میں ۔ ان کے صدور
 سے ۔ اور ڈال دیا اُن کے دلوں میں رعب ، ایک گروہ
 کو ترسوا کر تے ہو اور ایک گروہ کو فیدی بناتے
 ہو (۲۶) اور وارث بنایا تمہیں اُن کی زمین اور گھروں اور
 مالوں کا ۔ اور ایک اور زمین میں کہ جس کو ظلم نے اہل کلم
 ہلا نہیں کیا ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا
 ہے (۲۷)

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے طواغوت اعداب کا ذکر فرمایا اور منافقین کی ہمت
 بیان کی جنہوں نے محقق میلوں بہانوں سے عباد میں شرکت سے گریز کیا ۔ جن لوگوں
 نے سوجھ بوجھ کر پھر لگے ہونے کی کوشش کی اللہ نے اُن کی بزدلی کا حال بھی
 بیان فرمایا ۔ اللہ نے واضح فرمایا کہ ایسے لوگوں کا عباد سے خوار اُن کے لیے کچھ مفید
 نہیں ہوگا ۔ کیونکہ موت تو ہر حال اپنے وقت پر آتی ہے ۔ خواہ وہ طبعی صورت میں
 آئے یا بصورت قتل ۔ اب آج کی آیت میں اللہ کے یہی کو بطور نمونہ پیش کیا گیا
 ہے اور اُن اہل ایمان کی تعریف کی گئی ہے جنہوں نے نبی کی مکمل اطاعت کرتے
 ہوئے معرکہ خندق میں ثابت قدمی دکھائی ۔

پہلے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ كَانَ
 لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ مِنَ الْبَرِّ تَحِيَّتُكُمْ تَمَارَ سَیْلَہِ اَمَرِ
 کے رسول میں سیرت نمونہ ہے ۔ ذرا اللہ کے مقرب ترین بندے کی طرف دیکھو
 کہ وہ کس طرح دنیا کے مصائب برداشت کرتے رہے دین حق پر استقلال رکھا
 ہے میں ۔ واقعہ خندق یہی دیکھ لیں کہ حضور علیہ السلام نے غلے کے ہاتھ ہمسایہ ۔

کے شانہ بشانہ کام کیا، بڑی بڑی چٹانوں کو توڑا، مٹی اٹھا اٹھا کر دور سے جلتے رہے یہ سب کچھ آپ نے اللہ کی رضا اور دین کی تائید کے لیے کیا۔ اور یہی باقی لوگوں کے لیے نمونہ ہے۔ یہ تر جہاد کا موقع تھا وگرنہ زندگی کے ہر موڑ پر تمام نشست و برخاست حرکت و سکون، نشیب و فراز، صلح و جنگ غرضیکہ ہر معاملہ میں اللہ کے نبی امت کے لیے نمونہ ہیں لہذا جو لوگ بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشقت اٹھانے سے گریز کرتے ہیں، انہیں نبی کی ذات کا نمونہ دیکھنا چاہیئے۔ اگر وہ اس قدر مصائب برداشت کرتے ہیں۔ تو باقی لوگ کیوں نہیں کر سکتے؟ امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ جس کام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرض یا واجب سمجھ کر کیا ہے۔ وہ امت کے لیے بھی فرض یا واجب ہوگا۔ اور جو کام آپ علیہ السلام نے بطور سنت انجام دیا ہے وہ امت کے لیے بھی سنت ہے۔ البتہ جو کام حضور علیہ السلام نے استحباب کے درجے میں کیا ہے اس میں عام مسلمانوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ کام ثواب کی خاطر کر لیں۔ اور اگر وہ کام نہیں کرتے تو کوئی منوانہ نہیں ہے سورۃ البینہ میں اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام کو بیتہ کالقب دیا ہے۔ یعنی آپ اہل ایمان اور دیگر لوگوں کے لیے ایک واضح نمونہ ہیں۔ آپ کو دیکھ کر ہر شخص اپنی چال چل اور رنگ و رنگ اس نمونہ کے مطابق بنا سکتا ہے۔ قرآن پاک کی اسی تعلیم اور وحی الہی کی تعمیل کا مجسم نمونہ حضور علیہ السلام کی ذات ہے۔

مگر یہ نمونہ اس شخص کے لیے ہے لیکن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ
الْآخِرَ جو اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے اور قیامت کے دن پر بھی اس کو یقین
ہے کہ اس دن جزائے عمل واقع ہوگا۔ حتیٰ کہ لفظ اٰمِنٌ میں سے ہے اور یہ امید کا
معنی بھی دیتا ہے اور خوف کا بھی۔ اگر اس سے خوف مراد لیا جائے تو معنی یہ ہوگا
کہ اللہ کے نبی میں نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اور

اُسے قیامت کے دن کا بھی خوف ہے کہ وہاں ضرور رکھ دیا ہوگا جس پر علیہ السلام
 اپنے ظہور کی ابتداء میں فرمایا کرتے تھے اِنْ خَيْرَ الْخَيْرِ نَبِيٌّ كَتَبَ اللَّهُ وَ
 خَيْرَ الْخَيْرِ هَذَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 یعنی بہترین کتاب اللہ کی کتاب ہے اور بہترین نمونہ اور سیرت حضرت محمد کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضور علیہ السلام کی سیرت ایک جامع سیرت اور شخص
 کے لیے کامل نمونہ ہے۔

فرمایا اللہ کے نبی کی ذات میں اس شخص کے لیے بھی بہترین نمونہ ہے۔
 وَذَكَرَ اللَّهُ كَثِيرًا جِزَاءَ اللَّهِ تَعَالَى كَثَرَتْ سَعَى وَكَثَرَتْ سَعَى. انہ کو
 بحشت دیا کرنے والے شخص کے دلائل یا گواہی اور روحانیت انہی کے لیے
 شخص کو دلائل نصیب ہوگی۔ یہ غلط فہمی اس کے جن لوگوں کے دلوں میں غلط
 ہے۔ اللہ تعالیٰ کو واقعی سے یا نہیں کر کے یا کفر و شرک کا راستہ اختیار کرتے
 ہیں ان کے لیے حضور علیہ السلام کی ذات میں کوئی نمونہ نہیں ہے۔

ایمان
 اہل حق
 میں نمونہ

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مجمع الایمان لوگوں کی تعریف کی ہے۔ ارشاد ہوا
 بے و کسار اَلْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابُ جَبِ مَوْمِنُونَ دیکھا کہ طرف
 سے افراد کے لکھ کر کثیر تعداد میں آئے ہیں۔ هَآلُكَ هَآذَا مَا وَصَدَقْنَا
 اللَّهُ وَمَرَّسُولُهُ کہنے گئے کہ یہی ہے وہ پیغمبر جس کا اللہ اور اس کے رسول
 نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور حقیقت یہ ہے وَصَدَقَ اللَّهُ وَمَرَّسُولُهُ
 کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔ یہ اس پیش گوئی کی طرف اشارہ ہے کہ یہ
 اللہ کے رسول نے ایمان والوں کو بتلایا تھا کہ چند دن بعد دشمن کثیر تعداد میں ہلاک
 ہوں گے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے مطابق کفار جو ہیں ہزار فرس لے کر نہ آؤں
 ہونے لگے۔ آج عام مفسرین نے جب ان احزاب میں کفار کی تعداد دس ہزار

بتائی ہے جس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کے پاس صرف تین ہزار آدمی تھے جو دفاع کرنے کے قابل تھے۔ باقی عورتیں، بچے اور بوڑھے تھے جو دفاع میں حصہ لینے کے قابل نہیں تھے۔ بہر حال فرمایا کہ اہل ایمان نے کفار کے لشکر کو دیکھ کر کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ سچا ثابت ہوا ہے۔ اور کفار کے حملہ سے خوفزدہ ہونے کی بجائے وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا اُن کی آمد نے سچے مسلمانوں کے ایمان اور اطاعت میں اضافہ ہی کیا اہل ایمان کو اللہ اپنے رسول کے وعدے پر کامل یقین تھا، لہذا انہوں نے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا میں اَلْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ كَمَصَدَقُوا مَا
عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِمْ مَوٰمِنُوْنَ میں سے بعض وہ ہیں کہ جس بات کا انہوں نے
اللہ سے عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا۔ عہد یہ تھا کہ آخر دم تک اللہ اور اس کے رسول
کی اطاعت کریں گے۔ فرمایا فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهُ اُن میں سے بعض
وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی نذر پوری کر لی ہے یعنی شہادت کا درجہ پالیا ہے مثلاً
غزوہ اُحُد کے موقع پر حضرت انس بن نضیرؓ کا واقع ہے کہ وہ میدان جنگ کی طرف
جاسے تھے، کسی نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے، اُحد پیار کے اُس
طرف مجھے جنت کی خوشبو آرہی ہے، میں اُدھر جا رہا ہوں۔ میدان جنگ میں
پہنچ کر دشمن کا خوب مقابلہ کیا۔ آپ کے جسم پر اتنے زخم آئے کہ شناخت نہیں
ہو رہی تھی۔ آخر کار انگلیوں سے اُن کی شناخت ہوئی۔ اس طرح انہوں نے
جام شہادت پی کر اپنے عہد کو پورا کیا۔ ترجمہ کا معنی عہد و پیمان اور نذر ہونا ہے۔
اور مراد اس سے زندگی بھی ہو سکتی ہے کہ ان میں سے بعض مومنین وہ ہیں جنہوں نے

ایمانی
عمدہ

۴۵
۳۷

۲ این کثیر مصنف

۱ منظری مصنف ۲ ج ۴

۳ احکام القرآن للجصاص ۲۵۶ ج ۲

(فیاض)

راہِ حق میں زندگی کی بڑی ٹھادی اور اس طرح اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دے گا۔
 فرمایا اُن میں سے بعض تو وہ جہنمیوں کے اپنی بڑی بڑی کردی کہ ہر قسم سے
 مَن بَغْتِظُنْ اور اُن میں سے بعض بھی منتظر ہیں کہ انہیں اپنی بڑی کردی کرنے یعنی
 عبادتِ شریعت نرش کرنے کا کب برقِ عطا ہے۔ حضرت ابو دھانہؓ کے متعلق آتا
 ہے کہ بگلم احمد میں اُن کے جسم پر تیر و تراز کے چرخی نہ تھم آئے۔ حضرت علیہ السلام
 گڑھے میں گر گئے تھے۔ دشمن نے جو دم کر دیا تھا اندر اُٹھ رہا تھا۔ حضرت علیہ السلام
 کہہ بچانے کے لیے اپنی پشت کو زوال کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اُن کے اپنے
 ہاتھ سے لڑتے لڑتے تین طواریں لڑی تھیں۔ اسی طرح حضرت طلحہؓ کے حصول کی
 مخالفت کے لیے اپنا لہڑا آگے کر دیا تھا۔ اس پر تیروں کے تے زور آئے
 کہ لہڑا بکھل گیا۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ طلحہؓ کے اس ہاتھ پر
 دوزخ کی آگ حرام ہے اور طلحہؓ نے اپنے لیے جنت کو واجب قرار دیا ہے۔
 آپ نے اس کے بعد ہی اپنی زندگی پالی اور باکتر جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔
 حضرت علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ طلحہؓ اُن لوگوں میں سے ہیں جِسْمَنُ
 قَتْلُی خُتْمُ جَنَّتِ لے اپنی زندگی کا دورِ شایستگیات اور بہادری کے ساتھ
 پورا کیا۔ فرماتے تھے یہ زندہ شہید ہیں جو زمین پر چل رہے ہیں۔

فرمایا بعض اپنی نذر کے پوری ہونے سے منتظر ہیں وَعَايِدَ لَوْ
 تَبَيَّنَ اور انہوں نے وعدہ و پیمانے میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔ اللہ عزوجل اس کے
 رسول سے جو بھی وعدہ کیا اُس کو پورا کر رہے ہیں۔ لِيُخْبِرَكَ اللَّهُ الصِّدْقَ قِيَمًا
 بِصَدَقَتِهِمْ اَللّٰهُ تَعَالٰی اپنے لوگوں کو ان کی مجال کا بدلہ دے دے وَلِيُخْبِرَ
 الْمُتَّقِينَ اَللّٰهُ تَعَالٰی اور اگر چاہے تو منافقوں کو سزا دے اور اُمتِ محمدؐ کو

عَلَيْهِمْ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعَالَمِينَ کہ وہ نفاق کر چھوڑ کر پکے پکے ایماندار بن جائیں۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور از حد مہربان ہے مطلب یہ کہ جن مومنوں نے ایفلے عمدہ کرتے ہوئے جان کا نذرانہ پیش کر دیا اور وہ جبراعلیٰ اپنی باری کے منتظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی سچائی کا ضرور بدلہ دے گا۔ رہا منافقوں کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی کرتوتوں کی انہیں سزا دے دے یا پھر انہیں توبہ کی توفیق دے کر معاف کر دے کیونکہ وہ بخشنے والا بھی ہے اور مہربان بھی۔ اس کے غزنے میں کوئی کمی نہیں۔ وہ لوگوں کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغِيْظِهِمْ اللّٰهُ نَصَحَتْ اُولٰٓئِكَ لِيُكَفِّرُوْا عَنْهُمْ اَوْ لِيُجْزِيَ اُولٰٓئِكَ سَئِيْرًا۔ ایک طرف فرشتوں کا شکر بھیج کر اہل ایمان کے دلوں کو مضبوط کیا اور وہ کفار کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور دوسری طرف اتنی تیز آمد ہی چلائی کہ کافر حملہ آور محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح ناکام و نامراد واپس ہوئے۔ لَعَنَ اللّٰهُ الْوٰحٰخِيْنَ اُولٰٓئِكَ اُولٰٓئِكَ اُولٰٓئِكَ اُولٰٓئِكَ اُولٰٓئِكَ۔ وہ بدینہ کر فوج کر کے لوٹ مار کرنے اور مسلمانوں کو نیت و نابود کرنے کے لیے آئے مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ وَكَفٰى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ اور اللہ نے اہل ایمان پر یہ احسان فرمایا کہ اُن کی جنگ سے کفایت کی یعنی وہ جنگ لڑنے سے بچ گئے۔ اور اس طرح انہیں کچھ نقصان نہ پہنچا۔ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيْمًا عَزِيْزًا اور اللہ تعالیٰ قوت والا اور کمال قدرت کا مالک ہے اور ہر چیز پر غالب ہے۔ وہ اپنی مشیت اور ارادے کے مطابق جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اُس کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ وہ چاہے تو عورتوں کی جماعت کو کثیر تعداد پر غالب کر دے کیونکہ قوت تو اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لہذا بھروسہ بھی اسی کی ذات پر رکھنا چاہیئے کیونکہ قوت کا سرچشمہ وہی ہے۔

کافروں کی ناکامی

قبیلہ بنو قریظہ مینے کی شرقی جانب چند میل کے فاصلے پر آباد تھا۔ یہ لوگ

بنو قریظہ کی سرکردگی

معاشری لحاظ سے بڑے مضبوط تھے۔ اپنے عرب میں تجارت تھی، سودی کاروبار بھی کرتے تھے۔ ان کی اپنی بستیاں اور قلعے تھے۔ جب حضور علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپ نے مختلف قبائل کے ساتھ عہدو بیان کیے تھے جن میں بنی قریظہ بھی شامل تھے۔ مگر جنگ احزاب کے موقع پر انہوں نے مسلمانوں کی مدد کرنے کی ہمانے کا فزون کی طرف ذرا کی اندس طرح مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے دفاعی معاہدہ کو عملی طور پر توڑ دیا۔ جب حملہ آور کا فرمان کام واپس چلے گئے تو مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہوا اور وہ ہتھیار اُتار کر حالت جنگ سے نکلنا چاہتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے بھی اپنی ذرہ آثار نے کا اذہو کیا کرتے میں ببر علیہ السلام نازل ہوئے اور حضور علیہ السلام سے کہا کہ آپ لوگ تو اپنے ہتھیار اُتارنا چاہتے ہیں مگر اللہ کے فرشتوں نے تو اہمی ہتھیار نہیں اُتارے۔ کہنے لگے خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہتھیار اُتارنے سے پہلے بنی قریظہ کی ہمدستی کا فیصلہ ہی کریں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان فرمایا کہ کوئی شخص ہتھیار نہ اُتارے بلکہ اسی حالت میں بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائے۔ اگرچہ نمازِ ظہر کا وقت ہو چکا تھا مگر آپ علیہ السلام نے فرمایا۔ لَآ یُحْسِبُ الْاِلَہُ فَا یَسِیْخُ قَرِیْظَہُ سَبَّ لَوْکَ بَنِی قَرِیْظَہُ مِیْلَکَ فَرَمَانَا اَوْکَرِیَا لَوْکَ فَرَمَانِی حَیْے اور بنی قریظہ کا محاصرہ کر لیا جو کوئی روزِ جمعہ جاری رہا۔ یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، ان کے پاس راشن اور دیگر سرسماں بھی موجود تھا لہذا وہ وہ کچھ دنوں تک محصور رہے اور بالآخر ہتھیار ڈال دیے۔ کہنے لگے ہمارے معاملہ میں حضرت سعد بن حذافہ جو فیصلہ کریں گے، ہمیں منظور ہوگا۔

حضرت سعد اگرچہ مخلص مسلمان تھے مگر بنی قریظہ کے دوست اور حلیف تھے اس لحاظ سے ان کا خیال تھا کہ سعد ہمارے معاملہ میں زیادہ سخت علیہ اختیار نہیں کریں گے، حضور علیہ السلام نے بھی حضرت سعد کے فیصلہ کو قبول کر لینے

کا اعلان فرما دیا۔ پھر حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ ان بے رحمیوں کے لیے جو مناسب سمجھو سزا تجویز کرو۔ انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ بنی قریظہ کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنایا جائے اور ان کی زمینوں پر مسلمان قابض ہو جائیں۔ چنانچہ اس فیصلے پر عمل درآمد کیا گیا اور بنی قریظہ کے تمام بالغ مرد جن کی تعداد چار اور چھ سو کے درمیان تھی قتل کر دیے گئے۔ حضرت سعدؓ کے اس فیصلے کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے سعدؓ! تم نے یہ فیصلہ پہلی کتابوں کے مطابق کیا ہے۔ تو رات میں یہ حکم موجود ہے کہ خداری کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل قابل جنگ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنایا جائے اور ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا جائے۔

اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَأَنْزَلَ الْغُيُوثَ
ظَاهِرُوهُمْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِّنْ صَيَّاصِيهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ
لَفِي كُفْرِهِمْ كَاذِبٌ ۚ لَّئِيْلَ الْكَافِرِينَ ۚ اہل کتاب کو ان کے قلعوں سے اتار دیا اور وہ
مکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وَقَدْ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ ۚ وَكَانُوا
فِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ وَكَانُوا فِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ وَكَانُوا فِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ
اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور مسلمان ان پر غالب آئے۔
اس کے نتیجے میں فرمایا فَبَرِئْتُكَ لَوْ أَنَّكَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۚ اہل کتاب کو قتل کر دے
یا بناتے ہو مسلمانوں نے یہودیوں کی عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بن کر
آپس میں تقسیم کر لیا۔ اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو یہ فائدہ بھی ہوا۔ وَأَوْرَثَكُمْ
أَرْضَهُمْ ۚ وَكَانُوا فِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ وَكَانُوا فِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ وَكَانُوا فِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ
تم ان کے گھروں اور مالوں کے بھی مالک بن گئے۔ اگرچہ اس موقع پر باقاعدہ جنگ
کی قربت تھی مگر مسلمانوں کو مالی لحاظ سے بڑی قوت حاصل ہو گئی۔

فرمایا وَأَرْضًا لَّكُمْ تَطَوعًا ۚ وَكَانُوا فِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ وَكَانُوا فِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ
وارث بھی بنایا جس کو تم نے ابھی تک پامال نہیں کیا۔ یہ کون سی سرزمین ہے؟

فتح مجبہ

اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ستر زمین مکہ کی طوت اشارہ ہے کہ ہزار فرسنگ بھی فتح ہوگا۔ تاہم زیادہ تر مفسرین اس کو خبر پر محمول کرتے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد قریب زمانہ میں خبر بھی فتح ہو گیا اور وہاں کی زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رد اور فارس کی سر زمینوں کی طوت اشارہ ہے جو کہ غلطے راشدین کے زمانہ میں فتح ہوئے۔ تاہم خبر کا اشارہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ وہاں کے بیرونی بھی بڑے سازشچی تھے۔ اللہ نے ان کو مغلوب کیا اور ان کے ساتھ معاہدہ ہو گیا کہ وہ اپنی زمینوں پر کاشتکاری کرتے رہیں گے۔ البتہ آمدنی کا ایک حصہ مسلمانوں کو ادا کیا کریں گے۔

فرمایا اللہ نے کچھ اور زمین بھی تمہارے مفد میں کر دی ہے و سکاۃ اللہ علی کل شیء قیڈیرا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے وہ اپنی مشا کے مطابق جو چاہے کرے۔ وہ تم کو بڑی جامعیت کو کثیر جماعت پر غالب کرنے پر بھی قادر ہے۔ اُس نے مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ عطا فرمایا۔ وہ کمال قدرت کا مالک ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ
 الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْن أُمَتِّعْكُنَّ وَ
 أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ (۲۸) وَإِن كُنْتُنَّ
 تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ
 اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (۲۹)
 يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ
 مُّبِينَةٍ يُضَعَّفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ
 وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ (۳۰) وَمَن يَقْنُتْ
 مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتَهَا
 أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۖ وَاعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۝ (۳۱)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر
 تم چاہتی ہو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت، پس آؤ میں تمہیں
 فائدہ پہنچاؤں اور رخصت کردوں تم کو اچھے طریقے سے
 رخصت کرنا ۝ (۲۸) اور اگر تم ارادہ کرتی ہو اللہ تعالیٰ
 اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کا۔ پس بیشک
 اللہ نے تیار کیا ہے تم میں سے نیکی والیوں کے لیے
 بڑا اجر ۝ (۲۹) اے پیغمبر کی بیویو! جو تم میں سے کھلی

ہے میانی کی بات کرکے قرآنے لوگنا غداں دیا ہائے گا۔ اور
 یہ است التبر پر آسان ہے (۲۰) اور جو اطاعت کرکے تم میں
 سے استر اور اس کے رسول کی اور نیک عمل کرے گی، تو
 ہم اس کو اس کا ثبوت دلا دیں گے۔ اور تیار کی ہے ہر
 نے اس کے لیے عزت کی۔ (۲۱)

گذشتہ آیت میں استر تعالیٰ نے غزوہ خندق کا حال بیان کیا اور منافقوں
 کی مذمت بیان کی۔ پھر استر نے بنی قریظہ کی سرکوبی کا حکم دیا۔ چنانچہ ان کو خطبہ
 کر کے ان کے باغ مردوں کو قتل کر دیا گیا، عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور
 غلام بنایا گیا، اور ان کے مالوں، زمینوں اور مکانات پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ پھر
 استر نے ایک اور زمین کی فتح کی خوشخبری دی جس کو مسیح میں فتح مکیہ کہتے ہیں۔
 جس پر فتح مکی، وہاں سے بھی مسلمانوں کو کافی مال و دولت حاصل ہوئی، اور ان
 زمینوں کا نفع بھی ملنے لگا۔

اندرج مقرر
 کا مطالبہ

مسلمانوں کی پے در پے فتوحات اور ان کے نتیجے میں مال و دولت حاصل
 ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہت اچھی ہو گئی۔ اب ان لوگ
 مہمات کو بھی فراہم کر سکتے تھے۔ یہی بات کہیں طرح عام مسلمانوں کی مالی حالت بہت اچھی
 اسی طرح ان کو بھی کچھ کچھ فائدہ پہنچنا چاہیے اور ان کو ملنے والے خرچہ میں اضافہ
 ہونا چاہیے۔ اس مسئلہ پر ساری اندراج مہمات نے مشورہ کیا اور پھر حضرت
 ام سلمہؓ کو روانہ مقرر کیا کہ وہ اس معاملہ میں حضور علیہ السلام سے بات کرے۔
 کیونکہ آپؐ نہی شائستہ اور کھبدر خاتون تھیں۔ انہوں نے مناسب موقع پر یہ خبر
 بیویوں کی موجودگی میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرضداشت کی۔ میں کی یہ خط
 اگرچہ ناجائز نہیں تھا کیونکہ نبی کا حق ہے کہ وہ خاندان سے ضرورت بات زندگی کا
 مطالبہ کرے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اسے قناعت کے ساتھ سمجھا۔ اور
 آپؐ بیویوں سے ناراض ہو گئے۔

حضور علیہ السلام نے اس مطلبے کا اس حد تک بڑا منایا کہ آپ نے اپنی تمام
ازواج سے ایک ماہ کے لیے ایلا کر دیا یعنی علیحدگی اختیار کر لی۔ آپ مسجد نبوی
کے قریب ہی ایک بالاخانے میں تشریف فرما ہو گئے۔ عام مشہور ہو گیا کہ حضور علیہ السلام
نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ ان حالات میں ازواج مطہرات کا پریشان
ہونا تو فطری امر تھا۔ تمام مسلمانوں کو بھی سخت تشویش لاحق ہو گئی۔ سب سے
زیادہ پریشانی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمرؓ کو تھی۔ کیونکہ ان دونوں کی بیٹیاں
حضور علیہ السلام کے نکاح میں تھیں۔ کوئی شخص اس معاملہ میں مداخلت کی جرأت نہیں
کرتا تھا۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے جرأت کر کے اس مجبور کو توڑنے کی کوشش کی اور
حضور علیہ السلام سے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی جو دے دی گئی۔ حضرت
عمرؓ نے حاضر ہو کر کھڑے کھڑے عرض کیا کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے
دی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اس پر انہوں نے کہا اللہ اکبر۔ حضرت عمرؓ
کی کچھ ڈھارس بندھی تو انہوں نے حضور علیہ السلام سے بیٹھنے کی اجازت چاہی۔
آپ کا مقصد یہ تھا کہ کوئی دل لگی کی بات کر کے حضور علیہ السلام کو خوش کیا جائے
چنانچہ اجازت ملنے پر آپ حضور علیہ السلام کے پاس بیٹھ گئے اور بات شروع
کر دی کہ مکہ میں تو ہم اپنی عورتوں پر غالب تھے اور کوئی ہمارے سامنے چل چرا نہیں
کرتی تھی مگر مدینہ میں آکر ہماری عورتوں نے بھی یہودی عورتوں کی دیکھا دیکھی اپنی کا
رنگ بڑھنگ اختیار کر لیا ہے۔ ایک دفعہ خود میری بیوی نے مجھ سے زائد
خرچہ کا مطالبہ کیا تو مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے اس کی گردن پر مکے مارنے شروع
کر دیے۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام مسکرا دیے اور اس طرح کچھ دیر تک گفتگو ہوتی رہی
اور مسجد میں مسلمان بڑے پریشان بیٹھے تھے کہ پتہ نہیں حضور علیہ السلام نے کیا
فیصلہ کیا ہے، کہیں واقعی اپنی بیویوں کو طلاق تو نہیں دے دی؟ اتنے میں حضرت

طہ نے وہیں آکر مسلمانوں کو تسلی دی اور جیسا کہ حضور علیہ السلام نے طلاق نہیں دی، اسی طہ نے ایام گزشتہ سے حق کہ انہیں دن کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بالانٹے سے نیچے اترے، تو اس وقت آیات زیر درجہ نازل ہوئیں۔ ان آیات میں حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات سے خصوصی خطاب ہے۔ اللہ نے ان کو تیسرے گیت اور اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی ازواج سے دریافت کر لیں۔ اگر وہ دنیا میں حاضر ہونے کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں تو کہہ دیں کہ آؤ میں تمہیں طلاق دے کر اپنے گھرے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو پھر موجودہ حالت پر ہی قناعت کرو۔

خدا ان نیت
کو قبول فرمائے

حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات نے زندگی بھر دنیا کے مال و متاع اور زین و زینت کی بجائے قناعت کو پسند کیا، آپ اپنی بیویوں کو جس قدر خرچہ عطا کرتے تھے، وہ اسی پر گزارہ کرتی تھیں جبکہ اپنے حصہ میں سے زیادہ تر عباد اور مساکین پر خرچ کر دیتیں اور خود عسرت کی زندگی بسر کرتیں حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد ہی ازواج مطہرات نے خوشحالی کی زندگی کی نہیں گزاری۔ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک بوری یادو بوری بھر درہم تھیں، ان کے طور پر آئے قرآنوں نے شام سے پہلے سب تقسیم کر دیے، خادمہ نے عرض کیا کہ آپ انصار کی بیٹے تو کچھ رکھ لیں، فرمایا اگر پہلے یاد کر لوں میں تمہیں اجازت سے دیتی، اب تو کچھ بھی باقی نہیں بچا۔

دو تھان اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم و انصار کی آج بھی اعزاز میں کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی مٹی زندگی تو واقعی پیغمبروں جیسی تھی مگر دہیٹے میں آپ نے بادشاہوں جیسے طوع و کرہ سے اختیار کیا۔ اسی طرح تعدد ازواج کے متعلق بھی جس لوگ اعزاز میں کرتے ہیں، یہ تمام اعزازات بجز حقیقت اور محبت اللہ اور خدا کا مندرجہ حضور علیہ السلام کی پوری زندگی بالکل بے ریشہ اور روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کوئی انصاف پسند آدمی آپ کی ذات پر بادشاہی یا پیش و عسرت کا الزام نہیں

لگا سکتا۔ اور یہی حال آپ کی ازواج مطہرات کا بھی تھا۔ انہوں نے بھی حضور علیہ السلام
 کے اتباع میں آخرت کی زندگی کو دنیا کی زندگی پر ترجیح دی اور ہمیشہ فقر و فاقہ کو پسند کیا
 بہر حال جب نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات نے آپ سے اسودہ حالی کا
 مطالبہ کیا تو آپ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہ آیات نازل فرما کر
 حضور علیہ السلام کی تائید فرمادی اور آپ کو حکم دیا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ
لَا أَسْأَلُكُمْ فِي الدِّينِ شَيْئًا۔ اے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ اپنی ازواج سے کہہ دیں۔ اے
كُنْتُ نَزَلْتُ مِنَ السَّمَاءِ مَوْحًى۔ میں آسمان سے نازل ہوا ہوں۔ اور اگر تم کو
 اس کی زیب و زینت چاہتی ہو، عیش و عشرت اور اسودہ حالی کی طلبگار ہو تو تعالٰیٰ
 اُمّتِ کُنْ۔ تو اُمّت میں تمہیں فائدہ پہنچا دوں۔ جب کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق
 دے دیتا ہے۔ اور وہ مہر بھی ادا کر چکا ہے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ عورت
 کو رخصت کرتے وقت حسب استطاعت ایک جوڑا کپڑے دے کر لے
 رخصت کر دے۔ اور اگر ایسی عورت ہو جس کا مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو اس کے لیے ایک
 جوڑا کپڑے دینا واجب ہو جاتا ہے۔ فائدہ پہنچانے سے یہی مراد ہے۔ منسرایا
 اگر دنیا چاہتی ہو تو میں تمہیں فائدہ پہنچاؤں وَأَسْرَحُكُمْ۔ سراح یعنی
 اور تمہیں اپنے طریقے سے رخصت کر دوں یعنی طلاق دے کر بالکل فارغ کر دوں۔
 پھر فرمایا وَإِنْ كُنْتُمْ تَرِيدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالذَّارَ الْآخِرَةَ
 اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا چاہتی ہو اور آخرت کے گھر کو پسند
 کرتی ہو، دنیا کی اسودگی کو ترک کرنے پر آمادہ ہو تو پھر خوب سن لو فَإِنَّ
اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُعْتَصِمِينَ أَجْرًا عَظِيمًا کہ اللہ تعالیٰ
 نے تم میں سے ایسی عورتوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ جو دنیا کی عیش و
 عشرت کو ترک کر دیں گی، اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں دائمی آرام و راحت کا عطیہ
 عنایت فرمائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ تصویر کا دوسرا رخ بھی بتلادیا يَا أَيُّهَا
النَّبِيُّ ائْتِ بِزُجْرَتِكَ ذَاتَ الْبُيُوتِ۔ اے نبی کی بیویوں! آؤ، تاکہ میں تم کو

دنیا اور آخرت
 میں کچھ انتخاب

گی تو تمھاری ممنون دگنی ہوگی۔ اس لفظ کے مختلف معانی آتے ہیں مثلاً اس کا اطلاق بدزبانی، بے حیائی اور بخل پر بھی ہوتا ہے مگر یہاں پر اس لفظ سے زنا یا بدکاری مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ کے پاک نبی کی بیویوں سے ایسا ممکن ہی نہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے مَا ذَنْبَتْ اِمْرَاَةٌ نَّبِيٍّ قَطُّ یعنی نبی کی کسی بیوی نے کبھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔ بعض انبیاء کی بیویوں نے کفر کا ارتکاب تو کیا ہے مگر بے حیائی کسی سے سرزد نہیں ہوئی مقصد یہ کہ یہاں پر فحش سے بے ادبی، گستاخی یا بدزبانی وغیرہ جیسی لغزش تو مراد لی جاسکتی ہے، نہ تب جیسے فعل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

نیکی کا دگن
حب

گزشتہ سے پیوستہ آیت میں نبی علیہ السلام کی بیویوں سے فرمایا تھا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کا گھر پسند کرتی ہو تو اللہ نے تمھارے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اب اگلی آیت میں ان کی پارسائی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے وَمَنْ يَقْضِ مِمَّا كُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی۔ وَتَعْمَلْ صَالِحًا اور نیک اعمال انجام دے گی نُؤْتِيَهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ہم اس کو اجمہ بھی دگنا دیں گے۔ جس طرح مقدس مقام، مقدس مہینے اور مقدس وقت میں عمل کا اجر بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی بلند مرتبت ہستی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگی تو اس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہو جائیگا۔ جس طرح حرمت والے مہینوں، مقامات مقدسہ اور پچھلی رات کے اوقات میں اجر و ثواب بڑھ جاتا ہے اسی طرح مقدس ہستیوں کے اعمال صالحہ کا اجر بھی بہت بڑھ جاتا ہے

اس کے علاوہ فرمایا وَاعْتَدْنَا لَهُمُ رِزْقًا كَرِيمًا ہم نے اس کھلے عزت کی روزی بھی تیار کر رکھی ہے دنیا میں عزت کی روزی وہ ہے جو حلال راستے سے آئے جس سے اطمینان قلب حاصل ہو اور جس کے استعمال سے عبادت کا جذبہ قوی ہو اور اس میں دل جمعی پیدا ہو۔ اور آخرت میں رزق کریم سے مراد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو خاص مقام حاصل ہوگا، انتہائی باعزت روزی نصیب ہوگی۔ اور ہمیشہ کے لیے

نبی کی معیت حاصل ہوگی، بہر حال اللہ نے پہلے نبی کی بیویوں کو ترغیب و ترہیب
 دونوں طریقوں سے کھیا دیا کہ انہیں کون مارا سزا اختیار کرنا چاہیے۔

يُنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسُنَّ كَاَحِدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِلٰى
 اَتَقِيَّتُنَّ فَاَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ
 قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ
 فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ
 الْاُولٰٓى وَاقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاَتِينَ الزَّكٰوةَ وَاطِعْنَ
 اِلٰهَ وَرَسُوْلَهٗ طَاِثَمَا يُرِيْدُ اِلٰهٌ لِّيُذْهِبَ عَنْكُمُ
 الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾
 وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ
 اِلٰهِ وَالْحِكْمَةِ طَاِثَاِ اِلٰهٌ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ :- اے نبی کی بیویو! نہیں ہو تم عام عورتوں کی طرح
 اگر تم ڈرتی رہو تو نہ دب کہہ بات کہو، پس لالچ کھے
 گا وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہے۔ اور کہو بات
 دستور کے مطابق ﴿۳۲﴾ اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں
 اور نہ کھلے طریقے پر باہر پھرو جیسا کہ عورتیں پہلی
 جاہلیت کے زمانہ میں کھلی پھرتی تھیں۔ اور قائم رکھو
 نماز کو اور دیتی رہو زکوٰۃ۔ اور اطاعت کرو اللہ اور
 اس کے رسول کی۔ بیشک ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ

ہوگی تو تمہیں تمام عورتوں پر فضیلت ہے۔ تمہاری اس برتر حیثیت کا تقاضا ہے فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کہ کسی اجنبی آدمی سے دب کر بات نہ کرو بلکہ کلام میں درشتی اختیار کرو۔ کیونکہ نرم لہجے میں بات کرنے سے فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ دل کا روگی آدمی لالچ کرے گا۔ دل کے روگ سے مراد نفاق، خواہشاتِ نفسانیہ اور شہوانی میلان ہے۔ اس لیے حکم دیا کہ اگر کسی اجنبی آدمی سے بات کرنی پڑے تو روکھا پن ظاہر کرو، تاکہ کسی بد باطن آدمی کے دل میں کوئی خیال نہ آ سکے۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی بیویوں کو ادب سکھایا ہے کہ غیر مرد سے بات کرتے وقت اس طرح بات کرو جس طرح اپنے بیٹے سے کی جاتی ہے وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا اور بات بھی دستور کے مطابق بھلی اور معقول ہونی چاہیے۔

تبرقہ جاہلیت

اللہ نے امات المؤمنین کو یہ حکم بھی دیا وَقُلْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ کہ اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، بلا وجہ گھر سے باہر نہ نکلو کیونکہ گھروں میں رہنا ہی عورتوں کی اصل وضع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں میں تقسیم کار کر دیا۔ مرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ محنت مشقت کر کے کمائی کرے اور عورتوں کا کام یہ ہے کہ وہ امور خانہ داری کو انجام دیں۔ بچوں کی پرورش، کھانا پکانا کپڑے دھونا اور گھر کی صفائی کرنا عورت کے فرائض ہیں۔ یہ سب کام گھر کی چار دیواری کے اندر انجام دیے جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے نبی کی بیویوں کو حکم دیا ہے کہ وہ گھر میں مقیم رہیں وَلَا تَكْرِهْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى اور جاہلیتِ اولیٰ کی عورتوں کی طرح اپنے آپ کو کھلے طور پر نہ دکھانی پھریں مطلب یہ کہ گھر میں رہ کر امور خانہ داری انجام دیں اور اگر اشد ضرورت کے تحت گھر سے باہر جانا پڑے تو پھر جاہلیتِ اولیٰ کے زمانے کی طرح بے پردہ نہ جائیں۔

جاہلیت اولیٰ کے۔ اٹانے سے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں بعض نے اُسے حضرت نوح علیہ السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے پر محمول کیا ہے مگر زیادہ صحیح زمانہ وہ ہے جی حضرت علیہ السلام کی بعثت سے پہلے عربوں کا دور تھا۔ یہ کھڑکی جاہلیت تھی، کھڑکی شرک کی برسات عداوت اور عورتوں میں بیانیگی تھی۔ وہ بناؤنگھار کے ساتھ برہنہ سرگھروں سے بہ جاتی تھیں۔ اسی کو جاہلیت اولیٰ کا نام دیا گیا ہے اور یہی کی بیویوں کو اس دور کی بے پردگی سے متعارف فرمایا گیا ہے۔

عورت کے
سے پردہ

حضرت علیہ السلام کے زمانے کے بعد جو جاہلیت پیدا ہوئی اور آج بھی موجود ہے یہ جاہلیت ثانیہ ہے اور فسق و فجور کی نمائندگی کرتی ہے۔ عورتیں بے پردہ بنانے میں برہنہ ہوتی پھرتی ہیں۔ سینہ کھڑکی، آرتھ گیلڈیوں، گھبروں اور کھیل کے بالوں میں وہ دونوں کے ساتھ احتیاط عام ہے۔ جاہلیت اولیٰ اور جاہلیت ثانیہ دونوں موجب زنا اس سے باہمیاتی پیدا ہوتی ہے۔ اس کا مطلب عورتوں کو خجروں میں بند کرنا نہیں بلکہ خجرائی کو روکنا ہے۔ ضرورت کے وقت عورت باہر بھی جاسکتی ہے مگر پردے کے ساتھ۔ خود ازواجِ مطہرات کے متعلق قرآن اِذْ لَکُمْ مِنْ خُجُرِکُمْ اَنْ تَخْرُجْنَ اِلَیْہَا اِیَّیْہَا کُنَّ قَمَاطِی مَضْرُوبَاتِہٖ اِلَیْہَا بَہْرَ مَالِکِی ہر بعض کے ساتھ عورتوں کو کام کاج کے لیے باہر جانے کی ضرورت پڑتی ہے، اُس کی اجازت ہے غار کے لیے غار کی اجازت سے مسجد میں جاسکتی ہے مگر پردے کے ساتھ، اُسے اُٹھنے کے بعد میں اللہ تعالیٰ نے علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیں کہیں اِیَّیْہَا عَلَیْہَا کُنَّ قَمَاطِی مَضْرُوبَاتِہٖ اِلَیْہَا بَہْرَ مَالِکِی کہ وہ اپنی چادریں اٹکالیں کہیں تاکہ اُن کے جسم کے نشیب و فراز نظر نہ آئیں اور اُن کی زیب و زینت کسی کو نہ ملے جس واسطے برقع ضروری نہیں، یہ کام بڑی چادر سے بھی

لیا جاسکتا ہے۔ بہر حال پردہ ہونا چاہیئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو عورت گھر میں رہ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیکی کے کام انجام دے گی، بُرائی سے بچے گی، اللہ تعالیٰ اس کو مجاہدین جیسا اجر عطا فرمائے گا۔ عورت کا بلا اجازت باہر جانا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر مسجد میں بھی جانا چاہیں تو خاندان یا سرپرست کی اجازت لے کر جائیں۔ مردوں کو بھی فرمایا کہ اگر عورتیں مسجد میں جائیں تو طلب کریں تو دیدیا کرو بشرطیکہ راستہ پر امن ہو یعنی فساد و فحار سے کوئی خطرہ نہ ہو۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ عورت کا گھر کی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا، بڑے کمرے میں منانہ پڑھنے سے افضل ہے۔ اور صحن کی نسبت بڑے کمرے میں پڑھنا افضل ہے۔ عورت جتنا چھپ کر نماز پڑھے گی اتنا اجر زیادہ ہوگا، مسجد میں جانے کی صرف اجازت ہے فضیلت نہیں ہے۔ کیونکہ عورتوں کی اصل وضع گھر میں قرار پکڑنا ہے۔ بناؤ سازگار کر کے، زیورات اور بیڑ کیا لباس پہن کر عورتوں کا بے حجابانہ باہر نکلنا عورتوں کی وضع کے خلاف ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اگر عورت مسجد میں نماز کے لیے بھی جائے تو معمولی لباس پہن کر جائے اور خوشبو نہ لگائے کہ یہ فتنے کا باعث بن سکتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ عورت ستر ہے، جب یہ باہر نکلتی ہے تو شیطان جھانک کر دیکھتا ہے، اور لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے جس سے بے حیائی کے لوازمات پیدا ہوتے ہیں موجودہ عریانی انگریز اور بے دین لوگوں کی پیدا کردہ ہے جو عورت کو مردوں کے شانہ بشانہ لانے کو ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ قرآن کے خلاف جاہلیت کی طرف قدم ہے۔ اگر کوئی عورت مجبور ہے تو اس کو اجازت ہے کہ باپردہ باہر

ایک گروہ وہ ہے جو اس آیت کے مطابق صرف ازواج مطہرات کو اہل بیت میں شمار کرتا ہے اور حضور علیہ السلام کی اولاد اور آپ کے خاندان کے لوگوں کو اہل بیت کے افراد نہیں مانتا۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو مذکورہ حدیث کے مطابق صرف حضور علیہ السلام کے خاندان اور اولاد کو ہی اہل بیت سمجھتا ہے اور ازواج مطہرات کو اس میں شامل نہیں کرتا۔ یہ دونوں شیعہ اور رافضی ہیں اور گمراہ ہیں۔ جو لوگ صرف پنج تن کو اہل بیت کہتے ہیں وہ بھی گمراہ ہیں۔ کیونکہ یہ نظریہ نص قرآنی کے خلاف ہے۔ دوسری طرف حدیث بھی صحیح ہے اس سلسلے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ حقیقتاً قرآن اور حدیث میں تضاد نہیں ہے صرف سمجھنے کی بات ہے۔ نص قرآنی عام ہے اور اس کے مطابق اہل بیت میں ازواج بھی شامل ہیں اور اولاد بھی۔ ہم اپنی زبان میں اہل بیت کا متبادل لفظ ”گھر والے“ بولتے ہیں۔ اور جب ایسا کہتے ہیں تو اس سے مراد نہ تو صرف ازواج ہوتی ہیں اور نہ صرف اولاد، بلکہ ازواج اور اولاد دونوں مراد ہوتے ہیں۔ لہذا نہ تو ازواج کو اہل بیت سے خارج کیا جاسکتا ہے اور نہ اولاد کو حدیث میں صرف اولاد کو اہل بیت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میری ازواج تو انھیں قرآنی کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں، میری یہ اولاد بھی اہل بیت میں شامل ہے۔ ان سے بھی گندگی کہہ دو کہ انہیں پاک صاف کر دے۔

مسلم شریف میں زید بن ارقمؓ کی روایت ہے کہ آپ سے شاگردوں نے پوچھا کیا حضور کی ازواج اہل بیت نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ازواج مطہرات اہل بیت ہیں مگر حضور علیہ السلام کے اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے

إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِأَهْلِ مُحَمَّدٍ

بیشک صدقہ نہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے اور نہ آپ کے اہل بیت

کہہ دیا۔ اہمات المؤمنین حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد چالیس پینتالیس سال
 تک جین حیات رہیں اور امت کی کما حقہ تربیت کرتی رہیں۔ اُن کو تقویٰ، طہارت
 عبادت اور تعلیم میں اعلیٰ درجے کی حیثیت حاصل رہی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم
 تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربانی کرنے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِينَ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ
وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ
وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ
وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْحَفِظِينَ وَالْحَفِظَاتِ
وَالذَّكِرِينَ وَالذَّكِرَاتِ ۚ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً
وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٥﴾

ترجمہ: ۱۔ بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں اور اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں، اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، اور راز رکھنے والے مرد اور راز رکھنے والی عورتیں، اور خافت کرنے والے مرد اور خافت کرنے والی عورتیں، اور یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے تیار کی ہے کہ

کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ﴿۳۵﴾

وہابیات

گزشتہ سے پیوستہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

اسوہ حسنہ کا ذکر فرمایا اور اُن مومنین کی تعریف فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں، یومِ آخرت میں اُن کا یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ اور اس کے رسول کے وعدے پر مکمل یقین کرتے ہیں۔ اور اُن کی تصدیق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے سچے لوگوں کی سچائی کا اجر اور منافقتین کے انجام کا ذکر بھی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں سزا دے دے یا اگر چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے کر اُن کا انجام بھی بہتر کر دے۔

پھر گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواجِ مطہرات کا ذکر فرمایا اور نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اُن سے بڑا کچھ دیں کہ اگر تم دنیا کا مال و دولت اور زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کے گھر کی تلاش ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے لیے اجرِ عظیم بھی موجود ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کے مرتبہ کے پیش نظر اُن کو حکم دیا کہ وہ زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ باہر نہ نکلیں اور اپنے بناؤ سنگار کا اظہار نہ کریں بلکہ شریفانہ طریقے پر اپنے گھروں میں قیام کریں کہ اسی میں اُن کی عزت و آبرو ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں اسی طریقہ سے پاک و صاف رکھنا چاہتا ہے۔

اب آج کی آیت میں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا اکٹھا ذکر کر کے اُن کی بعض صفات بیان کی گئی ہیں اور انہیں اجرِ عظیم کی بشارت بھی سنائی گئی ہے احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی موقع پر ازواجِ مطہرات اور بعض دوسری مومن عورتوں نے حضور علیہ السلام کے سامنے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مردوں کا ذکر خیر تو کثرت سے کیا ہے مگر عورتوں کی خیر و خوبی کا ذکر بہت کم ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مردوں اور عورتوں

کا اکتھا ذکر فرمایا اور انہیں ایسے اہم کی خوشخبری سنائی۔

جیسے عام طور پر حسب **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** سے خطاب کیا جاتا ہے تو فی طبع میں ہر دائرہ سورتیں دونوں اصناف شامل ہوتی ہیں۔ تاہم ان کا طرز و ذکر بھی کچھ دوسرے اس آیت گریہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں اور مسلمان مردوں

BASIC

کی جن صفات کا ذکر کیا ہے وہ اسلام کی بنیادی قدریں (VALUES OF ISLAM) ہیں جن کو اپنانے سے انسان ترقی کی منازل تک کر سکتا ہے۔ اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو قیہ کہ قانون کی پابندی اور محنت و کوشش جس طرح مردوں کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لیے بھی لازمی ہے اور اس ضمن میں دونوں یکساں ہیں۔ مذکورہ صفات یہ ہیں کہ مرد پر یا عورت کا میانی حاصل کر سکتا ہے البتہ دونوں اصناف کے دائرہ کار مختلف ہیں۔ دونوں اپنے اپنے دائرہ کار میں رو کر ترقی کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کثرت کے مصداق بن سکتے ہیں۔

مسلمان
مرد و زن

ارشاد ہوا ہے **إِنَّ الْعَمَلِينَ وَالْمُسْلِمِينَ** بیٹے مسلمان مرد

اور مسلمان عورتیں۔ اسلام ایک ایسی چیز ہے جس کا تعلق ظاہر سے ہے یعنی اسلام سے واردہ اعمال میں جو نظر آتے ہیں۔ حدیث جبریل علیہ السلام میں آئے کہ حضور علیہ السلام سے بیان اسلام اور احسان کے تعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے اسلام کے تعلق فرمایا **أَن تَشْهَدَ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتُحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا** کہ اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دے، نماز پڑھے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور اگر

توفیق ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔ جب کوئی شخص یہ اعمال انجام دیتا ہے تو دوسرے
دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان ہے۔

اہل ایمان
مرد و زن

پھر فرمایا وَالْمُؤْمِنَاتِ اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں۔
ایمان کا تعلق تصدیق قلبی کے ساتھ ہے جو نظر نہیں آتی۔ اسی حدیث حبسریل
میں حضور علیہ السلام نے ایمان کی تعریف یہ فرمائی أَنَّ تَوَكُّمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ
وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتَوَكُّمَنَ بِالْقَدَرِ خَيْرٌ
وَشَرٌّ کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں
پر، آخرت کے دن پر ایمان لائے اور خیر و شر کی تقدیر کو حق جانے۔ گویا ایمان کا
تعلق دل کی تصدیق سے ہے جو بظاہر نظر نہیں آتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمان
مردوں اور مسلمان عورتوں اور ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کا ذکر کیا ہے، جو
مذکورہ صفات کے حامل ہیں۔

اطاعت گزار
مرد و زن

آگے فرمایا وَالْقَانِتِينَ اور اطاعت کرنے والے مرد
اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ قنوت کا معنی اپنی رضا و رغبت کے ساتھ
خدا تعالیٰ کی اطاعت کو مستبول کرنا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کی اطاعت
کا دم بھریا ہے تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ مطاع کے ہر حکم کی تعمیل بھی کرے۔
تو قانتین اور قانتات کا یہی مطلب ہے کہ ایسے مرد و زن جو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ
کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہوں اور کسی جیلے بہانے سے اس کی اطاعت سے
باہر نہ نکلیں۔ دیگر احکام الہی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ پوری و کجی اور اطمینان کے
ساتھ اللہ کی عبادت کرتا بھی اطاعت میں شامل ہے۔

سچے مرد و زن

پھر فرمایا وَالصَّادِقِينَ اور سچے مرد اور سچی عورتیں
اس سے مراد وہ مرد و زن ہیں جو زندگی کے ہر موڑ پر سچائی کو اپنا شعار بنالیں۔ سچ
کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ نیت، عقیدے اور ارادے میں سچے ہونا، اعمال و کردار
اور اخلاق میں سچے ہونا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہو تو خلوص نیت کے ساتھ

سچائی پر مبنی ہو اور اگر ہر لوگوں کے ساتھ کرنی معاملہ کیا جائے تو وہ کامل سچائی کے
ساتھ ہو کسی کے ساتھ حسرت، دھوکہ نہ فریب نہ ہو۔ زبان وہی کلمہ ہو جسے جو تکمیل
جمع طریقے سے جانتا ہو اور ہر کام ایماندار ہی اور راستی اور صداقت کے مطابق ہو
انہی نے اس کتاب پر ایسے ہی مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا ہے۔

ہدایت پر نواز

اِنَّ رَبَّكَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ وَالصَّبْرُ ثَمَرٌ اَمَامُ الْعَمَلِ اِنَّ رَبَّكَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ
کرنے والی عورتیں صبر کی عفت، ایمانی کا ایک اہم اصول ہے۔ انسانی زندگی کے
کسی مرحلہ پر بھی اس کا اہم نہیں چھوڑنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ صبر کیے بغیر
کرنی کا کوئی بھی کام نہیں پاسکتا۔ وضو کرتے ہیں سر دیکھ کر کی شدت برداشت
کرنے پڑتی ہے۔ نماز مخصوص نیت کی نذر کے لیے صبر و برداشت کی ضرورت
ہوتی ہے۔ مگر اگر ہر گھنٹے طویل رہے تو صبر کے ذریعے ہی رکھے جاسکتے
ہیں۔ اگر کوئی کی اور بھی میں بھی مشقت اٹھانے پر صبر و برداشت ہے۔ اور جو
جہاد میں جان کی بازی لگانے وقت بھی صبر و محنت ہی کا یہ کامیابی ہوئی ہے۔
کوئی عادت نہیں آجائے۔ پریشانی لاحق ہو جائے۔ قہر نہ جائے۔ لڑائی میں جاسے۔
انزال آجائے۔ جنگ لگ جائے۔ مال و جان کا نقصان نہ ہو جائے۔ یہ سب چیزیں
صبر کی صفات ہیں۔ جان کا دین کو نہ خراب نہ سمجھتے ہوئے صبر کا اظہار کرتے۔
الشعر میں صبر و صبر کے کہ نصیحت کو دہر کر کے دانا دی ہے۔ حضرت فریض
کرنے کی بجائے صبر سے کام لے۔ اس مسئلہ میں انہی نے فرمایا ہے۔
اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوًّا مَّا اَلَمَّا نَ ۝۱۰۰ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَ كَفُوْرًا
مگر بے صبری کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔ اللہ نے صبر کرنے والوں کے متعلق
فرمایا۔ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمُ مُصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ۝۱۵۷ ۝۱۵۸ اِنَّ مِمَّنْ
کرنے والوں کو خوشخبری ہے کہ اگر جب انہیں کوئی تکلیف پہنچے ہے تو کہتے ہیں۔
ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ

نے ایسے لوگوں کی کامیابی کی گارنٹی دی ہے۔

عاجز مردوں

آگے فرمایا وَالْخَشِيعِينَ اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔ اللہ کے سامنے خشوع یعنی عاجزی کا اظہار کمال درجے کی صفت ہے اور ہر انسان سے مطلوب ہے اللہ نے اپنے انبیاء کے متعلق بھی فرمایا ہے خَشِيعِينَ لِلّٰهِ وہ اللہ کے حضور نہایت عاجزی اور نیاز مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ جیسے عام انسانوں کے ساتھ بھی خشوع کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ غرور و تکبر سے پیش نہیں آنا چاہیے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے اَنْ تَوَاضَعُوْا وَلَا يَفْخَرْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ہر ایک کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ اور ایک دوسرے کے سامنے بڑائی کا اظہار نہ کرو کہ یہ ناپسندیدہ فعل ہے۔ بہر حال اس مقام پر اللہ نے عاجزی کرنے والے مردوں اور عاجزی کرنے والی عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

سخی مردوں

آگے فرمایا وَالْمُتَصَدِّقِينَ اور صدقہ خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ خیرات کرنے والی عورتیں۔ اللہ کی راہ میں غریب، مساکین، یتامی، بیوگان کی مالی اعانت اور کمزور طبقات کی دستگیری بھی ملت کا اہم اصول ہے بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا، بیمار کا علاج، تعلیمی اخراجات پورے کرنا اور دیگر جائزہ ضروریات کے لیے مال خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے۔ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ یعنی صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض صحابہ کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ الْيَوْمَ الْقِيَمَةِ صَدَقْتَ مِنْ قِيَمَتِ
کے دن مومن آدمی پر اس کے عہدہ کا سایہ ہو گا۔

روزہ
مہینہ
عمرت

اُسے اُس نے روزے داروں اور روزے دار عورتوں کا بھی ذکر فرمایا
ہے وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ رُوِيَ عَنْهُ فِي رِجَالِ الْفَرِیْضِ
وہیچہ ایام میں تقیہ روزے شامل ہیں۔ روزہ رکھنا بھی اسلام کی بنیادی قدروں میں
شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے ایمان والو! کُتِبَ عَلَيْكُمُ
الصِّيَامُ مِثْلَ مَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْبَقِيَّةُ ۱۸۳۰
اگرچہ ہر طرح روزے فرض کیے گئے ہیں ہر طرح قرعے میں ستروں پر یہ صعب
یہ کہ اس فرض پر اگرچہ نہ کبھی مکمل ہو سکا ہو اور پھر اللہ نے اس کا اجر بھی بڑا
رکھا ہے۔ درحقیقت قرسی میں اللہ کا فرمان ہے الصَّوْمُ لِي وَآَنَا أَجْزَلُ
یہ میرا بندہ خالص میرے لیے روزہ رکھتا ہے اور میں تو اس کا اجر بھی میں اپنی
رضی کے مطابق دہوں گا۔ حضرت کا یہ بھی فرمان ہے کہ جنت کے ایک دروازے
کا نام باب التَّائِبِ ہے جس سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے۔

مغفرت
مہینہ

مِثْلَ مَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْبَقِيَّةُ ۱۸۳۰
کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔ اللہ نے یہاں مذکور
اور عورتوں کا ذکر فرمایا کہ انہوں کی حفاظت بھی اسلامی قدروں میں سے ہے۔
سورۃ المؤمنین میں اللہ نے کامیابی حاصل کرنے والے مومنوں کی بعض مشاات
کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ
حَقِيقًا ۵۰ آیت ۵۰ یعنی وہ جو اپنے ہمسوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس
مقام پر اللہ تعالیٰ نے سورتوں کے ساتھ هُمْ وَجِہِہُمْ کا لفظ استعمال کیا ہے تاکہ

اللہ صلواتہ علیہ

(بایض)

۵۰

عورت کی اس قدر پردہ داری مقصود ہے کہ اس کے لیے صرف حِفْظِ لُفْظِ
 آیا ہے، یاں **فَوُجَّهْنِ** کو خذف کر دیا گیا ہے۔ اسی سے ظاہر ہوتا ہے۔
 کہ عورت کے حق میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔ پردہ کی اس قدر آکیہ کی گئی
 ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے **وَلَا تَنْظُرِ الْمَرْءُ فَنَحْذَرُ**
حَتَّى وَصِيَّتْ کسی زندہ یا مردہ کی ران کی طرف بھی دیکھنا حرام ہے چہ جائیکہ کوئی مردوزن
 زما یا لواطت میں مبتلا ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ ناموس کو بھی اسلامی اقتدار
 میں داخل کیا ہے اور اس کی پابندی کرنے والے مردوں اور عورتوں کی تعریف فرمائی ہے
 اور اپنے بندوں کی دسویں صفت اللہ نے یہ بیان کی ہے **وَالَّذِينَ**
كَبُرُوا **الذِّكْرَاتِ** اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔
 حصن حصین والے بزرگ حضرت حمزہؓ لکھتے ہیں **كُلُّ مُطِيعٍ لِلَّهِ فَهُوَ**
ذِكْرٌ جو شخص اللہ کی اطاعت کے کام میں مصروف ہے، وہ اللہ کو یاد کرنے
 والا ہے۔ ویسے ہر شخص کے لیے نہ بانی ذکر ہی آسان ترین ذکر ہے۔ باقی عبادت
 کی تو مقدار مقرر ہے، مگر ذکر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی، کوئی جس قدر چاہے اللہ
 کا ذکر کر سکتا ہے۔ آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا**
اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا (الاحزاب ۴۱) اے ایمان والو! اللہ کا کثرت
 سے ذکر کیا کرو۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص رات کو اٹھتا ہے۔ اور
 اپنی بیوی کو بھی بیدار کرتا ہے۔ پھر وہ دونوں نماز ادا کرتے ہیں تو ان کے نام ذکرین
 اور ذاکرات کے رجسٹر میں درج ہو جاتے ہیں۔ فرمایا یہ مرتبہ اس وقت تک حاصل
 نہیں ہو سکتا جب تک آدمی کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں ذکر کرنے
 والا نہ بن جائے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت میں آتا ہے۔ **كَانَ**

ذاکرین مرد
 و زن

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُهُ فِي كُلِّ أَحْيَانِهِ
 کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام حالات میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔
 _____ ذکر سے مراد قدرتِ قرآن، تسبیح و تہلیل کے کلمات اور
 استغفار اور دیگر اوراد ہیں۔ ہر گاہ کہ وہ اپنے کسی کام میں تھے کہ اللہ کی قدرت سے
 ذکر الہی کرنا چاہتے تھے کہ اس کی توجہ ہر وقت اسی طرف مبذول رہے۔ اللہ نے ذکر
 کو کامیابی کا ذریعہ بھی قرار دیا ہے۔ سورۃ المؤمنین میں فرمایا: وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْثَرُ
 لَكُمْ تَعَالَى لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (آیت ۱۰۱) اللہ تعالیٰ کی ذکر کثرت سے یاد کرنا کہتا ہے تاکہ تم
 ہدایت نصیب ہو جائے۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ عذاب سے بہت
 دلائے والی چیزوں میں اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ ہر حال میں اللہ سے
 قریب رہو اور اللہ کا ذکر کرتے رہو اور اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں۔

بجائے ذکر الہی
 اور عظیم

ان دس فیوضِ قدسوں اور ان کے حاملین کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا:
 تَعَالَى اللَّهُ لَهُم مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ (آیت ۱۰۲) اللہ تعالیٰ نے ان کے
 لیے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ بخشش سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
 مذکورہ صفات کے حاملین کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف کر دے گا اور اللہ تعالیٰ
 انہیں آخرت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا۔ اس آیتِ قدس میں مردوں اور عورتوں کو
 اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا جن لوگوں میں یہ اسلامی قدس پائی جاوے گی۔ خواہ وہ مرد ہو
 یا عورت۔ سب کو انعامات سے نوازا جائے گا۔ بخششیت اللہ مردوں کی مالِ مسلسل
 کر سکتے ہیں اور عورتیں بھی اس میں درود کی کوئی تخصیص نہیں کی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ
وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝ (۳۶) وَإِذْ تَقُولُ
لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ
أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي
نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ
وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا
وَطَرًا زَوْجَهَا لَوْ كَانَ عَلَيْهِ سُلْطَانٌ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ فَفِي الْأَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ
إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ
مَفْعُولًا ۝ (۳۷)

ترجمہ :- اور نہیں ہے کسی مومن مرد اور نہ کسی مومن
عورت کا کام کہ جب فیصلہ کر دے اللہ اور اس کا
رسول کسی معاملے کا تو ان کو کوئی اختیار باقی رہ جائے
اُن کے معاملے میں ۔ اور جو شخص نافرمانی کرے گا اللہ
اور اس کے رسول کی ، پس بے شک وہ گمراہ ہوا

صریح نگہری ⑤ اور جب آپ کہہ رہے تھے اُس شخص سے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے، اور آپ نے بھی اس پر احسان کیا ہے، روک رکھ اپنے پاس اپنی بیوی کو اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اور آپ چپتے تھے اپنے جی میں وہ بات کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اور ڈرتے تھے آپ لوگوں سے حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ محقر ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ میں جب پوچھا کہ وہ نبی نے اس عورت سے اپنی غصہ کو تو جوہ نے نکاح کرا دیا اُس عورت کا آپ کے ساتھ تکرار نہ ہو بیان والوں پر کوئی حسرت ان کے منہ سے نہ پڑے کیوں کہ یہودیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں جب کہ وہ اُن سے اپنی غصہ پاری کر لیں۔ اور اللہ کا حکم ہو کر ہے گا۔ ⑥

گزشتہ دس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی ان صفات کا ذکر کیا جن کے ذریعے وہ کامل حاصل کر سکتے ہیں اور ان صفات کو لکھ کی بنیادی قدریں قرار دیا۔ اس سے پہلے اللہ نے اندازِ سطرات کی حیثیت اور دینے کو بیان فرمایا اور ان کی کوتاہیوں پر تنبیہ فرمائی۔ بیشتر ازین غزوہ خندق کے سلسلے میں منافقین کی مذمت بیان کی گئی تھی۔ اُس سے بھی قبل اللہ نے نبی علیہ السلام کے حقوق کا ذکر کیا اور است کو خبردار کیا کہ نبی کے اعزاز و اکرام کو محفوظ رکھیں اور قول و فعل سے کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے اللہ کے نبی کو اذیت پہنچے۔ اب آج کی آیات میں بھی یہی مضمون مختلف انداز میں بیان ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ
پروردگار
فیصلہ

ارشاد ہوتا ہے وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ نَسَاءٌ غَيْرُ ذَلِكَ قَدْ فَضَّلَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ أَمَّا بَعْضُ النَّاسِ فَيَكُونُونَ لَكَ عَدُوًّا مُّبِينًا

قرآن کے پاس کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ مطلب یہ کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد و زن کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ اپنی مہنچی سے ایسے فیصلے قبول کر لے یا رد کر دے۔ بلکہ اُسے تو بہ حالت میں اللہ اور نبی کے فیصلے کو بوجہ جان کر اس پر عمل کرنا ہوگا۔ وَمَنْ يُضِلَّ اللَّهُ فَمَا لَهُ شَافٍ اور جو شخص اللہ اور رسول کے خلاف کرے گا فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا تو وہ سڑک گمراہی میں جا پڑا۔ اُسے فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔

شانِ نزول

شانِ نزول کے اعتبار سے یہ آیات حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے بارے میں ہیں۔ حضرت زیدؓ کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ درس ۱ میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ منہ لوے بیٹے کو اس کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ اور اگر اس کے باپ کا اُتہ پتہ معلوم نہ ہو تو اسے اپنا بھائی یا رفیق کہہ کر پکارو۔ حضور علیہ السلام نے حضرت زیدؓ کو منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا اور لوگ انہیں زیدؓ ابن محمدؐ کہہ جاتے تھے مگر مذکورہ آیات کے نزول کے بعد انہیں زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ درس نمبر ۲ میں ہی یہ تفصیل بھی بیان ہو چکی ہے کہ حضرت زیدؓ کو حضرت خدیجہؓ نے عکاظ کی منڈی سے بطور غلام خریدا تھا۔ پھر جب آپ کا نکاح حضور علیہ السلام کے ساتھ ہو گیا تو انہوں نے یہ غلام حضور علیہ السلام کو ہمہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ کے والد اور چچا کو آپ کا علم ہوا تو وہ آپ کو لینے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معاوضہ ادا کر کے بچے کو لے جانا چاہا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خود جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر زیدؓ نے حضور کے اخلاقِ کریمانہ کی بدولت آپ کے دل سے جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ آج سے میں نے زیدؓ کو آزاد کر دیا ہے اور یہ میرا منہ بولا بیٹا ہے۔ اس اعلان پر حضرت زیدؓ کے والد اور چچا خوش ہو کر واپس چلے گئے۔

حضرت زیدؓ کے حضرت زینبؓ سے نکاح کے متعلق بھی درس نمبر ۲ میں اشارتاً ذکر آچکا ہے۔ جب حضرت زیدؓ آزاد ہو گئے تو حضور علیہ السلام نے ان کے

زیدؓ کا نکاح
زینبؓ سے

نکاح کے لیے اپنی بیوی کو اور سن حدیث زینبؓ کو معصوب فرما۔ ان کی والدہ کا تعلق
 ترقی میں خاندان سے تھا مگر وہ بنی اسد کے خاندان میں رہا بھی ہوئی تھیں اور وہ بھی عرب
 کا ایک خیر خاندان تھا، اور عربی ایک آزاد شدہ غلام تھے اس لیے تو خیر زینبؓ
 اس شے پر مضامد ہوئیں اور ان کے بھائی عبد اللہ بن جحش کو یہ بات پسند نہ آئی۔
 دنیا انہوں نے یہ رشتہ منظور نہ کیا مگر اس سلسلہ میں شاید اللہ تعالیٰ کے نزدیک
 کچھ اور مصطفیٰ بھی تھیں۔ خاندانی فرقہ و فکیر کو ختم کرنا بھی مقصد ہوتا ہے جہاں تک
 کفر کا تعلق ہے۔ یہ بھی کوئی فرض واجب تو نہیں ہے۔ ایک سنی آدمی خوار کھڑا
 خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ اعلیٰ خاندان کی حرمت کا کفر تو نہ ہو سکتا ہے اور پھر حضرت
 زینبؓ سے بڑا سنی کون ہو سکتا تھا جو غلاموں میں سے پہلے ایمان لائے اور حضرت علیؓ
 کے سہیلہ لکھتے گھر دار۔ دنیا دار بسیدہ الغرہ اور کمال درجے کی بیوی کے ہاں کبھی
 بہر حال جب اس رشتہ کے سلسلہ میں حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی رضی
 نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ باتیں نافذ فرمادیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر
 لیں تو میر کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اختیار نہیں رہتا کہ وہ اس فیصلہ کو تسلیم نہ کریں
 اور اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو صریح گمراہی میں جا پڑے گا۔
 ان آیات کے نزول پر حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی عبد اللہ کھڑے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ
 اور اس کے رسول کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ نکاح ہو جانا چاہیے، لہذا ان دونوں نے ہاں
 پس و پیش یہ رشتہ قبول کر لیا اور اس طرح حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زینبؓ
 سے ہو گیا۔

یہ بات کر رہے اگرچہ شاہی نزول کے بعد اسے حضرت زینبؓ کے شعل کے
 ضمن میں داخل ہوئی مگر اس کا اطلاق اللہ اور رسول کے ہر قسم کے احکام پر ہوتا ہے
 اور کسی بھی فیصلے کی خلاف ورزی کا کسی مومن کو اختیار نہیں اور جو ایسا کرے گا وہ گمراہ
 میں جا پڑے گا۔ اس قانون کے پیش نظر اگر ہم آج کے معاشرے پر نظر ڈالیں تو
 معلوم ہو گا کہ بہت سی کم لوگ ہوں گے جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر چلتے

ہیں، وگرنہ اکثر لوگ نافرمانی کے کاموں میں ہی لگے ہوئے ہیں اور ہر معاملے میں احکام شریعت کو پس پشت ڈال کر من مانی کر رہے ہیں۔ بیاہ شادی کا معاملہ ہو، کوئی کھیل تماشے کی بات ہو یا کاروباری معاملات ہوں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ امثالہ اور اس کے رسول کا فیصلہ موجود ہے مگر اس کے باوجود ہم اُس کی طرف توجہ کرنے کی بجائے غلط رسم و رواج کے پیچھے چل رہے ہیں اور امثالہ اُس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کو ہی اپنے لیے باعثِ عزت سمجھتے ہیں۔

زینب اور زینب
میں عدم
مفاہمت

بہر حال اس آیت کریمہ کے حکم کے مطابق حضرت زینب کا نکاح حضرت زینب سے ہو گیا مگر ان دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکی۔ حضرت زینب دھیمے مزاج کے آدمی تھے۔ اس کے برخلاف حضرت زینب کے مزاج میں تیزی تھی۔ حضرت زینب ایک نیک سیرت خاتون تھیں اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں جب حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگی تو بعض مخلص مسلمان مرد اور عورتیں بھی غلط پراپیگنڈا کا شکار ہو گئیں۔ ان میں حضرت زینب کی بہن بھی شامل تھیں اور ان پر حد بھی جاری کی گئی۔ مگر جب اس تہمت کا ذکر حضرت زینب کے سامنے کیا گیا، تو انہوں نے کان پکڑ لیے اور کہنے لگیں، پناہ بگدا! بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ انہوں نے ام المومنین عائشہ کی تعریف کی اور انہیں اس الزام سے بری الذمہ قرار دیا۔ بایں ہمہ آپ کے مزاج میں حدت تھی۔ لہذا حضرت زینب کے ساتھ نباہ نہ ہو سکا۔ بات بات پر اکھاڑ پیدا ہونے لگا۔ تو حضرت زینب نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ان حالات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ ہم میاں بیوی کے مزاج میں مطابقت پیدا نہیں ہو سکی۔ لہذا میں نے طلاق سے دینا چاہتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چند حضرت زینب کو سمجھاتے رہے مگر جلدی نہ کرو اور حتی الامکان نباہ کی کوشش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں اسی بات کا ذکر کیا ہے **وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ**

اور جب آپ اُس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے ۱۰

سے مراد حضرت زید ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ احسان کیا کہ دشمنوں سے ان کی جان کی حفاظت کی، غلامی کی حالت میں حضرت خیرؓ جیسی نیک غلاموں کی خدمت میں پہنچایا اور پھر حضور علیہ السلام کے سایہ عاطفت میں پہنچا دیا۔ اللہ نے یہ بھی احسان فرمایا کہ انہیں غلامی سے آزاد کر دیا۔ مَنْ مَلَكَ عَلَى الْمَرْءِ فَامْنَهُ لَمْ يَسْلَمْ اسلام کی دولت عطا فرمائی، غرضیکہ اُس پر اللہ تعالیٰ کی مقررہ ہدیہ تھی۔ نیز فرمایا وَالْحَقُّ تَحْتَ يَدِي اور آپ نے بھی اُس پر احسان کیا۔ یہ حضور علیہ السلام کا زید پر احسان تھا کہ آپ کی ایسی طرح سے پرورش کی، آزاد کر کے پیش کیا، اور غلامانِ قریش میں اپنی محبوبی نہ دے سکایا اور آپ جیسے سے آپ کا خیال رکھی۔

تو فرمایا کہ جب آپ اُس شخص سے کہہ سکتے تھے کہ آپ پر اللہ اور اس کے رسول نے انعام کیا أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے، بھروسہ، طریق میں سے کاروائی نہ کر۔ وَاتَّقِ اللَّهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے پر معمولی معمولی باتوں کو برداشت کر۔ اور کسی مکرر معجزات کی صورت میں ماریخی لغویہ کر لیا کہ اگر ۳ بڑھنے نہ پائے، غرضیکہ حضور علیہ السلام کی ہر چند کوشش تھی کہ یہ علاج قائم رہے اور طلاق تک نوبت نہ آئے۔ اللہ نے اس بات کا بیان ذکر کیا ہے۔

حضور علیہ السلام کے دل پر غصہ

اللہ نے فرمایا کہ اس وقت کر بھی یاد کرو وَتَحَنَّنِي فِي نَفْسِكَ مَا لَكَ اُمسک دیکھو اور آپ نے نبی میں وہ دست چسپا ہے لے جس کو اللہ تعالیٰ عطا کرے والا ہے وَتَحَنَّنِي اللہ تعالیٰ اس آدمی کو گویا خوف زدہ ہے جسے وَاللَّهُ سَخِرَ لَكَ الْفِتْنَةَ اللہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر وہ دست ہے کہ اس سے ڈرنا ہے۔

حضور علیہ السلام کے دل میں کوئی کمی نہ تھی جس سے آپ ڈر رہے تھے اور جس کو اللہ تعالیٰ عطا کرنا چاہتا تھا؟ اس ضمن میں جس مصرعہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو اللہ نے بہ بیرونی جلا دیا تھا کہ دنیا اور زمین کے گلاب نہیں ہو سکے گا اور آخرت میں عینہ کی ہو جائے گی اور زینب کو اللہ تعالیٰ آپ کی نوبت میں دے گا لَهُ نَفْسٍ مَحَلِّي (فیاض)

دے گا۔ آپ کو اس بات کا خوف تھا کہ اس بے بسے میں لوگ کیا کہیں گے۔ کہ جو نکاح انہوں نے زور دے کر کر لیا تھا اس میں نباہ نہ ہو سکا۔ اور بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ کو یہ بھی خلش تھا کہ حضرت زینبؓ کو اہل حق کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور کیا گیا۔ اس کے بعد اگر نوبت طلاق تک آگئی تو ایک آزاد کردہ غلام سے طلاق کا داغ قریش خاندان کی ایک عورت پر لگ جائے گا۔ یہ چیز حضور کے لیے تکلیف دہ تھی کہ اس طرح زینبؓ کی پوزیشن معاشرے میں مزید خراب ہو جائے گی یہ چیز تھی جس کا حضور علیہ السلام کو خوف تھا مگر اللہ تعالیٰ اُس کو ظاہر کر دیا تھا۔

بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کافی غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے، کہ زینبؓ کی دل شکنی کی تلافی صرف اسی صورت میں ممکن ہے۔ کہ اگر زینبؓ اسے طلاق دے لے تو میں خود اُس سے نکاح کر لوں گا۔ اس طرح زینبؓ کو سببی کی زوجیت کا شرف حاصل ہو جائے گا اور طلاق کے صدمہ کو بھول جائے گی۔ پھر آپ کو یہ بھی خیال آتا تھا کہ اگر میں نے زینبؓ سے نکاح کر لیا تو لوگ پھر اعتراض کریں گے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا ہے، اور اس بات کو عرب لوگ ناجائز سمجھتے تھے۔ ان حالات میں کافروں، مشرکوں اور منافقوں۔ نیز یہود و نصاریٰ کی طرف سے تکلیف دہ پراپیگنڈہ کا خطرہ بھی تھا، لہذا آپ خوف محسوس کر رہے تھے، مگر اللہ نے فرمایا کہ لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

زینبؓ سے طلاق
اور حضور
سے نکاح

بالآخر وہی بات ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ جب حضرت زینبؓ اور زینبؓ میں مضامبت کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْنَبُ مِّنْهَا وَطَرًا پس جب حضرت زینبؓ نے حضرت زینبؓ سے اپنی غرض کو پورا کر لیا یعنی کچھ عرصہ ازدواجی زندگی کے طور پر گزار لیا تو اللہ نے فرمایا وَوَجَّهَكَ نُوهُم نے اُس کا نکاح آپ سے کر دیا، اور اس سے مقصود آپ کے دل کی خلش کو دور کرنا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ متبنی کی مطلقہ سے نکاح

کرایا ہے۔ لکن اَلَا یَسْکُونُ عَلٰی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْہِ
 اَنْزَحَ اَدْعِیَاسُہُمْ اِذَا قَضَوْا مِنْہُمْ وَطَرًا کہ اہل ایمان پر
 اس بات کی کوئی حرج نہ ہو کہ وہ اپنے من لوے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کر لیں
 جب کہ مؤخر الذکر ان سے اپنی غرض پوری کر چکیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بتی کی بیوی سے
 نکاح کو صحت کے ساتھ جائز قرار دیا اور اس طرح مخالفین کے گمراہ کن پراپیگنڈہ کا
 رد بھی ہو گیا۔ فرمایا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہے
 گا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر بتی کی مطلقہ سے نکاح کو جائز قرار
 دیا ہے اور حضرت زینبؓ کا نکاح بھی آپ سے جو اللہ کی مشیت میں ہے
 اور ہو کر رہے گا۔ ان غرض احب حضرت زینہؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق کے دی
 تو بعد از تکلیف مدت حضور علیہ السلام نے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا
فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا
مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ۝^(۳۸)
وَالَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ
أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝^(۳۹) مَا كَانَ
مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ
اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيمًا ۝^(۴۰)

ترجمہ :- نہیں ہے اللہ کے نبی پر کوئی حرج
اس چیز میں جو اللہ نے اُس کے لیے مقرر فرمائی
ہے۔ یہ دستور ہے اللہ کا اُن لوگوں میں جو اس
سے پہلے گزرے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم مقرر کیا
ہوا ہوتا ہے ۝^(۳۸) وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں۔ اللہ
کے پیغامات اور ڈرتے ہیں اُسی سے، اور نہیں
ڈرتے کسی سے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور کافی ہے
اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا ۝^(۳۹) نہیں ہیں محمد باب
کسی ایک کے تمھارے مردوں میں سے، لیکن وہ اللہ
کے رسول ہیں اور انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ

ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے (۳۰)

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زیدؓ کی حلقہ حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا تو کفار و منافقین نے طعنے ٹھیسے شروع کر دیے کہ آپؐ نے اپنی بیوی سے نکاح کر لیا ہے نہ ماہریت میں نہ لہجے میں نہ کو حقیقی بیٹے کو طلاق سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ وہ وراثت میں بھی حصہ ہوا تھا اور اس کی بیوی سے نکاح بھی ناجائز تصور ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو واضح کیا کہ زیدؓ بولایا حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہوتا نہ اسے شکستہ حقیقی باپ کے نام سے پکارا کرو۔ اور اگر اس کے باپ کا علم نہ ہو تو اسے اپنا بھائی اور فرسبیق کہہ کر جو دیا کرو۔ البتہ اس کے ساتھ منسلک کے ساتھ میرٹھس آؤ اور ہر کئے تو اس کے ساتھ احسان کرو۔ البتہ اس پر حقیقی بیٹے والے احکام لاگ نہیں ہوتے۔

اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیات میں اس مسئلہ کو بھی کیا، اور پھر حضور علیہ السلام کو اس معاملہ میں عین و تشبیہ کا مضمون تھا اس کے متعلق تسلی دی کہ آپؐ لوگوں کی طرف سے خوف نہ کھائیں بلکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقارت سے کہ اس سے ڈر جائے۔ جب حضرت زیدؓ کی غرض حضرت زینبؓ سے پوری ہو گئی تو انہوں نے طلاق سے دی تو اللہ تعالیٰ نے زینبؓ کا نکاح آپؐ سے کوڑیا۔ تاکہ اہل ایمان کے دلوں میں نہ برے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے۔ جب ایسی مطلق حدت گزرتی ہے تو ایمان والوں کو ایسی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نہ ذاتی پر حقیقی بیٹے کے احکام لاگو ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کی بیوی حقیقی بیوی ہوتی ہے۔

آج کی یہی دو آیات ہیں جہاں تسلی کا مضمون ہی بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوئی ہے:

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ

اللہ تعالیٰ کے حکم کے لئے اس پر کوئی حرج نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ جائز کام کو ناجائز نہ کرنے میں کوئی حق نہیں

نوع علیہ السلام
تسلی کے لئے

نہیں کرنی چاہیے اور لوگوں کے اعتراضات اور طعن و تشنیع کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔ فرمایا سُنَّہُ اللہِ فِي الذِّیْنَ حَکَمُوْا مِنْ قَبْلُ یہ پہلے گزے ہوئے لوگوں میں اللہ کا دستور ہے۔ پہلے ادوار میں بھی لوگ انبیاء علیہم السلام پر اسی طرح اعتراض کیا کرتے تھے مگر انہوں نے جائز کام کو کرنے میں کسی پس و پیش کا اظہار نہیں کیا بلکہ ایسے کام بے دھڑک کر گزے۔ آج لوگ تعدد ازواج پر اعتراض کرتے ہیں کہ ایک مرد کو چار عورتیں رکھنے کی اجازت کیوں ہے۔ حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سوسے بھی زیادہ بیویاں تھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی متعدد بیویاں تھیں اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی جائز کردہ چیز پر طعن کرنا اللہ تعالیٰ پر طعن کرنے کے مترادف ہے، لہذا اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو کرتا ہے، آپ اس کی قطعاً پرواہ نہ کریں اور اپنا کام کرتے جائیں۔ فرمایا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا اور اللہ کا معاملہ تو ٹھہرایا ہوا ہے۔ اُس میں کون دخل اندازی کر سکتا ہے؟

فرمایا الذِّیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسَالَاتِ اللّٰهِ وَیَحْشَوْنَہُ اللّٰہَ کے نبی جو اُس کے پیغامات لوگوں تک پہنچاتے ہیں، وہ اُسی سے ڈرتے ہیں۔ وَلَا یَحْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اُن کو صرف اسی بات کا خوف رہتا تھا کہ کہیں اللہ کی نافرمانی کا کوئی کام نہ ہو جائے۔ اللہ نے اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَكَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا۔ مطلب یہ کہ معترضین کے طعن و تشنیع کا توڑ اللہ ہی کریگا وہ ایسے لوگوں کو ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔

بعض چیزوں کے جواز کا محض حکم دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور بعض جائز امور پر اللہ تعالیٰ لوگوں سے عمل کروا کر اُس کے جواز کو مزید پختہ کر دیتا ہے۔ اس

مساحہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے منصب کی برومی سے نبی کا تاج کروا کے ان کے خلاف باطل نظر یہ کہ ہمیشہ پیش کے لیے ختم کر دیا۔ اسی طرح حج کی اور انکو میں باطل رسوم کے دور آئے کہ اللہ نے ان کے خلاف عمل کروا کے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ انکو آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے یہ ہے اور ان میں ترمیک بعد و غیر سے انبیا علیہم السلام آتے رہے۔ مگر حضور انم البیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ اللہ نے اپنے آخری نبی کے ذریعے وہ تمام احکام ازال کر دیے جو قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لیے کار آمد ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابْنًا أَحَدٍ قَبْلُ رَجَعَالِكُمْ حضرت محمد مصطفیٰ اصل اللہ علیہ وسلم قوم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ رجل کا اطلاق بائن مرد پر ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ کسی بائغ مرد کے باپ نہیں ہیں۔ حضور علیہ السلام کی اولاد نرینہ میں سے کوئی بھی نہیں جو غنمت کر نہیں بن سکتا۔ وہ بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ بچوں میں سب سے پہلے قادم ہیں جو سب سے جلد مرد ہوں گے۔ ان میں سے ہی فوت ہو گئے۔ پھر عبد اللہ بنی کا لقب طیب اور طاهر تھا۔ وہ بھی بچپن ہی میں اللہ کو یاد سے ہو گئے۔ تیسرے بیٹے ماریہ قبیلہ کے لطن سے ابوبکر تھے جنہوں نے صرف سولہ ماہ عمر ہائی غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر حضور علیہ السلام کے بائغ مردوں کے باپ ہونے کی نفی کی ہے۔ جہاں تک حضرت زید کا تعلق ہے تو وہ بائغ ہونے اور ان کی شادی بھی ہوئی۔ مگر وہ حقیقی بیٹے تو نہیں تھے۔ اسی لیے قرآن کی مصلحت آپ کا حکم بھی بائغ جائز نہ۔ مگر ان حقیقی، سرور اللہ کو اور گذارنے خواہ نماز کا شکر ملے گا۔

لاہور

وَمَا يَعْزُبُ عَنْكَ مِثْلُ الشَّيْءِ عَلَى كَلِمَتِهِمْ هُوَ يُرِيدُ كَيْدًا ۝
وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ يَكْرِهُ ابْنَ رَسُولِهِ ۝ ابْنُ رَسُولِ اللَّهِ لَا يَدْعُو
طُورًا وَلَا سَا ۝ ابْنُ رَسُولِ اللَّهِ لَا يَدْعُو طُورًا وَلَا سَا ۝ ابْنُ رَسُولِ اللَّهِ لَا يَدْعُو طُورًا وَلَا سَا ۝
سَلَامٌ عَلَى الْوُجُوهِ ۝ ابْنُ رَسُولِ اللَّهِ لَا يَدْعُو طُورًا وَلَا سَا ۝ (فِي الصَّح)

لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ فِي تَهْنِئَةِ ابْنِ ابْنِهِ بَابُ كَيْفِ الْمَرْغَبِ فِي الْمَرْغَبِ
ہے کہ جس طرح کوئی شفیق باپ اپنی اولاد کی بہترین تربیت کرتا ہے اسی طرح
میں بھی تمہاری تربیت کرتا ہوں۔

فرمایا، میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور ساتھ ساتھ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ تمام
نبیوں کو ختم کرنے والا بھی ہوں۔ یہ لفظ خَاتَمُ اور خَاتِمُ دونوں طرح آتا
ہے مگر دونوں کا معنی ایک ہی ہے یعنی ختم کرنے والا۔ خاتم مہر کہتے ہیں، اس
لیے امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام مہر لہ مہر کے ہیں۔ جب کسی چیز یا سلسلے
کو بند کر دیا جاتا ہے تو اس پر مہر لگا دی جاتی ہے تاکہ کوئی مزید چیز اس میں داخل نہ
ہو سکے۔ اللہ نے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ بھی ختم کر کے اُس پر حضور علیہ السلام کے
ذریعے مہر لگا دی ہے تاکہ کوئی اور شخص انبیاء کی جماعت میں داخل نہ ہو سکے۔ مشاہد
عبدالقادر بھی یہی ترجمہ کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول اور سب نبیوں پر مہر ہیں۔ کہ
آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اللہ نے سلسلہ نبوت آپ پر ختم کر دیا ہے۔
اور اگر خاتم بطور فاعل لیا جائے تو معنی ختم کرنے والا ہوگا۔ مطلب وہی ہے
کہ آپ سب کے آخر میں تشریف لائے اور آپ کے ذریعے سلسلہ نبوت
ختم ہو گیا۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا
لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خَلْفَاءُ يَعْنِي مِيرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔
بلکہ خلفاء ہوں گے جو نبیائت کا فریضہ انجام دیں گے۔ خلفاء میں سے اچھے
بھی ہوں گے اور بُرے بھی مگر نبی کوئی نہیں ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ
کہ میری مثال ایک قصر کی ہے جو مکمل ہو چکا ہے مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی
ہونا باقی ہے۔ لوگ دیکھ کر تعجب کرتے ہیں کہ محل تو بڑا عالیشان ہے۔ مگر

۱۔ ابن جریر طبری ص ۱۶ ج ۲۲ ۲۔ بخاری ص ۵
۳۔ ابن کثیر ص ۳۹۳ و در منثور ص ۵ ج ۵ (فیاض)

اس کی دوز میں ایک اینٹ کی کمی ہے۔ فرمایا، اسی طرح اللہ نے نبوت بھی ایک
 قصہ تیار کیا ہے، اور ایک اینٹ کی جو کمی خالی تھی، میں نے پُر کر دی ہے۔ وہ ہے
 اب قصہ نبوت مکمل ہو چکا ہے، لہذا کر لی اور نبی نہیں آئے گا۔ ترمذی شریعت
 کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: **إِنَّا لَبَرَسْلَكَةٌ وَالنَّبِيُّ
 قَدْ أَهْطَعَتْ** یعنی رسالت اور نبوت اب منقطع ہو چکی ہے۔ **فَلَا مَنَى**
بَعْدِي قَوْلَ رَسُولٍ اب میرے بعد نہ کرنی پڑے گا اور نہ رسول۔ اللہ نے مجھے
 سب انبیاء و رسول کے بعد بھیجا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی تصریحاً
 بیان کرتے ہوئے فرمایا: **حَسْبُكَ الْنَّبِيُّ** اللہ نے میری وجہ سے
 نبیوں کو ختم کر دیا ہے۔ موطا شریعت میں یہ روایت بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
 نے فرمایا: **أَنَا الْكَافِرُ** میں عاقب یعنی سب سے آخر میں آئے والا ہوں کیسے
 بعدہ نہ ہو جس کے بعد کرنی بھی نہیں آجائے۔ ایک روایت میں عاقب نے
 نہ کافی کا لفظ بھی آتا ہے۔ میں عاقب اور ممکن ہوں جس کے بعد کرنی نہ آ اور رسول
 میں آئے ہو، انا بعد شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ میں آخر الانبیاء ہوں
 یعنی میرے بعد کرنی بھی نہیں آئے گا۔ **وَأَنْتُمْ أَخْرَجُوا الْمَسِيحَ** اور تم
 آخری امت ہو۔ اب تم اسے بعد کرنی امت بھی نہیں ہوگی۔

غزوہ تبوک کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنی نیابت
 کے لیے حضور و انوار انہوں نے عرض کیا: حضور! آپ مجھے جو ترکوں اور یمن
 چھوڑ کر رہے ہیں، حضور علیہ السلام نے تسلیم فرمایا کہ یہ تو اس بات
 کو چھوڑنے نہیں کہ میں نے **مَنْ بَعَثَ لَكُمْ هَذِهِ** کو جس نے تم کو بھیجا

۱۔ ابن کثیر ص ۲۹۲ ۲۔ ابن کثیر ص ۲۹۲ ۳۔ ابن کثیر ص ۲۹۲ ۴۔ ابن کثیر ص ۲۹۲

۵۔ ابن ماجہ ۶۔ سنن ابی داؤد ۷۔ سنن ابی داؤد ۸۔ سنن ابی داؤد ۹۔ سنن ابی داؤد ۱۰۔ سنن ابی داؤد

تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کی نیابت اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام نے انجام دی تھی اِلَّا اَنْتَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي فرق صرف اتنا ہے کہ اُن کے بعد تو اور بھی نبی آئے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی تعریف میں حضور علیہ السلام کے یہ کلمات بھی ہیں لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيًّا لَّكَانَ عُمَرُ اَكْبَرُ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ آپ نے اپنے فتنہ زدہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی فرمایا کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو نبی ہوتا یعنی اللہ نے اس میں بڑی صلاحیت رکھی تھی، مگر میرے بعد تو نبوت کا دروازہ ہی بند ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِن واضح فرمودات کے باوجود آپ کے بعد سبت سے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد تیس دجال اور کذاب آئیں گے، اُن میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ مگر میں تو خاتم النبیین ہوں لَا نَبِيَّ بَعْدِي میرے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا، جو بھی دعویٰ کرے گا، وہ جھوٹا ہوگا۔ جھوٹے بیان نبوت میں مسلّمہ کذاب اور اسودھشی نے تو حضور علیہ السلام کی زندگی مبارک میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ مسلّمہ کذاب حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے دوران مارا گیا۔ اس شخص کا اپنا بہت بڑا قبیلہ تھا، پھر اس نے دوسروں کو بھی ساتھ ملا لیا اور بہت بڑا دجل پیدا ہوا۔ آخر مارا گیا تو یہ فتنہ ختم ہوا۔ صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد ہر مدعی نبوت کا فرد واجب القتل ہے۔ چنانچہ مسلّمہ کذاب کے خلاف جنگ لڑی گئی۔ مؤرخین کے مطابق یہ اتنا بڑا فتنہ تھا کہ بڑے فرد کو لے کر گیارہ سو حفاظ اور قاری شہید ہوئے تھے، اور درزیوں طرف سے پالیس ہزار آدمی کام آئے تھے۔

جھوٹے
نبوت

لہذا اہل حدیث کے زمانے میں دوسری صدی میں بھی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں نبوت کے شجرہ میں سجزہ بھی بیٹھ کر رہنے کے لیے تیار ہوں۔ اس شخص کے متعلق شریعت فقہ اکبر میں امام صاحب کا یہ فتویٰ موجود ہے کہ جو شخص اسرہ بھونے والی نبوت کا سجزہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ جب حضور علیہ السلام نے واضح فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا تو پھر کسی جھوٹے نبی کا سجزہ دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور کی نعمت نبوت میں شک ہے اور اسی وجہ سے امام صاحب نے ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ دے دیا۔

قادیانی فرقہ

سزا غلام احمد قادیانی کا معاملہ میں مسٹر گنڈاپ اور اسد علی میا ہی نے ایک غریبی اور غنی بھی مدعیان نبوت ہونے ہیں۔ جنہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اسی طرح اس شخص نے بھی بڑا جمل پھیلایا اور بہت سے لوگ اس کے جھوٹے میں آ گئے۔ وہ بالائی واضح نشانی ہے کہ وہ منضار باہمی کرنا ہے۔ جب ایک بات کہہ کر یہ معنی نکلا تو پھر دوسری کر دی۔ ہر قادیانی نے بھی یہی کچھ کیا۔ پہلے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جب اس پر اعتراضات کی برہنہ آئی تو کہنے لگا کہ میں علی نبی ہوں کہی میں کو خود ہونے کا دعویٰ کیا۔ میں کو خود تو عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ حضور علیہ السلام کی ادا و میراث کے پیش نظر ہماری امت کا اتفاق ہے کہ میں علیہ السلام دو بار دونا پرنازی ہوں گے۔ پہلی نبی کی نبوت حضور علیہ السلام سے بعد نہیں ہوگی پھر سو سال پہلے ہے۔ جب وہ دنیا میں دوبارہ آئیں گے تو نبی کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ حضور علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے آئیں گے۔ جیسے امت کا کوئی مجدد ہوتا ہے وہ اپنا دستور کر نہیں پاتا نہیں گے بلکہ حضور عاتق انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی لائی ہوئی کتاب پر ہی عمل کریں گے۔ اللہ نے ان کو ایک خاص مصلحت یعنی دجال کو قتل کرنے کے لیے آسمان پر زندہ رکھا ہے۔

پھر حال اللہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام مردوں میں سے کسی کے نائب نہیں ہوتا۔ اللہ کے بھی نائب نہیں ہیں۔ البتہ ہماری امت کے روحانی باپ اور اللہ

کے آخری نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے جاہلیت کے باطل نظریے کو رد کر دیا۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ بِصَلِّ شَيْءٍ عَٰلَيْهِمْ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرے گا وہ ہمیشہ کے لیے خائب و خاسر بن جائے گا۔

وَمِنْ بَعَثَتْ ۲۲

الاحزاب ۲۳

آیت ۴۱ تا ۴۴

درس سیزدہم ۱۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا
كَثِيرًا ۝ (۴۱) وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ (۴۲)
هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْكُمْ عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ
لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ
بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝ (۴۳) تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ
يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۝ (۴۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنا ۝ (۴۱) اور تسبیح بیان کرو اس کی صبح اور دیکھنے پہر ۝ (۴۲) وہ وہی ذات ہے جو رحمت نازل کرتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے دُعا کرتے ہوئے کرتے ہیں تاکہ وہ نکالے تم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ اور وہ ایمان والوں کے ساتھ بہت مہربان ہے ۝ (۴۳) دُعا ان کی جس دن کہ وہ اس سے ملیں گے سلام ہے اور تیار کیا ہے اُس نے ان کے لیے عورت کا ثواب ۝ (۴۴)

اللہ تعالیٰ نے حضرت زید اور حضرت زینبؓ کے نکاح سے متعلق فرمایا کہ کسی مومن مرد و زن کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ اور رسول کی عطا کیے عطا ہونے والی چیز چاہے، پھر اللہ تعالیٰ نے زید پر سکے گئے نعمات کا ذکر کیا۔

بطا آیت

پھر حضرت زینبہ اور زینبہ کے درمیان طلاق اور حضور علیہ السلام کے ساتھ حضرت زینبہ کے نکاح کا ذکر کیا۔ پھر اللہ نے حضور علیہ السلام کو تسلی دی کہ اس ضمن میں مخالفین کے پراپیگنڈہ کو خاطر میں نہ لائیں۔ یہ نکلج ہم نے خود کرایا ہے تاکہ اہل ایمان پر یہ مسئلہ واضح ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح بالکل درست ہے فرمایا یہ دستور سابقہ اور اسے چلا آ رہا ہے اور اللہ نے اپنے انبیاء کے لیے جو چیزیں مباح قرار دی انہوں نے اس پر عمل کرنے میں کسی ملامت کفندہ کی پروا نہیں کی وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تم میں سے کسی سر بشمول حضرت زینبہ کے پسند نہیں ہیں، بلکہ آپ کو تمام انبیاء اور رسل کے خاتم ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کتاب اور نہ کوئی نئی شریعت ابنا جائے گی۔ جو عبادت کی رسوم کو ختم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آپ کے ذریعہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکلج عملی طور پر پیش کر دیا جائے تاکہ آئندہ کیلئے یہ باقی لوگوں کے لیے دستور العمل بن جائے۔

فکر الہی کی
فضیلت

چونکہ کافر، مشرک اور منافق اسلام اور اللہ کے نبی کے خلاف غلط پراپیگنڈہ کرتے تھے جس سے حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کو سخت ذہنی پریشانی ہوتی تھی، تو اس پریشانی کا حل اللہ تعالیٰ نے یہ تجویز فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا
اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا اے ایمان والو! اللہ کا کثرت سے ذکر کرو۔ اگر مخالفین یہود، بائیس اور طعنہ زنی کرتے ہیں تو تم اس کا تذکرہ کیجنا جواب نہ دو بلکہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرو کہ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادات کے لیے خاص اوقات اور خاص مقدار مقرر فرمائی ہے مگر ذکر الہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ اس کے لیے نہ کوئی وقت مقرر ہے نہ جگہ اور نہ مقدار۔ جس وقت، جہاں چاہو اور جتنا چاہو اللہ کا ذکر کر سکتے ہو۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت میں آتا ہے کہ

(فیاض)

لے البرور و مسد ج ۱

[illegible]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص مجھے تسبیح میں یاد کرے اسے ترمیم میں ان کے لئے جہنم میں یاد کرے، تہوں اور جو شخص کسی مجلس میں میرا ذکر کرے اسے ترمیم میں اس کا ذکر اس سے بہتر جہنم میں کر دے۔ تہوں جو علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی ارشاد ہے کہ عذاب اللہ سے عذاب دلائے والی چیزوں میں ذکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں صاف ہے کہ یہ بات ہے کہ یہ کہ حضور علیہ السلام کی ہر مجلس کی ابتداء بھی اللہ کے ذکر سے ہوتی تھی اور انتہا بھی ذکر اللہ ہی پر ہوتی تھی حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھتا ہے اور وہاں اللہ کو ذکر نہیں کرتا، بعض روایات میں درود شریف کے تعلق بھی آتا ہے، حضور درود مجلس اس شخص کے لئے قیامت والے دن باعث ہرست ہوگی۔ اس دن کتب اقدس دیکھو کہ وہ فلاں مجلس میں نہ آیا کہ ذکر کرے اور اس کے نبی پر درود پڑھ سکے، گویا ذکر اللہ سے محروم رہنے والے کو نقصان میں یہی آئے گا۔

حدیث مجموعہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جب تم لوگ نماز اور کھانا پینے اور زین میں جیل خانہ اور علالت کی دوا تلاش کرو، وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَيْفَ مَنِ اتَّعَلَّكُمْ تَفْلَحُوا (آیت ۱۰۰) اور اللہ کا شکر سے ذکر کرو اور تمہیں فلاں نصیب

ہو۔ فرمایا مخالفین کی تکلیف وہ باتوں کا جواب ذکرِ الہی سے دو کہ یہ چیز تمھارے لیے تقویت کا باعث بنے گی کیونکہ اللہ کا فرمان ہے **الَّا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ** (الرعد - ۲۸) آگاہ رہو کہ دل کا سکون اللہ کے ذکر کے ذریعے حاصل ہوتا ہے ذکرِ الہی سے انسان کی غفلت دور ہوتی ہے اور اسے قرب الہی حاصل ہوتا ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

فرمایا، ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو **وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا** اور اُس کی تسبیح بیان کرو صبح کے وقت بھی اور پچھلے پہر بھی تسبیح کا معنی تنزیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب، نقص اور ضعف سے پاک ہے جب کوئی شخص اپنی زبان سے سبحان اللہ ادا کرتا ہے تو اس کا عتیدہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اُس ذات خداوندی پر ایمان رکھتا ہے جس کی ذات ہر عیب اور آلودگی سے پاک ہے۔

تسبیح کی
تاکید

تسبیح خدا تعالیٰ کی بہترین تعریف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے **مَنْ صَلَّى الْبُرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ** جو شخص ان دو نمازوں کی پابندی کرے گا۔ وہ جنت میں داخل ہو گا، اور اُسے اللہ کا دیدار نصیب ہو گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم مغلوب نہ ہو ان دو نمازوں پر مداومت اختیار کرو۔

بعض فرماتے ہیں کہ تسبیح سے مطلقاً ذکر مراد ہے، ذکر سے تو انسان کا کوئی لمحہ بھی خالی نہیں ہونا چاہیے۔ مگر یہ دو واقعات ایسے ہیں جن میں اللہ کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ نماز فجر اور عصر کے وقت فرشتوں کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں۔ ان اوقات میں لوگوں کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوئے ہیں۔ لہذا اُس وقت اللہ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا چاہیے تاکہ فرشتے اللہ کے حضور جا کر گواہی دے سکیں

کہ مولا کو یہ اچھا نہیں ہے کہ اس سال میں پھر نہ کہ آئے ہیں کہ وہ تیرے ذکر
میں مصروف تھا۔

محبت دینی
کا نزول

فرمایا: خدا تعالیٰ کی ذات رحیمہ و کریمہ ہے **هُوَ الْيَزِيدُ** عَلَيَّكُمْ
جو کہ پر رحمت و انعام کا ہے **وَهُوَ الْكَافِي** اور اُس کے فضل سے بھی سلوۃ کا
یعنی بڑا ہے اور جب تک اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے تو طلب
نزول رحمت ہوتا ہے یعنی خدا تعالیٰ تو یہ نعمت اازل و فدا ہے، لہذا انہ اس
کی خوشترینی کے کام انجام دو۔ جن کی وہ سے اُس کی رحمت زیادہ سے زیادہ
مخصوصی طرف متوجہ ہو۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا خیال رکھو، اخلاق میں اپنے
اند پر پورا کرو، ذکر کی کثرت رکھو، خدا اور اُس کے رسول کے احکام کی تعمیل کرو
بائیں سے اجتناب کرو تو رحمتِ خداوندی تمہاری طرف متوجہ ہوگی۔
اگر صلوات کی نسبت و شہادتوں کی طرف کی جائے تو معنی نزول رحمت کی دُعا
ہوگا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتے تمہارے لیے رحمت کی دُعا کرتے ہیں۔
فرشتے چرخ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اس لیے اُن کی دُعا یقیناً قبول ہوتی ہے
گر یا فرشتے بھی نزول رحمت کا باعث بنتے ہیں۔

ظلمت
اور کبر

فرشتوں کی دُعا اور خدا تعالیٰ کی نزول رحمت کا مقصد اللہ نے یہ بیان فرمایا
ہے **يُخْرِجُكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ** اگر تم اس نعمت سے دائمی مستفید ہونا
چاہتے ہو تو اللہ کا کثرت سے ذکر کرو، مفسرین کو رام اس کی تفسیر یوں بھی کرتے
ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کفر سے نکال کر ایمان کی طرف، اور معصیت سے نکال
کر اطاعت کی طرف اور بدعت سے نکال کر سنت کی طرف لے جائے چاہتا ہے

۵

لے احکام القرآن لمبصا ص ۳۰۳

(فیاض)

سے نزول اللہ ص ۲۹۸

مجمع البیان والے اس کا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خداوند قدوس تمہیں
جہالت سے نکال کر معرفت کی طرف، نفاق سے نکال کر اخلاص کی طرف لاتا
ہے۔ کفر، شرک، نفاق، بدعت، معصیت سب اندھیرے ہیں۔ ان کی وجہ سے
انسان میں روحانی تاریکی پیدا ہوتی ہے، جو دلوں، دماغوں اور ردحوں میں چھا جاتی ہے
جب تک انسان ان چیزوں سے توبہ نہ کرے وہ حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ یہ سب
ناپاک چیزیں ہیں اور باطنی طہارت اس وقت نصیب ہوتی ہے جب کوئی شخص خلوص
نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرے اور اُس میں جذبہ اطاعت
موجود ہو۔ تو فرمایا کہ خدا تعالیٰ نزولِ رحمت فرماتا ہے، فرشتے اس کے لیے دعائیں کرتے
ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

فرمایا وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے
ساتھ بڑا مہربان ہے۔ اہل ایمان پر اُس کی خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اپنے
فضل و کرم سے اللہ تعالیٰ اُن کی عبادت اور ریاضت کو قبول فرماتا ہے اور
اُن کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف کرتا ہے۔ یہ اُس کی رحمت و بخشش کی علامت ہے
ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا تَجِبَتْ لَهُمْ يَوْمَ يَقُولُونَ
سَلَامٌ جس دن وہ اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گے اُس دن
اُن کی دُعا سلام ہے۔ دو مسلمانوں کی ملاقات کے وقت بھی ایک دوسرے
کو سلام کیا جاتا ہے۔ امام ابو جبر حصاصؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔
کہ یہ لفظ چاہتا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو اُن کی دُعا سلام ہی ہونی
چاہیئے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ یعنی دو مسلمان ملاقات پر ایک
دوسرے کے لیے خیر و سلامتی کی دُعا کریں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر ہر نبی کے
دور میں سلام و دعا کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ پھر جب دو مومن جنت کے اندر

دعا بطور
سلام

آپس میں ملیں گے تو وہاں پر ان کی دعا سلام ہی ہوگی۔ جب فرشتے جنتوں کے پاس آئیں گے آدہ بھی ان کو سلام کریں گے۔ پھر جب نیک لوگوں کے سامنے پیش ہوں گے تو وہاں بھی پروردگار فرمائیگا **سَلَامٌ عَلَیْکُمْ اَنتُمْ رِزْوَانُ النّٰحِیْنِ** (سورہ یونس - ۵۸) اے میرے بندو! میری طرف سے تم پر سلامتی ہو۔ عزیمت کہ آئیں گی ملاقات کے وقت بھی، اور دشمنوں سے ملاقات کے وقت بھی اور پروردگار کی طرف سے بھی سلامتی ہی سلامتی ہوگی۔ **فَرِحْنَا وَاعْتَدْنَا لَهُمْ اَعْنَادًا کَثِیْرًا** انہوں نے ایسے ایمان والوں کے لیے بڑی عزت والا اور وثواب تیار کر رکھا ہے ان کے درجات بلند ہوں گے اور انہیں عزت کا مقام حاصل ہوگا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا
وَنَذِيرًا ۝ (۴۵) وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا
مُنِيرًا ۝ (۴۶) وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ
مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۝ (۴۷) وَلَا تُلَاحِظُوا
وَالسُّفَاهِينَ وَدَعْ أَذُنَهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى
اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ (۴۸)

ترجمہ:- اے نبی! بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو
شاہد بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ۝ (۴۵)
اور بلانے والا اللہ کی طرف اُس کے حکم سے اور روشن
چراغ ۝ (۴۶) اور آپ خوشخبری دیں ایمان والوں کو کہ بیشک
اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے ۝ (۴۷)
اور آپ نہ بات مانیں کفر کرنے والوں کی اور منافقوں
کی، اور چھوڑ دیں آپ اُن کی طرف سے ایذا رسانی، اور
بھروسہ کریں اللہ کی ذات پر۔ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ
کام بنانے والا ۝ (۴۸)

گزشتہ درس میں پہلے اہل ایمان کو کثرت سے ذکر الہی کرنے کا حکم
دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنی مہربانیوں کا تذکرہ کیا کہ وہ خود رحمت
نازل کرتا ہے اور فرشتے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر بہت رحم فرما رہا ہے اور انہیں انہیں عیروں سے نکال کر رہتی
کی طرف لاکھ ہے۔ اس سے پہلی آیت میں حضور علیہ السلام کی فضیلت اور آپ
خاتم نبوت کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے حضور جنہیں اور مخالفین کا منہ بند کر دیا اللہ
نے واضح فرمایا کہ آپ سب دوس میں سے کسی کے پاس نہیں بلکہ ساری امت کے
روحانی باپ ہیں۔ لہذا اگر آپ کے حقیقی بیٹے ہیں اور نہ ان کی بچی آپ کی
ہو ہے کہ اس سے نکل کر حرام ہو۔ اللہ کی مثال کو یہ چیز پر طعن کرنا گویا اللہ
کی ذات پر طعن کرنا ہے۔ لہذا آپ ان لوگوں کی باتوں سے متاثر نہ ہوں۔ بلکہ
جائز کام پر عمل کر کے باقی امت کے لیے بھی آسانی کا سامان پیدا کر دیں۔

حضور علیہ
السلام

اب آج کے دن میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی فضیلت اور بعض صفات
کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ ایمان والوں کو بشارت بھی دی گئی ہے۔ ساتھ ساتھ
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ مَشَاهِدًا لِّأُمَمٍ مُّبِينًا اسے نبی بشارت ہوئے آپ
کو شاہد بنا کر بھیجا ہے۔ قرآن پاک میں عام طور پر حضور علیہ السلام کو اے رسول یا نبی
کہا کر مخاطب کیا گیا ہے جس میں آپ کی خبر کا پہلو نہیں نکلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
قرآن پاک میں اکثر انبیاء کو اس نے کر بھی مخاطب کیا ہے، مگر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ
وسلم کو کہیں بھی یہ محمد کہ کر مخاطب نہیں کیا گیا۔ اس سے باقی انبیاء پر آپ کی فضیلت
کا اندازہ بھی ہوا ہے۔ چنانچہ ایمان والوں کے لیے بھی سنو لی ہے کہ وہ آپ کی عظمت
مخبر کہ مومنوں کہیں اور قول و فعل سے کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
کو تکلیف پہنچے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے۔ شاہد کا معنی
گواہ ہوتا ہے۔ اور شہادت کا معنی گواہی دہنا ہوتا ہے۔ یہی فرمایا وَاقِفِيْمُو
الشَّهَادَةَ لِلَّهِ یعنی اللہ کی رضائی شہادت کو ایک گواہی دے۔

شہد کے معنی
گواہی دینے کے لیے

بعض لوگ غفلت سے کہہ دیتے ہیں کہ سادہ عوام لوگوں کو کہہ کر نے کی کو شہادت
کرتے ہیں۔ انہوں نے شاہد کا معنی عام نہ دیکھا ہے اور دلیل یہ ہے کہ گواہی
ہوتا ہے جو کسی چیز کو اپنی شخصیت سے دیکھ کر گواہی دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کو

چونکہ شاہد کا لقب دیا گیا ہے لہذا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور اسی بناء پر قیامت کے روز اللہ کی بارگاہ میں گواہی دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ لفظ شاہد کا معنی حاضر و ناظر اس لیے نہیں کیا جاسکتا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی کسی مقامات پر نفی کی ہے مثلاً سورۃ قصص میں ہے کہ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم بھیجا تو آپ طور کے مغربی جانب تھے نہیں تھے وَمَا كُنْتُ مِنَ الشَّاهِدِينَ (آیت ۴۴) اور نہ ہی آپ دیکھنے والوں میں تھے یعنی آپ وہاں حاضر و ناظر نہیں تھے۔ اس کے برخلاف وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (البقرہ - ۹) ہر مقام اور ہر چیز پر حاضر و ناظر تو صرف اللہ کی ذات ہے۔ یہ صفت مخلوق میں سے کسی میں نہیں پائی جاتی۔

اللہ کی
وحدانیت
کی گواہی

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ شاہد کا معنی گواہی دینے والا بھی درست ہے۔ اور اس کا اطلاق حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ پر کیا جائے تو جملے کا معنی یہ ہوگا کہ اے نبی! ہم نے آپ کو اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس معنی کی تائید حضور علیہ السلام کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سے دو جنازے گزرے۔ ایک میت کے متعلق صحابہ کرامؓ نے بتایا کہ یہ نیک اور اچھا آدمی تھا، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اس پر واجب ہوگی۔ پھر دوسرے جنازے کے متعلق صحابہؓ نے کہا کہ یہ بُرا آدمی تھا تو حضور نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، حضور! کیا چیز واجب ہوگئی؟ فرمایا جس شخص کے متعلق تم نے اچھائی کی گواہی دی۔ اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ اور جس کے لیے بُرائی کی گواہی دی اُس پر دوزخ واجب ہوگئی۔ پھر آپ نے تین دفعہ فرمایا أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ یعنی تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو

یعنی اللہ کے دین حق اور حق کی وحدانیت کی گواہی دینے والے ہیں۔ الغرض اگر وہ سے مراد دین حق اور اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینے والا ہے۔

بعض دین
کی گواہی

بعض فرماتے ہیں کہ اس گواہی سے مراد تبلیغ دین حق کی شہادت ہے۔ قیامت کے دن جب حضور علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو گواہی دیں گے کہ میں نے دین حق کو گواہی دیا تھا۔ اس کے علاوہ قیامت کے پیغمبر اور امت کو ان کے لیے گواہی ہوگی۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْكُمْ أَفْئِدَةً يَبْغِي بَيْتًا فَجِئْنَاهُ عَلَىٰ نَقَبٍ وَهُوَ غِثٌّ شَرِيحٌ زُلَاقًا ۚ اُنسور دن کی مال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے گواہ لائیں گے۔ اور پھر ان سب پر آپ کو بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ اور آپ گواہی دیں گے کہ میں نے دین حق کو اپنی شہادت تک پہنچا دیا تھا۔ یہی مضمون نوحۃ الرزاق کے فہرہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے اسے میں نے قیامت کے دن سوال ہوگا تو تم کیا جواب دے گے۔ زور کوں نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیں گے فَقَدْ أَذْنَيْتَ الزَّاهِدَ مَكَانَةً وَتَلَكَّتِ الزَّاهِدَ لَمَّةً وَتَلَكَّتِ الزَّاهِدَ لَمَّةً كَرَاهِيَةً ۚ اُنسور کو اور گواہی تبلیغ دین حق اور گواہی اور امت سے غیر خواہی حق ہی اور گواہی۔ غصہ کیا یہ گواہی سے مراد دین حق کی تبلیغ کی گواہی بھی ہو سکتی ہے۔

امثال ہست
کی گواہی

شہادت سے مراد اعمال کی شہادت بھی ہو سکتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنی حیات طیبہ میں اپنی امت کے جن اعمال کو دیکھا ان کی گواہی دیں گے۔ مگر بعد میں آنے والوں کے متعلق آپ کو خبر نہیں ہوگی۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مجموعی طور پر آپ اچھی کچھلی ساری امت کی گواہی دیں گے تو یہ اس صورت میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو تمام اعمال خیر و شر سے مطلع کرے کہ بعد میں آنے والوں کے اعمال سے دھمکی کی آئینہ صیغہ مرث

ہیں امانت کے ساتھ کیا سونپا گیا؟ وہ جواب دیں گے کہ مولانا کریم! ہم نے بڑی امانت یعنی تیرا پیغام اپنی اپنی استوں تک پہنچا دیا۔ پھر استوں کو طلب کیا جانے لگا۔ اور پوچھا جائے گا کیا میرے پیروں نے میری امانت قسم بہ پہنچائی **فَعِنَّمَا هُمْ** **الْمُصَدِّقُ وَمِنْهُمْ الْمُكَذِّبُ** چھ بعض امتیں پیغام الہی وصول کرنے کی تعمیل کریں گی اور بعض انکار کریں گی کہ یہ ہم تک نہ گزرا۔ امانت سیدہ بنی۔ پھر انکار کرنے والی استوں کے پیروں سے صفائی کی گواہی طلب کی جائیگی کہ انہوں نے واقعی اس پیغام کو پہنچا دیا تھا۔ اس گواہی کیلئے اللہ کے ہی اللہ کے آفریں رسول کی امانت کی گواہی پیش کر چکے اور وہ امانت گواہی ملے گی کہ سابلہ انبیا۔ پس اپنی استوں تک خدا کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ وہ امتیں اس گواہی پر اعتراض کریں گی کہ آخری امانت کے لوگ ہم پر کیسے گواہ بن سکتے ہیں۔ جب کہ یہ تو ہمارے دور کے بعد دنیا میں آئے۔ وہ عرض کریں گے مولانا کریم! قرآن نے ہماری طرف اپنا آخری رسول بھیجا اور کتاب نازل فرمائی۔ میں تیری اس کتاب سے معلوم ہوا **اَنْتَ هَكَذَا اَبْلَقْتَكَ وَرَسَلْتَ مِنْ فِطْرَتِ الْخَلْقِ** (۲۸) تمام دنیا نے اللہ کا پیغام اپنی اپنی استوں تک پہنچا دیا۔ لہذا جو یہ گواہی کیلئے میں حق ہی میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضور خاتم النبیین علیہ السلام کو کھڑا کرے گا جو اپنی امانت کی صفائی پیش کریں گے کہ ہر گروہ صحیح گروہ ہی ہے جسے میں نے شاہ کا یہ معنی ہی درست ہے۔ شاہ علیہ السلام اور اس کے بعد **وَالْقُرْآنُ اَمْرٌ عَزِيزٌ** نے اس سے پہلے شاہ کا معنی **مُطَوَّلٌ** ہے یعنی اسے اللہ کے ہی! بجم نے آپ کو **مُطَوَّلٌ** کر دیا ہے۔ آپ اپنے رفیق کے لوگوں کے معقولین اور یہ لوگ دوسرے لوگوں کے معقول ہوں گے۔ اور اس طرح وہ حق کا پیغام قیامت تک آئے والے لوگوں تک پہنچا رہے گا۔

فرمایا اے نبی! ہم نے آپ کو شاہ بنا کر بھیجا **وَمَكِّيٌّ** اور مکہ لے کر آیا اور شجرہ بیٹے والا اور ڈرمانے والا بھی۔ دنیا سے ہمیشہ پاکیزہ رہنے سے اور جس اعمال پر دی جاتی ہے۔ جو لوگ حق کو توہین کو اختیار کریں گے۔ ان کے شرک و نفاق اور

معصیت سے پرہیز کریں گے، اعمالِ صالحہ انجام دیں گے، اخلاقِ حسنہ کا مظاہرہ کریں گے، تمام حقوق ادا کریں گے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے محنت کریں گے، انہیں ان کی کامیابی پر بشارت دی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مقام میں پہنچیں گے اور انہیں مرتبہ عالیہ حاصل ہوں گے۔ اس لحاظ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے لیے بطور مبشر ہیں۔ اس کے برخلاف جو شخص کفر، شرک، نفاق اور بدعات کا راستہ اختیار کرے گا۔ علیٰ طرز پر ہر قسم کی برائی کو اختیار کرے گا۔ وہ بالآخر خدا تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے حضور نبی کریم علیہ السلام ڈر سناتے ملے ہیں۔ آپ ان کو بڑے انجام سے آگاہ کرتے ہیں۔ شاید کہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔

داعی الی اللہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حیثیت داعی الی اللہ کی بھی ہے آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اسی لیے یہاں فرمایا ہے **وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ** آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کی کتاب اور اس کے احکام پر چڑھ کر سناتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں، کہ نیکی کا انجام بخیر اور بُرائی کا نتیجہ بہت بُرا ہو گا۔ دعوت الی اللہ بہت بڑی نیکی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا** (حکیم السجدہ - ۲۴) اُس شخص سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور نیک اعمال انجام دیتا ہے۔ الغرض حضور علیہ السلام داعی الی اللہ ہیں مگر **يَا دِينَہُ** اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ اللہ نے آپ کو یہ منصب عطا کیا ہے تو ساتھ آسانی بھی پیدا کر دی ہے۔

سراجِ منیر

پھر فرمایا **وَسِرَاجًا مُنِيرًا** ہم نے آپ کو روشن چراغ بھی بنا کر بھیجا ہے۔ اس سے مراد ہدایت کا روشن چراغ ہے۔ آپ کا قلب مبارک مرکزِ ہدایت اور آپ کی ذات مبارکہ سراجِ منیر ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ سراجِ منیر سے مراد سورج ہے جس کی آتب و تاب

سبک زیادہ ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ آپ دنیا میں آفتاب ہدایت ہیں، قرآن پاؤں
 میں سورج کی کرنیں سبز کھلیا ہے لیکن بعض مفسرین کو اذیت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کی ذات میں کہ کو سورج کی بجائے روشن چراغ سے تشبیہ دینے میں نقص
 ہے اور وہ یہ کہ سورج کی روشنی صرف دن کے وقت ہوتی ہے اور رات کو غائب
 ہو جاتی ہے، جب کہ چراغ کو رات کے کسی بھی حصہ میں روشن کر دو جو جائے تو
 چونکہ حضور علیہ السلام سے ہدایت کی روشنی کی ضرورت ہر وقت اور ہر آن ہے لہذا
 آپ کو روشن چراغ سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ
 سورج ایک ہی ہے اور اسی سے دوسرے سورج نہیں نکلتے، اس کے برخلاف
 چراغ سے چراغ جلتا ہے، چنانچہ حضور علیہ السلام بھیے روشن چراغ سے روشنی سے
 کہہ سکتے ہیں چراغ دنیا میں ہیں گئے اور اسی طرح پوری دنیا کھڑی ہو کر ان کے انوار
 سے نکل کر نور ہدایت کی روشنی میں آگئی اور تیسری بات یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی
 کے مطابق جب چاہے چراغ سے روشنی حاصل کر سکتا ہے اور جب ضرورت اس
 سے مستغنیہ ہو سکتا ہے، اس کے برخلاف سورج کی روشنی اضطراری ہے اور کوئی
 انسان چاہے یا نہ چاہے وہ اپنے وقت پر پہنچتی ہے اور انسان کو اس پر کوئی اختیار
 نہیں، چونکہ حضور علیہ السلام کے علم و عرفان اور تعلیمات سے سب دنیا بھر
 ہو سکتا ہے، اس لیے بھی آپ کو روشن چراغ کے ساتھ زیادہ مناسب ہے۔

میں نے
 حضرت
 قرآن میں

یہی شریعت میں حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصی کی روایت میں آتا ہے کہ
 حضور علیہ السلام کی قرآن میں کہ بعض اصناف کا ذکر آتا ہے جو وہی موصوف
 بالشکوٰۃ و ببعض جفیفۃ و القرآن تو اس میں حضور علیہ السلام نے
 متعلق یہ الفاظ ہیں جزو الزامیۃ یعنی آپ عرب کے ایموں کے لیے
 حفاظت اور بچاؤ کے لیے آئی ہے اس لیے اس کی تفسیر درست ہے۔ دیگر غیر الشریعہ

نے عربوں کو کسی قدر بلند مرتبے پر پہنچایا کہ ساری دنیا کے معلم بن گئے۔ اللہ نے ساری دنیا کی سیاست کو ان پڑھ عربوں کے ہاتھ میں دیدیا۔ اللہ نے تورات میں آپ کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ آپ میرے بندے اور رسول ہیں اور میں نے آپ کا نام توکل رکھا ہے۔ آپ نہ بگڑے اور فحش کلام نہ کہنے لگے ہیں اور نہ بازاروں میں شور و شر کرنے لگے آپ بُرائی کو بُرائی سے نہیں ملتے بلکہ درگزر کرتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں۔ اس آخری نبی کو اللہ تعالیٰ نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ ٹیڑھی قلمت کو درست نہ کر دے اور لوگ اپنی زبانوں سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھنے لگیں جس سے اندھی آنکھیں روشن ہو جائیں اور بہرے کان سُنے لگیں اور بند دل کھل جائیں۔ حضور علیہ السلام کے یہ تمام اوصاف تورات میں بیان کیے گئے ہیں۔

شیعہ
کشیات

مفسر قرآن امام ابن ابی ماقہ کی روایت (جسے امام ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے) میں آتا ہے کہ حضرت وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیہ علیہ السلام پر خدا تعالیٰ نے وحی کی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ، میں تمہاری زبان کو وحی کے ساتھ گویا کروں گا اور تم لوگوں کو یہ باتیں سنادو کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے اَبْعَثْ اٰقْبٰیۡاَھٰتِ الْاَوَّلٰتِ کہ میں امیوں میں سے ایک امی نبی کو بھیجنے والا ہوں۔ وہ درشت مزاج اور سنگدل نہیں ہوگا۔ بازاروں میں شور و شر کرنے والا نہیں ہوگا۔ اتنے سکون والا ہوگا کہ چراغ کے پاس سے گزرے تو اس کو بجھانے نہیں اگر سرکنڈوں کے اوپر پاؤں رکھ کر چلے تو ان کی آواز ملک نہ آئے۔ میں اس کو بمشتر اور نذیر بنا کر بھیجوں گا، وہ کوئی فحش بات نہیں کرے گا۔ میں اس کے ذریعے اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا۔ اور بہرے کانوں کو سنوادوں گا۔ میں اس کے لیے ہر امر جمیل کو درست کر دوں گا۔ اور اُسے خلق جمیل عطا کروں گا۔ میں سکینت اور اطمینان کو اس کا لباس بنا دوں گا، شیخ اس کا شعار ہوگا۔ اور تقویٰ اُس کے ضمیر کی بات ہو

ہوگی، محنت اس کی گفتگو، صدق و وفا اس کا سراج، اور عضو و نچا اس کا اخلاق ہوگا۔
حق اس کی شریعت ہوگی، اور عدل اس کی سیرت ہوگی، پابیت اس کی پیشوا ہوگی۔
اور اسلام اس کی ملت ہوگی اور احمد اس کا نام ہوگا، میں اس کے ذریعے تمہاری کے
بعد پابیت عطا کروں گا، اور کائنات کے لوگوں کو جہالت کے بعد علم عطا کروں گا۔
میں اس کے ذریعے (عرب کے) گنہگاروں کو بند کروں گا، اور ان کو اپنے ہونے
کے بعد معرفت کروں گا، ان کی قلت کو کثرت میں تبدیل کروں گا، اور حق پر کو حق
میں بدل دوں گا، ان کو تفرقہ کے بعد جمع کروں گا، میں اس کے نیچے مختلف دول
مختلف امنوں اور مختلف خواہشات کو اکٹھا کروں گا، لوگوں کی ایک بڑی تعداد
کو جنت سے بجا دوں گا، اس کی امت تمام امتوں سے ستر امت بنا دوں گا اور اسے
قدم لوگوں کی پابیت پر، اور کروں گا، دوسرا المعروف اندیشہ عن المشرق فریضہ ادا
کریں گے، وہ اللہ کی رحیمہ کو ماننے والے، صبح لیاں رکھنے والے اور اخلاص
کی درست سے بھر لی ہوں گے، دوسرے یعنی میرے رسولوں کی تمام باتوں کی تصدیق
کرنے والے ہوں گے، میں ان کو تسبیح و تحمید اور ثنا اللہ کروں گا جسے وہ انکریں گے
اور میری بڑائی بیان کریں گے اور میری قریبی گواہی دیں گے، وہ لوگ اپنی مسجدوں، مجلسوں
راستروں اور نعلوں میں کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر مناجات پڑھیں گے اور صفت و رخصت
ہو کر اللہ کے راستے میں جنگ کریں گے، وہ ہزاروں کی تعداد اپنے گھروں سے
میری رضا کی خوش میں نکلیں گے، اپنے پیروں اور اعضاء کو پاک باقی رکھنے کی عبادت
اختیار کریں گے اور اپنے کپڑے (چادر، شہدہ وغیرہ) کو نصف پائی تک باندھیں
گے، ان کی قرآنیاں اللہ کی راہ میں خون بہانے سے بڑھتی اور ان کی انجلیں ان کے سبزیں
میں ہوں گے (یعنی قرآن، عقیقہ، بڑھاکا، وودات کے وقت رامب ہوں گے، اور
دن کے وقت شیر ہوں گے) یعنی بات کو عبادت گزار اور دن کو مجاہد ہوں گے،
فرمایا اس نبی کے اہل بیت میں سبقت کرنے والے صدیقین، شہداء اور صالحین رہے
گئے، اور آپ کی امت آپ کے بعد حق کی ہدایت کرنے والی ہوگی، حوائج کی مدد

کرے گا۔ میں اس کو عزت دوں گا۔ اور جو ان کے لیے دعا کرے گا۔ میں اس کی تائید کروں گا۔ اور گردش ان کے مخالفوں پر ڈال دوں گا، اور انھیں اپنے نبی کا وارث بناؤں گا۔

فرمایا جس طرح وہ نبی داعی الی اللہ ہے اسی طرح اُس کی امت کے لوگوں میں بھی داعی الی اللہ ہوں گے۔ جو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور عہد کو پورا کریں گے۔ میں ان کا اختتام بھی اُسی سبتری پر کروں گا جس سے ان کی ابتدا کی گئی تھی اور پھر آخر میں فرمایا ذَلِکَ فَضْلِی، یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں عطا کروں میں فضلِ عظیم کا مالک ہوں۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ نے دیگر اہل ایمان کا ذکر بھی کیا اور فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ آپ ایمان والوں کو بشارت سنائیں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّكُمْ قَدْ كُنْتُمْ فِى الضَّلٰلَةِ كَثِيرًا قَدْ جَاءَ لَكُم مِّنَ اللّٰهِ فَضْلٌ كَبِيرٌ کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔ اللہ نے اس امت کو تمام سابقہ امتوں پر فضیلت بخشی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ ہم سب آخر میں آنے والے ہیں مگر سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت ہر جگہ اس امت کو فوقیت عطا فرمائی ہے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، لوگو! اللہ نے تمہیں خیر الائم بنایا ہے، لہذا اس کی شرائط کو بھی پورا کرو۔ اسے بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرتے رہو اور دین کے قیام میں وفا داری بھی دکھاؤ۔

حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کے فضائل بیان کرنے کے بعد فرمایا وَلَا تَطِيعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ آپ کافروں اور منافقین کی بات نہ مانیں وہ تو آپ کو آپ کے دشمن سے ہٹا چاہتے ہیں۔ طعن و تشنیع اور جھوٹا پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ مگر آپ ان کی باتوں پر توجہ نہ دیں وَدَعِ أَذْنَہُمْ

اہل ایمان کے لیے بشارت

مشن پر استقامت

جواز میں وہ مخالفین پہنچے ہیں اکی کر چھوڑ دی اور اپنے مشن پر قائم رہیں و تَوَكَّلْ
 عَلَی الْقَدَرِ اور اللہ پر بھروسہ رکھیں کیونکہ طاقت کا سرچشمہ وہی ہے۔ وہ آپ کو
 ہر شر سے محفوظ فرمائے گا۔ وَكَفَى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا اور اللہ تعالیٰ ہی ہمارا کافی ہے
 وہی کام نبائے گا کیونکہ سارا انتساب کسی کے پاس ہے۔ وہ ساری عجزی کو خور بنائے گا۔
 آپ بس اپنے پروگرام کے مطابق چلے رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ
 ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ
 فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا
 فَمَتَّعُوهُنَّ وَسَرَّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ④۹

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نکاح کردہ عورتوں کے ساتھ، پھر تم ان کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ تم ان کو لمس لگاؤ، پس نہیں ہے تمہارا۔ یہ اس پر کوئی عدت جس کو تم ان عورتوں سے براہ فراہم پس فائدہ پہنچاؤ ان کو اور رخصت کرو ان کو رخصت کرنا اچھے طریقے سے ④۹

ربط آیت

گزشتہ آیات میں متنبی کی مطلقہ سے نکاح کا مسئلہ بیان ہوا۔ پھر حضور علیہ السلام کے مرتبہ عالیہ اور آپ کے خاتم النبیین ہونے کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد مومنوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول اور فرشتوں کی طرف سے دہائے رحمت کا بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے آخری پیغمبر کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ پھر آخری امت کی فضیلت کا تذکرہ بھی ہوا۔ حضور علیہ السلام کو تسلی دی گئی کہ آپ مہمانین کی ایذا رسانیوں کی طرف توجہ نہ کریں بلکہ اپنا مشن و مبعی کے ساتھ جابزی رکھیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی ذات پر عبور و سرور رکھیں کہ حقیقی کارساز رہی ہے۔

گزشتہ درس میں حضرت زید اور حضرت زینب کے نکاح، پھر ان کے

سائل کے

یہ ایسی عورتوں پر کوئی عدت نہیں ہے جسے تم پورا کرنا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مومنہ عورتوں سے نکاح اور پھر قبل از مساس طلاق کا ذکر کیا ہے جو کہ محض مومنہ کی شرف و فضیلت کے لیے ہے، وگرنہ اگر کوئی شخص کسی کتابیہ عورت سے بھی نکاح اور پھر اسے خلوت سے قبل طلاق دے دے تو اس کے لیے بھی یہ حکم ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیان پر **لَمَّا تَوَضَّعُوا عَلَى الْأَرْضِ** کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنی محض مس کرنا یا ہتھ لگانا ہوتا ہے۔ مگر مطلب محض ہاتھ لگانا نہیں بلکہ مباشرت کرنا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدت کو مجامعت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب میاں بیوی آپس میں ملتے ہیں، تو محل قرار پانے کا امکان ہوتا ہے۔ اللہ نے یقین جیٹنے کی عدت اسی لیے مقرر کی ہے تاکہ اچھی طرح تسلی ہو جائے کہ عورت حاملہ نہیں ہے اور نکاح ثانی کی صورت میں نسل میں خلط ملط نہ ہو۔ اور اگر محل موجود ہے تو عدت کی مدت وضع محل بھی اسی نظریہ کے تحت رکھی گئی ہے۔ ایں ہمسہ امام ابو حنیفہؒ خلوت صحیحہ کو بھی مباشرت کے قائم مقام قرار دیتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کو نکاح کے بعد ایسی خلوت حاصل ہو جائے کہ مباشرت میں کوئی چیز حامل نہ ہو، اور اس کے بعد طلاق واقع ہو جائے تو اس خلوت کو مباشرت کے قائم مقام سمجھا جائے گا اور عورت کے لیے عدت پوری کرنا ضروری ہو جائیگا۔

دوران عدت بھی عورت کے لیے بعض احکام لاگو ہوتے ہیں۔ مثلاً اللہ کا فرمان ہے کہ عورت طلاق قبل غارہ کے ساتھ جس مکان میں رہتی تھی، وہ اسی مکان میں عدت گزارے اور غارہ یا اس کے لواحقین کو حکم دیا ہے کہ وہ مطلقاً پرہیز کرنا چاہیے۔ اس مکان سے نہ نکالیں۔ ہاں اگر کوئی ایسی غیر معمولی صورت حال پیدا ہو جائے کہ اس گھر میں عدت پوری کرنا ممکن نہ ہو تو پھر وہ دوسری جگہ بھی جاسکتی ہے۔ البتہ

دوران عدت
کے احکام

دوران عدت فرجہ اُس کے عارضہ اِلاحتین کے ذمے ہوگا۔ جہاں تک نہ نصوت ہے تو اگر میان بیوی میں باشرت ہو چکی ہے تو پورا عرصہ ادا کرے اور اگر عذبت نہیں ہوئی۔ اور طلاق واقع ہو گئی ہے تو مقررہ نہ کہ نصف دینا ہوگا۔ اور اگر نہ مقرر نہیں ہوا اور قبل از محاس طلاق ہو گئی تو فرمایا **فَعَتِّعُوهُنَّ** قرآن کریم نے پہنچاؤ غامض کہ تشریح میں مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ کم از کم ایک جرہ اچھڑے ہے :۔ جو کہ ایسی صورت کو ادا کرنا واجب ہوگا۔ ان اطلاق کی عام صورتوں میں بھی عادت کو ایک جرہ اچھڑے دیگر خصصت کو مستحب ہے۔ باقی یہ بات کہ جرہ کی قسم کا ہو، کم قیمت کا ہو یا زیادہ قیمت کا۔ تو سورہ بقرہ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ **وَالَّذِينَ ارْشَادَہٗ فَعَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرًا** **وَسَلَّى الْمَقْتِرَ قَدَرًا** (نیت ۲۳۶) مطلب یہ کہ امیر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق جرہ اچھڑے اور متکلف دست اپنی مالی حالت کے مطابق ہے۔ اور اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ مرد اور عورت کے غافلوں میں سے ایک غافلان امیر ہے۔ اور دوسرا غریب تو پھر درمیانے صحیحے کا جرہ دینا ہوگا۔

عالمی قوانین کی ندرت

ہمارے ملک کے عالمی قوانین کی بعض دفعات کے خلاف عملائے کرام اکثر آواز اٹھانے لگتے رہتے ہیں۔ اس قانون کی غرابیوں میں عدت کا مندرجہ شام ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ طلاق کی مختلف صورتوں میں عدت جو مختلف ہے۔ مگر عالمی قوانین میں ہر حالت میں عدت کی معیاروں سے دن تفریق کی گئی ہے۔ جو کہ درست نہیں۔ اسی طرح یتیم ہوتے کی وراثت کا مندرجہ بھی ہے۔ اللہ نے یتیم بچے کا اداس کی وراثت میں کوئی حصہ نہیں رکھا۔ مگر ہمارے عالمی قوانین میں اس کا حصہ بھی رکھا گیا ہے۔ جو کہ قرآن پاک کی صریح خلاف ورزی ہے۔ یہ یہ وہ لوگ مسموہات اور اسلامی قوانین وراثت کے خلاف مہر حال اسس ایت کر رہے ہیں یہ مسئلہ بیان کیا

اچھے طریقے
سے رخصتی

گیا ہے کہ جس عورت کو مقاربت سے پہلے طلاق مل جائے اس کی کوئی عدت نہیں
وَسَبَّحُوْهُنَّ سَكَرًا حَمِيْلًا پھر انہیں اچھے طریقے سے
رخصت کرو۔ مطلقہ کو اچھے طریقے سے رخصت کرنا ایک ایسی خصوصیت ہے جو
اسلام کا طرہ امتیاز ہے۔ یہ حسن معاشرت کا اسلامی اصول ہے کہ اگر بوجہ میاں
بیوی کا نباہ نہیں ہو سکتا تو پھر مجبوراً ایک دوسرے کے ساتھ چھٹے رہ کر زندگی کو حیرت
بنالینا۔ اچھی بابت نہیں بلکہ طلاق کے ذریعے علیحدگی اختیار کر لو۔ اور اس موقع پر بھی
کسی گالی گھڑج یا تشہد کی ضرورت نہیں بلکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ طلاق جیسے پابندیہ
فعل کے باوجود مطلقہ کو عزت و احترام کے ساتھ احسن طریقے سے رخصت کرو۔
اگر مہر مقرر ہے اور قابل ادائیگی ہے تو ادا کرو۔ ایک جڑا کپڑے دو۔ دوران عدت
عورت کو گھر سے نہ نکالو اور ہر ممکن سہولت بہم پہنچاؤ۔ اسلام نے تو اپنے فحاشی کے ساتھ
بھی حسن سلوک کی تعلیم دی ہے اور کسی بڑائی کی اجازت نہیں دی۔ طلاق کا معاملہ ہی دیکھ
لیں۔ جب میاں بیوی کا اختلاف بڑھ جاتا ہے تو بعض لوگ غصے میں آکر ناک کاٹ ڈالتے
میں مگر اسلام نے ایسی چیزوں کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا کہ تمام فرائض اور حقوق ادا کرو۔
پھر ہی ذمہ داری کا ثبوت دو اور قرآن و سنت کے بتائے ہوئے ضابطے پر عمل پیرا ہو جاؤ۔
اسلام کی بہترین تعلیم ہی اس کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے باوجود اگر لوگ
بھٹکتے پھریں اور معاشرتی قوانین کے لیے انکار کی طرف دیکھتے پھریں، تو یہ ان کی بے بنیاد
نکی علامت ہے۔

انسانی مہر و ہدی
کا اصول

آج کل دنیا میں انسانی مہر و ہدی کی بڑی تشویر ہو رہی ہے۔ دنیا کی ترقی یافتہ قوموں نے
انسانی مہر و ہدی کے بڑے بڑے اصول وضع کیے ہیں۔ اقوام متحدہ (U.N.O.)
کا چارٹر بھی موجود ہے۔ انسانی مہر و ہدی کے عالمی ادارے دنیا بھر میں مستحقین کو مالی امداد فراہم
کرتے ہیں۔ کہیں قحط پڑ جانے، زلزلہ آجانے، جنگ لگ جانے یا طوفان آجانے
تو یہ ادارے حتی المقدور متاثرین کی امداد کرتے ہیں مگر کوئی بھی ادارہ خود غرضی سے خالی نہیں
یہ ادارے اس امداد کے ذریعے مذہبی یا سیاسی مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بعض عیسائی

شہزادوں میں جو ادا کے نام پر لوگوں کو جس نیت کی طرف مائل کرتی ہیں، جس نیت سے
سیاسی برتری کے لیے ادا دیتے ہیں، شہزادوں کی امنیں سیاسی منافع حاصل ہونے میں شام
بروز ادا کی گئی جیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان اداروں اور ملکوں میں انسانی برتری
خاصیت نہ ہو جو وہ نہیں ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو سیاسی اصلاح کی
ادھار ہے، اب اس سے بالاتر ہو کر صرف انسانی برتری کی بنیاد پر ادا فرما کر اس کے
درس دینا ہے۔

اسلام اور
عقیدہ غائب
انسانی برتری

اسلام ایک نہایت ہی اعتدال پسند دین ہے جو کہ افراط و تفریط سے
پاک ہے، عیسیٰ مطلق اور عدالت کا مسند ہے، لیکن اگر یہ دینوں میں کسی عدالت کو مطلق
ہونے والا ہے، عدالت گزار نے کوئی اصول نہیں بلکہ عدالت کسی وقت تک انسانی
کرتوتی سے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نہ کی طاعت کیسے قائم رہ سکتی ہے
مسیحیوں اور ہندوؤں میں طلاق کا تصور ہی نہیں ہے۔ زواج کی زندگی خواہ مخواہ
امیرن ہو جائے، اُن کو موت ہی بہ اگر سکتی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے ملک اگر کرنی
ہندو عدالت پر وہ ہوتا ہی تھی زورہ خانہ کے ساتھ ہی آگ میں جل کر لاکھ ہو جاتی
تھی، عیسائیوں میں طلاق کی بنیاد صرف ایک ہی وجہ پر ملتی ہے کہ عورت نہ کی
مرد کی ہو جائے، مگر اب ترقی یافتہ عیسائیوں نے اس اصول کو بھی ترک کر دیا ہے
اب وہ دنیاوی قانون کے تحت قانونی طلاق حاصل کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے
کہ برسرِ ممالک اور امریکہ میں کم و بیش انسانی فیصد طلاقیں واقع ہو رہی ہیں، ذرا سا
افتراق ٹٹے پہاڑ اور عورت نے طلاق کے لیے عدالت کی طرف رجوع کر لیا۔
ہم اخبارات میں پڑھتے سہتے ہیں کہ کسی عورت نے محض اس بنا پر طلاق حاصل
کر لی کہ اس کا شوہر خزانے بستا لیتا ہے، کسی نے یہ وجہ بیان کی کہ اس کا شوہر
اُس کے گئے کہ بیار نہیں کرتا، ایک عورت نے اس لیے طلاق حاصل کر لی کہ
اُس کا شوہر اُس کے دوستوں کو پسند نہیں کرتا، غرض یہ جس دین میں طلاق کا تصور
نہیں تھا وہاں پر اسی فیصد طلاقیں واقع ہو رہی ہیں۔

اسلام ایک سچا مذہب ہے جس کے اصول دائمی اور قابل عمل ہیں۔ اسلام نے نکاح کو مرد و زن کی ضروریات کی تکمیل اور بقائے نسل انسانی کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور اس عقد نکاح کو قائم رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ اس کے باوجود اگر حالات کا تقاضا ہو تو پھر اس سے گھلو خلاصی کی گنجائش بھی رکھی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے، کہ اگر میاں بیوی کا آپس میں نباہ نہ ہو سکے تو وہ طلاق یا طلع کے ذریعے علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں مگر طلاق کو غیر پسندیدہ فعل قرار دیا گیا ہے تاکہ حقیقی امکان طلاق ممکن نہ ہو۔ نبیؐ نے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے ابغضن المباحات الحلالہ العلاق یعنی اللہ کے نزدیک مباح چیزوں میں مسخوش ترین چیز طلاق ہے۔ تاہم اگر زوجین کی زندگی میں مزید خرابیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو طلاق کی اجازت ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي
 أَنْبَأْتَ أَجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا
 آفَاكَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَدَّ عَمَّكَ وَبَدَّ عَمَّكَ
 وَبَدَّ خَالَكَ وَبَدَّ خَلَّتْ خَلَّتْ الَّتِي هَاجَرَ
 مَعَكَ وَأَمْرًا مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبْتَ لِنَفْسِكَ
 لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً
 لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا
 فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ
 أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ
 وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا رَحِيمًا ۝

ترجمہ: اے پیغمبر! ہم نے حلال قرار دی ہیں،
 آپ کے لیے آپ کی وہ بیاہن جن کے صراحت آپ نے ادا
 کر لیے ہیں، اور وہ جو آپ کی ملکیت میں ہیں جو اللہ
 نے آپ پر لڑائی میں، اور آپ کی بھانجیاں، پھر وہی اور بھانجیاں
 اور خالہ زاد بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے
 اور وہ ایذا ر حرمت میں جو اپنے آپ کو نبی کے لیے
 ہیر کر دیے اگر نبی اس سے تعلق کرنا چاہے، یہ آپ کے

یہ خاص ہے۔ دیگر مومنوں کے علاوہ۔ تحقیق ہم جانتے ہیں جو ہم نے ستر کیا ہے۔ ایمان والوں پر ان کی بیویوں کے بارے میں اور انکی زندگیوں کے بارے میں ہم پر کوئی حرج نہ ہو۔ اور

اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے (۵۰)

گزشتہ آیت میں مطلقہ عورت کی عدت کا مسئلہ بیان ہوا تھا کہ اگر کسی عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی جائے تو اس کے لیے کوئی عدت نہیں، وہ جس وقت چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ پھر اللہ نے حین معاشرت کے ضمن میں فرمایا کہ طلاق شدہ عورت کو کپڑوں کا ایک جوڑا دیکر اچھے طریقے سے رخصت کر دے اور اگر ضرر مقرر ہے اور ابھی ادا نہیں کیا تو وہ بھی ادا کر دے۔ اگر ضرر مقرر نہیں ہوا تو کپڑوں کا جوڑا دنیا واجب ہوگا، بصورت دیگر مستحب ہوگا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نکاح کے سلسلے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سات خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے چار خصوصیات اس آیت کریمہ میں آگئی ہیں۔ اور باقی تین آئندہ ذر و کس میں بیان ہوں گی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی خصوصیت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے
 يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّ نَجِيَّ اِِلٰهِكَ الْوَسِيْلُ الَّذِي اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الَّتِي
 اَتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ ۚ هُنَّ مِنْ اَنْفُسِكَ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ عَلٰٓمٌ
 اَلْغُیْبِ ۚ اِسْ ایت میں اللہ تعالیٰ نے ازواج جمع کا صیغہ استعمال کیا
 ہے کہ آپ نے جتنی بھی عورتوں کے مہر ادا کر دیے ہیں وہ سب آپ کے لیے حلال ہیں
 چاہے ان کی تعداد کتنی بھی ہے۔ یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ دگر نہ عام مسلمانوں
 کے لیے بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ جیسا کہ
 سورۃ النساء میں اللہ کا فرمان موجود ہے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ
 مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَثَلَاثَ وَرُبَاعَ (آیت ۳۰) پس اپنی طاقت
 کے مطابق دو۔ تین یا چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ ان کے حقوق ادا
 کر سکو اور ان کے درمیان انصاف کر سکو۔ اور اگر ایسا نہ کر سکو تو پھر ایک عورت

ریختاریت

تہذیب و ادب کی اجازت

پر ہی انتہا کر رہے۔

کثرت النكاح
پر اصرار

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعدد النکاح پر لوگ اعتراض کرتے آئے ہیں۔ خاص طور پر ہندو اور عیسائی اس اعتراض میں پیشکش ہے ہیں جبکہ بعض غلط کاروں نے اس پر کہہ دیا ہے کہ ہندوؤں میں سے لاہور کا ہسپتال تھا جس نے "رضیہ رسول" نامی کتاب لکھ کر اپنی جنابت کا انکار کیا تھا۔ اس کو فارسی معلم الدین شریف نے کیفر کر دیا۔ ایک سینچا اور عروسی چھٹہ ڈار پر چڑھ گیا۔ لوگ اس کے مذہب ایمانی کے حضرت ہیں۔ پیغمبر علیہ السلام کی کثرت النکاح پر اعتراض کرنے والے انصاف سے کام نہیں لیتے۔

حضرت علیہ السلام نے ۲۵ سال کی عمر میں ایک ۴۰ سالہ بڑی عورت حضرت خدیجہ سے نکاح کیا اور پہلی پچیس سالہ ازدواجی زندگی نہایت طے طے سے بسر کی۔ گریبا پچاس سال کی عمر تک تو آپ نے اسی ایک عورت پر انتہا کیا۔ تو کیا اوروں سال کی عمر میں ضرور اسٹہ آپ کو عیسیٰ کی ضرورت پیش آگئی تھی؟ حضرت خدیجہ کی فریاد کے بعد آپ نے ایک دوسری معصومہ عورت حضرت سودہ سے نکاح کیا۔ اور چار سال تک وہی اکیلی آپ کے نکاح میں رہی۔ تیسری خاتون جس سے آپ نے نکاح کیا حضرت ابراہیم صہبائی کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کے ساتھ نکاح مکہ میں نابالغ عمر میں ہوا۔ اور شخصی مزین میں آکر ہوئی۔ قابل طر بات یہ ہے کہ جوانی کا زمانہ تو آپ نے بڑھی عمر توں کے ساتھ گزار دیا تو بڑھاپے میں آپ کو زیادہ بیویاں کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟

آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کثرت النکاح کا حکم حضور علیہ السلام کو خود اللہ نے روا تھا اِنَّا اَخْلَقْنَا لَكَ زَوْجًا یعنی ہم نے آپ کے لیے مولا کر دیا۔ اور اس میں مصالحت یہ معنی کہ دین اسلام کی تبلیغ کو عام کیا جائے۔ چونکہ عورتوں کے مسائل عورتوں سے ہی دریافت کیے جاسکتے تھے لہذا اللہ تعالیٰ کا مشاء یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ عورتیں حضور علیہ السلام کی صحبت میں

رہ کہ احکام دین سیکھیں اور پھر ان کی زیادہ سے زیادہ سے اشاعت کریں چنانچہ انکی تمام ازدواجی تعلقات عالمہ فاضلہ اور نہایت پاکباز تھیں، لہذا انہوں نے تبلیغ دین کے لیے بڑا کام کیا۔ اس کام میں ان کا حصہ بعض اوقات مزدوروں سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

کثرت ازدواج کا دوسرا بڑا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت کو حتی الامکان دُور کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بہت حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ ابوسفیان اگرچہ قریش خاندان سے تھے مگر حضور علیہ السلام اور دین کے سخت دشمن تھے، مگر جب انکی بیٹی ام حبیبہ کا نکاح حضور کے ساتھ ہو گیا تو ابوسفیان کی دشمنی بہت حد تک کم ہو گئی تھی۔ یاد رکھیے آپ پہلے ہی اسلام لاپچی تھیں اور مہاجرین حبشہ میں بھی شامل تھیں۔ وہیں آپ کا نکاح حضور علیہ السلام کے ساتھ غالبانہ طور پر ہوا تھا۔ حضرت صفیہ بطور لونڈی آپ کے پاس آئی تھیں مگر آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ اس طرح یہودیوں کی نفرت بھی کم ہو گئی۔ اسی نکاح کی وجہ سے یہودیوں کو حضور علیہ السلام کے قریب آنے کا موقع ملا۔ اور ان میں سے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے، عربوں میں یہ عام دستور تھا کہ جس خاندان میں کسی شخص کا نکاح ہو جائے وہ سارا خاندان اس شخص کو اپنا داماد سمجھتا۔ اور حتی الامکان اُس سے حسن سلوک سے پیش آتا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ کثرت ازدواج کی وجہ سے آپ کی دشمنی بہت کم ہو گئی۔ اسی طرح باقی نکاحوں کی وجہ سے بھی اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔

حضور علیہ السلام کی پہلی خصوصیت تو اللہ نے یہ بیان فرمائی کہ آپ کو کثرت ازدواج کی اجازت فرمادی۔ اور آپ کی دوسری خصوصیت یہ ہے وَمَا مَلَكَتْ لَيْمِيْنُكَ مِمَّا آفَاوُاَ اللّٰهُ عَلَیْكَ اور وہ لونڈیاں بھی آپ پر ہم نے حلال قرار دی ہیں جو اللہ نے آپ پر لوٹائی ہیں۔ مثلاً حضرت صفیہ کا تعلق یہودی خاندان سے تھا اور وہ آپ کے ہاں بحیثیت لونڈی آئی تھیں۔ یہودیوں کی ایک اور عورت ریحانہ بھی بطور لونڈی آپ کی تحویل میں آئی تھی۔ اسی

لونڈیوں
کی علت

طرح مصر کے بادشاہ مقوقس نے مدینہ منورہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں بھیجی تھی جس سے اللہ بھی بڑی تر اطر نے فرمایا کہ ہم نے آپ کے لیے نوٹریاں بھی ملالیٰ قرار دیا ہیں
 یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ نوٹریاں تمام مسلمانوں کے لیے بھی ملالیٰ ہیں
 اس میں حضور علیہ السلام کے لیے کیا خصوصیت ہے؟ حضرت بنی کریم فرماتے ہیں کہ نوٹریوں کے
 معاملے میں حضور علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد
 بھی کوئی امت ایسی نہ رہے کہ ان میں سے کوئی ایک شخص نہ ہو جو حضور علیہ السلام کی نصیحت میں رہے
 اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے
وَبَدَّلَ عَقِبَكَ وَبَدَّلَ عَقِبَكَ وَبَدَّلَ عَقِبَكَ وَبَدَّلَ عَقِبَكَ
خَلِيفَتُكَ الْيَوْمَ هَاجُونَ مَعَكَ اور آپ کے لیے جو ملالیٰ قرار
 دی ہیں آپ کہ چاہیں ان میں سے کسی کو اپنا نائب بنالیں اور ان کی بنیاں اور خاندان کی بنیاں
 جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ رشتہ کی مدد سے عورتوں سے نکاح کر
 عام مسلمانوں کو بھی ملالیٰ ہے۔ تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت یہ ہے
 کہ آپ کا نکاح مذکورہ مدتوں میں صرف اسی وقت ملالیٰ ہے۔ جب کہ انہوں نے
 ہجرت بھی کی ہو یعنی مکہ چھوڑ کر آپ کے پاس مدینہ منورہ آگئے ہوں۔ البتہ جن
 عورتوں نے ہجرت نہیں کی ان کے ساتھ آپ کا نکاح ملالیٰ نہیں۔ مگر وہ مکرر
 کے لیے یہ شرط نہیں ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ کی بیٹیہ ام بانیہ
 سے نکاح کی خواہش ظاہر کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ہمت اس لیے منع فرمادیا کہ اس نے
 ہجرت نہیں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے خاندان کی غیر مذکورہ عورتوں سے
 شادی سے اس لیے منع کر دیا کہ اس طرح ان عورتوں کو وہ بھی فضیلت حاصل ہو
 جائے گی۔ ایک عورت آپ کے خاندان قریش سے تعلق رکھتی تھیں اور دوست
 اگر وہ آپ علیہ السلام کی زوجیت میں آجاتیں تو شاید اس کو بھی فضیلت پر ترانہ
 گنتیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ شرط لگا دی کہ ان عورتوں سے نکاح صرف اسی صورت
 میں ممکن ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ہجرت کی ہو۔ ہجرت چھوڑنے والے ان کے

خاندان بنی ہاشم
 محمد بن عبد اللہ
 علیہ السلام

سبلہ کی جاتی ہے ، لہذا مہاجر عورتوں میں فخر و خود پسندی کا احتمال بہت کم تھا ۔
ہجرت کے ساتھ مشروط کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جس عورت نے آپ
کے ساتھ ہجرت کی ہوگی ، اس کو دین کی تعلیم و تربیت کا بھی زیادہ موقع ملا ہوگا ۔ اور
زیادہ عورتوں سے نکاح کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اسلام کی زیادہ سے زیادہ اشاعت
ہو لہذا اللہ نے ہجرت کی یہ شرط عامہ کر دی ۔

اللہ نے حضور علیہ السلام کی چوتھی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے ۔ وَاصْرَآةٌ
مُّوَحَّیَّةٌ اِنْ تُكْهَبْتَ نَفْسُكَ لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَسْتَنْكِحَهَا
اللہ ہم نے وہ مومنہ عورت بھی آپ کے لیے حلال کر دی ہے جو اپنے نفس کو نبی
کے لیے بخش دے ۔ اگر اللہ کا نبی اس سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے مطلب
یہ ہے کہ اگر کوئی عورت از خود بغیر ہر کے نبی علیہ السلام سے نکاح پر رضا مند ہے
تو اس کی بھی اجازت ہے گویا حضور علیہ السلام کو بغیر ہر کے بھی نکاح کی اجازت
دیدہ گئی ۔ جب کہ عام امتیہوں کے لیے ہر کی ادائیگی ضروری ہے ۔ جیسا کہ سورۃ النساء
میں وَاحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاہُ ذٰلِکُمْ اَنْ تَسْتَغْوٰ بِاَمْوَالِکُمْ
رأیت ۔ ۲۴) اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے چار محرمات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان
کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ تم مال خرچ کرو یعنی انہیں حق ہر
ادا کرو ۔ یہ ادائیگی اس قدر ضروری ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے نکاح کے
بعد مباشرت نہیں کی فَنِصْفٌ مَّا قَدْ ضَرَفْتُمْ (البقرہ ۔ ۲۳۷) تو پھر بھی اُسے
نصف ہر ادا کرنا ہوگا ۔ تاہم اللہ نے نبی علیہ السلام کو ہر کی ادائیگی کے بغیر بھی نکاح کی اجازت
دیدہ ۔ جبکہ کوئی عورت از خود ایسا کرنے پر رضا مند ہو ۔ حضور علیہ السلام کو اللہ کی طرف
سے یہ اجازت تو مل گئی ، مگر آپ کی حیات مبارکہ میں ایسا کوئی موقع نہیں آیا کہ آپ نے
اس سہولت سے فائدہ اٹھایا ہو ۔ ایک خاتون نے اپنے آپ کو حضور کی خدمت
میں پیش کیا تھا ، مگر آپ نے یہ پیش کش قبول نہیں فرمائی تھی بلکہ اس عورت کا نکاح
اپنے ایک صحابی سے کر دیا تھا ۔ یہ بھی حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے ۔ اللہ نے

بغیر ہر کے
نکاح کی اجازت

فَرَاخًا لِحَصَّةٍ لَّكَ مِنْ - تُؤْتِي الْمَوْتِ مِنْ يَدِ سِرِّتِ خَالِدِ بْنِ
کے لیے ہے۔ باقی مومنوں کے لیے نہیں۔

الحکم الہی
کہ حکمت

اگر ارشاد ہوتا: قَدْ عَلِمْنَا مَا قَدَرْتُمْ عَلَيْكُمْ فَرَفِ
اَزْوَاجِهِمْ قَبْلَئِنْ هُمْ يَلْتَمِسُونَ ہم نے ان کی بیویوں کے بارے میں متفرک یہ ہے
وَمَا مَنَعَكَ اِيْلَانَهُمْ اَرَأَيْتَ اِنْ كُنْتُمْ لِرَبِّكُمْ مَطْلُوبٌ یہ ہے
کہ ہم نے ہر زوج اور لڑکیوں کے بارے میں جو حقوق و مصروف رکھے ہیں۔ ان کی
"نیکیا منہ دی ہے" ان اگر کوئی عورت از خود سارا یا سر کا کچھ حصہ صاف کر دے تو
اس کا امانت ہے۔ فَإِنْ طَلَبْنِ لَكُمُ عَنْ شَيْءٍ بِرَقَبَتِهِ لَقَدْ
فَعَلُوا هَبْنِ قَدْرِي (النساء: ۴) یعنی اگر وہ سر کا کچھ حصہ صاف کر کے
تمہیں خوش کر لیں۔ تو ہر قسم سے خوش گزار اور خوش ہضم کھا سکتے ہو۔ اور اگر
تمہاری بیوی تمہارے پاس ہی ہے تو ادا کرنا ہو گا۔ وہ نہ آخرت میں شوالہ ہو گا۔

فَرَاخًا لِحَصَّةٍ لَّكَ مِنْ ہم نے یہ خصوصی احکام ایسے جاری کیے ہیں لیکن
يَكُونُ عَلَيْنَكَ حُجَّةٌ اِذَا كُنْتَ اَبًا لِمَنْ يَدْعُوكَ اَوْ اَبًا لِمَنْ يَدْعُوكَ اَوْ اَبًا لِمَنْ يَدْعُوكَ
نے دین کو نام کرنا ہے، اسلام کو پھیلانا ہے، لہذا اللہ نے آپ کے لیے بعض
سبوتیں پیدا کر دی ہیں تاکہ آپ فروع دین کے سلسلہ میں کوئی وقت محسوس نہ کریں
مگر یہ کہ آپ بیک وقت چار سے زیادہ نکاح بھی کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی عورت
ایسا چاہے تو آپ بغیر میر کے بھی نکاح کر سکتے ہیں۔ فَرَاخًا لِحَصَّةٍ لَّكَ مِنْ
وَجِئْنَاكَ الشَّرَّ تَعَالَى نَسِيتَ هِيَ تَخْشَى كَرْنَهُ وَالْمَرْءُ اِنْ سَبَّ - وہ معمولی عملوں
کو آہوں کو معاف کرتا رہتا ہے وہ بندوں کو اپنی رحمت سے نوازا رہتا ہے۔

تُرْجَى مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْمَى إِلَيْكَ مَنْ
تَشَاءُ وَمِنْ ابْتِغَايَتِ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ
وَلَا يَحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ
كُلُّهُنَّ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ
وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ﴿٥١﴾ لَا يَحِلُّ
لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ
بِهِنَّ مِنْ أَنْوَاجٍ وَلَوْ أَتَّخَذْتَ حَسَنَةً
إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ
كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا ﴿٥٢﴾

ترجمہ:- آپ بھیجے ہٹا دیں اپنی بیویوں میں سے جس
کو چاہیں اور جگہ دیں اپنے پاس جس کو چاہیں۔ اور جس
کو آپ تلاش کریں ان میں سے جن کو آپ نے الگ
کر دیا ہے، تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ
بات زیادہ قریب ہے کہ ٹھنڈی ہوں ان کی آنکھیں
اور وہ غم نہ کھائیں، اور وہ راضی ہوں اس چیز پر جو
آپ ان کو دیں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے

دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے والا اور
بردار ہے (۵۱) انہیں حلال آپ کے لیے (لے کر) لے کر
عورتیں اس کے بعد۔ اور یہ کہ آپ نے عورتیں
سین کے ہاتھ میں دوسری بیویاں اگرچہ ان کو حق آپ
نہا رہا تھا۔ مگر وہ کہہ کر کہ آپ کا دیا ہوا
اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے (۵۲)

گنہگاروں میں سے ان کے سلسلے میں حضرت علیہ السلام کی جائز خصوصیات
کو ذکر کر رہا ہے۔ آپ کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ عمر کی ادائیگی پر آپ کے لیے ہر
سے زیادہ بیویاں بھی حلال ہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ملک میں یعنی
لوہیاں بھی آپ پر حلال ہیں اور عام مسلمانوں کے برخلاف نبی کی لونڈیوں سے کوئی اجنبی
نکاح نہیں کر سکتا۔ تیسری بات اللہ نے یہ فرمائی کہ آپ کے لیے آپ کی چھ لونڈی
پر بھی زنا۔ امروں زنا اور عازاؤں میں سے صرف وہ عورتیں حلال ہیں جنہوں نے آپ
کے ساتھ ہجرت کی تاہم چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کوئی عورت عورت اپنے آپ
کو نبی علیہ السلام کی ذات کے لیے یہ کہے کہ آپ اس سے بغیر میرے نکاح
کر سکتے ہیں تو یہ حکم صحت آپ کی ذات کے لیے ہے۔ مقرر پر اس کا
اطلاق نہیں ہوتا۔

میرے
ایمان
شرط

اس ضمن میں حضرت علیہ السلام کی پانچویں خصوصیت یہ ثابت ہوتی ہے کہ اپنے
اپنی عورت کے لیے بہرہ کرنے والی عورت کو مؤثر ہونا ضروری ہے۔ مفسرین اس سے
یہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر کوئی کتابیہ اپنے آپ کو بہرہ کرنے والی کے ساتھ بغیر
صبر کے نکاح درست نہیں ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ وہی ہے جو
گذشتہ درس میں بیان ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشا یہ ہے کہ کثرتِ نواہی کے

فدیعے دین اسلام کی تعلیم کو عام کیا جائے۔ نبی کی بیویاں نبی کی صحبت میں رہ کر زیادہ سے زیادہ دین حاصل کرسکیں گی۔ اور پھر اسے آگے پہنچائیں گی۔ اور یہ فریضہ وہی عورت انہم دے سکتی ہے جو خود ایمان دار ہو۔ اگر عورت یہودیہ یا نصرانیہ ہوگی۔ تو وہ نہ تو اسلام کی تعلیم حاصل کریگی۔ اور نہ اُسے آگے پہنچائے گی، لہذا اللہ نے یہ شرط عاید کر دی کہ اگر کوئی عورت خود کو نبی کے لیے مہرب کرے اور نبی اُس سے بغیر مہر کے نکاح کرنا چاہے تو اُس عہدت کا مؤمنہ ہونا ضروری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی دینی مدرسہ میں کوئی کافر استاد مقرر کر دیا جائے۔ ایسا استاد مسلمانوں کو کیا تعلیم دے گا؟ یہ بغیر کے گھر کو ایک دینی مدرسہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، لہذا اُس گھر میں آنے والی مومنہ خاتون ہی دین کی کما حقہ خدمت انجام دے سکتی ہے۔ البتہ مہر کے ساتھ کتابیہ نکاح کر نیکی اجازت، اہل ایمان کے لیے عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ - ۵) اہل کتاب دیود و نصاریٰ، کی پاکدامن عورتوں کے ساتھ بھی تم نکاح کر سکتے ہو۔ اِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ اُجُورَهُنَّ جَبَّ كَرْتُمْ اَنْ كُنْتُمْ اَعْدَاؤُكُمْ دُو۔

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی چھٹی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے تو ملاحظہ فرمائیں کہ:

وَتَوَخَّيْ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَارْحَبِ لِمَنْ قَرِيبَ كَرِّمْ

کہ آپ کے لیے بولیوں کے درمیان رہائش رکھنے میں مساوات قائم رکھنا ضروری نہیں ہے۔ اس کے برخلاف عام مسلمانوں کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی متعدد بولیاں ہیں تو ان کے درمیان مساوات کا قیام ضروری ہے یعنی ایسا شخص جتنے روز کے لیے خورد و نوش اور مشرب باطنی ایک بیوی کے ہاں اختیار کرے گا اتنے ہی روز دوسری بیوی کے لیے اختیار کریگا، منجانبہ علیہ السلام کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، گویا آپ اپنی بولیوں کے پاس ہم دیکھیں وقت گزار سکتے ہیں۔ اس استثنیٰ میں یہ مصلحت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام پر مساوات کے سلسلے

عبد حمید صاحب
کامیابیت

ہیں کسی قسم کا ذہنی برعنوان پڑے۔ اگر یہ پابندی آپ کے لیے بقرار رہی تو ہر گز
خاک مساوات برقرار رکھنے کے لیے آپ کے ذہن پر بوجھ نہ پڑے اور ذہنی صحت
کی نگاہ دہی میں کوئی کاوٹ پیدا ہوئی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پابندی سے
مستثنیٰ قرار دے دیا۔ تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے
اپنی بیویوں کے درمیان ہمیشہ مساوات قائم کرتے۔ اور ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور
یہ عرض بھی کرتے کہ پروردگار! میں مئی الامکان کوشش کرتا ہوں کہ بیویوں کے
درمیان مساوات قائم رہے۔ اس کے باوجود اگر دل کا میلان کسی ایک طرف
زیادہ ہو تو یہ میرے بس میں نہیں ہے۔ اس پر مجھے ملامت نہ کرنا، صمیمیت میں
برعنوان بھی ہو تو بہن کہ جب حضور علیہ السلام سفر پر جاتے تو بیویوں کے درمیان
قرعہ اُٹا دی کرتے۔ پھر جس بیوی کے نام قرعہ نکلتا، اس کو سفر پر ہمراہ لے جاتے
آپ ایسا بیویوں کی ذمہ داری کے لیے کرتے دیکھ کر آپ کے لیے ایسا کہ حضور
نہیں تھا۔ البتہ عام مسلمانوں کے لیے بیویوں کے درمیان مساوات کا یہ ہر ذریعہ
ہے۔ اگر اس میں کوتاہی کریں گے تو عذاب اللہ کا نازل ہوں گے۔

[illegible]

کا اختیار کوئی خوشی کی بات نہیں تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ جب اہل ایمان المؤمنین کو معلوم ہو گیا کہ نبی علیہ السلام پر مساوات کا قیام ضروری نہیں ہے، اس کے باوجود آپ اپنی طرف سے سنی الامکان مساوات کا سلوک فرماتے تھے۔ تو یہ بات ان کیلئے باعث مسرت تھی۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز پر اپنا حق سمجھے اور پھر وہ اُسے نہ ملے تو وہ ناراض ہوگا۔ مگر نبی کی بیویوں کا مساوات کا حق تو اللہ نے نہیں دیا اس کے باوجود حضور علیہ السلام کی طرف سے ہر بانی کا سلوک اہل ایمان المؤمنین کے خوشی کا سبب تھا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ مساوات کے قانون سے آپ کا استثنیٰ آپ کی بیویوں کے لیے آنکھوں کی ٹنڈک اور غم سے نجات کا باعث ہوگا۔ اور پھر آپ اپنی مرضی سے ان کے

ساتھ جو بھی سلوک کریں گے۔ وہ اُس پر راضی ہوں گی۔ فرمایا وَاللّٰهُ يَعْزَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمُ الشَّرُّ تَعَالٰی تَحَارَّ سَ دُلُوں کی بات کر جانتا ہے وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا اور وہ سب کچھ جانتے والا اور بردبار ہے وہ فوری گرفت نہیں کرتا۔ اگر کوئی کوہا ہی ہو جائے تو وہ اپنے وقت پر پکڑتا ہے یہ اُس کی بردباری کی علامت ہے۔

مزید نکاح کی ممانعت

حضور علیہ السلام کی ساتویں خصوصیت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِمَّنْ بَعْدُ اِس کے بعد آپ کے لیے کوئی عورت حلال نہیں ہے وَلَا اَنْ تَبْتَذِلَ بَهَنٍ مِّنْ اَزْوَاجِ اِس کے بعد آپ میں دوسری بیویاں تبدیل کر سکتے ہیں مطلب یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ مزید بیویاں نہیں کر سکتے۔ وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ حَسَنَتُهُنَّ اِذَا كُنَّ اَمْرًا زیادہ اچھا لگے۔ یہ پابندی بھی صرف حضور علیہ السلام کے لیے ہی تھی کہ آپ پہلی بیویوں میں سے کسی کو چھوڑ کر یا موجودہ بیویوں کی موجودگی میں مزید نکاح نہ کریں۔ مفسرین کرام اس کی تفسیر دو طرح فرماتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس حکم کا

مثلاً، یہ ہے کہ متبنی قبیلہ کی عورتوں سے حضور علیہ السلام کو نکاح کی اجازت اٹھانے
 دی تھی، اس کے علاوہ کئی اور قسم کی عورت سے نکاح نہیں کر سکتے۔ مثلاً آپ کو
 عام میں عورتوں سے نکاح کی اجازت تھی، جن کا آپ نہ ادا کر دیں۔ آپ کے
 لیے لڑکیاں بھی حلال تھیں۔ آپ کی چچا زاد، بھتیجی زادہ، ماموں زادہ اور خالہ زادہ بھی
 حلال تھیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی۔ آپ کو بھتیجی عورتوں سے عورت سے
 نکاح کی بھی اجازت تھی جو اپنے آپ کو بیہ کر لے، تو بھتیجی عورتوں کی نفی تھی۔ یہ
 کہ ان اقسام کی عورتوں کے علاوہ آپ کسی دوسری قبیلہ کی عورت سے نکاح نہیں
 کر سکتے۔ تاہم حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق اس آیت کا سبب یہ تھا
 مطلب یہ ہے کہ آپ مروجہ بیویوں کے علاوہ مزید نکاح نہیں کر سکتے۔ اس
 کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کی اذوائے نے زیادہ خرچہ کا مطالبہ کیا۔ اور
 آپ ملامتیں بردہ گئے اور پھر اس کے حکم سے ازدواج میں یہ اعلان فرمایا کہ اگر دنیا کی
 بیش و عشرت پابقی ہو کر آدمی میں نہیں پہنچے طرہ سے رخصت کر دوں اور اگر
 اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کا فخر مطلوب ہے تو میری بیویوں
 کو رکھ کر، تو ازدواج طہارت نے دوسری بات کو پسند کیا اور زندگی بھر عسرت
 میں وقت گزار دیا۔ حتیٰ کہ دو دواہ تک آپ کے گھروں میں چر رہا نہیں جاتا تھا۔
 فرشتے میں کہ جب انوں نے اس قناعت کو قبول کر لیا تو اللہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کو حکم دیا کہ اگر آئندہ ان بیویوں کے علاوہ مزید نکاح نہ کریں۔ چنانچہ آپ نے
 اس حکم کی پابندی کی۔ آپ کی رحمت کے وقت آپ کی بیویاں اور دو لڑکیاں
 موجود تھیں۔ ان کے علاوہ حضرت خدیجہؓ کے بیٹے میں فرمت ہو چکی تھیں اور حضرت
 زینب بنت جحشؓ کے بیٹے میں فرمت ہوئی۔

اس آیت کریمہ میں آیدہ الفاظ وَلَوْ أَنجَلْنَاكَ حَسَنًا مِّنْ ذَٰلِكَ قَبْلَ ذَٰلِكَ

ہوتا ہے کہ قبل از نکاح مرد اور عورت ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ
 شکل و صورت، قد و قامت اور حسن و غیرہ کا ادراک تو دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے
 اسی لیے تو الشریعہ نے فرمایا کہ آپ کو مزید نکاح کی اجازت نہیں ہے۔ اگرچہ آپ
 کو کسی عورت کا حسن بے حد معلوم ہو۔ اس بات کی تصریح حدیث میں بھی موجود ہے
 کہ جس عورت کو پیغام نکاح دینا مقصود ہو، آدمی اُسے دیکھ سکتا ہے اور پسند
 ناپسند کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ البتہ تنہائی میں بیٹھ کر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں
 کیونکہ اس سے کئی قسم کی قباحتیں پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ آج کل نام نہاد
 مہذب ممالک میں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کو پسند کرنے کے لیے
 قبل از نکاح کئی کئی ماہ تک اکٹھے رہ کر COURT SHIP کرتے
 ہیں، اور اس کے بعد نکاح کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، یہ تو صریحاً بیجا
 کی بات ہے، تاہم لڑکے اور لڑکی کو ایک دوسرے کو دیکھنے اور بات چیت کرنے
 کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ الغرض! الشریعہ نے فرمایا کہ آپ کو مزید نکاح کی
 اجازت تو نہیں ہے إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ البتہ آپ کی مملکت لوندیل
 کو گھس میں رکھنے کی اجازت ہے۔ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا
 اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ احکام الہی کی پابندی یا ان کی خلاف ورزی کرنے
 والے سب لوگ اُس کی نگاہ میں ہیں، اور وہ ہر ایک کے ساتھ اُس کے عہدیدہ
 اللہ عمل کے مطابق ہی سلوک کرے گا۔

اکثر لوگ اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں لوندیلی غلام رکھنے
 کی اجازت ہے۔ جو کہ شرفِ انسانیت کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے
 کہ اسلام بھی غلامی کو غیر فطری چیز تصور کرتا ہے اور اس کے حق میں نہیں ہے
 ظہور اسلام کے زمانے میں غلامی کا رواج پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا اور بدزمرہ کا دبا
 کا زیادہ تر انحصار انہی پر تھا۔ اگرچہ اسلام نے اس رواج کو یکسر ختم نہیں کیا، مگر
 اُس کو پسند بھی نہیں کیا، بلکہ اس کو ختم کرنے کے لیے کئی اقدام کیے۔ چنانچہ

لوندی غلام
 کا رواج

غلام کی آزادی کرتے ہیں۔ یہی سچی قرآن و سنہاؤں نے ہزاروں غلام خرمہ کو آزاد کر کے ۱۰۰ کے علاوہ اسلام نے مختلف جنائت کا کفار بھی غلام کی آزادی کو فرما دیا اور اس طرح بھی بہت سے لوگوں کو آزادی نصیب ہوئی۔ پھر آج آج کے پوری دنیا سے شخصی غلامی کا راج ختم ہو گیا۔

عمر قرون کی غلامی کا ایک دور رہا پہلو بھی ہے۔ اسلام کے ظہور سے پہلے جب مختلف قبائل آپس میں جنگیں لڑتے تھے تو مرد و عورتوں سے جانتے اور عمر قرون رہتے تھے۔ بارہ و دو کا رہ جاتے جن کی وجہ سے معاشرے میں کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی تھیں۔ اسلام نے زمانے کے حالات کے پیش نظر اس رواج کو اس میں جاتی رکھا تاکہ لاوارث عورتیں اور بچے در در کی ٹھوکر نہ کھاتے پھر یہ بکے لوگ کے قصہ میں آکر ان کی خدمت بھی کریں اور اچھے طریقے سے زندگی بھی بسر کریں چنانچہ اسلام نے کوئی اور غلاموں کے بہت سے حقوق متعین کیے اور مانگوں کو کھانا دیا کہ جیسا خود کھائے۔ ان کو بھی کھلاؤ اور جیسا خود چنواں کر بھی چننا۔ کسی غلام سے اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لے۔ اور اگر کوئی منسل کام ان کے سپرد کرے تو عورتوں بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ۔

اس کے برعکس ہمدیہ تھے کہ پہلے جنگ عظیم میں جرمنوں کے اکثر مرد قوت سے لگے اور بیس لاکھ عورتیں باقی رہ گئیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ پھر انہیں قیدیوں میں بچہ کی گئی تو وہاں بے حیائی اور ہلاکتی سی حالت تھی۔ پہلے ہونٹیاں اور ہمہ عمریں ملک کے لیے معیشت بن گئیں۔ اس کے برعکس مسلمان ترکوں نے تعدد از زوج پر عمل کرتے ہوئے ایک سے زیادہ نکاح کر لیے اور اس طرح بے شمار عورتیں عمر قرون کو سارا مل گیا اور وہ اعزت نہ گئی گزارنے لگیں۔ بہر حال لڑکی غلام اور عورتوں کے معاملہ میں اسلام نے بہترین راستہ اختیار کیا ہے۔ جس پر لوگ خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ
النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ
غَيْرِ نَظِيرٍ إِنَّهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ
فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ
ذَلِكَ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَجِیْ مِنْكُمْ
وَاللَّهُ لَا يَسْتَجِیْ مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا
سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ
حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ

ترجمہ :- اے ایمان والو! امت داخل ہو نبی کے گھر
میں مگر یہ کہ تم کو اجازت دی جائے کھانے کی اس
حال میں کہ اس کے پچنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو
لیکن جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، اور جب
تم کھا چکو تو پھر چلے جاؤ۔ اور نہ آپس میں بات چیت
کے لیے ہی لگا کر بیٹھنے والے ہو۔ بیشک یہ چیز
تکلیف دہی ہے اللہ کے نبی کو۔ پس وہ حیا کرا
ہے تم سے۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں حیا کرا حق بات
کو ظاہر کرنے سے۔ اور جب تم پیغمبر کی بیویوں سے
کوئی سامان طلب کرو، پس مانگو ان سے پردے کے

وقت ڈاکو۔

ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی دعوت کی۔ آپ کے ساتھ چار آدمی اور بھی تھے۔ جب وہ میزبان کے گھر کی طرف چلے تو ایک مزید آدمی ساتھ مل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعلقہ مکان پر پہنچ کر صاحب خانہ کو مطلع کیا کہ ہمارے ساتھ ایک بن بلایا مہمان بھی ہے، اگر ایک زائد آدمی کے لیے کھانے کی گنجائش ہے اور تمہاری اجازت ہو تو وہ آدمی بھی آجائے ورنہ ہم اُسے واپس لوٹا دیں گے۔ بہر حال اُس شخص نے اجازت دیدی اور اس طرح مسئلہ واضح ہو گیا۔ باقی رہی یہ بات کہ مہمان قبل از وقت پہنچ کر کھانا پکھنے کا انتظار کرنا ہے، تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا اُس وقت معیوب ہوگا جب صاحب خانہ حرج محسوس کرے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں چونکہ کھانا کھانے کا انتظام عام طور پر گھر کے اندر ہوتا تھا۔ جہاں عورتیں بھی ہوتی تھیں، علیحدہ بیٹھک تو نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے لبا اوقات میزبان کو مہمانوں کے قبل از وقت آجانے سے رقت پیش آتی تھی، اس لیے فرمایا کھانا تیار ہونے سے پہلے ہی نہ آجاؤ مبادا کہ صاحب خانہ رقت محسوس کرے۔

شان نزول

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا نکاح حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ ہوا تو آپ نے دعوت ولیمہ کا خاص طور پر انتظام کیا تھا تاکہ لوگوں کو اچھی طرح علم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ کے ساتھ نکاح بالکل درست ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایک بکری ذبح کی اور روٹی پکائی۔ تمام شرکاء نے جن کی تعداد تین سو کے قریب تھی گوشت روٹی کھائی۔ اس موقع پر انیم سلیم نے کچھ علوہ بنا کر بھیجا، چنانچہ کھانے کے بعد علوہ بھی کھایا گیا۔ اس موقع پر آپ نے باقی لوگوں کو بھی بلایا۔ اتنی

بڑی دعوت ولیمہ حضور علیہ السلام نے کسی دیگر نکاح کے موقع پر نہیں کی۔ اسی وقت پر یہ آیت نازل ہوئی کہ بڑا عادت نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو کر کھانا پینے کا انتظار کرتے رہو۔ پھر حبیب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور بیٹھ کر باتیں نہ کرتے رہو۔

دعوت ولیمہ

نکاح کے بعد دعوت ولیمہ سنت ہے مگر یہ اپنی حیثیت اور گناہات کے مطابق ہونا چاہیے۔ اگر کسی شخص کے پاس ولیمہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے تو میٹک نہ کرے حضور علیہ السلام نے اپنے متعدد نکاحوں کے مواقع پر دعوت ولیمہ کا اہتمام نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی خدمتی کے وقت گھر میں کچھ نہیں تھا۔ حضرت سعدؓ کے گھر سے دودھ کا ایک بڑا چالہ لایا گیا تھا۔ حضور نے لوگوں کو بڑھ کر دی پلا دیا تھا اسی اس نکاح کا ولیمہ تھا۔ حضرت صفیہؓ کا نکاح دوران سفر ہوا۔ آپ کے پاس ٹھوڑے سے ستواؤ کچھ کمبوری تھیں۔ آپ نے دو سکر لوگوں سے فرمایا کہ میں کے پاس جو کچھ کھانے کی چیز ہے اے اے۔ خورد و نوش کی ساری چیزیں تق کر کے چمڑے کے ایک دسترخوان پر چن دی گئیں اور سب نے کھائیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ بھی ولیمہ تھا بمقتضیٰ یہ کہ دعوت ولیمہ کوئی ایسی سنت نہیں ہے جسے لازماً پر تکلف بنا دیا جائے خواہ اس کے لیے آدمی کو قرض لینا پڑے۔ ایسی بات نہیں ہے یہ دعوت حیثیت کے مطابق ہونی چاہیے۔ مگر اسلام میں تکلف کی کوئی گنجائش نہیں۔

گھر میں

داخلہ کے

سبب

اس آیت کریمہ میں تو دعوت کے سلسلے میں داخلہ کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔ عام حالات میں بھی اللہ نے گھروں میں داخلہ کے احکام سورۃ نور میں بیان کیے ہیں۔ آیت ۲۴ میں ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں اس وقت داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ ملے اور تم گھر والوں کو سلام نہ کرو۔ اور اگر تم گھر میں کسی کو نہ پاؤ تو بھی بغیر اجازت مست داخل ہو۔ اور اگر تمہیں وہیں جانے کے لیے کہا جائے تو

واپس لوٹ جاؤ۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی کے گھر جاؤ تو دروازے پر گھڑے ہو کر تین دفعہ سلام کہو۔ اگر اجازت مل جائے تو داخل ہو جاؤ اور اگر گھر سے کوئی جواب نہ آئے تو واپس لوٹ جاؤ۔ یہ تو عام گھروں کے لیے احکام ہیں جب کہ پیغمبر علیہ السلام کے گھر سے متعلق تو حکم زیادہ مؤکد ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اطلاع چلے جاتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر تشریف فرما تھے کہ عربوں کے ایک قبیلے کا سردار آیا، اور سیدھا حضور کے پاس اندر چلا آیا۔ پھر پوچھا تمہارے گھر میں یہ خاتون کون ہے آپ نے فرمایا کہ ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی، میری بیوی اور مومنوں کی ماں ہے۔ وہ کم فہم تھا کہنے لگا۔ اَلَا نَتَنَّا اَزْلَ کیا ہم آپس میں تبادلہ نہ کر لیں یعنی میری بیوی تم سے لو۔ اور یہ مجھے دے دو۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے اس شخص کا نام لے کر فرمایا کہ تم ہمارے گھر میں بلا اجازت کیوں داخل ہوئے تو وہ شخص کہنے لگا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے کسی مضر واقعے میں اجازت لے کر نہیں گیا۔ ام المؤمنینؓ نے اس شخص کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا یہ احمق ہے۔ مگر اپنی قوم کا سردار ہے۔ غرضیکہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہو جاتے تھے مگر اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ اس آیت کی مصداق حضرت زینبؓ کے نکاح کے موقع پر دعوت ولیمہ تھی۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو لوگوں کو پیش کیا گیا۔ وہیں گھر میں انتظام تھا۔ ام المؤمنینؓ بھی اسی کمرے میں دیوار کی طرف رخ کر کے بیٹھی تھیں۔ جب لوگ کھانا کھا چکے تو ان میں سے بعض وہیں بیٹھے بیٹھے باتیں کرنے

کھانا کھانے
کے بعد

گئے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے وقت لمبوں کی۔ آپ یہاں تھے کہ اب لوگ
چلے جائیں مگر اپنے اہل و عیال کو یاد کی بنا پر انہیں کہنے کے لیے تیار نہیں تھے
اس دوران میں آپ ایک دفعہ اندر گھر میں جا رہے تھے۔ خیال تھا کہ شاید
یہ لوگ بھی اندر بیٹھیں گئے۔ مگر وہ باہر میں مصروف تھے۔ حضور علیہ السلام اس
انداز کے اور حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ وہ لوگ ابھی بیٹھے ہیں یا چلے
گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ ابھی تک بیٹھے ہیں۔ اس میں لوگوں کو
حضور علیہ السلام کی وقت کا احساس ہوا تو وہ اندر گھر چلے گئے۔ اس موقع پر مشعل
نے یہ آیت نازل فرمائی فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَعِفُوا پھر جب تم کھاؤ گے
جو تو پہلے جاؤ۔ وَلَا تُسَيِّئُوا بِحَدِيثِ اور بات چیت میں
مصروف ہو کر بیٹھے نہ رہو۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ کھانا کھانے کے فوراً بعد چلے جانا اس وقت
انہذا العمل سمجھا جائے گا۔ جب کہ صاحب خانہ اس میں حرج محسوس نہ کرے۔ اور اگر
صاحب خانہ کو وقت پریش نہیں آ رہی اس کی اپنی خواہش ہے کہ لوگ بیٹھے
رہیں جیسا کہ آج کل عام طور پر پادریوں کے موقع پر تقریر و خطبہ بھی ہوتی ہے اور
وہ بیٹھے سہتے ہیں۔ لہذا کھانے کے بعد بیٹھے رہنا نامناسب نہیں ہوگا۔

جاءہ
ہے

آگے ارشاد ہوتا ہے إِنَّكَ ذَلِكُمُ كَفَّارٌ يُؤْذِي الشَّيْءَ
فَيَنْتَحِي مِنْكُمْ بَشَرٌ یہ بات معنی بدو جہ سے کہتا ہے نبی علیہ السلام
کو تکلیف دیتی ہے۔ مگر حضور علیہ السلام حیا کی وجہ سے اپنی تکلیف کا اظہار نہیں
کرتے الْحَيَاءُ مِنْ الْإِيمَانِ حیا تو انسان کا جزو ایمان ہے جو کہ
بہت اچھی صفت ہے۔ وَالْإِيمَانُ لِمَا لَا تَرَى حَيْثُ جس میں سب

نہیں اُس کا ایمان نہیں۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت زیادہ حیا دار تھے۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم تکلیف دہ چیز کی ناگواری حضور علیہ السلام کے چہرہ مبارک سے معلوم کرتے تھے۔ مگر نہ آپ اپنی زبان سے کسی تکلیف کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایک دوشیزہ پر وہ نشین لڑکی سے بھی زیادہ حیا دار تھے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص زند لباس پہنے ہوئے آیا۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جب وہ اٹھا تو حضور علیہ السلام نے دوسرے لوگوں سے فرمایا کہ اس شخص کو کہہ دو کہ یہ لباس مناسب نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ حضور علیہ السلام خود اپنی زبان سے اُسے یہ کہنا بھی پسند نہ کیا۔

فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٰ مِنَ الْحَقِّ شَيْءٌ اللہ تعالیٰ حق بات کو ظاہر کرنے سے نہیں شرماتا۔ قرآن پاک میں سورۃ البقرہ میں بھی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٰ اَنْ يُّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ فَنَقَّوْهُمَا (آیت - ۲۶) اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا اس بات سے کہ وہ مچھیرا اس سے بڑی چیز کی مثال بیان کرے۔ بہر حال اس آیت میں نبی علیہ السلام کے گھر میں جانے کے آداب بیان کیے گئے ہیں اور ان کا اطلاق عام مومنوں پر بھی ہوتا ہے۔

آگے اسٹرنے ازواجِ مطہرات کے متعلق یہ آرب بھی سکھایا اور اِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی سامان وغیرہ طلب کرنا چاہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، سامنے نہ آؤ کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ اگر کسی اجنبی عورت سے کوئی کام ہو تو بوقت اشد ضرورت آسانا ہو سکتا ہے۔ انان بات بھی کر سکتا

پیشے کی
پاسداری

سے معجزہ عام اعجازت نہیں ہے اور نہ ہی یہ ستر ہے، لہذا نبی کے گھر گئے بے باب
 زیادہ محظوظ خاطر ہونا چاہیے۔ اس کی حکمت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے ذیل سے
 اَلْهَمُّ لِقَوْلِكَ وَفَكَرْتُ جَهَنَّمَ تَصَارَتْ دُلُوكَ لِيْهِ مِثْلُ يَوْمِ الْاَكْزَرِ الْوَالِي بَات
 سے اور ازواج مطہرات کے دلوں کے لیے بھی گھر کو سامنے آنے سے دل میں
 دوسرے بیدار ہو سکتے ہیں، لہذا ستر ہی بن کر پرستے کے چہچہے سے بات کہ
 جانے معصومین کرام فرشتے ہیں کراہات المؤمنین کھلمارت و پاکیزگی کی گواہی اور
 خود خدا تعالیٰ نے دی ہے وَحُطِّتْ لَكُمْ دَعْوَةُ الْعِلْمِ لَوْ اَوَّلُكُمْ ۱۳۲
 جب ایسی پاکیزہ ہستیوں کے لیے بھی پردے کے انکار کیے جاتے ہیں تو
 عام عورتوں کے لیے پردے کی زیادہ ضرورت ہے۔ ایک طرف حضور علیہ السلام
 کے صحابہ کرام ہیں جن کا مرتبہ خدا کے نزدیک فرشتوں سے بھی زیادہ ہے اور
 دوسری طرف اہل ایمان المؤمنین ہیں جن کی تعلیم کا اعلان خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے
 تو آج کل کوئی شخص صحابہ سے زیادہ پاکیزگی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ یا کوئی عورت
 اہل ایمان المؤمنین کا مقابلہ کر سکتی ہے؟ لہذا اس دور میں پردے کی زیادہ ضرورت ہے
 تاکہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو جائے، مگر آج کی بے محابی آپ کے سامنے ہے۔ اسلام فریب
 کی برباد کرنے والی ہے محابی کو تسلیم نہیں کرتا، تمام خدایاں ہیں سے ششروع
 ہوتی ہیں، اسلام کا نظریہ قریب ہے کہ اگر نمازی کے آگے سے عورت گزر جائے
 تو نماز کا ششروع و ختم غراب ہو جاتا ہے، کہ دوسرے پیدا ہونے کا احتمال
 ہو سکتا ہے اور اگر گھر کا یا گھر جانے تو میرے اولیٰ کا باعث بنتے ہیں، کیونکہ یہ
 دونوں جانور فضول حرکات کرتے ہیں۔ حجاب کا حکم اللہ نے سورۃ نور میں بھی
 اُنزل فرمایا ہے اور آگے اس سورۃ میں بھی آیا ہے۔ بے محابی ہرگز پسند نہ
 فعل نہیں، اس سے خدایاں پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا منسربا کہ پردہ داری صحابہ

دلوں کے لیے بھی اور اہل ایمان کے لیے بھی زیادہ پاکیزگی والی بات ہے
 لہذا جب بات کرنا ہو کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے
 بات کرو۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زَوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكَ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾ إِنْ تَبَدُّوا شَيْئًا أَوْ خِفَوْهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٥٤﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءَ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ وَآتَيْنَ اللَّهُ مَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٥٥﴾

ترجمہ :- اور نہیں لائق تھمتے کہ تم ایذا پہنچاؤ ان کے رسول کو اور نہ یہ کہ تم نکاح کرو اس کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی بھی ۔ بیشک تمہاری یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے ﴿۵۳﴾ اگر تم عام کرو گے کسی چیز کو یا چھپاؤ گے تو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۵۴﴾ نہیں ہے ان بیویوں کی بیویوں میں کوئی صریح ان کے باپوں کے سامنے اور نہ بیٹوں کے سامنے اور نہ بھائیوں کے سامنے ۔

اور نہ بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے ، اور نہ بہنوں کے بیٹوں کے سامنے ، اور نہ اپنی مسلمان عورتوں کے سامنے اور نہ اُن کے سامنے کہ مالک ہیں اُن کے دلہنے ہاتھ (یعنی لونڈی غلام) اور ڈرتی رہو اللہ تعالیٰ سے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے (یعنی ہر چیز اُس کے سامنے ہے) (۵۵)

رابط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے گھر کے آداب سکھائے ۔ کہ آپ کے گھر میں جلا اجازت نہ جائے اگر تمہیں کھانے کی دعوت دی جائے تو قبول کرو وقت نہ جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو بات چیت کے لیے بیٹھیں نہ رہو ۔ بلکہ اللہ کر چلے جاؤ ۔ اگر میری کریم علیہ السلام اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں مگر انہیں جلا نہ روک جانے سے تکلیف پہنچتی ہے ۔ پھر نبی کی ازواج مطہرات کے متعلق فرمایا کہ تمہیں اُن سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو سامنے نہ آؤ ۔ بلکہ پردہ کی کا خیال رکھتے ہوئے پرے کے پیچھے سے طلب کرو ۔ تمہارے اور اُن کے دلوں کی مہارت کے لیے یہی طریقہ بہتر ہے تاکہ دلوں میں کسی قسم کے دوسوے نہ پیدا ہونے پائیں ۔ عام عورتوں کے برخلاف نبی کی بیویوں سے متعلق زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے ۔

اہل المؤمنین
میں نکاح کی
ممانعت

اب آج کی آیات بھی حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کی ازواج مطہرات کے آداب سے متعلق ہی ہیں ۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُقُولُوا رَسُولَ اللَّهِ يَهْدِيَنَا إِلَى الْقَوْلِ لَئِنْ لَمْ يَأْمُرْنَا بِهِ لَكُنَّا مِنَ الْغَايِبِينَ کہ تم اللہ کے رسول کو کسی طرح بھی تکلیف پہنچاؤ ۔ بلکہ تمہیں تو ہر وقت نبی کا ادب و احترام قائم رکھنا چاہیے ۔ اپنے قول و فعل سے کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے ۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تکلیف کا باعث ہو وَلَا أَنْ تَتَكَبَّرُوا فِيهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا مُدْرِكًا کہ تم نہ کہ تمہیں نہ اس کی بیویوں سے

اس کے بعد بھی اسی طرح تھا۔ یہ بات ائمہ تعالیٰ کے نزدیک بہت
 بڑا گناہ ہے۔ یہ بات حضور علیہ السلام کے ادب کے مدارج سے بہت دور ہے۔
 کے حال سے ہیں۔ اسب نہیں کہ نبی کی بیویوں کے ساتھ کوئی بوسہ کرنا یا بوسہ کرے
 نبی علیہ السلام کی حیثیت مبارک میں تو این لوگ واقعہ پیش نہیں آکر آپ نے کسی
 کو طلاق دی اور اس نے کسی دوست سے طلاق سے منع کیا۔ اور حضرت ایک بیوی کو
 حضور علیہ السلام نے قبل ازنا بہت طلاق دی تھی۔ اس ضمن میں حضور علیہ السلام کا اختلاف
 ہے کہ ایسی عورت سے طلاق مانگی کر سکتے ہیں۔ ہم یہ دو صحیح بات یہ ہے کہ
 بغیر عفت سے طلاق نہ عورت پر طلاق مانی لی اسے عاید نہیں ہوتی۔
 عورت کے زمانے میں مذکر۔ عورت سے طلاق کر لینے کی اشد پر آپ نے کہا
 تھا کہ یہ عورت اہل الذمہ میں شامل نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کی وجہ
 سے وقت آپ کے بعد میں تو یہاں نہیں مگر اس آیت کی رو سے کسی امتی کے کسی
 عورت کے ساتھ نہ ہو سکتا۔ آپ کی دو لڑکیاں بھی تھیں مگر انہوں نے اس
 نکاح نہیں کیا کہ ایسا کرنا مسوومہ البشر علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے کے مترادف تھا۔
 اہل الذمہ میں سے نہیں آتی نہ کرنے کے متعلق حضرت کریم کی ایک
 وجہ بات بیان کرتے ہیں۔ منقول ہے ایک وجہ یہ ہے کہ ائمہ تعالیٰ نے اشد
 دین کو اہل الذمہ کے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا۔ اچھے اسی سورہ میں مذکور ہے
 وَأَذْكُرْنَ مَسَائِلِي فِي يَوْمِي كُنْ صَوْتٌ آيَةُ اللَّهِ وَالْمَكِيدَةُ
 آیت ۴۳۔ تمہارے گھروں میں جو آیات الہی اور سنت الہی جاتی ہے اس
 کو عام کرو۔ اسی تعلق کے لیے ائمہ نے حضور علیہ السلام کو چار سے زیادہ جمع کرنے
 کی اجازت بھی دی تھی۔ تو اگر آپ کے بعد آپ کی اذیت اور نہ سہجہ کر لیں
 تو اس سے اشد ہے۔ یہ کام احمد و یحییٰ نے منہ سے احوال حالہ ائمہ نے منہ سے
 بیویوں پر سونپ کر دی۔ اور اگر کوئی شخص ایسا نہ ملے تو اس کی نفی

تقاضوں کی بات کرے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اُن پاک نفوس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ نبی کی رفاقت میں اہل ایمان کے دلوں کو وہ سکون اور اطمینان حاصل تھا۔ جو دنیا بھر میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

بیچھے آیت ۶۰ میں یہ بھی گزر چکا ہے **وَازْوَاجُهُمْ** کہ نبی کی بیویوں کو بھی رفاقت تھی، سو تیلی اور رضاعی ماں کے ساتھ نکاح حرام ہے اسی طرح اہل ایمان کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے۔ البتہ اُن کی اولاد کے امتی کا نکاح ہو سکتا ہے کہ حرمت نکاح صرف ازواج مطہرات تک محدود ہے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نکاح کے ضمن میں حقیقی ماں، سو تیلی ماں، رضاعی ماں اور ام المؤمنین کا ایک ہی حکم ہے، تاہم بعض مسائل مختلف بھی ہیں مثلاً حقیقی یا رضاعی ماں سے پردہ نہیں ہوتا مگر ام المؤمنین سے پردہ کرنا پڑتا ہے۔ حقیقی ماں کا خرچہ اولاد کے ذمے ہوتا ہے مگر ام المؤمنین کے خرچہ کی ذمہ داری عام مومن پر عائد نہیں ہوتی بلکہ اُن کا فیصل بیت المال ہوتا ہے۔

اہل ایمان کے ساتھ امتی کے نکاح کی ممانعت کی ایک وجہ مسلمہ تفسیر بھی ہے۔ بیچھے گزر چکا ہے کہ جب ازواج مطہرات نے نبی علیہ السلام سے خرچہ بڑھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان کو کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کی ریب و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے علیحدہ کر دوں اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کے گھر کی طلبگار ہو تو پھر اُسی پر قناعت کرو۔ ازواج مطہرات نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا اور اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں۔ چنانچہ اللہ نے اُن کی اس قربانی کے پیش نظر اپنے نبی کو یہ حکم بھی دیا کہ آپ مزید نکاح نہیں کر سکتے اور نہ ان کے بدلے میں کوئی دوسری عورت نکاح میں لا سکتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے نبی علیہ السلام کی رفاقت کو پسند کیا۔ اس لیے اللہ نے کسی امتی کو اُن کے ساتھ نکاح کی ہمیشہ کے لیے ممانعت فرمادی۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر معارف القرآن میں ایک

وجہ یہ بھی چھٹے ہیں کہ جس طرح نبی کی ولادت تفسیر میں ہو تو اسی طرح نبی کی بیروں کے ساتھ صلہ بھی لازم ہے کیونکہ نبی کی حیات ماضی ہے، نبی دنیا کی زندگی تو ختم کر چکے ہیں مگر یہ زندگی میں ان کی ممکن زندگی ماضی ہے، اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص غائب ہو چکا ہو، جس طرح غائب شخص کی بیوی کے ساتھ صلہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نبی کی بیوی کے ساتھ بھی صلہ درست نہیں۔

مولانا عبدالحق عارفی اپنی مشہور و معروف تفسیر حقانی کی چھٹی جلد میں لکھتے ہیں کہ نبی پر طبیعت موت تو واقع ہوئی ہے کیونکہ نفس قرآنی ہے ثابت ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران: ۱۸۵) ہر شخص کی موت کا ذائقہ چکنا ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ وَاَلَمْ تَرَ اَنَّكَ رَدِدٌ وَّ اِنَّهُمْ رَدِدٌ (احزاب: ۴۱) اے نبی آپ پر بھی موت وارد ہوئی ہے اور ان پر بھی، تو کیا فرشتے ہیں کہ اس کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابدی حیات ماضی ہے جو سمیعوں سے بھی ہزار درجہ بڑھ کر ہے۔ آپ کا دنیا کے ساتھ اب بھی ویسا ہی تعلق ہے جیسا جلیں حیات کے وقت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے جسد الطہر کرناک نہیں کہا سکتی، اور اسی لیے لوگوں نے بہت سے آثار پر یہ مناد کیے ہیں، اس لحاظ سے آپ زندہ ہیں اور حجت القم شہید ہیں۔ ہاں یہ زندہ شخص کی بیوی کے ساتھ صلہ بھی نہیں ہو سکتا۔

مولانا قاضی شامی انصاری اپنی اپنی تفسیر مغربی میں رقمطراز ہیں کہ ممکن ہے نبی کی بیویوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت اس وجہ سے ہو کہ اِنَّ الشَّيْخَ حَسْبُكَ فَبُيِّنَہُ کہ اگر نبی قبر میں زندہ ہے اور زندہ کی محض روحانی زندگی نہیں ہو تو روح تو براہِ رحمت کی بھی زندہ ہے، بلکہ نبی کی زندگی کمال کی ہے۔ اس بڑی زندگی کے متعلق سلف کے درمسلک ہیں، اگر آپ کی روح مبارک عیتیں میں

ہے کہ اس کا تعلق قبر کے ساتھ بھی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔
 مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى نَافِلًا
 أُبَلِّغْتُهُ یعنی جو شخص میری قبر پر آکر درود پڑھیے تو میں اس کو سناتا ہوں اور جو درود
 سے پڑھے گا تو وہ مجھ تک پہنچایا جائے گا۔ حیات النبیؐ کے مخالف علماء اس
 حدیث کو ضعیف بتاتے ہیں حالانکہ یہ حدیث سات سندوں سے آئی جن میں بعض
 ضعیف بھی ہیں یعنی ان میں مردانِ سدی ضعیف راوی ہے مگر امام ابن قیمؒ
 نے ابن شیح کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے وہ بالکل صحیح ہے، اس کی
 سند میں کوئی راوی ضعیف نہیں ہے۔ یہ حدیث امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں بھی
 نقل کی ہے۔ امام بیہقیؒ نے حیات الانبیاء کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی
 لکھی ہے۔ معراج کے واقعہ والی روایت بھی حیات النبیؐ کی تصدیق کرتی ہے۔
 جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا اَرَأَيْتُ مُوسَى يُصَلِّي فِي قَبْرِ
 قَائِمًا میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز
 پڑھ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ کھڑے ہونا جسم کی صفت ہے نہ کہ روح کی۔
 گویا آپؐ نے موسیٰؑ کو روح اور جسم کے ساتھ زندہ مشاہدہ کیا۔ آپؐ یہ بھی پڑھتے
 ہیں کہ قبر کو محض ایک گڑھا نہ سمجھو بلکہ مومن کی قبر آئینہ نگاہ وسیع ہو جاتی ہے۔
 حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ میرے منبر اور حجرے کے درمیان والا خطِ جنت
 کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ ظاہر ہے کہ قبر کسی کے لیے جنت کا
 باغ بن جاتی ہے۔ اور کسی کے لیے جہنم کا گڑھا۔ اس لیے بعض علماء نے اَوَّلُ النَّارِ
 سے نکاح کی ممانعت کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ آپؐ حیات میں یہ مسلک صرف
 مولا محمد قاسم نازقویؒ کا نہیں بلکہ آپؐ سے پہلے بزرگوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔

۱۔ مشکوٰۃ ص ۸ و مظہری ص ۳۸۱ ۲۔ مسلم ص ۲۶۸ و انانی ص ۲۴۲ و مسند احمد ص ۳۸۱
 ۳۔ بخاری ص ۱۵۸ و مسلم ص ۲۴۶ ۴۔ حسانی ص ۸۷ ۵۔ (فیاض)

طہور پر تھمتھا، انسر دانی میں تو آپ سے سوال ہے کہ کیا امام ابو بکرؓ نے
 فرمائی صدی کے مفت ہیں، انہوں نے بھی امام ابوحنیفہؒ سے نقل کی حرمت ہے
 رحمہ اللہ کی ہے۔ بیروال بھی کی بیروال کے ساتھ صحیح کی سہولت کا حکم آتی ہے
 دوسری اسے یہ بھی ہے کہ کوئی غیرت مند اپنے نہیں گزرتا کہ اس کی بوی کسی
 دوست کے پاس جائے، امام مطلق ابوہریرہؓ کی حرمت میں عام تو نہیں ہے یہ انسر
 نے اس کو مانزور کیا ہے۔ حضرت حذیفہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے
 اپنی بیوی سے کہا کہ اگر کوئی میاں بیوی دونوں جنت میں گئے تو کسی حرمت کے متعلق
 نفاذ ہوئے کی حرمت میں اس کے ساتھ ہی نہ آئی وہ شخص محض ایک جہنم میں اس
 کا آخری خداوند ہوگا۔ لہذا امیری و حریت ہے کہ یہ ہے بعد کسی درجہ سے
 علاج نہ کرنا، اگر انسر نے ہم پر خاص نہ ہائی تو یہ دونوں جنت میں یہاں یوں کی
 حیثیت سے ہیں جسے امیر علیہ السلام کے متعلق قرآن بات طے ہے کہ جن انوار
 مطہرات نے دنیا میں آپ کی رفاقت کو اختیار کیا وہ بزرگ ہیں ہی آپ کی بیویوں
 ہیں اور آخرت میں بھی وہی بڑیاں ہوں گی، اس میں پیغمبر علیہ السلام کی طبیعت خاصہ کا
 بھی احترام کیا گیا ہے جو ہر غیرت مند آدمی میں پائی جاتی ہے۔

قرآن ایت شہداء اَوْ تَخْفَوْا عَنْهُ اَوْ تَخْفَوْا عَنْهُ اَوْ تَخْفَوْا عَنْهُ
 قَالَ اللَّهُ كَذَبًا بَعْضُهُمْ لَعَنَ بَعْضًا سَأَرَاهُم تَنَازَعًا
 والا ہے۔ معنی یہ کہ ہم بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی بعض نے فوت
 ان قبم کی باتیں کئے تھے کہ حضور علیہ السلام کی فریادگی کے بعد میں آپ کی تدفین
 بیوی سے نکاح کریں گا، بعض مفسر مسلمانوں نے بھی اس خواہش کو الگ کیا ہے
 چنانچہ مفسرین حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت طلحہؓ کے تعلق ایسی باتیں

۱۔ در مشورہ ص ۲۱۵ ج ۵ ۲۔ البحر المحیط ص ۲۴ ج ۲

۳۔ منظر ص ۴ ج ۷ ۴۔ دیلمی

نقل کرتے ہیں۔ حضرت طلحہؓ کے متعلق خاص طور پر آتا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ کیونکہ وہ آپؐ کی چچا زاد بہن تھیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت طلحہؓ نے بڑا استغفار کیا، ایک غلام آزاد کیا اور ایک بیچ پیدل چل کر کیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی زبان سے نکلی ہوئی یہ غلط بات معاف کر دے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تمہاری ظاہر اور باطن سب باتوں کو جانتا ہے۔ نبی کی ازدواجی استی کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔ لہذا ایسی بات دل میں ہرگز نہ لائے۔

محرم سے
پہنہ کی
ضرورت نہیں

پہلی آیت کے ابتدائی حصے میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ امتیوں کے لیے ضروری ہے کہ امہات المؤمنین سے پردہ کا اہتمام کریں اور اگر ان سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو پردے کے پیچھے سے طلب کریں۔ البتہ سورۃ نور میں محرموں سے عدم حجاب کے احکام گزر چکے ہیں۔ کوئی عورت اپنے محرم کے ساتھ خلوت میں بیٹھ سکتی ہے اور اس کے ساتھ سفر بھی کر سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے ہی قانون امہات المؤمنین کے لیے نافذ العمل رکھا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے
لَا جُنَاحَ عَلَیْھُنَّ فِیْ اَبْوَائِھُنَّ وَلَا اَبْنَائِھُنَّ وَلَا اِخْوَانِھُنَّ وَلَا اَبْنَاءِ اِخْوَانِھُنَّ وَلَا نِسَائِھُنَّ وَلَا مَمْلُکَتٍ اَیْمَانِھُنَّ نبی کی بیویوں کو اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں، بھتیجیوں، بھانجیوں، اپنی عورتوں اور غلاموں کے سامنے آنے میں کوئی حرج نہیں ہے عورتیں اور غلام تو لیے ہی پردے سے مستثنیٰ ہیں۔ باقی تمام رشتہ دار عورت کے محرم بنتے ہیں جن سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے، اسی لیے مندرجہ بالا ان سے پردہ ضروری نہیں ہے۔ لہذا ہی غلام کو تو سورۃ نور میں بھی پردے سے مستثنیٰ قرار دیا جا چکا ہے۔ البتہ باقی غیر محرموں سے پردہ نہایت ضروری ہے، فرمایا وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُونَ اللہ نبی کی بیویوں! اللہ سے ڈرتی رہو۔ اُس کا خوف ہمیشہ تمہارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ کہیں کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے۔ رات

اللّٰهُ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ اے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھ رہا
 ہے۔ اُس کی نگاہ سے کوئی چیز غائب نہیں۔ وہ ہر لمحہ اعمال و کردار کا قلم بن کر
 محفوظ ہے، لہذا تمہیں از حد محتاط رہنا چاہیے۔ یہ امت المؤمنین کے لیے
 نصرتی قسم ہوگئی۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝۵۶

ترجمہ :- بے شک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے
رحمت بھیجتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ۔ اے ایمان والو
تم بھی رحمت بھیجو اُس پر اور سلام بھیجو پوری اطاعت کے
ساتھ ۝۵۶

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے گھر میں داخل ہونے
کے آداب اور آپ کی ازواج مطہرات کے ہر قسم کے بعض احکام بیان فرمائے
تھے ۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اہل بیت المؤمنین کے ساتھ کسی امتی کا نکاح نہیں ہو سکتا ۔
امتوں کو خبردار کیا گیا کہ اللہ کے نبی کو کسی طریقے سے بھی اذیت نہ پہنچائیں ۔ اللہ
نے نبی کی ازواج کو پردے کا حکم بھی دیا اور ساتھ ساتھ محرموں کو اس حکم سے مستثنیٰ بھی
قرار دے دیا ۔ تاہم ازواج مطہرات کو ہر حالت میں اللہ سے ڈرنے سے ہٹنے کا
حکم دیا ۔

رہنمائی

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام
بھیجنے کی تلقین فرمائی ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ
عَلَى النَّبِيِّ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی علیہ السلام پر
صلوٰۃ بھیجتے ہیں ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اے ایمان والو! تم بھی اُس پر صلوٰۃ و سلام بھیجو،
پورے ادب و احترام اور اطاعت کے جذبہ کے ساتھ ۔

نبی پر درود
وسلام

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور فرشتوں کے صلوة بھیجنے کے ذکر کرنے کے بعد عام مومنوں کو بھی کہ ذات پر درود و سلام بھیجے کی تلقین فرمائی ہے۔ صلوة کا معنی رحمت ہی ہے اور دعا بھی۔ جب صلوة کی نسبت اللہ تعالیٰ رحمت کی معافی ہے تو معنی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر رحمت بھیجتا ہے اور جب اسے فرشتوں کے ساتھ مشروب کیا جائے تو معنی ہر گھما کر اللہ کے فرشتے اللہ تعالیٰ سے ہی علیہ السلام پر نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اس متار پر فرشتوں کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ وہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اور ان کی اللہ تعالیٰ سے مخصوص رحمت کی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے اور اللہ کے نبی پر زیادہ سے زیادہ نزول رحمت کا سبب بنتی ہے۔ پھر جب صلوة کی نسبت عام انسانوں کی طرف کی جاتی ہے تو اس کا معنی دعا اور استغفار ہوتا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے پیغمبر رحمت پر نزول رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اس میں پیغمبر علیہ السلام کی تعریف اور تکریم بھی آگئی ہے۔

درود کی
فرضیت

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو نبی علیہ السلام پر درود و سلام کا جو حکم دیا ہے اس کے مطابق ہر اہل ایمان پر ہر عمر میں گراں گم ایک دفعہ درود بھیجنے فرض ہے۔ بعض علماء اسے واجب قرار دیتے ہیں اور بعض میں امام تائید اور امام احمد کو ہی مسلک ہے۔ اگر کوئی شخص نماز سے روکنا چاہے تو اسے شریعت میں پڑھے گا۔ تو نماز میں اتنی جگہ، درود نماز مقبول نہیں ہوگی۔ البتہ امام و کاتب اور امام اگر مضطر فرماتے ہیں کہ اس موقع پر درود شریف پڑھنا سنت ہے۔ لکن اگر درود شریف رو جائے تو نماز ہو جائے گی مگر ایک سنت فوت ہو جائے گی۔ اکثر علماء اور ائمہ گرامہ فرماتے ہیں کہ جب ہی حضور علیہ السلام کا ان کو کوئی ذکر کیا جائے تو درود شریف کا ترجمہ ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے

کہ ایسے مواقع پر درود پڑھنا مستحب ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ مَنْ
ذُكِرَتْ عِنْدَهُ فَلَمْ يُحْصِلْ عَلَىٰ فَقَدْ أَخْطَأَ طَرِيقَ الْجَنَّةِ
کہ جس شخص کے سامنے میرا نام ذکر کیا گیا اور اُس نے مجھ پر درود نہ پڑھا تو وہ جنت
کے راستے کو خطا کر گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہ
کیا جائے اور نبی علیہ السلام پر درود نہ بھیجا جائے تو یہ مجلس شکر کا رکعے لیے قیامت والے
دن حسرت کا باعث ہوگی۔

درود کی
فضیلت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنے کی فضیلت بہت سی روایات میں
آتی ہے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص
حضور علیہ السلام پر ایک دفعہ صلوٰۃ و سلام پڑھے گا، میں اس پر دس رحمتیں نازل
کروں گا، دس غلطیاں معاف کر دوں گا۔ اور دس درجے بلند کر دوں گا۔ دوسری
حدیث میں آتا ہے کہ وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا نام ذکر کیا جائے مگر
وہ درود نہ پڑھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ کسی ایک مجلس میں آپ کا نام نامی کئی
دفعہ ذکر کیا گیا ہو تو صرف ایک دفعہ درود پڑھنے سے بھی حق ادا ہو جائے گا۔ تاہم
اگر بار بار پڑھے گا، تو زیادہ بہتر ہے۔ ہر رکعے کے اول و آخر میں بھی درود شریف
پڑھنا چاہیے کہ یہ قبولیت دعا کی نشانی ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت میں آتا ہے
کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک درود شریف نہ پڑھا جائے اٹھان کی
دعا زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔ جب درود شریف پڑھا جائے
ترجمہ وہ اُوپر جا کر درج قبولیت کو پہنچتی ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور باہر
نکلنے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ مسلم شریف میں اذان کے متعلق آتا ہے کہ جب

۱۔ منطری ص ۱۲۱ و درمنثور ص ۲۱۸ و ابن کثیر ص ۵۱۲ ۲۔ محمد بن حنفیہ ص ۵۵ و مشکوٰۃ ص ۱۹۸

۳۔ مذاہد ص ۱۲۱ و منطری ص ۱۲۱ و درمنثور ص ۲۱۸ ۴۔ احکام القرآن ج ۱ ص ۳۶

۵۔ مسلم ص ۱۶۶، ۱۶۷ و البرد و درمنثور ص ۱۶۸ و کتاب الاذکار السنوی ص ۲ (فیاض)

[illegible]

ابن ماجہ شریعت کی روایت کے مطابق منکر کے بعد بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ مگر میں شائع کرنے وقت اُن کے اوّل و آخر میں درود شریف لکھنا بھی مستحب ہے۔ جب کہ ان شخصیات کے وقت مُبَدَّع ہے۔ بیکر ہرگز اس کے یہ بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ امام سبکی نے لکھا ہے کہ امارت کے بڑے سے یہ اتنا مستطاب ہوئی ہے کہ کسی مصیبت یا تکلیف کے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ فرمایا جتنا درود شریف گزریں گے کرنا ہے اتنا ہی آگ کرنا ہے۔ درود شریف پڑھنا غلام آزاد کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے۔ اللہ کے نزدیک پیغمبر کے ساتھ محبت و عقیدت رکھنا اللہ کے سامنے میں جان قربان کرنے سے بھی افضل ہے۔ خاص طور پر جو کہ دن درود پڑھنا زیادہ باعثِ اجر ہے۔

درود پڑھنے
کا طریقہ

درود شریف مختلف مواقع پر مختلف الفاظ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ البتہ اس کے لیے ایمان، عقیدت، محبت اور صحیح طریقہ شرط ہے۔ اپنی مرضی سے موقع بہ موقع یا خود ساختہ الفاظ کے ساتھ درود پڑھنا مفید نہیں ہوگا۔ بعض لوگ اذان سے پہلے تین مرتبہ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ پکارتے ہیں حالانکہ حضور علیہ السلام نے اس موقع پر ان الفاظ کا قطعاً حکم نہیں دیا۔ درود شریف پڑھنے کے مختلف مواقع میں نے عرض کر دیے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی جب چاہو پاک صاف ہو کر نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا حضور! سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ لَكِنَّا هُمْ دُرُودٌ كَيْسے پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: اس طرح کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَكَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ اس کے لیے اور بھی بہت سے کلمات آتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الرَّسُوْلِ وَآزْوَاجِهِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهِ وَاَهْلَ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے جس میں درود شریف کے پانچ قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ اگر حضور علیہ السلام سونے ہوں تو الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ بھی کہہ سکتے ہیں یا قبر شریف پر جا کر یہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر دور سے پڑھیں تو پھر اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی حَمِيْدٌ مُّجِيْدٌ پڑھنا چاہیے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی الْفَاطِ بَیْ

درست ہیں کہ ان میں درود بھی ہے اور سلام بھی۔ اور دونوں کو آپؐ کو نایاب و تشریف
صرف صلوٰۃ طیبہ یعنی صَلَّی اللہُ عَلَی السَّیِّدِی بھی درست ہے اور صرف
سلام طیبہ و السَّلَامُ عَلَی السَّیِّدِی بھی ٹوبہ ہے۔ بیشک نیکوئی ان الفاظ
کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھنے میں۔ اَللّٰہُ فَرَصَیْلَ عَلٰی سَیِّدِنَا وَوَسُوْلِنَا
مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکُ وَاَسْمَدُ کَمَا حَبِثَ وَتَرَضٰی
مَدَامَا حَبِثَ وَتَرَضٰی اِسْمِیْ خُصْرُ عَلَی السَّلَامِ آپ کے سوا اور اہل بیت کا ذکر بھی
آگے۔

السلامة
والصحة

کرافٹ

کرافٹ

دو مومن آپس میں ملے وقت السلام علیکم کہتے ہیں جو کہ سلامتی کی بھینٹیں دیتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت میں ہر قسم کے مصائب و مشکلات سے سہارا دے سکے۔ سلام کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا کہ ان کا ہاتھ کے ساتھ فرشتوں کو سلام کرے۔ نیز یہ کہ تمہارا موقع اذان و اذان کی جگہ پر ہو۔ جتنی جلد اللہ تعالیٰ کے دروازے کو کھولے۔ دو تیس سو گھنٹہ تک یہاں ہے۔ یہ نال لہجے کی دعا ہے۔ جس میں غلطی نہ ہو۔ اس کا بھی نسخہ ہے۔

وہابیہ
فرقے دار

۱۰۵۷

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نور اللہ کے
 رحمتِ عالمین بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کے درجہ اتنے بلند کیے ہیں، آپ کو فاضلِ انبیا
 والہ اہل بنا دیا ہے، انسانی مخلوق میں سب سے زیادہ شرف اور برگزیدگی بخشی ہے
 تو ان سے درود شریف فرستنے سے حضور والا صحت کو کب فائدہ پہنچتا ہے؟ حدیث
 کے مضموم سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ درود شریف کا فائدہ خود درود کرنے والے
 کو حاصل ہوتا ہے، اگر تمیں ایسے نیکیاں حاصل ہوتی ہیں، اس فضا میں مٹی ہیں، اس
 دہی درجہ اتنے بلند ہوتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ بہت بڑا اجر ہے اللہ
 کے نبی مبین امت میں، روحانی باپ میں جس کی کوئی نیکی یا خیر پہنچی ہے آپ ہی
 کے طفیل سے پہنچی ہے قرآن پاک، احادیثِ مقدسہ اور اس کو خدا کی فہم صفا
 میرانی آپ ہی کی وحسب سے میرا آئی ہے۔ لہذا آپ کو ایسے

الفاظ اور دعائے خیر کے ساتھ یاد کرنا امت کے ہر فرد کا اولین فریضہ ہے لیکن بھی اپنے محسن کو یاد رکھنا اخلاقی فرض ہے۔ تو اس طرح گویا درود پاک پڑھنے سے امتی کا آنکھوں کی آہٹ علیہ وسلم سے ربط بھی قائم رہتا ہے۔ آپ کے لیے دعائے خیر بھی ہوتی ہے اور خود اچھی کر بھی نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ نماز تقرب الہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور درود پاک نماز کا حصہ بھی ہے۔ چنانچہ جو بیس گھنٹے میں کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوگا جس میں حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ پر کوئی نہ کوئی صلوٰۃ و سلام کا یہ نہ پیش کر رہا ہو۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** (الانشراح: ۲) ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔

بعض احادیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی آتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے والوں کو قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل ہوگا بشرطیکہ صحیح عقیدت اور ادب و احترام کے ساتھ پڑھا جائے۔ دوہار دفعہ بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھنا تو محض ریاکاری معلوم ہوتی ہے اور پھر تعصب کا یہ حال کہ جو اس طریقے سے نہ پڑھے اس پر ملحد درود کا فتویٰ لگا دینا کس قدر ناانصافی ہے۔ درود پاک تو متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ درود پاک ضرور پڑھو، زیادہ سے زیادہ پڑھو، مگر اس طریقے اور ان الفاظ کے ساتھ جو نبی علیہ السلام نے سکھائے اور صحابہؓ نے ان پر عمل کیا۔ بہر حال نبی پر اور فرشتوں پر بھی سلام بھیجا درست ہے۔ باقی تمام انبیاء پر بھی درود و سلام بھیجا جائے۔ اور پیغمبر کے ساتھ آپ کی آل اور صحابہؓ کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے یہی طریقہ درست ہے۔ انبیاء کے علاوہ کسی پر براہ راست درود بھیجا درست نہیں جب صحابہؓ کا ذکر آئے تو رضی اللہ عنہ کن چاہیے اور عام مومنین، صلحا اور بزرگان دین کا تذکرہ ہو تو رحمتہ اللہ علیہ کن چاہیے یا غفر اللہ لہ کن چاہیے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا درود پڑھنے کا فائدہ خود پڑھنے والے کو ہی ہوتا ہے، بعض علماء کو اہم
 فرماتے ہیں کہ اس کا فائدہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ہوتا ہے، اگرچہ فائدہ درود
 ہر گاہ کہ رب العزت میں شریعت قبولیت حاصل کر چکا تو حضور علیہ السلام کے درجات
 مزید بلند ہوں گے۔

بہر حال اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ منافق لوگ تو حضور علیہ السلام کی ذات پر علوم
 تشبیہ کہتے ہیں، تم اسی کی بجائے اللہ کے نبی پر درود پڑھا کرو۔ فداقی کی طور پر بھی پہنچے
 نبی پر رحمت نازل فرماتا ہے، آخر سنتے نازل رحمت کی دعائیں کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ
 بھی اللہ کے نبی پر صلوٰۃ و سلام بھیجو یعنی آپ کے لیے نازل رحمت کی دعا کیا کرو
 جہاں تک ادب و احترام کا تعلق ہے تو یہ چیز لفظ خشیتاً ہی پائی جاتی ہے کہ
 باری اطاعت اور بندہ عزت و احترام کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود
 پڑھ کر درود پڑھنے کا یہی صحیح طریقہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ﴿٥٧﴾
وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيٍ
مَّا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَلَوْا بِهِتَانًا وَقَاتِلُوا
مُحِبِّينَا ﴿٥٨﴾

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس
کے رسول کو، اللہ نے ان پر لعنت بھیجی ہے دنیا اور
آخرت میں۔ اور تیار کر رکھا ہے ان کے لیے ذلت ناک
عذاب ﴿۵۷﴾ اور وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں۔ مومن مردوں
اور مومن عورتوں کو بغیر ان کے کسی گناہ کے۔ پس تحقیق
اکٹایا ہے انہوں نے بہتان اور صریح گناہ ﴿۵۸﴾

گزشتہ درس میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے
کا ذکر تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنے نبی پر خصوصی رحمت فرماتا اور فرشتے اُس کے
لیے دعائے رحمت کرتے ہیں، لہذا اے ایمان والو! تم بھی اپنے نبی پر درود و
سلام کے پھول نچاؤں کیا کرو۔ اور اس کام کے لیے نبی کے ادب و احترام اور
مخلص نیت کو ملحوظ خاطر رکھو۔ اس سے پہلے حضور علیہ السلام کے گھر میں داخلے
اور کھانا کھانے کے آداب بیان ہوئے تھے اور ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام
کی اندازِ مطہرات کے ساتھ امتی کا نکلن ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا گیا، اور
نبی علیہ السلام کو قولی، فعلی، ذہنی، جسمانی ہر قسم کی ذیت پہنچانے سے منع کیا گیا۔

دریچہ آیت

اب آج کی آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ یہی ہیں اللہ اور اس کے رسول
کی ایذا رسانی پر سخت وعید نازل کی گئی ہے۔ چھ دو ستر دسٹ میں عام آدمی
سڑدوں اور مومن عورتوں کو بھیجے پھیلنے سے منع کیا گیا۔ اور اس فعل کو مریض
گناہ اور ناپاکی قرار دیا گیا ہے۔

شرعیات
ایمانی

ارشاد ہوا ہے إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ اَللّٰهُ جَعَلَ لَكَ دُلَّكَ جَو
اشر قہالی کر تکلیف پہناتے ہیں خدا تعالیٰ فرما دے عین اور طاقت کا ہر شے
بعد اُسے کرن تکلیف پہن سکتا ہے وہاں پر ایذا و سبائی کا مطلب یہ ہے کہ
اشر قہالی کی نوع اور اُس کی شان رفیع میں کوئی گت غمی کہہ لئے خدا جو شخص
کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کوئی مینا بنایا ہے یہ معاذ اشر خدا کی جہتی ہے، یا
اُس کی اولاد سے یا اُس کا کوئی شریک ہے تو اُس سے گویا اشر تعالیٰ کا ایذا
سپہائی، ایک حدیث میں یوں آتا ہے کہ اشر نے فرمایا یُؤْخَذُ مِنْ رِیْبِ
اَوْخَرِ اَوْمِ کے بیٹے لئے مجھے تکلیف پہنائی ہے، حالانکہ یہ اُس کا حق نہیں
تھا۔ اور میرا اس بات کی تشریح اس طرح کی کہ لوگ مالاوت کرنا نے کی طرف
مُتَوَسِّل ہوئے ہیں کہ نہ انہی خراب ہے حالانکہ نہ انہی ترمیر سے اُفتیہ اور
تقصے میں ہے۔ میں جس طرح چاہوں گردوں، اس میں نہ انہی کا کی قصے سے
شیر فرمایا کہ انسان مجھے جھٹلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا دوبارہ نہ نہ نہیں کرے
گاہ اور قیامت پر نہیں برگ، اس طرح لوگ مجھے ازیت پہناتے ہیں۔ لوگ
میرے طرف اولاد کو مُتَوَسِّل کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے عزیٰ علیہ السلام اور مسیح
علیہ السلام کو بیٹا بنالیا ہے۔ اور یہ بھی کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اس قسم کی
باتیں کرنا خدا کو ازیت پہناتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے سامنے
شریک ٹھہرا، اُس کی ذات و صفات کا انہی کرنا خدا کی نسبت کہ

انکار کرنا یا وقوع قیامت کو تسلیم نہ کرنا، سب ایذا رسانی کی باتیں ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

وَقَدْ مَسَّوْا كُهُ اور اُس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ رسول کو ازیت پہنچانے کی صورت یہ ہے کہ اس کی رسالت کا انکار یا جا بکے معنی کا انکار کیا جائے اپنی لائی ہوئی کتاب کی تکذیب کی جائے اور آپ کے لئے ہونے والے دین اور آپ کی سنت کی مخالفت کی جائے۔ اسی طرح آپ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کرنا ایذا رسانی بلکہ کفر کی آیت ہے۔ قرآن پاک میں اللہ نے مشرکوں اور کافروں کا حال بیان کیا ہے اگر کوئی آپ کو شاعر کہتا، کوئی مجنون اور کوئی لغو ذبا اللہ کہتا۔ آپ کی صفت میں طعن کیا جاتا۔ اور آپ کے نسب میں طعن کیا جاتا۔ یہ سب ایذا رسانی کی باتیں ہیں۔ بعض یہود و نصاریٰ نے حضور علیہ السلام کی سیرت پاک کو دغا دہانے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں چھ لاکھ سے زیادہ کتب اور رسائل شائع کئے ہیں یہ سب اذواج پر اعتراض کیا اور کثرت اذواج کو نشانہ بنایا۔ غرضیکہ کفار، مشرکین اور اہل کتاب نے ہر طرح سے حضور علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی۔

بنی کر ایذا
رسالتی

تو کیاں پر اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اُس کے رسول کی ایذا رسانی کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں پشکار بھیجی ہے۔ ایسے لوگ ملعون ہیں، وہ دنیا میں بھی رسوا ہوں گے اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ دنیا میں تو مسلمانوں کی جماعت ان کا مقابلہ کر کے انہیں ذلیل و خوار کرے گی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے، فرمایا وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا اللہ نے ان کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے جس میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کے لیے ناکام و نامراد ہو جائیں گے۔

ایذا رسالتی
کی سزا

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کو ایذا رسانی کا ذکر کرنے کے بعد عام مومنین کے متعلق بھی فرمایا وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور وہ لوگ جو

عام مومنین
کو ایذا رسانی

اس کے بعد پڑے کے احکام والی آیت چھوڑ کر اللہ نے اس قسم کی ایذا رسانی کے تعزیری قانون کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، اگر کوئی شخص کسی بے گناہ مسلمان کو سزا ہے، اس پر تہمت لگاتا ہے اور پھر اس کو ثابت نہیں کر پاتا تو اس پر حد قذف جاری ہو گی یا وہ تعزیر کا مستحق بنے گا، چنانچہ ترمذی تشریف کی روایت میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو یہودی کہہ کر فحاش کرے تو وہ شخص عدالت کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور عدالت ایسا اتنا لگائے گا کہ آدمی کو بیس کوڑے مارنے کی سزا دی جاسکتی ہے، فقہ کی کتابوں میں یہ تمام تشریحات موجود ہیں۔ کہ کس قسم کے غلط الفاظ استعمال کرنے سے کوئی شخص تعزیر کا حقدار بن جاتا ہے۔ تو اس مقام پر ان مومن مردوں اور مومن عورتوں کا ذکر ہو رہا ہے، جن کو بلا وجہ کوئی ایذا پہنچائی جائے فرمایا کسی بے گناہ مرد یا عورت کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانا سخت معیوب ہے۔ یہ تکلیف خواہ گالی گلج کے ذریعے پہنچائی جائے یا مار پیٹ یا تہمت لگا کر، ایسا کرنے والوں کے متعلق فرمایا فَقَدْ احْتَمَلُوا بَهْتَانًا اَنْهَوْنَ نے بہت بڑا بہتان اٹھایا ہے، جھوٹ باندھا ہے وَاشْعَا مَدِينًا اور صریح گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اس قسم کے احکام سورۃ نور میں بھی بیان ہوئے جہاں حد قذف کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً آیت ۴ میں ہے جو لوگ پاکیزہ عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر پادشہ گواہ پیش نہیں کر پاتے انہیں انہی کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ تاہم اس مقام پر فرمایا کہ مومن مرد یا عورت کو کسی بھی طریقے سے ایذا پہنچانا صریح گناہ ہے۔

بہتان اور
صریح گناہ

بہر حال پہلے درجے میں اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والوں کو ملعون قرار دیا گیا اور دنیا و آخرت کی سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ اور دوسرے درجے میں اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی ایذا رسانی کے متعلق فرمایا کہ یہ بہتان اور صریح گناہ ہے۔ اس کا ارتکاب کرنے والے خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ اگر خود مسلمان ہی ان آداب کی پابندی نہیں کریں گے تو ان کی سوسائٹی پاک

ملحہ ترمذی ص ۱۰۰ (فیاض)

نہیں رہ سکتی۔ اسلامی معاشرے میں ہر ایک کی طاقت و آبرو اور مال و جان محفوظ
 ہونا چاہیے۔ اگر لوگوں کو ناگرددہ گناہوں کی وجہ سے تکلیف پہنچانی جائے تو معاشرے
 میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ
 الْمُؤْمِنِينَ يُدِينُنَّ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَدٍ بَيْنَهُنَّ
 ذَلِكَ أَذًى أَنْ يُعْرِضْنَ فَلَا يُؤْذِينَ ؕ وَكَانَ
 اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ⑤۹ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ
 الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ
 وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِبَنَّكَ
 بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ⑥۰
 مَلْعُونِينَ ۖ أَیْنَمَا تَقِفُوا أُحْذَرُوا وَفُتِلُوا
 تَقْتِيلًا ⑥۱ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا
 مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ⑥۲

ترجمہ :- اے نبی ! آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں سے اور
 اپنی بیٹیوں سے اور مؤمنین کی عورتوں سے کہ وہ نیچے لٹکا
 یا کریں اپنی چادریں۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی
 جائیں اور اُن کو تکلیف نہ دی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ
 بخشش کرنے والا از حد مہربان ہے ⑤۹ اگر باز
 نہیں آئیں گے منافق لوگ اور وہ جن کے دلوں
 میں رذگ ہے، اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں تو اہم

آپ کو اجازت تھی اُن کے خلاف۔ پھر وہ نہ ہیں
 اُن کے آپ کے نبیوں اور میں میں سے بہت کم (۶۱) وہ
 بدلتے ہوئے ہوتے ہوں اُن کے جہاں ہی پائے جائیں گے پھرتے
 جائیں گے، اور ان کو بڑے طریقے سے جان سے مٹا جائے
 گا (۶۱)۔ اللہ کا دستور ہے اُن لوگوں میں جو پہلے
 گمراہے ہیں، اور نہ پائے گئے تم اللہ کے دستور میں تبدیلی (۶۲)

گزشتہ آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و تحريم
 اور آپ کے گھر کے آداب بیان فرمائے، پھر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا مستحب بیان کیا
 اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول کی ایذا رسانی پر وسیع سنائی گئی کہ اگر ایذا نہ دیا
 و آخرت میں لعنتی مٹا ہے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ذلت، ناک عذاب کی رحمت نہ
 ہے۔ پھر فرمایا جو ظن اللہ اور اس کے رسول کو تکفیر پسند، بہت بڑی بات ہے۔
 اسی طرح عام ہے گناہ اہل ایمان کی ایذا رسانی بھی صریح مبین اور کھلم کھلا ہے۔ اللہ
 نے ایسی چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

پڑھے کہ

اھل آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات بیٹیوں اور عورتوں
 عزتوں کو برے کاموں کا حکم دیا ہے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ
وَبَنَاتِ الْمُؤْمِنِينَ اے نبی علیہ السلام! اپنی ازواج مطہرات، بیٹیوں اور
 اور عورتوں کی عزتوں کو برے کاموں سے بچاؤ يُذَرِّبْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ حُدُودٍ
 کہ وہ (باہر نکلتے وقت) اپنی چادریں نیچے لٹکا لیا کریں۔ یعنی کسی ضرورت کے
 تحت گھر سے باہر نکلاں پڑے تو باپردہ نکلیں۔ ذَٰلِكَ اَدْلٰہُ اَنْ يَّكْسَرَ فِنْ
 یہ بات زیادہ قریب ہے کہ وہ چھائی جائیں فَلَا يَكْفُرْنَ اور ان کو تکفیر
 نہ پہنچائی جائے۔ زیادہ جاہلیت میں عام طور پر لڑکیاں بے پردہ باہر آتی جاتیں۔
 کیونکہ انہیں اپنے مائیں کی خدمت کرنا ہوتی تھی، سو اس وقت لڑکیاں کو بیعت م
 رسالی کا کام کرنا ہوتا تھا۔ اور پھر انہیں قسم کے لوگ ان سے چھٹی چھڑا کر لے

بھی باز نہیں آتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ لونڈیاں یہیں نہ کہ گھر گھر ہستی باقاعدہ منگوان اور باعزت عورتیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ جب آزاد عورتیں باہر نکلیں تو بارودہ نکلیں تاکہ پہچانی جاسکیں کہ یہ باعزت عورتیں ہیں اور کوئی بدکن آدمی ان سے تعرض نہ کر سکے۔ ان کو تکلیف پہنچانے کا یہی مطلب ہے کہ ان کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرے، کوئی آواز نہ کرے۔

پرمے کا تفصیلی حکم تو سورۃ نور میں آچکا ہے تاہم اس مقام پر نبی کے اہل خانہ کی عزت و احترام کے طور پر ان کو پرمے کا حکم دیا گیا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ازدواج مطہرات بالعموم رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے گھروں سے باہر جاتی تھیں کیونکہ اس زمانے میں گھروں میں تو اس قسم کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔ بعض دیگر ضروریات کے لیے بھی گھر سے باہر جانا پڑتا تھا۔ چونکہ اس وقت منافق قسم کے لوگوں کی طرف سے کسی تعرض کا خطرہ تھا۔ اس لیے حضرت عمرؓ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی ممکنہ بدسلوکی سے بچنے کے لیے ازدواج مطہرات کو بارودہ باہر نکلنا چاہیے۔ چنانچہ ۳۵ھ میں اللہ نے پرمے کے یہ احکام نازل فرمادیے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے فرمایا اِذْنَ لَا تُكْنَنَّ اَنْفَ تَحْسُ جَنْ لَحْوٍ وَجَنْ كُنَّ تَمْ اُپنی حاجتوں کے لیے باہر جاسکتی ہو لیکن پرمے کے ساتھ تاکہ کوئی بد اخلاقی کا واقعہ پیش نہ آئے۔ تو اس سلسلے میں سب سے پہلے لوہات المؤمنین کو خطاب کیا گیا، پھر نبی علیہ السلام کی بیٹیوں کو اور پھر عام مومن عورتوں کو۔ پرمے سے متعلق پہلے اسی سورۃ کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے۔ کہ ازدواج مطہرات گھروں میں رہیں وَلَا تَبْجُنَنَّ تَبْجُ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُولٰٓئِکَ اور جاہلیت اولیٰ کی طرح کھٹے عام بے پردہ نہ پھریں۔ اس وقت

۱۔ منظری ص ۱۸۱ کو در منثور ص ۲۲۱ ج ۵

۲۔ منظری ص ۱۸۱ کو در منثور ص ۲۲۱ ج ۵

یہی شریف عورتیں ملائیم یعنی بڑی چادریں استعمال کرتی تھیں جس سے سادہ جسم
 ڈھانپ لیا جاتا تھا اور بدن کے نشیب و فراز نظر نہیں آتے تھے۔ برقع بھی اسی مقصد
 کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ بہر حال مقصد پر وہ سب خواہ برقع ہیں گرنہ باری
 چادر سے لی جائے۔

حضور علیہ السلام کا فرمانِ مبارک ہے کہ عورت کا سارا جسم ستر ہے۔ جب
 وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان لوگوں کو ستر جو کر آتا ہے۔ لہذا عورتوں کو ہر طرح کا
 لباس پہن کر باہر جانے سے منع کیا گیا ہے حتیٰ کہ اگر وہ نماز کے لیے بھی جائیں
 تو سارا لباس پہن کر نکلیں اور زیور نہ پہنیں، نہ خوشبو لگائیں، یہی چیزیں ہتھ
 کا باعث بنتی ہیں۔ لہذا ان سے منع کیا گیا ہے۔ عورتوں کی پردہ داری کی خاطر
 ان پر نہ جمعہ فرض کیا گیا ہے اور نہ عید کی نماز واجب ہے۔ عام نمازوں میں بھی
 ان کے لیے جماعت کی پابندی نہیں کہ وہ حضور مسجد میں ہی جا کر نماز ادا کریں۔
 ان کو مسجد میں جانے کی صرف اجازت ہے بشرطیکہ راستہ پر امن ہو اور کسی قسم کا
 خطرہ نہ ہو۔ تاہم عورتوں کے لیے گھر میں نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

اس آیت سے شیخو حضرات کے اس غلط نظریہ کی بھی تردید ہوتی ہے کہ
 حضور علیہ السلام کی صرف ایک ہی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ لفظ بہتات
 صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کہ حضور علیہ السلام کی متعدد بیٹیاں تھیں۔ حضور
 علیہ السلام کی چار بیٹیاں تھیں جن کے نام زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ ہیں۔
 شیخو حضرات کی معتبر ترین کتاب اصول کافی میں بھی چار بیٹاں کو ذکر نہایت
 کے ساتھ موجود ہے۔ لہذا سچو لوگ آپ کی تین بیٹیوں کا انکار کرتے ہیں وہ چھوٹے
 پردے کا حکم دراصل اندازِ فواحش کے لوازمات ہیں سے ہے شریعت
 نے یہ حکم اس لیے دیا ہے تاکہ برائی کا موقع پیدا نہ ہو سکے۔ مثال کے طور پر

برقع کی
 حرمت

شرعیات نے شراب کو حرام قرار دیا ہے تو اس کی مبادی یعنی کثید کرنا اور اس کی تجارت بھی حرام قرار دیدی ہے تاکہ شراب نوشی کا موقع ہی پیدا نہ ہو۔ اس طرح شرعیات نے نکاح کی ترغیب دی ہے تاکہ بُرائی کی طرف رغبت نہ ہو اور پردے کا حکم دیا ہے تاکہ بے حیائی کے اسباب کو ہی روک دیا جائے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ جدید تہذیب کے دلداد پر دے کو عورت کی حق تلفی قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ پردہ مضر صحت اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عورتوں کو سر عام پرہیز کر دیا گیا ہے۔ اب وہ برفع یا ٹبری چادر تو درنرمعمولی دوپٹے کو بھی سر پر لینا بد سمجھتی ہیں اور محض گھگھے میں لٹکا لینا ہی کافی سمجھتی ہیں۔ اس بے پردگی سے یورپی ممالک کے شریعت الطبع انگریز بھی نالاں ہو چکے ہیں۔ اب اخلاق بگڑ رہے ہیں اور نسلیں خراب ہو رہی ہیں۔ پچھلی صدی میں ڈاکٹر سپنر سبٹ بڑا فلاسفر ہوا ہے جس نے جدید تہذیب کے خلاف سخت رویہ رکھ کر لکھا ہے کہ یورپ کی پینتالیس کروڑ کی آبادی میں سے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ پینتالیس بچے بھی حلالی ہوں۔ فحاشی کا اس قدر دور دورہ ہے کہ حلال و حرام کی تمیز ہی اٹھ چکی ہے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے فحاشی سے بچنے کے لیے سخت قانون دیے ہیں جن کی پابندی سے انسانی اخلاق درست رہ سکتے ہیں اور انسانی سوسائٹی پاک رہ سکتی ہے۔ اسی لیے شرعیات نے پردے کے احکام نازل فرما کر عورتوں کے غیر محرم مردوں سے میل جول بغیر محرم کے سفر کرنے اور کھیل تماشے پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اسلام نے تصویر کشی کو بھی اسی لیے حرام قرار دیا ہے کہ یہ فحاشی کے مبادی میں سے ہے۔ چہ جائیکہ کہ شیخ پر نیم برہنہ رقص ہو اور مرد و زن کا عام اختلاط ہو۔

بہر حال شرعیات مطہرہ نے پردے کے احکام نازل فرما کر مسلمان سوسائٹی کو ہر قسم کی قباحتوں سے پاک رکھنے کا درس دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی کوتاہی ہو جائے یا غامی رہ جائے تو فرمایا وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا تو اللہ تعالیٰ

سے مراد بے حیائی اور فحاشی کی جھوٹی خبریں پھیلا نا بھی ہو سکتا ہے۔ جس سے سوسائٹی میں انتشار پھیلا نا مقصود ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جھوٹی خبریں پھیلانے والوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، اور اگر کوئی ایسا شخص گرفت میں آجائے تو پھر قاضی اپنی صوابدید کے مطابق اُسے زیادہ سے زیادہ سزا بھی دے سکتا ہے۔

پھر جب ایسے بد طینت لوگوں کا محاسبہ ہو گا تو فرمایا ثُمَّ لَا يَجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا تو وہ آپ کے پڑوس یعنی شہر مدینہ میں نہیں رہ سکیں گے۔ مگر بہت کم دنوں تک، اس قسم کے بد اخلاق لوگ خود بخود شہر سے بھاگ جائیں گے۔ اور سوسائٹی پاک ہو جائے گی۔ فرمایا مَلْعُونِينَ یہ لعنتی لوگ ہیں، ان پر عیسا کا پڑے گا۔ أَيُّنَمَا تَصِفُوا أَلْوَادَ الْأَعْرَابِ يَسْبِقُونَهُ یہ پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے۔ یہ شہر میں چھپ چھپا کر اپنی قبیح حرکات جاری نہیں رکھ سکیں گے بلکہ قانون کی گرفت میں آئیں گے وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ اور سخت طریقے سے مائے جائیں گے، ایسے لوگ تعزیری لحاظ سے واجب القتل ہیں اور ان کے ساتھ نہایت سختی سے پنڈا جانے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ تعزیری طور پر ان کے سر قلم کیے جا سکتے ہیں۔ جو لوگ معاشرے میں فحاشی، بے حیائی اور بد اخلاقی پھیلانے کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ کسی ہمدردی کے لائق نہیں، انہیں سخت ترین سزا ملنی چاہیے۔

ارشاد ہوتا ہے سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اللہ کا یہ دستور پہلے لوگوں یعنی سابقہ امتوں میں بھی بدستور جاری رہا ہے۔ پہلی شریعتوں میں بھی غنڈے بد معاشرے قسم کے لوگوں کی سرکوبی کے لیے قوانین موجود تھے۔ اب آخری شریعت میں بھی اللہ نے یہی قانون رکھا ہے لوگوں

اللہ کا اہل
دستور

کی عزت و ناموس کی حفاظت ضروری ہے۔ لہذا حکومت وقت کو اس کام سب
 انتظام کرنا چاہیئے۔ صدر، وزیر اور شیرین فرمض دولت جمع کرنا طبع لفظ نہیں ہوا
 چاہیئے۔ بلکہ کارپردازان حکومت کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کے مذہب و عقائد پر
 کاروبار کی حفاظت کرے، حکومت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر فرد کی لیے
 روزگار کے مواقع فراہم کرے تاکہ لوگ گھیسوں بازروں میں بیٹھ کر بڑائی کی طرف
 مائل نہ ہوں بلکہ سب اپنے اپنے کام میں مصروف رہیں۔ قرآن الہی کا یہ قانون تبار
 سے جاری ہے وَلَوْ تَحَدَّيْتُكُمُ اللَّهُ سَبَّحْتُمُ اللَّهَ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ اور تم اللہ کے دستور
 میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ اس قسم کے قوانین تواریث میں ہی موجود تھے اور
 قرآن میں بھی ہیں، ان پر عمل درآمد کرنا حکومت وقت کے فرائض میں شامل ہے۔

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ وَقُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا
عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ
قَرِيبًا ⑥۳ إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرَيْنَ وَأَعَدَّ لَهُمْ
سَعِيرًا ⑥۴ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَا يَجِدُونَ
وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ⑥۵ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ
فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَلَيْتَنَّا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا
الرَّسُولَ ⑥۶ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا
وَكُذَّبْنَا فَأَصْلَحْنَا السَّبِيلَ ⑥۷ رَبَّنَا ارْتِهَمْ
ضَعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَّهُمْ لَعْنَا
كَبِيرًا ⑥۸

ترجمہ :- لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں قیامت کے
بارے میں ۔ آپ کہہ دیجئے، بیشک اس کا علم اللہ کے
پاس ہے ۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب
ہی ہو ⑥۳ بیشک اللہ تعالیٰ نے پیٹکار کی ہے کافروں
پر اور تیار کی ہے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ ⑥۴
ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں ۔ نہ پائیں گے کوئی
حفاظت اور نہ مددگار ⑥۵ جس دن کہ پلٹے جائیں گے ان

کے چہرے دوزخ کی آگ میں۔ تو کہیں گے۔ اے افسوس
 جانے لے کہ ہم نے اطاعت کی، برحق اللہ کی اور اطاعت
 کی برحق رسول کی (۶۶) اور وہ کہیں گے۔ اے ہمارے
 پروردگار! بیشک ہم نے اطاعت کی اپنے سربراہوں کی
 اور اپنے بڑوں کی ترانوں نے ہمیں گمراہ کر دیا سیدھے
 راستے سے (۶۷) اے ہمارے پروردگار! ان کو دگت
 عذاب دے۔ اور ان پر لعنت کر بہت بڑی لعنت (۶۸)

گدشت آیات میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے گھر کے آداب اور
 ازدواج مطہرات کے بارے میں احکام بیان فرمائے۔ پھر پیغمبر علیہ السلام پر ورود
 سلام پڑھنے کا مسئلہ بیان کیا۔ اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول کے ایثار
 پہنچانے والوں کو معون مٹھرایا۔ اور انہیں عذاب کا مستحق قرار دیا۔ اسی طرح
 ایمان دار مردوں اور عورتوں کو تکلیف پہنچانے والوں کی خدمت بیان فرمائی۔
 ایسے لوگ بہتان طرازی کرتے ہیں اور بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوتے
 ہیں۔ پھر اللہ نے ازدواج مطہرات حضور علیہ السلام کی بیٹیوں اور عام دوست
 عورتوں کے لیے پردے کا حکم دیا۔ اور غنڈہ گردی کرنے والے منافق قسم کے
 لوگوں کو تنبیہ کی گئی کہ اگر وہ عساکروں سے باز نہ آئے تو ان پر تعزیر لگائی
 جائے گی۔ وہ معون ہوں گے اور ان کو بڑے طریقے سے قتل کیا جائے گا۔
 فرمایا کہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ پرانا دستور ہے جو سابقہ انبیاء
 نے ماننے سے چلا آ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے دستور کو تبدیل نہیں کرتا۔

بعض منافق لوگ قیامت پر طعن طرح کے اعتراضات کرتے تھے اور
 اس نظریے کا سہارا لیتے تھے۔ اللہ نے ان کی اس قبیح حرکت کے متعلق فرمایا
 يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنْ السَّاعَةِ اِنَّكَ لَعَلَّيْهَا تَخْلِفُ
 قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔ یہ لوگ تو قیامت کا

دفعہ قیامت
 مسئلہ

انکار کرتے تھے مگر جب اللہ کے پیغمبرؐ ان کو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈراتے تو پھر
 استغفر اللہ کہتے، اچھا بتائیے قیامت کب آئے گی؟ اُس کے جواب میں اللہ نے فرمایا
 قُلْ اِنَّمَا يَعْلَمُ الْيَوْمَ الْآخِرُ رَبِّيْ ۚ اِنَّ اِنَّمَا عَلَّمَهَا عِنْدَ اللّٰهِ
 وقوع قیامت کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے جو اُس نے کسی کو نہیں بتایا۔
 ایک روایت میں آتا ہے اَمَّا وَجَبَتْهَا فَلَا يَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ، یعنی
 عین وقوع قیامت کی گھڑی کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ یہ علم اُس نے نہ
 کسی نبی مرسل کو دیا ہے اور نہ ملک مقرب کو۔ البتہ قیامت سے پہلے پیش
 آنے والے بعض واقعات کا ذکر ضرور کیا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا
 فرمان ہے اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ یعنی میں اور قیامت اس طرح آگے پیچھے
 آنے والے ہیں جس طرح یہ دو انگلیاں۔ آپ نے دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے
 فرمایا۔ جس طرح دو انگلیاں متصل ہیں اسی طرح قیامت بھی بالکل قریب ہے، اب
 میرے بعد نہ کوئی نبی آئیگا اور نہ کوئی نئی شریعت، بلکہ اب تو قیامت ہی آنے
 والی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق کی ہے اِقْتَسَبَتِ
 السَّاعَةُ وَالشَّيْءُ الْقَسِرُ (القمر - ۱) قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا
 شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ منافقوں نے یہ سوال محض ہٹ دھرمی کی
 بنا پر کیا ہوگا۔ جس چیز کا جواب دُنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے اُس کا بار بار
 سوال کرنا بے معنی بات ہے۔ مگر اگر کسی ساوہ لوح آدمی نے محض علم حاصل
 کرنے کے لیے ایسا سوال کیا تو حضور علیہ السلام نے اُسے دو سکر طریقے سے
 سمجھایا۔ جیسے ایک دیباچی نے عرض کیا تھا، حضور! یہ بلیئے مَتَى السَّاعَةُ

کو قیامت کب آئے گی؟ تو آپ نے جواباً فرمایا: اَعَدْتُ لَهَا مِثْلَ عِلَاقِ كَوْكَبٍ
 کو تم نے قیامت کے لیے تیار کیا کرکٹ کے لیے جو ایسا سوال کرتے ہو۔ مطلب
 یہ کہ تم نے کون سے نیک اعمال کیے ہیں جن کے صلہ کے لیے قیامت کے منتظر
 ہو؟ اس شخص نے عرض کیا، حضور! میرے کوئی زیادہ نمازیں نہیں پڑھیں، زیادہ
 معذرتیں لکھے ہیں اور نہ کوئی زیادہ نیکی کے سوا کام کیے ہیں، البتہ میں اللہ اور
 رسول کے ساتھ محبت ضرور رکھتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اَنْتَ مَعَ
 مَنْ لَعَنَتْ تَحْمِلُ ثَمَرِهَا خَيْرٌ مِنْ اَنْتَ مَعَ مَنْ لَعَنَتْ تَحْمِلُ ثَمَرِهَا خَيْرٌ
 ہے اگر آپ نے اس شخص کو جنت کی بشارت بھی ملے دی۔

اس کے برخلاف جو لوگ لعن و تشنیع کے طہر پر اپنے سوال کرتے تھے،
 اللہ نے ان کے رد میں فرمایا: وَتَايِذُنْ يَذْكُرُ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ
 قِيَامُكُمْ آپ کو کیا معلوم شاید کہ قیامت قریب ہی ہو۔ ایک ترقی یافتہ گروہ
 ہے جو پوری کائنات پر یکساں رنگ دار ہو گیا جب صمد اسرافیل پھونکا جائے گا۔
 اور اس کے متعلق بھی فرمایا کہ یہ قریب ہی ہے۔ البتہ ایک قیامت صغریٰ
 بھی ہے جو ہمارے سامنے ہر شخص پر وارد ہو جاتی ہے اور وہ ہر شخص کی اطاعت و
 موت ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ
 قِيَامَتُهُ جس کو موت آگئی اس کے لیے قیامت واقع ہو گئی، قیامت
 سے مراد حیاتِ عمل ہے اور یہ ہر شخص کے لیے عالمِ بزرگ میں ہی شروع ہو
 جاتی ہے جب کسی شخص کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو فوراً قبر کے سوال جواب
 شروع ہو جاتے ہیں اور پھر اس اولین امتحان کے نتیجے میں یا تو راحت پہنچا
 شروع ہو جاتی ہے یا انسان تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ قرآن کا طے
 قیامت تو رہا ہو گئی، لہذا اس کے متعلق الٹ پلٹ سوالات کرنا بے معنی ہے

۱۔ سترۃ شریعہ ص ۳۳۳ بحوالہ علی بن ابی حمزہ
 (فی حق)

اس کی بجائے انسان کو اپنی دوسری زندگی کے لیے تیاری کرنا چاہیے تاکہ وہ اُس
زندگی میں عذاب الہی سے بچ جائے۔

اس آیت کریمہ میں مَا يُذِرُكَ کے الفاظ میں جس کا معنی ہے کہ آپ کو
کس نے بتلایا بعض مقامات پر اسی کے ہم معنی الفاظ مَا أَذْرَاكَ بھی آتے ہیں
جیسے سورۃ القدر میں ہے وَمَا أَذْرَاكَ مَا كَلَّمَكَ الْقَدْرُ اور آپ کو
کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا چیز ہے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس چیز کے متعلق
يُذِرُكَ آتا ہے، وہاں مذکورہ چیز کو ظاہر نہیں کیا جاتا اور جہاں أَذْرَاكَ
استعمال ہوتا ہے وہاں بات کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ امام سخیان ابن
عیینہ جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام شافعی کے استاد ہیں، وہ بھی مذکورہ
حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے قیامت کے
ساتھ يُذِرُكَ کا لفظ استعمال کیا ہے تو اُس کی تفصیلات نہیں بتائیں
مگر لیلۃ القدر کے لیے أَذْرَاكَ استعمال کیا ہے تو آگے کچھ تفصیل بھی بتائی
ہے کہ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینے سے بتر ہے اور اس میں روح الامین اور
فرشتے نازل ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

آگے ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ
نے کافروں پر پھینکا بھیجی ہے لعنت کا معنی ہے رحمت سے بعید کر دینا
سورۃ بقرہ میں ہے، جو لوگ کفر کی حالت میں مر گئے اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمُ
لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (آیت - ۱۶۱) ان پر
اللہ، اُس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اس مقام پر فرمایا
وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا اُن کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔ سعیر
جہنم کے ناموں میں ایک نام بھی ہے۔ خَلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا۔ وہ اس
میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یہ لوگ دنیا میں کفر اور شرک میں مبتلا ہے اور
اسی پروگرام کو غالب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ایمان اور توحید کی مخالفت

کفار پر
لعنت

کرتے ہیں، انبیاء کا مقابلہ کریں، ان پر یہ سب وہ اعتراضات کیے، دین کو منسخر اٹالیا اور دفع
قیامت کا انکار کیا، اللہ اب یہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے کہ نہ نجات دے گا، وَلَیْسَ
فَکُلِّ نَفْسٍ نَّجَاتٌ، اور ہم پر کوئی مہربانی اور رحم کار نہیں نہیں پائیں گے جو اُس اڑے وقت میں
اُن کی مدد کر سکیں۔

ہمزہ
نکلی

فَرَأٰهُ یُؤْمِرُ نَفْلَبٌ وَجُوهُهُمْ فِی الشَّجَرِ حِیْنَ دُنِیْ اَنْ یَّجْرِبَ فَرَضَ
کی آگ میں اوندھے منہ ڈالے جاؤں گے، نفلَب کا نقل معنی تو پلٹنا ہوتا ہے، تاہم حدیث
میں اوندھے منہ گرائے جانے کا ذکر بھی آتا ہے۔ اُس وقت وہ لوگ موت افسوس کا انداز
کریں گے اِنَّہٗ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْسَ ہٰذَا الَّذِیْ نَعْلَمُ اللّٰہَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَ کہیں گے
کاش کہ ہم نے اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی تو کیا اچھا نہ ہوتا، اور آج ہم اس
سزا میں گرفتار نہ ہوتے، اس وقت اُسٹھ کریں گے کہ ہم نے دُنیا کی زندگی کو جو بھی بڑا
کمر دیا اور آخرت کے لیے کچھ سامان نہ کیا۔ اگر ہم نے اللہ اور اُس کے رسول کا کافرا
ہونا تو آج یہ وزیر بہرہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا، مثلاً اس دن اُن کا افسوس کسی کام نہ کہے گا
اور انہیں خطاب الہی کو مزہ چلے گا۔

ہمزہ
نکلی

اس کے ساتھ ساتھ مجرم لوگ یہ بھی کہیں گے فَرَأٰہُمْ اَوَّلَ مَا اَنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا
وَنُکْرِیَآءَنَا اَنْہُمْ سَیْرُوْا اَوَّلَ مَا اَنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَنُکْرِیَآءَنَا کہیں گے
میں ان کے کہنے پر چلتے تھے فَاصْفَحْنَا السَّیِّئَاتِ پس انہوں نے ہمیں سزا مستقیم
سے بہکا کر غلط راستے پر ڈال دیا، سدا و یا اور بڑے حکومت کے آدمی بھی ہو سکتے ہیں اور
مذہبی پیشوا بھی جو قوم کی صحیح راہنمائی نہیں کرتے، وہ اپنا اُتوسیدہ جا کرنے کے لیے لوگوں
سے من مانی کرواتے رہتے ہیں۔ اور ایمان و توحید کی بجائے کفر اور شرک کا دھڑکتے ہیں۔
انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کرنے والے اور اُن کی تکذیب کرنے والے اکثر بڑے
لوگ ہی ہوتے ہیں، دولت مند، ہوک، سردار، چودری اور سڑیہ دار لوگ، لوگوں کو سب بایغ دکھا
کر اپنے پیچھے نکالتے ہیں اور پھر نہ صرف اُن کی دنیا بکھرنا قیامت ہی عذاب کر دیتے ہیں۔
اس دن لوگ اپنے بڑوں اور پیشواؤں کی شکایت کریں گے، مثلاً اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے تمہیں انسان بنایا تھا، عقل فہم اور شعور عطا کیا تھا۔ مگر تم بغیر سوچے سمجھے لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کے پیچھے چلتے رہے۔ وہ تمہیں عیاشی اور فحاشی کا سبق دیتے رہے، شرکیہ اور بدعتیہ امور کا ارتکاب کراتے رہے۔ مشرک مولوی لوگوں سے جھنڈے بازی اور قمقمے بازی پر ہی مال خرچ کراتے رہے اور عوام کو بیوقوف بناتے رہے۔ اُس دن افسوس کا اظہار کریں گے کہ ہم نے ان لیڈروں کو روٹ دے کر مبرا بنایا۔ مگر انہوں نے ہمیں غیر اسلامی نظام دے کر برباد کر دیا۔ ہم نے پیر، مولوی اور بزرگ سمجھ کر اپنا ایمان تک اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔ مگر انہوں نے ہمیں جہنم کے راستے پر ڈال دیا۔ اُس دن لوگ اپنے پیشواؤں کو خطاب کر کے کہیں گے اِنَّكُمْ كُنْتُمْ مَعَنَا تَوْنًا عَنِ الْيَمِينِ (الصفت - ۲۸) تم ہمارے دائیں بائیں سے آگے نہیں سنزاع دکھاتے تھے، وہ آگے سے جواب دیں گے کہ تم خود اُس وقت سمجھتے کہ تم کہہ رہا ہے ہو۔ تم آنکھیں بند کر کے ہمارے پیچھے چلتے رہے، لہذا اس گمراہی کے تم خود ذمہ دار ہو۔

جب مجرم لوگ نا اُمید ہو جائیں گے تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کریں گے رَبَّنَا اَتَيْنَهُمْ ضَعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ اے ہمارے پروردگار! ان پیشواؤں کو دو گنا عذاب دے کیونکہ یہ خود بھی گمراہ تھے اور ہمیں بھی گمراہ کہتے رہے وَالْعَنَهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا اور ان پر بڑی لعنت بھیج۔ مگر اللہ فرمائے گا۔ کہ تم سب تابع اور متبعوے پر ڈبل عذاب ہو گا کیونکہ جس طرح انہوں نے تمہیں گمراہ کیا تھا، اسی طرح تم نے بھی آگے لوگوں کو گمراہ کیا۔ لہذا ایک سنزات تمہیں گمراہ ہونے کی پڑے گی اور دوسری سنزادوسروں کو گمراہ کرنے کی پڑے گی۔ اس طرح جاہل پیر اور مرید دوسری سنز میں مبتلا کیے جائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا
 مُوسَىٰ وَنَجَّاهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَمَكَانَ
 عِنْدَ اللَّهِ وَجِئَهَا ۖ ﴿٦٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
 اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۚ ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ
 لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَ
 مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا
 عَظِيمًا ۚ ﴿٧١﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو! نہ ہو تم ان لوگوں کی طرح جنہوں
 نے سینا کوئی علیہ السلام کو، اللہ نے اُن کو بڑی قرار دیا
 اُس چیز سے جو انہوں نے کہی تھی، اور موسیٰ علیہ السلام اللہ
 کے نزدیک بڑی عزت والے تھے ﴿۶۹﴾ اے ایمان والو!
 ڈرو اللہ سے اور کہو بات سیدھی ﴿۷۰﴾ وہ درست
 کرے گا تمہارے لیے تمہارے اعمال اور بخشے دے گا
 تمہارے لیے تمہارے گناہ، اور جو شخص اطاعت کرے گا
 اللہ اور اُس کے رسول کی، پس بیک وقت وہ کامیاب
 ہو گیا بڑی کامیابی سے ﴿۷۱﴾

گزارش آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی ایذا رسانی سے منع کیا ہے
 کہ ایسا کرنے والے لعنت ہیں، اسی طرح کسی عام بہن مرد یا عورت کو تکلیف پہنچانا

بھی ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے۔ پھر اللہ نے اہل ایمان کو خبردار کیا کہ وہ منافقوں
مشرکوں اور یہود نصاریٰ کی طرح اللہ کے نبی کے متعلق کوئی ایسی بات زبان پر نہ لائیں
جو آپ کے لیے اذیت کا باعث ہو۔ اگر کوئی مومن ایسا کرے گا تو اس کے ایمان
میں خلل واقع ہو جائے گا لہذا ایسی بات سے پرہیز کرنا چاہیے۔

موسیٰ علیہ السلام
کو ایذا پہنچانی

اب اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے اور مومنوں کو
خبردار کیا ہے کہ تم بھی موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح اپنے پیغمبر کی ایذا رسانی کا باعث نہ
بنا۔ جن لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا وہ بھی ملعون ٹھہرے اور سختی عذاب ہوئے
ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ أَذَوْا مُوسَىٰ
إِذْ قَالَ لَهُ آلُ هَارُونَ: يَا لَئِمَّ الْهَآئِمِ! تَمُوتُ أَنْ تَبْلُغَ أَشُدَّكَ
أَنْتَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ مُجِيبُ دَعْوَاهُمْ
فَبَدَّلَ اللَّهُ ذَاتَهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ مُبْدِعَ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ
بِذَاتِهِ عَلِيمٌ۔ آپ اللہ کے عظیم الشان رسول اور صاحب کتاب نبی تھے،
اور اس کے ساتھ اللہ نے آپ کو خلافت بھی بخشی۔

حضور علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں کسی قدر مماثلت پائی جاتی
ہے کہ ان کی قوموں نے اپنے جلیل القدر رسولوں کو کس طرح ستایا اور ذہنی گرفت
پہنچائی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے دیکھا
کہ ایک شخص حضور علیہ السلام سے کہہ رہا ہے یا محمد اعدل۔ اے محمد! انصاف کر۔ مال
غنیمت تقسیم ہو رہا تھا تو اس شخص نے اعتراض کیا کہ مال کی تقسیم صحیح طریقے سے نہیں
ہو رہی ہے۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام کو سخت پریشانی ہوئی۔ غصے سے آپ کا چہرہ
مبارک سرخ ہو گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا رَحِمَ اللَّهُ مُوسَىٰ لَقَدْ

اَوْ لِي بِاَكْثَرٍ مِنْ هَذَا اَقْصَبَ الشَّرُّ تَعَالَى مَوْحِي عَلَيْهِ السَّلَامُ بِرَحْمَةِ فَرَمَانِے۔
 انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچائی گئی مگر انہوں نے صبر کیا۔ آپ کا مقصد
 یہ تھا کہ میں بھی ایسا ہی رہوں۔ ایسا ہی رہنا ہی پر صبر کا مظاہرہ ہی کر رہا تھا۔ پھر حال حضور علیہ السلام نے
 اُس معترض کو جواب دیا لَقَدْ خَبِثَتْ قُلُوبُكُمْ لَمْ اَعْدِلْ فَتَعَوُّ يَغْدِلْ
 اے شخص! تو یہ بات کر کے ناکام ہو گیا۔ اگر میں
 میں انصاف نہیں کروں گا تو پھر اور کون انصاف کے تقاضے پر سے گزرے گا!
 آپ نے مزید فرمایا کہ آسمان کے تو مجھے امین سمجھتے ہیں اور تم مجھے بدویانت کہہ
 رہے ہو۔ بڑے افسوس کا مقام ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے پیروکاروں
 میں سے ایسے لوگ نکلیں گے جو دین سے اس طرح غارت ہو جائیں گے جیسے حیر
 شکر میں سے نکل جاتا ہے۔ تو فرمایا تم اپنے نبی کو ایسی ازیت نہ پہنچانا جس طرح مَوْحِي عَلَيْهِ
 السَّلَامُ پہنچائی گئی۔

حادثہ
مکرمہ

مَوْحِي عَلَيْهِ السَّلَامُ کو ایذا و رسانی کی ایک مثال سورۃ المائدہ میں موجود ہے۔ آپ نے
 اپنی قوم سے کہا کہ اپنے وطن شام و فلسطین کو آزاد کرانے کے لیے وہاں پر آباد کافر
 لوگوں کے ساتھ مبارکرو، اللہ تمہیں فتح عطا کریگا۔ مگر قوم کہنے لگی کہ لے مَوْحِي!
 اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا حَبَارِئِيْنَ (آیت - ۲۲) وہاں پر تو بڑے سخت قسم کے
 لوگ ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا
 اِنَّا هَاهُنَا قَوْدُوْنَ (آیت - ۲۳) اے اتم اللہ تمہارا خدا اور لوگوں کا کڑا دشمن قوم
 سے جنگ کرو۔ ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔ اس صاف انکار سے مَوْحِي عَلَيْهِ السَّلَامُ
 کو سخت کوفت ہوئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا، مولا کریم! اس
 ناہنجار قوم پر میرا پس نہیں پتا۔ میں تو صرف اپنے بھائی کو ہی کہہ سکتا ہوں، لہذا
 تو ہمارے اور اس ناسق قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اللہ نے فرمایا، اچھا!۔

یہ سرزمین شام و فلسطین ان لوگوں پر حرام کر دی گئی ہے۔ اب یہ چالیس سال تک
سرگرداں پھرتے رہیں گے اس عرصہ میں اس نسل کے اکثر لوگ ختم ہو جائیں گے تو یہ
سرزمین اگلی نسل کو منتقل کر دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مطلب یہ کہ قوم نے موسیٰ علیہ السلام
کو اذیت پہنچائی اور خود بھی خدا کی طرف سے معتبوب ہوئے۔

جہانی عیب
کاش خانہ

صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نہایت حیادار آدمی تھے جب
آپ غسل فرماتے تو سخت پڑے کی حالت میں تاکہ کسی شخص کی نظر آپ کے برہنہ جسم پر نہ
پڑے۔ اس سے مخالفین نے یہ پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ آپ کا جسم عیب دار
ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے جسم کے کسی حصہ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ بعض کہتے
کہ آپ کو آئندہ کی بیماری ہے جس سے جسم کے قوطے پھول جاتے ہیں۔ یہ بھی برسی
علیہ السلام کے لیے تکلیف دہ بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اتہام سے
بری قرار دینے کے لیے یہ سبب پیدا کیا کہ ایک دفعہ آپ نے پتھروں کے درمیان
تنہائی میں غسل کرنے کے لیے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیے۔ اتنے میں اللہ کا حکم ہوا
تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ بھی اُس کے پیچھے پیچھے دوڑے
حتیٰ کہ وہ پتھر لوگوں کی مجلس کے قریب جا کر رک گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے
لینے کے لیے برہنگی کی حالت میں ہی وہاں پہنچ گئے، جب لوگوں نے آپ کو
دیکھا تو سمجھ گئے کہ آپ کا جسم بالکل بے داغ ہے، اور اس طرح اللہ نے آپ
کو اس اتہام سے چھٹکارا دلیا۔

بہاری کا
الزام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں آتا ہے کہ جب آپ نے اپنی
قوم کے صاحب حیثیت لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کہا تو وہ ہجر کر گئے۔ ان
میں قارون سب سے پیش پیش تھا جس کے پاس بے شمار دولت تھی اور اُس کی زکوٰۃ

کی مقدار بھی، اچھی نامی جتنی تھی۔ اس شخص نے موسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرتے کا ایک
منصور بنایا اور اس کام کے لیے ایک فاحشہ عورت کو لالچ دے کر اپنا آؤ کار
بنایا۔ ایک موقع پر موسیٰ علیہ السلام مجمع کے سامنے بدکاری کی خدمت بیان کی ہے
تھے تو اس فاحشہ عورت نے سر عام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا کہ انہوں
نے میرے ساتھ بدکاری کی ہے لہذا بدکاری کی سزا سب سے پہلے ان کو ملنی چاہیے۔ اس
اتہام سے موسیٰ علیہ السلام کو سخت ذہنی اذیت پہنچی۔ تاہم آپ نے لوگوں کے
سامنے اس عورت کو قسم دلائی کہ اس وعدہ کا شریک کی قسم اٹھا کر بات کو ناجہ
نے منہ نہ کو پھاڑا کہ اسرائیلیوں کو پار کر دیا اور فرعونوں کی اسی کمند میں غرق کر دیا
اور جس نہ اوردہ تعالیٰ نے تو راست یہی خیر الشان کتاب ازل فرمائی، اس خدا کی
قسم اٹھا کر بتاؤ کہ کیا تمہارا الزام درست ہے وہ عورت سر عجب ہو گئی، اور
اس نے اقرار کیا کہ اُسے قانون نے پیچھے کر کے الزام لگانے پر آمادہ کیا تھا۔
پھر موسیٰ علیہ السلام نے اگر کا و رب العزت میں قادرین کے حق میں بد دعا کی تو اللہ
نے اُس سے سخت انتقام لیا۔ سورۃ القصص میں ہے فَخَسَفْنَا بِهِ وَجِدَهَا
الْأَرْضُ حَتَّى دَأْبَتْ اُیْمًا، ہم نے اُس کو خزاںوں سمیت اور اُس کی رائیخ گاہ کو بھی زمین
میں دھنسا دیا۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام پر طرح طرح کے الزامات لگا کر آپ کو
اذیت پہنچائی گئی مگر اللہ نے آپ کو ہر نام سے بری کیا۔

اہل ایمان
کو تحقیر

قریباں پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تنبیہ کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم
کی طرح تم بھی اپنے نبی کی شان میں کرنی گستاخی نہ کر بیٹھا کہ آپ کو تکلیف پہنچے
آپ کی ذات پر بھی لوگ طرح طرح کے اعتراض کرتے تھے دیکھ گزر چکا ہے
کہ منافقوں نے یہ کتنا شروع کر دیا کہ آپ نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا۔ بعض
آپ پر تعدا زون کی وجہ سے عیاشی کا الزام لگاتے تھے جس سے آپ کو سخت
اذیت پہنچی تھی۔ سورۃ البقرہ میں ہے کہ یہودی لوگ آپ کے لیے رکیعت کے لفظ
کو جگہ رکھ کر ایمان کہہ کر پکارتے تھے جس کا معنی اچھا ہوا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ

نے حکم دیا کہ آپ کی ذات مبارکہ کے لیے یہ لفظ سرے سے استعمال ہی نہ کیا کرو وَلَا تَقُولُوا زَعِمًا وَقُولُوا انْظُرْنَا بَلْکَ اس کی بجائے اُنْظُرْنَا کا لفظ استعمال کیا کرو تاکہ کسی جھگڑا کا احتمال ہی باقی نہ رہے۔ اس سورۃ کی ابتدا میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام، آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کے گھر کے آداب بیان کیے ہیں تاکہ آپ کی شانِ اقدس میں کسی ممکنہ کمی کے تمام دروازے بند ہو جائیں اور آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ازیت پہنچائی مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہر اتہام سے پاک قرار دیا۔

قولِ سدید
کی ترغیب

آگے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے ایک اور قانون بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا اور ہمیشہ سیدھی بات کہو۔ ظاہر ہے کہ اگر سیدھی اور سچی بات کرو گے تو اس میں ازیت کا کوئی امکان نہیں ہوگا، اور اگر اُنکی ٹپٹی باتیں کرو گے تو نبی کو تکلیف پہنچنے کا احتمال ہوگا۔ مفسرِ مکرم نے منقول ہے کہ قولِ سدید سے مراد کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ قولِ سدید ہر سچی بات کا نام ہے، ہر بات واقعہ کے مطابق ہونی چاہیئے اپنی زبان سے کوئی غلط، غلیظ اور جھوٹی بات مت نہ کالو۔ شرک کی بات، گالی گلوچ، کفر، نفاق وغیرہ قولِ سدید کے منافی ہیں، لہذا ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیئے حضور علیہ السلام نے زبان اور شہرِ منہ کی حفاظت کا خاص طور پر حکم دیا ہے۔ گناہ اور بے احتیاطی کی باتوں سے منع فرمایا ہے، غرضیکہ فرمایا کہ ہمیشہ سیدھی بات کرو فرمایا اگر تم زبان کی حفاظت کرو گے تو اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو سنوار دے گا۔ درست

سچائی کا
فائدہ

کر رہے گا۔ وَيَغْفِرَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا
 شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دنیوی اور دُنیوی
 سامنے کام درست ہوں گے۔ آخرت میں انسان کے اعمال اللہ کے ہاں مقبول
 ہو کر اُس کی نجات کا ذریعہ بنیں گے اور وہ رحمت کے مقام میں پہنچیں گے۔ اور
 دنیا میں اُس کے حالات درست رہیں گے۔ ہمیشہ سچائی کا ہی بول بالا ہوتا ہے۔
 کوئی شخص ناجائز ہے۔ ملازم ہے۔ کارخانہ دار ہے یا مزدور ہے۔ وہ جس مقام پر
 بھی ہے۔ اگر درست بات کرے اور اپنی زبان سے کوئی غلط بات نہیں کہتا
 تو دنیا میں بھی اُس کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ لوگوں میں عزت بڑھے گی اور لوگ اُس پر
 اعتراف کرنے لگیں گے۔ اور پھر ساتھ ساتھ اللہ نے گناہوں کی معافی کا ذریعہ اُسے
 دیا ہے۔ جب انسان خود اپنے اعمال اور زبان کو درست رکھے گا تو اللہ تعالیٰ
 اُس کی چھوٹی موتی کوتاہیوں کو خود ہی معاف کرے گا۔ اور اس طرح وہ کامیابی کی
 منزل تک پہنچ جائے گا۔

اے اللہ نے ایک اصولی بات بھی بتادی ہے وَمَنْ يَطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ اطاعت کا
 جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے گا۔ اور اس کے احکام کی تعمیل کرے
 گا۔ زبان کی سچائی اور اعمال کی درستگی بھی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تحت
 ہی ہوگی۔ لہذا فرمایا فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا اے شخص کر تین کامیابی حاصل
 ہوگی۔ کامیابی کا نام اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ہے جس نے اُسے کو
 اختیار کر لیا۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ کامیاب ہوگا۔ جس کو دُنیوی
 زندگی بھی پاکیزہ ہوگی اور آخرت میں تو یقیناً نجات حاصل ہو جائے گی جو ہمیشہ ہمیشہ
 کے لیے کامیابی ہے۔ اللہ کی رحمت کے مقام پر پہنچنے سے بڑی کوئی کامیابی نہیں
 جو اللہ اور اُس کے رسول کے اطاعت گزاروں کو حاصل ہوگی۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا
جَهُولًا ﴿٤٢﴾ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ
وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا
رَحِيمًا ﴿٤٣﴾

ترجمہ :- بیشک ہم نے پیش کی امانت آسمانوں ،
زمین اور پہاڑوں پر ۔ پس انکار کیا انہوں نے کہ
اٹھائیں اس کو اور اُس سے ڈر گئے ۔ اور اٹھا لیا
اُس کو انسان نے ۔ بیشک وہ بڑا ظالم اور جاہل
ہے ﴿۴۲﴾ تاکہ سزا دے اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور
منافق عورتوں کو ، اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں
کو ، اور اللہ تعالیٰ رجوع فرمائے (مہربانی کے ساتھ)
مومن مردوں اور مومن عورتوں پر ۔ اور اللہ تعالیٰ بہت
بخشش کرنے والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۴۳﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اُس کے رسول اور عام مومنوں
کو ایذا پہنچانے سے منع فرمایا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال دے کر سمجھایا

رابطہ آیات

شریع اور حدود وغیرہ کی پابندی ہے، ظاہر ہے کہ ان احکام کی تعمیل کی صلاحیت نہ آسمان میں ہے، نہ زمین میں، نہ پہاڑوں میں اور نہ شجر و حجر میں، لہذا انہوں نے اس باریک بینی سے انکار کر دیا، اور انسان میں چونکہ یہ استعداد پائی جاتی ہے، لہذا اس نے اس بار کو اٹھایا۔ امام ابو حنیفہؒ کے پیروکار بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں کہ اس امانت سے مراد وہ استعداد اور صلاحیت ہے جس کی بناء پر انسان تکلیف ٹھہرا گیا ہے۔ اگرچہ جنات بھی پابندی قانون کے مکلف ہیں مگر ان کی صلاحیت انسان کی نسبت کمزور ہے، اس لیے جنات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں امام غزالیؒ، امام بیضاویؒ، خواجہ محمد پارسی اور بعض دیگر مفسرین اس عمدہ تکلیف کا قیادہ اپنے لکے میں ڈالنا مراد لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قانون کی پابندی کو اپنے فے لے لیا جائے اور پھر اطاعت کی صورت میں اجر و ثواب اور معصیت کی صورت میں عتاب کو قبول کر لینے کا فہم امانت ہے

عرض اور
ابن کا مفہوم

اس آیت کریمہ میں آئندہ الفاظ عَصَاکَ اِنَّ اَبَیْنَ خَاصَّ طُورٍ پر توجہ طلب ہیں۔ عرض کا معنی عام طور پر کسی چیز کو زبانی یا تحریری طور پر پیش کرنا ہوتا ہے اسی لیے تحریری طور پر پیش کی جانے والی درخواست کو عرضی بھی کہتے ہیں۔ ماہم امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت پیش کرنے کا مفہوم زبانی یا تحریری طور پر پیش کرنا نہیں بلکہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کی استعداد اور صلاحیت کی طرف نسبت کرتے ہوئے پیش کرنا مراد ہے چونکہ ان میں اس عمدہ تکلیف کو اٹھانے کی صلاحیت نہیں تھی لہذا انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح بیاں پر الجا یا انکار کا معنی بھی زبان کے ذریعے انکار نہیں جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے بلکہ اس سے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں

کا طبعی استعداد ہے۔ اُن پر قابضیت ہی میں تھی، کہ وہ باوجود امانت اٹھا سکتے، لہٰذا اُن کی حالت یہ تیار ہی تھی، مگر انہوں نے حمل امانت سے انکار کر دیا ہے۔ ان استیلاء کے برخلاف انسان میں استعداد اور صلاحیت موجود تھی کہ وہ احکام و شرائط کی پابندی کر سکے اس امانت کا پورا اٹھا سکے۔ لہٰذا اُس نے اس بوجھ کو اٹھایا جس پر اقرار کرنا کہ دنیا کی زندگی سکھت بن کر گزارے گا، اور پھر اس کے نتیجے میں جزا یا سزا کے لیے تیار ہے۔ اس آیت میں بار امانت کے اٹھانے کی علت اشر نے یہ بیان کی ہے کہ انسان ظالم اور جاہل ہے۔ ظالم اور جاہل کے معنی ہیں کہ ظلم اور جہول بدلنے کے سہنے میں یعنی انسان بُرا ہی ظالم اور جاہل ہے جس نے ایسی امانت کو اٹھالیا، جس کو آسمان، زمین اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا، امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ظلم اور جہول کے الفاظ انسان کی خدمت کے لیے نہیں آئے، بلکہ ان کو حمل امانت کی علت کے طور پر لایا گیا ہے ظلم سے مراد وہ شخص ہوا ہے جس میں عدل کی صلاحیت موجود ہو، مگر وہ بالفعل انصاف نہ کرے، اس طرح جہول کا مطلب یہ ہے کہ اُس میں حصول علم کی استعداد موجود ہو، مگر وہ بالفعل علم کے ساتھ موصوف نہیں ہے، بقصد یہ ہے کہ انسان اگر علمی طور پر عدل نہیں کرتا، علم حاصل نہیں کرتا، تو اس میں ان چیزوں کا قصور ہونے کی صلاحیت تو موجود ہے اور یہی استعداد و صلاحیت انسان کو سکھت بناتی ہے زمین، آسمان، پہاڑ، دریا سمجھ و سمیرہ عدل و علم کے حصول کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ لہٰذا وہ سکھت نہیں ہیں، الغرض اللہ تعالیٰ نے ظلم اور جہول کو حمل امانت کی علت کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

امام لغوی، صاحب تفسیر زمخشری اور بعض دوسرے مفسرین نے حمل امانت کو عذر و تعلیل مثالی طور پر بیان کیا ہے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت نقل کی

لے نتیجہ تفسیر ۲۱۷ نے معالم التنزیل ص ۱۵۶ سے منقوی سے
 ۳۰ قرطب ص ۲۵۵ ج ۱۲ (نیاض)

ہے کہ تخلیق کے بعد آدم علیہ السلام جنت میں آزادی سے ادھر ادھر گھومتے پھرتے تھے۔ انہوں نے وہاں ایک بڑی چٹان پڑی ہوئی دیکھی۔ فرشتے اس چٹان کے قریب سے گزر جاتے تھے مگر اس کے حجم اور بوجھ کے پیش نظر کوئی بھی اٹھانے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کی کم ہمتی پر حیرت ہوئی اور انہوں نے بغیر کسی کے کہے اس پتھر کو خود اٹھانے کی پیشکش کی۔ آپ نے اس چٹان کو گھٹنوں تک اٹھا کر پھینک دیا، پھر دوبارہ کوشش کی تو کدہ تک لے گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے اس پتھر کو اٹھا لیا ہے۔ تو اب یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی گمراہی پر قیامت تک رہے گا۔ یہ عمدہ تکلیف ہے جس کو تم نے برضا و رغبت اٹھا لیا ہے لہذا اب اسے زندگی بھر اٹھائے رکھنا ہوگا۔ اور اس بار امانت کو نیچے نہیں پھینکنا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی آتا ہے إِنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ بِمَعْنَى تَكْلِيفِ كَيْ يَرِ امَانَتِ لَو كُوْنُ كَے دلوں میں اتاری گئی تھی، پھر انہوں نے دنیا میں آکر اس کی تفصیلات قرآن و سنت سے معلوم کیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے اس بار امانت کی توضیح اپنے اہل ازم میں اس طرح بیان کی ہے کہ انسان نے ازل میں یہ امانت اٹھا کر لی تھی مگر دنیا میں آکر وہ عرض میں مبتلا ہو گیا۔ اور اس کی توجہ فرض کی ادائیگی کی طرف نہ رہی۔ خدا تعالیٰ نے یہ بار امانت پیش کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی پیشکش بہت بڑی چیز تھی جس میں انسان کو بڑا ہی لطفت و سرور آیا۔ اور اس نے فیصلہ کیا۔ خدا کی پیشکش کو ٹھکرا کر انہیں چاہیے، چنانچہ وہ اسی سرور میں مست رہا۔ مگر یہ نہ سوچا کہ یہ ذمہ داری یا فرض مجھ سے پورا بھی ہو سکے گا یا نہیں۔ اب جو شخص اس ذمہ داری کو نہیں اٹھائے گا۔ وہ قابلِ مؤاخذہ ہوگا۔

جنید بغدادیؒ
کی توضیح

اسی ضمن میں حضرت مجدد العالیؑ فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذاتی تخلیقات کو برداشت کرنے کی صلاحیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معافی تجلیات کو سمجھتا ہی ہیں۔ جن سے اللہ کے فرشتے اور ذاتی مخلوقات بھی مستفید ہوتی رہتی ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی ذاتی تخلیقات کا مورد صرف خاک کی انسان ہی ہیں۔ خاک میں اللہ نے ان تخلیقات کو برداشت کرنے کی وہ صلاحیت رکھی ہے جو کسی دوسری مخلوق میں نہیں ملتا۔ یہ بات اپنے شعر میں اس طرح سمجھائی ہے۔

لطافت ہے کثافت جلوہ پیدا کرناں سخی

چمن نہ نگار ہے آئینہ دار بیاری گاہ

کہتے ہیں کہ شبیہ میں سے اس وقت تک کھس نظر نہیں آتا جب تک کہ اس کے پیچھے نہ نگار یعنی آئینے کی آگاہی نہ دکھائی دے۔ اسی طرح موسم بہار کی بڑے سے لطافت اٹھانے کے لیے اس کے پیچھے چمن کا ہونا ضروری ہے۔ ادا بہار کی جب چمن نہ ہو کر آبیگی تو معمول، بوجہ صورت پنے اور آبی کی خوشبو نہ دے گی۔ اور اگر اس کے پیچھے باغ کا نہ نگار ہی نہ ہو تو یہ بڑا بیکار محض ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق مٹی سے کی ہے اور یہی وہ کثافت ہے جو انسان کو برداشت تعالیٰ کی ذاتی تخلیقات کو برداشت کرنے کی استعداد بخشتی ہے۔ لہذا انسان کا خاک ہونا ہی اُسے ہر امانت اٹھانے کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی اور مخلوق نے اس امانت کو نہ اٹھایا۔ مگر انسان نے ست اعضاء عام خسران امانت سے مراد ادا و نواں ہی لیے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اعضاء آٹھ ہیں، زبان، کان، ناک، دل، اعضائے مستترہ اور دیگر قویٰ انسان کے پاس اللہ کی امانت ہیں۔ مگر ان اعضاء کو صحیح طریقے سے استعمال نہ کرتے۔

تو اس امانت کا حق ادا ہوگا، ورنہ نہیں۔ اعضاء کے علاوہ بہت سے احکام بھی
 امانت سے تعلق رکھتے ہیں بغفلتِ جانب، حفاظتِ ناموس، فرائض کی ادائیگی، عہد
پیمان اور اورامر و نواہی کی پابندی اسی امانت سے متعلق ہیں۔ اس امانت میں خیانت
 کرنا یعنی احکام و فرائض سے غفلت اور اورامر و نواہی کی عدم پابندی انسان کے لیے
 وبالِ جان ہوگی۔ اور اس امانت کی حفاظت کرنے پر اللہ نے درجات کی بلندی
 اور گناہوں کی معافی کا وعدہ فرمایا ہے۔ لہذا اس امانت کی پاسداری کرنی چاہیے۔
 اس امانت کا حق نہ ادا کرنے والا آدمی منافق ہوگا۔ یا مشرک اور ہمیشہ کے لیے
 مبتلائے عذاب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ اگر انسان سے چار
 چیزوں کے علاوہ باقی ساری بھی فوت ہو جائیں تو اُسے فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔
 اُن میں سرفہرست امانت کی ادائیگی ہے۔ اگر اُس کے پاس کوئی مال بطور امانت
 ہے تو اُس کو واپس کرے، کوئی وصیت ہے تو پوری کرے، کوئی عہد و پیمان کیا
 ہے تو اُس کو نبھائے، یہ سب چیزیں امانت کا حصہ ہیں۔ فرمایا دوسری چیز بچاؤ ہے
 تیسری اخلاقِ حسنہ، اور چوتھی رزقِ حلال جو شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے دوسروں کے ساتھ
 حسن سلوک سے پیش آتا ہے اور وہ حلال روزی کھاتا ہے اور استعمال کرتا ہے، تو
 پھر اگر اس کے پاس اور کچھ بھی نہ ہے تو بھی فکرمند نہ ہو، کیونکہ دنیا میں ان
 چار چیزوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

شاہ عبدالقادر
کی تفسیر

شاہ عبدالقادرؒ نے حلِ امانت کی بات چند جملوں میں بڑے اچھے طریقے سے
 سمجھا دی ہے، فرماتے ہیں کہ انسان نے اپنی جان پر ترس نہ کھایا اور اس بار امانت
 کو اٹھالیا۔ نیز فرماتے ہیں کہ اپنی خواہش کو رد کر حکم کی تعمیل کرنا گویا امانت کا حق ادا
 کرنا ہے۔ انسان کے اپنے دل میں کوئی خواہش ہے اور اللہ کا حکم اُس کے خلاف

ہے تو اگر وہ اپنی خواہش کے خلاف حکم پر عمل کرے گا تو اس نے امانت کی پاسداری کی اور ایسا کرنا بہت بڑا عمل ہے، اللہ تعالیٰ نے آسمانوں زمین اور پیادوں کو ذکر کیا ہے مگر ان میں تو خواہش پائی ہی نہیں جاتی، یا اگر طبعی طور پر کرنی ہے، تو وہ اس سے بے اثر اور عرصہ بدلتے کی طاقت میں نہیں رکھتے اور اسی پر قائم رہتے ہیں یہ امانت ہی ہے جو خواہش میں رکھتا ہے۔ اور پھر احکام الہی کی تعمیل بھی کرتا ہے، اسی کا بام امانت کی اور ایسا ہی ہے۔ امانت کا قانون بھی یہی ہے کہ اگر کرنی شخص کسی کی امانت کو یہاں کہہ کر ضائع کرے گا تو اسے اس کا بدلہ دینا پڑے گا۔ اور اگر کوئی امانت کو شخص کے اختیار کے بغیر ضائع ہو جائے تو اس کا بدلہ نہیں دینا پڑتا، پھر حلال شاہ صاحب کے نزدیک حمل امانت سے مراد احکام و شرائع کی پابندی ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے مولانا شریعت کی شرح میں اور یہاں مائیت پر بھی حمل امانت کہ مائیت عمدہ قرعہ تک کہ ہے۔ رکھتے ہیں اہم قسم کر دیا جو جو عہد آسمانوں زمین اور پیادوں سے نہ اٹھ سکا، اس کو اس نادان انسان نے اپنے کندھوں پر اٹھالیا، اسی لیے تو سر ہو کر گئے کہتے ہیں۔

آسمان اور امانت نترانت گشتی

قرعہ فال بنام من ابرارہ نرون

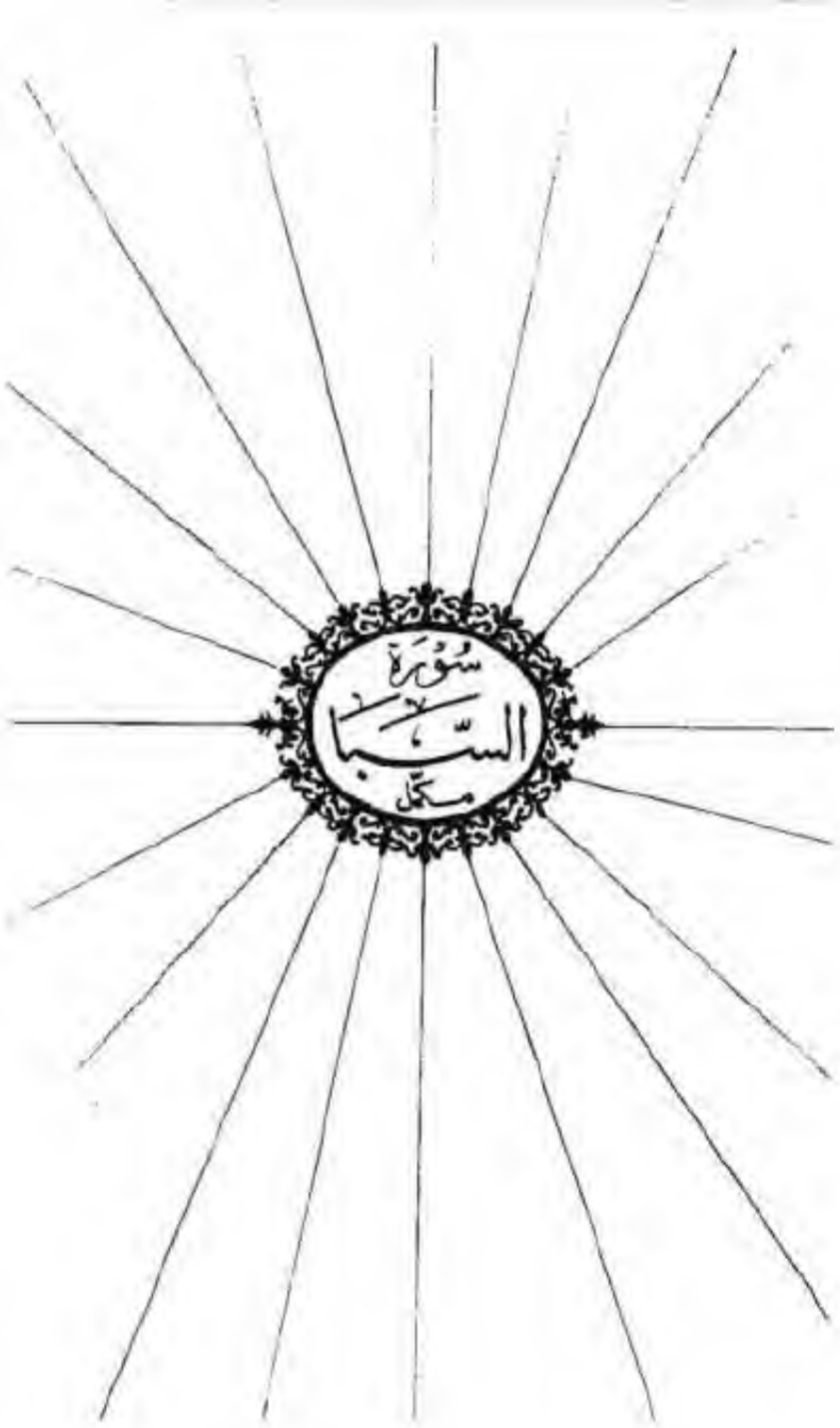
یعنی امانت کے جس ہو عہد کو آسمان زمین و اٹھاسکے اس کو اٹھانے کا قرعہ مجبور نادان کے نام پر نکلا ہے۔

مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی اہم نصیب امانت مخلوق کی کسی نوع میں رکھنے کا ارادہ کیا، اگر اگر وہ چاہے تو ایسی کرشمہ کشی کہ اس امانت قوت بازو کے ذریعے اس امانت کو محفوظ رکھ کر اسے ترقی دے سکے اور اس سلسلہ میں اللہ کی ہر قسم کی ثنوں اور صفات کا ظہور ہو۔ پھر اس نوع کے جو افراد

اس امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں تو ان پر انعام و اکرام ہو، اور جو غفلت اور شرارت سے اس امانت کو ضائع کر دیں ان کو سزا دی جائے۔ اور جو لوگ اس بارے میں قدمے کوتاہی کریں۔ ان سے معافی کا معاملہ ہو۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ امانت ایمان اور ہدایت کا تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیرا گیا ہے اور جس کی وجہ سے انسان مکلف بنتا ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ جو امانت کا پاسدار نہیں وہ ایمان سے خالی ہے۔ انسانوں کے دلوں میں موجود ایمان کے بیج کی حفاظت اور نگہداشت کی جائے گی تو ایمان کا درخت اُگے گا۔ گویا بنی نوع انسان کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں جن میں امانت کا بیج ڈال دیا گیا ہے۔ پھر بارش برسانے کے لیے رحمت کے بارل بھی دہی بھیجتا ہے۔ اور جن کے سینوں میں وحی الہی کی بارش ہوتی ہے ان کا ایمان چھلتا پھولتا ہے۔ لہذا ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ امانت الہی یعنی ایمان کے تخم کی اچھی طرح دیکھ بچال کرے اور اسے ضائع نہ ہونے سے ایسا نہ ہو کہ امانت کا پورا اگنے کی بجائے اس کا بیج ہی سوخت ہو جائے۔ اس بات کی تصدیق حضرت خذیفہؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ امانت آسمان سے لوگوں کے قلوب پر نازل کی گئی ہے۔ پھر اس کی تشریح و تفسیر قرآن و سنت سے معلوم ہوئی ہے۔ یہ امانت وہی تخم ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے قلوب رجال میں تر نشین کیا گیا ہے۔ پھر علوم قرآن و سنت کی بارش ہوئی۔ اگر اس سے ٹھیک طور پر فائدہ اٹھایا جائے گا۔ تو ایمان کا درخت اُگے گا، پھلے پھولے گا تو انسان کو اس کے شیرشیر سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے گا۔ اور اگر اس سے فائدہ اٹھانے میں انسان کوتاہی کرے گا، تو ایمان کے درخت کو ابھرنے اور پھلنے پھولنے میں نقصان ہوگا۔ اور اگر اس

معاظریں بالکل ہی غفلت برتی گئی تو سر سے قہقہہ ہی ضائع ہو جائے گا۔ آدمی کی استعدادِ ظراب جو بیلے کی اور وہ کھڑا اور شرک کی طرف چلا جائے گا۔ یہ لانت تھی جو انہوں نے آسمانوں، زمین اور پانیوں پر پیش کی مگر کسی میں بھی اس کا اٹھنے کی استعداد نہ تھی۔ ان میں سے ہر چیز جہاں حال کہ رہی تھی یعنی اس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ اس کی اہل نہیں ہے، یہ صرف انسان ہی تھا، جو اپنی استعداد کے مطابق اس عظیم بار کو اٹھانے کا حوصلہ کر سکتا تھا، وہ حقیقت اس عظیم لانت کا حق دار گزرا اور ٹاکس کی تحمیل پر زندہ افادہ زمین کو خون پسینہ ایک کر کے کب کب دبا دیا تب ہی کر لیا۔ اس ظالم و سول انسان کا ہی حصہ ہو سکتا تھا۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس بار لانت کو اٹھانے کی غایت یہ ہے رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ تاکہ اللہ تعالیٰ سزا دے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو بچے دل میں بیماری ہے اور وہ اس امانت الہی کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ ہمیشہ سزا کے مستحق ہیں وَالْمُشْرِكِينَ اور وہ مشرک مرد اور مشرک عورتیں بھی سزا کے مستحق ہیں جنہوں نے اللہ کی صفات اور عبادت میں دوسرا الہ کر لیا۔ وَالْمُشْرِكِينَ اور دلوں میں لانت کے بچ کو ظراب کر دیا، وَالْمُشْرِكِينَ اللہ عَلَّمَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور اللہ تعالیٰ مہربانی کے ساتھ رجم فرمائے گا، مومن مردوں اور مومن عورتوں پر۔ جب اللہ کا کوئی ہندہ پٹنے کی بات پر نام ہو کر نہایت محزون، انکساری کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہو کر تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بھی مہربانی کے ساتھ اُس کی طرف رجوع فرمائے گا، اسی چیز کا نام قرآن مجید ہے وَصَكَانَ اللَّهُ عَقْلَهُمْ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور ارحم الراحمین ہے۔ اگر انسان سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ چھوٹی موٹی گناہوں کو معاف کر دیتا ہے کیونکہ وہ بڑا مغفور و رحیم ہے۔



ومن یقنت ۲۲
در سر اول ۱

سبا ۳۳
آیت ۶۱۱

سُورَةُ سَبَا مَكِّيَّةٌ مِّنْهُنَّ اَرْبَعٌ وَخَمْسُونَ اٰیَةً وَقَدْ مِثَّ كُرُوعًا

سورة سبا مکی ہے اور یہ چوں آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَهُوَ
الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ① یَعْلَمُ مَا یَلْجُ فِی
الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ
السَّمٰوٰءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ۚ وَهُوَ الرَّحِیْمُ
الْقُدُّوْرُ ② وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا
السَّاعَةَ ۚ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ ۚ عَلِمِ
الْغٰیْبُ ۚ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ
ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ ۚ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ③
لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

أُولَئِكَ لَهُمْ تَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ⑤ وَالَّذِينَ
 سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَئِكَ لَهُمْ
 عَذَابٌ مِّن رَّحْبِ أَلْبَسَهُ ⑥ وَبَوَى الَّذِينَ
 أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ
 هُوَ الْحَقُّ لَا يَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ
 الْحَمِيدِ ⑦

ترجمہ:۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں
 کہ اُس کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو
 کچھ ہے زمین میں، اور اُس کی تعریف ہے آخرت میں
 اور وہ حکمتوں والا اور سب چیزوں کی خبر رکھنے والا
 ہے ⑤ وہ جانتا ہے جو پسیر داخل ہوتی ہے زمین
 میں اور جو خارج ہوتی ہے اس سے، اور جو آسمان کی طرف سے
 نازل ہوتی ہے اور جو اسکی طرف پڑھتی ہے اور وہ نہایت رحم کرنے
 والا، اور بخشش کرنے والا ہے۔ ⑥ اور کہا ان لوگوں نے جھوٹے
 کفر کیا کہ نہیں ایسی جگہ ہے پاس قیامت، آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں؟
 اور تیسرے رب کی قسم البتہ منزلہ کئے گی وہ آسمان سے
 پاس وہ جاسنے والا ہے غالب کا، نہیں غالب اُس
 سے ایک ذرہ بزرگتر ہی کوئی چیز نہ آسمانوں میں اور
 نہ زمین میں، اور نہ اُس سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی
 چیز مگر وہ ایک کھلی کتاب میں درج ہے ⑦ تاکہ

بدل دے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنوں نے اچھے کام کیے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے ﴿۵﴾ اور وہ لوگ جنوں نے کوشش کی ہماری آیتوں میں عاجز کرنے کے لیے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۵﴾ اور دیکھتے ہیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے، وہ چیز جو اُمّی گئی ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے، وہ برحق ہے اور وہ راہنمائی کرتی ہے عزیز اور حمید خدا تعالیٰ کے راستے کی طرف ﴿۶﴾

نام اور
کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ سبا ہے جو کہ اس کی آیت - ۱۵ میں آمدہ لفظ سے ماخوذ ہے۔ سبا ایک شخص، قبیلہ، شہر اور ملک کا نام تھا جس کا ذکر اس سورۃ مبارکہ کے دو سکر رکوع میں آیا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ نور سے لے کر سورۃ سجدہ تک ساری مکی سورتیں تھیں۔ اس کے بعد پہلی سورۃ الاحزاب مدنی تھی اور یہ سورۃ پھر مکی ہے۔ آگے پھر تین سورتیں متواتر مدنی ہیں اور اس کے بعد مکی اور مدنی مخلوط سورتیں آئیں گی۔

اس سورۃ کی چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں یہ سورۃ مبارکہ ۸۸۳ الفاظ اور ۵۱۲ حروف پر مشتمل ہے۔ یہ سورۃ مکی دور کے زمانہ وسطیٰ میں سورۃ لقمان کے بعد نازل ہوئی۔

سابقہ سورۃ احزاب کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے امانت کی حفاظت کا قانون نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر انہوں نے اس کو لٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے مگر انسان نے اس بار امانت کو اٹھا لیا کیونکہ اللہ نے انسان میں حمل امانت کی پوری پوری صلاحیت اور استعداد رکھ دی ہے۔ چونکہ انسان نے از خود اس بار امانت کو اٹھا لیا ہے لہذا اب یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ اس امانت کی حفاظت کرے، جو شخص اس امانت کا حق ادا

سابقہ سورۃ
کے ساتھ ربط

نہیں کرے گھمایا اس پر کسی کی گھا۔ وہ منافق ہوگا یا مشرک اور یہاں کا صنفی ٹھہرے
گھا۔ البتہ جو شخص اس امانت کو اپنے طریقے سے ادا کرے گا وہ کمال ملے گا اور ان
ہوگا۔ اور خدا کی بخشش و رحمت کا صنفی ہوگا۔ آپ اس سورۃ کے ساتھ رابطہ ہے
کہ اعظم الامانۃ یعنی سب سے بڑی امانت انسان کے پاس توحید خداوند ہے
اگر وہ توحید پر کاربند رہے گا۔ تو گوارا اس نے امانت کا حق ادا کر دیا اور کفر اور شرک
کے لئے گوارا اس امانت کو ضائع کرنے والا ہوگا۔ چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں توحید
کا بطور خاص ذکر کر دیا ہے۔

مضامین سورۃ

اسکی سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید باری تعالیٰ، رسالت،
و قیامت قیامت اور قرآن کی صداقت و معانیت کا ذکر ہی زیادہ تر آتا ہے۔
اس کے علاوہ اخلاق کی اصلاح اور انسانوں کی تہذیب پر زور دیا گیا ہے۔ توحید
کے ساتھ ساتھ اس سورۃ میں ضمنی مشرک کی تردید بھی آگئی ہے، قیامت کا اظہار
کرنے والوں کو مل جواب دیا گیا ہے۔ توحید کے عقلی دلائل پیش کیے گئے
ہیں اور قرآن مجید کی صداقت کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح رسولوں کی بعثت اور
ان کا اظہار کرنے والوں کا ذکر بھی آگیا ہے۔ سابقہ سورتوں کی طرح اس سورۃ میں
شکر گزاری اور ناشکری کا مسئلہ بیان ہوا ہے اور اس ضمن میں حسرت و نادمی کا لفظ
اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکر گزاری کا بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ
ان میں اس سورۃ مبارکہ میں شفاعت کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے۔ مشرک لوگ جبری
شفاعت کے قائل ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی۔

مضامین سورۃ

قرآن پاک کی پانچ سورتوں یعنی فاتحہ، الفاتحہ، کہف، سبحان اور فاطر کی ابتدا،
اللہ تعالیٰ کی حمد سے ہوتی ہے۔ ان سورتوں میں دنیوی اور آخرتی نعمتوں کا ذکر ہے
لہذا ان کی ابتدا حمد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ خود انسان کا وجود اللہ تعالیٰ
کا انعام ہے، اس جسم کی بقا کے لئے اللہ نے سب سے سالانہ مہیا کیے ہیں،
لہذا انسان کو ان سب نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اور آخرت کی نعمتیں تو خدا

کی شکر گزاری اور ایمان کی بدولت ہی نصیب ہوں گی۔ انسان کے لیے جس طرح
 ہوا، پانی، خوراک اور دیگر ضروریات زندگی مطلوب ہیں، اسی طرح اُس کے لیے
 پریت کی بھی ضرورت ہے جو وحی الہی، کتاب، شریعت یا دین کے پاکیزہ
 اصولوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر
 ادا کرنے کے لیے اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا، حمد باری تعالیٰ سے ہو رہی ہے۔ ارشاد
 ہوتا ہے الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
 الْأَرْضِ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہیں کہ اُنہی کے لیے ہے
 جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کائنات کی ہر چیز اُنہی کی ملکیت
 وہی ہر چیز کا خالق، مدبر اور متصرف۔

ہے۔ ان امور میں کوئی بھی اُس کا شریک نہیں، نہ کوئی پیدا کر سکتا ہے، نہ تعمیر
 کر سکتا ہے اور نہ کسی کو تصرف حاصل ہے۔ جب یہ بات ہے تو مستحق عبادت
 بھی اُس کے سوا کوئی نہیں۔ مشرک لوگ خواہ مخواہ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔
 ایدان کو نذر و نیاز پیش کر کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

یہ تو دنیوی نعمتوں کا دنیا ہی میں شکر یہ ادا ہوا، فرمایا وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ
 اور آخرت میں بھی اُنہی کے لیے تعریف ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو جو نعمتیں
 آخرت میں عطا کرے گا تو وہاں اُن نعمتوں کا شکر یہ بھی ادا کیا جائے گا۔ جب مومن
 لوگ خدا کی رحمت کے مقام بہشت میں پہنچ جائیں گے، انہیں ہر طرح کا آرام و آسائش
 حاصل ہوگا تو بے اختیار پکار اُٹھیں گے الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا
 لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْتَ هَدَيْتَنَا اللّٰهُ (اعراف: ۴۳)
 اُس خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ سب تعریفیں اُس کے لئے ہیں جس نے
 ہماری راہنمائی کی اس مقام تک پہنچایا۔ اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم یہاں
 کیسے پہنچ سکتے تھے۔ جنت میں پہنچ کر اگرچہ حمد و ثنا ضروری نہیں ہوگا۔ مگر وہاں
 پر اہل وایسان بے اختیار اللہ کی تعریف و حمد کے گیت گائیں گے

حدیث میں آتا ہے کہ جنت والوں کو خدا تعالیٰ کی تسبیح السام کہ جائے گی اور وہ ان سے اس طرح بے اختیار سرزد ہوگی جس طرح انسانی سے مانس ہے اعتبار سرزد ہوتا رہتا ہے۔ مگر آخرت میں بھی اسی کے لیے مہذب ہے۔

خدا تعالیٰ کا علم وسیلہ

فرمایا وَهُوَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ اور وہ محسوس والہ اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ کائنات کی ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی محبتیں اور مسلمات کا رخا میں جن کو انسان نہیں جانتے۔ مخلوق میں سے جس کو جس قدر اللہ کی محسوس کا علم ہوتا ہے وہ بھی قدر میں رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کس قدر بے شمار محبتیں پوشیدہ ہیں اور اس کا نظام قدرت کس عجیب و غریب طریقے سے چل رہا ہے۔

فرمایا اُس کے خمیر ہونے کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ يَعْلَمُ مَا يَكُونُ فِي الْأَرْضِ وقت بخروج منہا وہ زمین میں داخل ہونے والی اور اس سے خارج ہونے والی ہر چیز کو جانتا ہے۔ زمین میں داخل ہونے والی اشیاء میں بارش، برف، کیڑے مکوڑے اور جانور ہیں۔ اس کے علاوہ صرف بھی زمین میں داخل ہوتے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے أَلَمْ يَخْلُقِ الْأَرْضَ کفلاً (۲۵) اختیاء قَوْمًا (۲۶) سورة العنکبوت کہ ہم نے زمین کو زندہ اور مردوں کو میٹھے وانیہ بنایا؟ اسی طرح زمین سے باہر نکلنے والی چیزوں میں پوسے ورنیت، سبزہ، گھسیٹیاں اور پھر مہربانیت میں سونا، پاندی، گیس، پٹرول اور ہر قسم کی زماعتیں ہیں۔ یہ تمام چیزیں انسانی زندگی کی ضروریات میں داخل ہیں اور اللہ نے انہیں زمین سے پیدا کیا ہے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ ہر شے میں کوس جانتا ہے وَهُوَ الْغَنِيُّ الْمُتَكَبِّرُ وَهُوَ الْغَنِيُّ جو آسمان کی طرف سے اتر کر ہوتی ہے اور جو اُس کی طرف چڑھتی ہے۔ آسمان کی طرف سے اترنے والی چیزوں میں بارش ہے جس پر انسانی زندگی کا انحصار ہے۔ پانی کے بغیر نہ گیتی بڑی ہو سکتی ہے اور نہ مچھلی اور نافع پیدا ہو سکتا ہے مگر انسانی زندگی کا لازمی چھوڑ ہے۔ غور پانی

کے بغیر کوئی جائزہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ انسانی جسم میں دوڑنے والے خون میں
اسی فیصدی پانی کا عنصر ہے، لہذا پانی کا نزول بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے
علاوہ وحی الہی بھی عالم بالاسے آتی ہے اور قضا و قدر کے فیصلے بھی اللہ کے فرشتے آسمان
کی طرف سے لاتے ہیں۔

پھر آسمان کی طرف چڑھنے والی اشیاء میں انسان کی دعائیں ہیں، اُس کے
اعمال ہیں۔ فرشتے بھی آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ اُن کے علاوہ بھی بے شمار چیزیں
ہیں جو آسمان کی طرف چڑھتی ہیں۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے علم محیط کا مالک ہے کہ
وہ زمین میں داخل ہونے والی اور اس سے خارج ہونے والی، نیز آسمان سے نازل ہونے
والی اور آسمان کی طرف چڑھنے والی ہر چیز سے باخبر ہے۔ وَهُوَ الرَّحِيمُ
الْعَفُوُّ وہ بڑا مہربان اور بخشنے والا، دنیا کی ساری چہل پل اُس کی مہربانی اور رحمت
کا طور ہے۔ انسان تو ماحق شناس ہیں جو اُس کے انعامات کی قدر والی نہیں کرتے۔
اللہ تعالیٰ اپنی بخشش و رحمت کی وجہ سے انسانوں کو بہت سا موقع دیتا ہے،
وگرنہ وہ فوراً گرفت کر لے تو بندے کا کمال ٹھکانا ہے؟

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِي نَكُفِّرُوا وَلَا تُنَبِّئُكَ السَّاعَةَ
کافر لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس قیامت نہیں آئیگی۔ مجھے کے شرک بھی کہتے تھے
کہ لات اور عزیٰ کی قسم کوئی قیامت نہیں آئیگی نہ کوئی جزائے عمل واقع ہوگا۔
چنانچہ جس طرح کافر اور مشرک قیامت کا سختی کے ساتھ انکار کرتے تھے اسی طرح
جواب بھی اللہ نے سخت دیا۔ فرمایا قُلْ بَلٰی وَرَبِّ لَتَأْتِيَٰكُمْ
ایسے پیغمبر! آپ اُن سے کہہ دیں کیوں نہیں، مجھے میرے رب کی قسم قیامت تمہارے
پاس ضرور آئے گی۔ قسم کیسے انکار کرتے ہو، اللہ نے نہایت تاکید کے ساتھ فرمایا
ہے۔ آگے بھی اسی سورۃ میں آ رہا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ ان سرکشیوں میں مل جاتے
ہیں، اُن کے اجماع ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو جاتے ہیں تو یہ کیسے دوبارہ جی اٹھیں
گئے۔ اللہ نے فرمایا کہ تم قیامت کو بعید سمجھتے ہو حالانکہ یہ بالکل قریب ہے۔

وقوع
قیامت

باقی یہ بات کہ منتشر ذرات کو اللہ تعالیٰ کیسے اکٹھا کرے گا۔ اور پھر ان کو
 ایسے ہی جسم کی شکل دے گا، جیسے وہ سرے سے پہلے تھا، تو فرما یٰٰطٰیْمٰرُ الْعٰلَمِیْنَ وہ تمام
 غیب کی چیزوں کو رہائے والا ہے لَا یُعِثُّ لَکُمْ عَمَلًا مِّثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ آسمان اور زمین میں کوئی ذرہ برابر چیز بھی اس
 سے غائب نہیں ہے۔ ذرہ چوٹی کر بھی کہتے ہیں اور دشمنان کا ذرہ آنے وال
 دھوپ میں جڑھوٹی چھوٹی چیزیں نظر آتی ہیں وہ بھی ذرات کھاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے
 کہ کئی چھوٹی سے چھوٹی چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی نظروں سے اور جہل نہیں ہے۔ مگر اس کا
 علم ذرے ذرے پر محیط ہے۔ یہ اس کی صفت خاصہ ہے جس میں کوئی اور شریک
 نہیں ہے اور ہر شے پر قادر ہے، اِنَّا فِیْ سَمٰوٰتِہٖا اجزاء جہاں کہیں بھی ہوں گے وہ
 اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں لَا تُدْرِیْہُمْ شَیْءٌ مِّنْ شَیْءٍ جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔ یہ تمام چیزیں اس کے محفوظ
 یعنی مدائیہ جہز میں جمع ہیں لہذا ان کی گشت گلی کا کوئی امکان نہیں۔ اللہ تعالیٰ
 قیامت والے دن سب کو اکٹھا کرے گا۔ فَرٰہَا فَاَصْعَقَہُمْ ذٰلِکَ
وَلَا اَکْبَرُ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ اس سے چھوٹی اور بڑی کوئی بھی چیز
 اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے۔ ہر چیز ایک شکل کتاب یعنی لوح محفوظ میں
 درج ہے۔ قیامت حریف واقع ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس دن سب چیزوں کو حاضر کرے گا۔

جہنم
 کا منزل

فرما وَقَرِیْۤہِ قَیَاسُ اس لیے ضروری ہے لِیَعْلَمَیْنَ عٰی الْکَیْفِیَّتِ اَمْسُوْا
وَعَمِلُوْا الْعَمَلٰتِ اگر بدلے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جہنم کے
 اعمال انجام دیے۔ اس دنیا میں ہر چیز غلط ہو رہی ہے، لہذا ایمان کو ٹھس کر
 اس کے چھپے یا جوئے اعمال کا پورا پورا بدلہ نہیں مل سکتا، ایمان اس دنیا کا قانون تو یہ ہے
 ایک عدالت فیصلہ کرتی ہے اور اس سے لوہو پر والی عدالت اس کو کالعدم قرار دیتی ہے
 پھر اس سے اوپر والی سپریم کورٹ اس فیصلے کو مزید بدل دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
 یقین سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ کسی شخص کو اس کے جہنم کی ٹھیک ٹھیک سزا ملی
 ہے یا نہیں۔ اسی لیے قیامت کا واقعہ ہر حاضر رہی ہے، تاکہ ہر ٹھیک و نہ ٹھیک

بالکل ممتاز ہو جانے اور پھر اس کے مطابق جزا یا سزا کا فیصلہ ہو۔ یہی حتمی اور صحیح فیصلہ ہو گا جو اللہ کی بارگاہ میں ہو گا۔ اور اسی کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

پھر اہل ایمان اور اعمالِ صالحہ کے مرتبین کی جزا کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ کہ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور باعزت روزی ہوگی۔ بخشش سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کر کے اپنی رحمت کے مقام میں داخل کر دے گا۔ جہاں انہیں ہر نعمت بغیر کسی محنت و مشقت کے حاصل ہوگی۔ دنیا میں تو رزقِ ملال حاصل کرنے کے لیے بڑی تھک و دوک کرنی پڑتی ہے مگر وہاں کسی کام کا ج کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بغیر کسی محنت کے ہر چیز مہیا کرے گا۔ اہم سرخس نے اپنی کتاب المبسوط میں یہ روایت نقل کی ہے اِبْتَغُوا الرِّزْقَ فِي خَبَايَا الْأَرْضِ اس دنیا میں زمین کے گہلوں سے رزق تلاش کرو یعنی بیشک سفر اختیار کرنا پڑے، کتنی ہی محنت کی ضرورت ہو ملال راستے سے روزی تلاش کرو۔ مگر آخرت میں اللہ تعالیٰ ہر جنتی کو اس کی خواہش کے مطابق بغیر کسی مشقت کے ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ باعزت روزی سے یہی مراد ہے۔ پھر طہط کی بات یہ ہے کہ جنت میں کسی چیز کی کبھی بھی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اس دنیا میں تو کئی چیزیں نایاب ہو جاتی ہیں اور بعض میں کمی واقع ہو جاتی ہے مگر وہاں ایسی کوئی وقت پیش نہیں آئے گی۔ وہاں ہر چیز بلا قیمت اور بافراط میسر ہوگی۔

فرمایا وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں کے باسے میں کہ انہیں نیچا دکھا دیں یعنی قرآن کے پروردگار کو ناکام بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ فرمایا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ رَجَبِ اَکْبَرِ ایسے لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہو گا۔ یہاں قرآنی

قرآن کی
مفہمیت

یہ جنہوں کو پوری سزا نہیں مل سکی، لہذا قیامت کو ان کے جرائم کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔
 اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی معانیت اور صداقت کو بیان
 فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَقْرَأُ الذِّكْرَ أَذْهَبَ أَلْعِلْمَ أَوْ جَزَلًا
 کو علم عطا کیا گیا ہے وہ سمجھتے ہیں الذہیب أَنْزَلَ إِلَيْنَا مِنْ رَبِّكَ
 اُس چیز کو جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کی گئی ہے وہ کتاب الہی
 شریعت اور دین ہے جو بدیع و وحی آیا ہے وَهُوَ الْحَقُّ وہ ہے بھی برحق، انسان
 کو اسی کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے کہ یہی اُس کے لیے وَعَدَ عَلٰی ہے۔ ہر شخص
 کو اگر شش کرنی چاہیے کہ اللہ کا پروردگار ہم دنیا میں غائب ہو کر اپنے مصلح کا دروازہ
 اسی پر درگزر فرماتا ہے اور یہ ایسا پروردگار ہے وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
الْعَمِيدِ جو عزیز اور حمید خدا ہے ہرگز کے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہ اللہ
 کی کتاب قرآن پاک ہے جو بالکل سچا ہے اور اُسی کے بتلے ہوئے راستے پر
 چل کر انسان دنیا و آخرت میں کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ فرمایا اہل علم
 پر یہ بات عیاں ہے۔ لہذا قرآن پاک کی معانیت اور صداقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔

ومن یقنت ۲۲
درس دوم ۲

سبا ۲۳
آیت ۹۲

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ
يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِقْتُمْ كُلٌّ مِّمَّزِقٍ ۚ إِنَّكُمْ لَفِي
خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ أَفَتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ
جِنَّةٌ بِلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي
الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۝ أَفَلَمْ يَرَوْا الْحَبْلَ
مَابَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنْ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَإِنْ نَسُوا نَحْسَهُ بِهَمِّ
الْأَرْضِ أَوْ نُسُقُطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ
فَإِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝ ۹

ترجمہ ۱۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیروہ
اختیار کیا، کیا ہم بتلاہیں تمہیں ایسا شخص جو تمہیں خبردار کرتا
ہے کہ جب تم پارہ پارہ کر دیے جاؤ گے پورے
طریقے سے پارہ پارہ کیا جاتا تو بے شک تم نئی مخلوق
میں ہو گے ۵ اس نے اقرار کیا ہندھا ہے اللہ پر جھوٹ
یا اس کو جنون ہے۔ (فرمایا یہ بات نہیں) بلکہ وہ
لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر، وہ عذاب میں
ہوں گے، اور گمراہی میں دور پڑے ہوئے ۸ کیا

ان لوگوں نے نہیں دیکھا جو کچھ ان کے سامنے ہے ،
اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے آسمان اور زمین میں
مگر ہم چاہیں تو دیکھا دیں ان کو زمین میں یا ہم لوگوں
ان پر کوئی ٹھکانا آسمان سے ۔ بیشک اس میں ایسا
نشان ہے ہر اُس بندے کے لیے جو رجوع مکرر ہے
خدا تعالیٰ کی طرف ⑨

صورۂ سبکی ابتداء نہ تعالیٰ کی مدد سے ہوئی ۔ دنیا و آخرت میں انبی
کے لیے تعریف ہے ۔ اللہ تعالیٰ علیم کل ہے اور وہ دوسرے ذرات کو جانتا ہے
پھر اس نے قیامت کے متعلق فرمایا کہ لوگوں کو چہیز نہیں اٹھا کر کہتے ہیں کہ قیامت
نہیں آئے گی مگر اللہ نے اپنے نبی کو مطالبہ کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہیں
کہ میرے رب کی قسم قیامت ضرور وارد ہوگی ۔ خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے آسمان و
زمین کی ہر چھوٹی بڑی چیز اس کے علم میں ہے اور کوئی ذرہ بڑھ چھوٹا اس کے غنی
نہیں ۔ اس کے علاوہ ہر چیز خدا کی ربوبیت میں بھی محفوظ ہے ۔ لہذا کسی چیز سے
مصراف نظر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ فرمایا قیامت کی آمد اس لیے ضروری ہے
کہ اہل ایمان کو ان کے حقیقہ سے نیکی اور اخلاص کا پورا پورا بدلہ مل سکے اللہ نے
یہ بھی فرمایا کہ اہل علم لوگوں جانتے ہیں کہ آپ کی طرف انزال کردہ کتاب قرآن مجید
برحق ہے جو کہ سید سے راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہے ، اللہ نے مومنوں کو
دشمنیات کا بھی تذکرہ فرمایا جو کفار و مشرکین قومہ ، رعالت ، قرآن اور معاد کے
متعلق کہتے تھے ، خاص طور پر قیامت کے متعلق زور دے کر کہ وہ ضرور
آئیں اور جزائے عمل ضرور واقع ہوگا ۔

بعد از موت

اب آج کے درس میں بھی اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت کے متعلق مومنوں
کے شبہات کو دور کیا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے ۔ وَقَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا
اور کفر کا شیعہ اختیار کرنے والوں نے کہا هَلْ نَعْلَمُ بِمَا عَلَىٰ رُسُلٍ

بہاوت کا شکر کا رنگ دنیا میں مسرت کی زندگی رکھتے ہیں اور انہیں ان کی نیکی کا پورا صلہ نہیں ملتا۔ مگر آخرت میں ہر چیز مکمل کر سائے اُٹھائے گی، نیکی اور بدی میں امتیاز ہوگا، جہنم اور جہنم گناہ الگ الگ ہو جائیں گے، قرائن وقت ہر شخص کو اس کی محنت کا عوض اور جہنم و جہنم کا پورا پورا بدلہ مل سکے گا۔

بہر حال جب اللہ کا نبی کفار و مشرکین کو قیامت اور جزائے عمل سے خبردار کرتا تو وہ کہتے: **أَفْتَرَىٰ عَلَىٰ اللَّهِ كَذِبًا** کہ اس نے افتراء یا مذہب اللہ پر جھوٹ۔ کہتے تھے کہ اللہ کا نبی وقوع قیامت کو اللہ کی طرف غلط طور پر منسوب کر رہا ہے (العیاذ باللہ) مگر اللہ نے نبی کو حکم دیا کہ قسم اٹھا کر کہیں کہ قیامت منہ آنے والی ہے۔ اللہ کافروں ہے **وَعَدَ الْغَالِبِينَ** اے کافروں! تم کو فوٹیلین والا سبوتاؤ۔ ۱۱۰، ۱۱۱) یہ جہاں پہلا وعدہ ہے جسے ہم پورا کر کے دیں گے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی کی طرف کوئی جھوٹ بات منسوب کر رہا ہے کہ یہ بات اللہ کے نبی نے کہی ہے، حالانکہ وہ نبی کا قول نہیں ہوتا تو ایسا شخص کبیرے گناہ کا مرتکب ہوا ہے، اور جو شخص نبی پر افتراء یا مذہب ہے وہ اُسے حقیر سمجھ کر اُس کی قرین کام مرتکب ہوا ہے، **الَّذِي كَفَرَ** جو کافر ہوا ہے۔

فرمایا کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اللہ پر افتراء یا مذہب ہے۔ اُتر بیہ چٹہ یا پھر یہ شخص یعنی اللہ کا نبی معاذ اللہ دیرانہ ہے جو اس قسم کی بیکی ہو سکتی باتیں کر رہا ہے کہ قیامت آنے والی ہے، سب لوگ قبروں سے اٹھیں گے، حساب کتاب کی منزل آئے گی اور ہر چیز اور منزل کے فیصلے ہوں گے۔ کہتے تھے لالت اور عزای کی قسم نہ کوئی قیامت ہے اور نہ کوئی جزائے عمل کی منزل آئے گی حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں نبی سے بڑھ کر کوئی عقل مند نہیں ہوتا مگر حضور علیہ السلام تو تمام انبیاء کے بھی سرور ہیں جن کا کوئی قول فعل غلط عقل نہیں۔ آپ کو

دیوانہ کہنا تو محض ضد، عناد اور تعصب کی بنا پر ہی ہو سکتا ہے۔ یہ ایسے بہ بخت لوگ تھے کہ کبھی آپ کو دیوانہ کہتے، کبھی شاعر اور کبھی کذاب کہتے، کفار کا یہ سلوک صرف حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص نہیں تھا کہ لوگوں نے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی ایسے ہی خطاب دیے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو ذلیل اور کذاب کہا بعض جادوگر کہتے تھے اور بعض مسحور کہتے یعنی اس پر جادو کا اثر ہو چکا ہے۔ کہتے تھے اس کا کلام جادو کا اثر رکھتا ہے۔ بہر حال کافروں نے کہا کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا پھر یہ مجنون ہے۔

اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ یہ کافر و مشرک لوگ اپنی بات میں سچے نہیں ہیں۔ یہ وقیع قیامت کا انکار کر رہے ہیں مگر بالآخر یہ پکڑے جائیں گے فرمایا بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ بَلَائٌ خِصَّةٌ بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ وہ سزا کے مستحق ہیں اور وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب کوئی شخص دور کی گمراہی میں جا پڑتا ہے تو پھر اس کا روبرو راست پر آنا محال ہو جاتا ہے، وہ اُسی کفر و شرک کی نجات کے ساتھ ہی دنیا سے جاتا ہے اور لازماً سزا کا مستحق بنتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے أَفَكُمُ سِنَّ وَالْجِبِّ مَابَيْنَ آيِدِيهِمْ وَمَا خَلَقَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ کیا انہوں نے آسمان و زمین میں نہیں دیکھا جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے؟ کائنات میں ذرا غور کرو اور پھر بتلاؤ کیا یہ کسی انان کا پیدا کردہ ہے یا کسی لات اور عزریٰ نے ان کو پیدا کیا ہے سورۃ العنکبوت میں ہے وَلَقَدْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ (آیت ۶۱) ذرا کفار و مشرکین سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیے ہیں، اور پھر راج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے تو وہ جواب دیں گے کہ ہر چیز اللہ ہی نے پیدا کی ہے اور وہی ہر چیز کا متصرف ہے۔ جب ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر یہ غیروں کو اس کے ساتھ کیوں شریک بناتے ہیں۔

توحید کے
درجات

یہ قرطبی حقاقت کی بات ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ توحید کے چند مراتب ہیں جن میں سے دو درجات ترسعت علیہ میں اور دو میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی اُس کا وجود خود بخود ہے، کسی کا عطا کردہ نہیں۔ لفظ اللہ اور نہ اسی معنوم کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس میں کسی مذہب و ملت والے کو اختلاف نہیں۔ دوسرا درجہ خلق کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے اُس کے خالق ہونے میں بھی کسی کو اختلاف نہیں۔ البتہ دوسرے دو درجات یعنی تہبیر اور عبادت میں اگر دو گروہ بن جاتے ہیں۔ اہل ایمان ہر قسم صرف اللہ کو کہتے ہیں یعنی ہر کام کی تدبیر وہ خود کرتا ہے اور اس ضمن میں کسی دوسرے کی معاونت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ برعکس اس کے مشرک لوگ دوسروں کو بھی تدبیر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دوسرے بھی کچھ تدبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض ستاروں کو تدبیر دیتے ہیں اور بعض شجر و پودوں کو بعض مخلوق کی جبری مشافہت کے قائل ہیں کہ خدا تعالیٰ یعنی باریا، ارض و سماء کے ہر ذرات کے جہیں مذاہب سے بچا لیں گے۔ یہ بھی باطل عقیدہ ہے۔ پھر چوتھا درجہ عبادت کا ہے۔ ایمان والے عبادت بھی صرف اللہ کی کرتے ہیں۔ جب کو مشرک لوگ دوسروں کی نذر و نیاز بھی دیتے ہیں، ان کے نام کا پڑھاوا پڑھاتے ہیں اور ان کو سجدہ کرتے ہیں۔ بعض لوگ شمس و قمر کے سامنے سجدہ کر رہے ہوتے ہیں۔ بعض شجر و پودوں کو سجدہ دیتے ہیں اور بعض جن کی پرہیز کرتے ہیں۔ نہ صرف اس درجہ میں بھی مومن اور مشرک الگ الگ ہیں۔ بہر حال زیادہ کمالات کا خالق، اکمل، مدبر اور تصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کیا یہ سب کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے نہیں دیکھتے۔

مشرک کے لیے سزا

اس کے باوجود اگر ہر لوگ مشرک سے باز نہیں آتے تو فرمایا: **إِنْ تَشَاءُ خَفِضْتُ لَهُمُ الْأَمْرَئِ** اگر ہم چاہیں تو سزا کے طور پر انہیں زمین میں دھنسا دیں۔ دنیا میں نعمت کے واقعات مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ اللہ نے کئی قزول

کو یہی سزا دی۔ قارون کا واقعہ تو قرآن پاک میں موجود ہے کہ اللہ نے اُس کو اس کے گھر اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ سورۃ القصص میں موجود ہے فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبَنَادُورِ الْمَرْصُكِ (آیت - ۸۱) اس قسم کے واقعات اب بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں جاپان میں زبردست زلزلہ آیا تھا جس میں ڈیڑھ لاکھ آدمی زمین میں دھنس گئے تھے۔ ابھی بیس سال پہلے بمبے کی بارہ ہزار کی پوری بستی زمین میں دھنس گئی تھی ۱۹۳۵ء میں کوسٹہ کا واقعہ بھی ایسا ہی تھا جس میں زمین میں بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئی تھیں اور ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسے ناہنجاروں کو زمین میں دھنسا دیں۔

اَوْ فَسِقْطٌ عَلَيْهِمْ كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ يَٰ اَگَر چاہیں تو ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگرا دیں۔ کچھ عرصہ پہلے امریکہ کے کسی علاقہ میں شہاب گرا تھا۔ جس میں سے آگ بستی تھی۔ اس حادثہ میں چار پانچ سو آدمی ہلاک ہو گئے تھے۔ قوم لوہے پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی تھی اور ان کی پوری بستی بھی الٹ دی گئی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ایسی سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

فَرَمٰۤیۡۤا اِنْ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیۃٌ لِّکُلِّ عٰبِدٍ مُّنِیۡۤبٍ بِشَکِّہٖ
اس میں نشانی ہے خدا کی طرف رجوع کئے جانے پر بندے کے لئے۔ جس شخص کے دل میں ایمان کی ذرا سی رت بھی باقی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کو ہی اپنا مرجع و مادی سمجھتا ہے وہ جان لے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ قادر و مطلق اور علیم کل ہے۔ اس کے انبیاء اور کتب میں برحق ہیں۔ وقوع قیامت برحق ہے۔ اور جزائے عمل کی منزل آنے والی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سزا دینے پر بھی قادر ہے ابلاشبہ ایسے شخص کے لئے جگہ جگہ ذمات قدرت پھیلے ہوئے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر وہ ایمان کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کر سکتا ہے۔ البتہ جس شخص کے دل میں غرور و تکبر ہے اور جو کفر و شرک سے پاک نہیں اسکی سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی اور وہ اسی طرح اندھیروں میں سرگرداں پھرتا رہے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ إِنَّا مُجِبَالٌ أُولِي
مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۖ وَآلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ۖ ۱۱ إِنَّا نَعْمَلُ
سَيِّغَتِ وَقَدَّرَ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا
إِلَّا بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۱۱

ترجمہ:- اور ابتر تحقیق دی ہم نے داؤد علیہ السلام کو
اپنی طرف سے بڑی نصیبت۔ (اور ہم نے حکم دیا) اے
پاؤں! (اور اُس کے ساتھ اپنی آواز کو۔ اور پرندوں کو
بھی) (ہم نے مسخر کر دیا اس کے لیے) (اور ہم نے نرم
کر دیا اس کے لیے) (جسے کہ ۱۱) (اور ہم نے کہا)
کہ بناؤ (کامل بھیجے کی) (ازہیں) اور انزلہ (مٹاؤ) (کڑیاں
جوڑنے میں) اور عمل کرو نیک۔ (جسک میں) (جو کچھ
تم کرتے ہو) اس کو دیکھنے والا ہوں ۱۱

و غیر کی سرگرمی کی طرح اس سورۃ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد کا ہی ذکر ہے
یعنی توحید، رسالت، معاد اور قرآن کریم کی حقانیت و صداقت، خاص طور پر توحید کے
عملی اور عقلی دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر بھی اس سورۃ کا من
موضوع ہے۔

گزشتہ درس میں توحید کے دلائل ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا
إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّعِبَادٍ مُّتَذَكِّرِينَ ۖ کہ جبکہ ان چیزوں میں
جو مع ال اللہ رکھنے والے بندے کے لیے نشانی ہے، سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ

کافران ہے **وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ** (آیت ۵۴)
 اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اس کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ اس ضمن میں کج کے
 در میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رجوع رکھنے والے اپنے دو بندوں حضرت داؤد
 اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر فرمایا ہے اور ان کو امانت الی اللہ رکھنے والے
 بندوں میں بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ اللہ نے دونوں باپ بیٹا کو بڑی فضیلت
 عطا فرمائی بے مثال حکومت دی، اس کے باوصف ان میں کمال درجے کی اہمیت
 پائی جاتی تھی۔

داؤد علیہ السلام
 کے فضائل

ارشاد ہوتا ہے **وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا** اور البتہ
 تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ آپ
 صاحب شریعت نبی ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب زبور بھی عطا فرمائی جیسا کہ
 سورۃ نبی اسرائیل میں فرمایا **وَأَتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا** (آیت ۵۵) فرمایا **يَا دَاوُدُ إِنَّا**
جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (ص ۲۶) اے داؤد علیہ السلام! ہم نے آپ کو
 زمین میں خلافت عطا فرمائی تاکہ تم لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لو۔
 نبوت بھلے خود بہت بڑی فضیلت ہے کہ انسان کے لیے اس سے بڑھ کر
 کوئی فضیلت نہیں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر سورۃ الانبیاء اور نمل
 میں آچکا ہے اور آگے سورۃ ص میں بھی آ رہا ہے جہاں اللہ نے ان کی فضیلت
 اور برتری کو بیان کیا ہے۔ رسول اور خلیفہ ہونے کے باوجود آپ کمال درجے کے
 عبادت گزار بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافر مانتے تھے کہ **إِنَّا أَعْبُدُ الْبَشَرَ**
 آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کافران ہے کہ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کھتے تھے۔

یہ بہت بڑی سعادت ہے جس کو نصیب ہو جائے۔ ہماری امت کے لوگ اگر مومن
دن چھوڑ کر کسی روزہ رکھ لیں تو بہت بڑی بات ہے مگر داؤد علیہ السلام ایک دن
چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھتے تھے۔

داؤد علیہ السلام
کی خوش الحالی

حضرت داؤد علیہ السلام کو کتاب زبور عطا کی گئی اس میں زیادہ تر مومن تعالیٰ
کی حمد و ثناء ہے۔ آپ اس کتاب کی تلاوت نہایت خوش الحالی سے کرتے تھے کہ
آپ کی آواز سن کر پناہ اور پند بھی آپ کے ساتھ تلاوت میں شریک ہو جاتے
حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو کتاب الہی
کی تلاوت کا اس قدر فرائض و شوق تھا کہ آپ اپنے خادم کو اجیل سے غمزدار نہ
کھا مکھ مینے اور بہت تک غمزدار ہمیشہ کیا جاتا آپ پوری زبور کی تلاوت مکمل
کر لیتے۔ آپ کی طرح حضرت ابروہی اشعر ہی بھی بڑے خوش الحان تھے۔ آپ
رات کو قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے۔ حضور علیہ السلام نے یہ آواز سنی تو
فرمایا لَعَلَّہُ اُذِنَکَ مِنْ عَزَا ثَمِثٍ مِّنْ اَمِیْنٍ کَذٰلِکَ یَعْنِیْ اَمْرَئِیْ
تمہیں داؤدی جھلا حلقہ فرمایا ہے۔ یہی امریٰ چاہتا ہے کہ تیری تلاوت کو سننا بہوں۔
خوش الحالی خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جسے عطا ہو جائے یہ فیاضیت ہی
یہ میرے مگر جسے مل جائے اُسے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کو اچھے
معصوم میں لانا چاہیے اس آواز کے ساتھ اللہ کی حمد و ثناء بیان کرے اور
قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اکثر لوگ خوش الحالی سے
غفلت ناکہ اٹھاتے ہیں اور علمی اور غیر علمی کانٹے لگا کر اس نعمت خداوندی کی ٹھکری
کے سر تکب ہوتے ہیں۔ اکثر عشقیہ اور غیر اخلاقی اشعار پڑھ جاتے ہیں جو بالآخر
انسان کے لیے وبال جان بن جاتے ہیں۔

سے

تھے ابن کثیر ص ۵۲۶ و قرطبی ص ۲۶۵ (یاض)

بہر حال جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی میٹھی اور پرسوز آواز میں تلاوت فرماتے تو ارد گرد کے پہاڑ، شجر و حجر اور پرندے بھی آپ کے ہموا ہو جاتے، یہ کوئی مبالغہ کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا اور خرقِ عادت کے طور پر ان سے بھی ویسی ہی آواز نکلتی تھی، جیسے آپ تلاوت فرماتے تھے۔ سورۃ غل میں ہے — عِلْمُكَ مَنْطِقُ الطَّيْرِ ذَاكِ (۱۶) اللہ نے دونوں باپ بیٹے کو پرندوں کی بولیاں بھی سکھا دی تھیں۔ اور آپ کے تابع بھی کر دیے تھے۔ وہ بھی آپ کی آواز کے ساتھ آواز ملنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ عادت کے خلاف کسی چیز کو پیغمبر کے تابع کر دے یا کوئی دیگر خرقِ عادت واقعہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو یہ معجزہ کو آسمان اور یہی چیز اگر دل کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔ معجزہ اور کرامت انسان کا اپنا فعل نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جسے جب چاہے اور جہاں چاہے ظاہر کر دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے وَمَا كَانَ لِنُفُوسٍ أَنْ يَتَكَبَّرَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (المومن - ۷۸) کسی نبی اور رسول کے لائق نہیں ہے کہ وہ اذنِ الہی کے بغیر کوئی نشانی پیش کر سکے۔ ہاں اگر ایسی ہی کوئی خرقِ عادت چیز کافر، مشرک یا نافرمان کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو وہ استدراج کہلاتا ہے یعنی سیلے شخص کو بغاوت کی مہلت ملتی رہتی ہے۔ پھر جب وہ مہلت پوری ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت آجاتی ہے۔ قربِ قیامت کے واقعات میں دجال کا ذکر بھی آتا ہے جو زندانی دعویٰ کرے گا اور اُس کے ہاتھ پر بڑے بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آئیں گے جنہیں دیکھ کر لوگ ذمگ رہ جائیں گے اور اس کی طرح وہ اکثریت کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوگا، مگر یہ سب استدراج ہوگا، جو مقررہ وقت پر ختم ہو جائے گا۔

معجزہ اور
کرامت

پہاڑوں
پرندوں
کی ہموائی

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا ذکر سورہ ہاتھا۔ اس مقام پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حکم دیا یَجِبُ الْاُقْلِبُ مَعَكُمْ وَالطَّيْرِ لَیْ سَیَّارُ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ اپنی آواز کو لوٹاؤ یعنی ان کے ساتھ صدائیں

میں شریک ہو جائے اور ہم نے پرندوں کو بھی آپ کے لیے سخر کر دیا، وہ بھی آپ کے
ساتھ نذرانی کرتے تھے، یہ بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو مجبور و عطا فرمایا
تحدہ چار اور پرندے واقعی آپ کے ساتھ ہوا، مگر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے تھے
پسندیدہ اور مسرت دہشہ قسم کے گمراہ لوگوں نے معجزات کا انکار کیا ہے۔ اور
قرآن پاک میں مباح جہاں بھی معجزات کا ذکر آیا ہے، انہوں نے انہی سیدھی آدھیں
کی ہیں مثلاً میں نسخہ طبر کے متعلق ایسے لوگ کہتے ہیں کہ طبر سے مراد بنگلی آدمی ہیں
نہ کہ پرندے، پرندے تو اللہ کا مسمیٰ قافروں اور عالم کا مسمیٰ سافدان کیا ہے۔
قرآن پاک میں آتھ ہے اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر: ۲۸)
اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے وہی خوف کھتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔
پرندے کے نزدیک علم سے مراد قرآن و سنت اور حدیث و فقہ کے علم انیسویں صدی میں
ہیں غلام وہ علم اور دہریہ ہوں یا ہندو اور سکھ ہوں۔ اسی طرح اُنہوں نے خود کو عین
کا مسمیٰ پاکیزہ و حق کیا ہے اللہ ال کا مسمیٰ اونٹ کی بجائے بارل کیا ہے۔ بہر حال یہ لوگ
قرعہ عزت کے سحر میں مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے معجزات پر معجزات کا ذکر کیا ہے جن
میں سے ایک یہ بھی ہے کہ چار اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ
مل کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے تھے۔

لے کے
تفسیر

پس چاروں اور پرندوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ آگے اللہ نے قمری چیزوں کا
ذکر فرمایا ہے۔ **وَأَنشَأْنَا لَهُ الْهَدْيَ يَدُورُ** اور ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے وہ
کو نورم کر دیا۔ اللہ کے کارخانہ قدرت میں لوہا ایک اہم چیز ہے۔ اس کے نام پر
قرآن پاک میں ایک مستقل سورۃ اکھد بھی ہے جس میں اللہ نے فرمایا ہے **وَأَنزَلْنَا
الْهَدْيَ فِيهِ يَوْمَئِذٍ وَاشْهَدُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ** (آیت: ۲۵)
اور ہم نے لوہا اتارا، اس میں سنت لڑکی کا سامان ہے اور لوگوں کے لیے اور سنت
سے فالسے ہیں۔ لوہا ابتداء کے زمانہ سے ہی کارآمد و حیات کے طور پر استعمال ہوتا
چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ادریس علیہ السلام نے اس سے سوئی تیار کی جس سے آپ

نے کپڑے سینے کا آواز کیا۔ اس قریبی زمانہ میں موجودہ دور تو ایسی دور کہلاتا ہے جب کہ پہلی صدی کو لوہے کا دور (IRON AGE) کہا جاتا تھا۔ اس زمانے میں لوہے سے بڑا کام لیا گیا اور بڑی مشینری تیار کی گئی جس کے نتیجے میں دنیا میں صنعتی انقلاب آیا اور آلات حرب و ضرب میں بھی بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ آج چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر دیوہیکل مشین، ٹینک، ہوائی جہاز، بحری جہاز اور ریل گاڑیاں لمبے کی ہر ہون منت ہیں۔

لڑا ایک سخت دھات ہے جسے تیراگ میں ہی نرم کیا جاسکتا ہے۔ مگر اللہ نے اس کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزانہ طور پر نرم کر دیا تھا۔ بغیر کسی کڑاں فرما کر نہیں کہ آپ کے لیے لڑا آئے یا موم کی مانند تھا جس کو بغیر گرم کیے جس طرف چاہتے توڑ پھڑ کر اس سے اشیاء بنا لیتے۔ لوہے سے کام لینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا اِنْ اَعْمَلْتُمْ سَبِيحَتِ اَبِ اس سے نہیں بنائیں۔ وہی لوہے کی قمیض جو دوران جنگ میں بچاؤ کے لیے پہنی جاتی ہے۔ یہ چیز لوہے کی چھوٹی موٹی کڑیوں کو ملا کر تیار کی جاتی ہے، سابقہ زمانے میں لڑا انسانی جسم کی حفاظت کا ایک موثر ذریعہ تھی۔ اب زمانہ ترقی کر گیا اور جنگی ہتھیار کے طور پر۔ بڑے بڑے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں ایجاد ہو چکی ہیں۔ بہر حال اللہ نے آپ کو نہیں بننے کا حکم دیا۔

امام نبویؐ نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام خلیفۃ اللہ تھے۔ آپ ہمیں بدل کر عام شہریوں میں گھل مل جاتے اور پھر ان سے پوچھتے کہ تمہارا خلیفہ کیسا ہے۔ اکثر لوگ آپ کی تعریف کرتے کہ بڑا نیک اور عادل حکمران ہے۔ ایک موقع پر اسی طرح آپ نے کسی شخص سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ ہمارا خلیفہ تو بڑا اچھا ہے، صرف ایک ہی نقص ہے کہ وہ

شیریں

ذاتی اخراجات کے لیے بیت المال سے وظیفہ لیتا ہے۔ یہ سُن کر آپ سخت پریشان ہوئے کہونکہ آپ واقعی اپنے اہل بچوں کے اخراجات بیت المال سے پورے کرتے تھے۔ اگرچہ حاکم کے لیے بیت المال سے خرچ لینا ناجائز نہیں ہے۔ مگر آپ نے اسے تقرری کے خلاف تصور کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اپنے کوئی ایسا سبب پیدا کر دے کہ میرے ہاتھ سے یہ خرچ بھی وصل جلتے۔ اس سبب پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہم نے تمہارے لیے اسے کوڑم کروا دیا ہے۔ اس کی کٹیاں جو کٹا رہیں ناؤ اور انھیں بیچ کر اپنے اہل غار کے اخراجات پورے کر دیا کرو۔

بہتر
کافی

حدیث شریف میں آج کے انسان کے لیے بہتر روزی وہ ہے جو وہ اپنے (تھوڑے) کما ہے اور اللہ کے بے پنے اٹھ کی کما سے کھاتے تھے۔ اٹھ کی کافی سے مرد صرف مزدوری یا صنعت و حرفت ہی نہیں بلکہ محنت کا ہر کام کر رہے جس میں کاشتکاری، ہزارست، تعلیم وغیرہ بھی آجاتے ہیں۔ جو شخص اٹھ کی کما سے کافی کام کرتا ہے، زمین کے ذریعے سوچا کھیتا اور منحوس ساری کرتا ہے وہ بھی اس میں آتا ہے، مطلب یہ کہ جو آدمی اپنے ظاہری اور باطنی قویٰ کو استعمال میں لاکر کوئی کام کرتا ہے وہ اٹھ کی کما والوں میں شامل ہے اور اللہ کے نبی سے اپنے بہتر روزی قرار دیا ہے۔

تفسیری روایات میں آج ہے کہ دُرود علیہ السلام کی تیار کردہ روزہ اتنی عمدہ ہوتی تھی کہ چوبیس ہزار روزہ قیمت پائی تھی۔ آپ اس میں سے چار ہزار روزہ صدقہ کر دیتے اور دو ہزار روزہ ہم فقہرین استعمال کر لیتے۔ اسلامی تاریخ میں بعض ایسی باتوں کا ذکر فقہ جہ بیت المال سے وظیفہ نہیں لیتے تھے بلکہ خود اٹھ کی کما سے اخراجات پورے کرتے تھے۔ ہندوستان میں آخری دور کے سب سے بڑے حکمران اور گمراہ نریب عالمگیر کا بت کر کے اپنے لیے روزی کا تھ تھ

اسی طرح ناصر الدین تمش بہارت سے برہانہ کی سلطنت کے مالک تھے۔ مگر اپنے
ہاتھ کی کمان سے گزرا، قات کرتے تھے۔ بعض دوسرے حضرات بھی کوشش
کرتے تھے کہ بیت المال پر بوجھ نہ ڈالیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو افضل ہے اور نہ
بیت المال سے حسب ضرورت لے لینا جائز ہے۔

ایک دور اندیش وری کا ہے اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام قائم کر رکھا ہے۔
کہ ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے مختلف لوگ مختلف پیشے اختیار کرتے
ہیں۔ کوئی کوسہ کا کام کرتا ہے تو کوئی ٹکڑی کا، کوئی برتن بناتا ہے تو کوئی کپڑا
بناتا ہے، کوئی رنگ ساز ہے تو کوئی جو سازی کرتا ہے، ہاتھ سے کوئی بھی
جائز کام کیا جائے، محبوب نہیں ہے، ہمارے ہاں ہندوؤں کی طرف سے آنے
والی ذات پات نے بعض پیشوں کو حقیر بنا دیا ہے جو کہ غلط ہے۔ کام کوئی بھی کرتا
ہو انسان کا اخلاق اچھے کر دے اچھا ہونا چاہیے، دین دار ہونا بڑائی سے بچنے والا اور
نیکی کرنے والا ہو۔ ہر جائز پیشہ درست ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے تجارت بھی کی
ہے اور بکریاں بھی چرائی ہیں۔ حدیث زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے اور یس
علیہ السلام مشین اور سولہ بناتے تھے، الغرض! محض پیشے کی بناء پر کسی کو حقیر نہیں سمجھنا
چاہیے اور نہ ہی کوئی پیشے کی بناء پر زیادہ باعزت ہوتا ہے، بلکہ عزت کا اصل معیار
تقویٰ ہے۔

اللہ نے فرمایا کہ کہہ سے زرہیں بناؤ وَقَدَّرَ فِي السَّيِّدِ لَكُمْ لَئِنْ
كُنْتُمْ حَافِظِينَ لِحُكْمِ اللَّهِ فَآتَاكُمْ مِنْهُ زُرَّهً سَاوِيَةً مِمَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ
رکھنا پڑتا ہے اور اُن کو جوڑتے وقت تناسب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے،
اسی بے فرمایا کہ اس کام کو اندازے کے مطابق ٹھیک ٹھیک انجام دو۔ مولانا
اشرف علی تھانوی ذہن تھے ہیں کہ کسی بھی کام کے کرنے میں وقت کا انضباط بھی

بڑا ضروری ہے۔ ہر کام کی نوعیت کے پیش نظر اس کے لیے وقت مقرر کرنا چاہیے
 کسی ایک کام میں اتنا سے سے زیادہ وقت گمنے کی صورت میں دوسرا کام متاثر
 ہو سکتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان اپنا سا وقت کا دودھ اور کیلے ملتے میں گھاٹے
 اور اللہ کی عبادت کے لیے وقت ہی نہ نکال سکے، آخرت کی فکری ہی نہ کئے۔
 فرمایا ہر کام کرنا اُن سے کے مطابق کرو وَأَعْمَلُوا صَلَاحًا اور اچھے کام کرو۔
 بسے افعال سے اجتناب کرو۔ یہ خطاب اگرچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے
 ہے مگر پوری قوم انسانی کے لیے یہی حکم ہے کہ نیکو کاری سے اختیار کرو اور برائی سے
 بچو۔ فَرَمَا إِلَهُمْ يَسْمَعُ صَلَاحُونَ بھائیو! میں تمہارے ہر کام کو دیکھ
 رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم کون سا کام کس غلص اور نیت کے ساتھ کر رہے ہو۔
 میں انہی کے مطابق بدلہ بھی اٹھا کر دوں گا۔

وَلَسُلَيْمَنَّ الرِّيحَ عُدُوَّهَا شَهْرٌ وَرَوَّاحُهَا شَهْرٌ
وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ
بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَن يَزِغْ مِنْهُمْ
عَن أَمْرِنَا نَذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ⑫
يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِبَ وَتَمَاثِيلَ
وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّسِيَّتٍ ۚ اَعْمَلُوا
أَلْ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ ⑬

ترجمہ :- اور سلیمان علیہ السلام کے لیے (ہم نے) سحر کر
دیا) ہوا کو۔ اس کا پہلا پہر ایک ماہ کی مسافت طے کرتا اور
پچھلا پہر بھی ایک ماہ کی۔ اور بہا دیا ہم نے اُس کے لیے
تانبے کا چشمہ۔ اور وہ جنات میں سے تھے جو محنت
کرتے تھے اُس کے سامنے اُس کے رب کے حکم
سے۔ اور جو کوئی اُن میں سے کجی (سرکشی) اختیار کرتا تھا
ہمارے حکم کے سامنے، ہم چکھاتے تھے اُس کو آگ کا
عذاب ⑫ وہ (جنات) کام کرتے تھے اس کے لیے
جو وہ چاہتا تھا، یعنی تلے، مجھے، حوض نما پیالے اور
جس زوئی دیتیں۔ (ارشاد ہوا) کام کرو اے آل داؤد۔ شکر گزاری
کے لیے۔ اور بہت تھوڑے ہیں میرے بندوں میں سے

شکوہ ادا کرنے والے (۱۳)

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے کہ ایک سرور میں
 آیا ہے۔ اس سے پہلے سرور میں آپ کا ذکر ہوا تھا، اب یہاں آ رہا ہے اور گئے
 سرور میں بھی آئے گا۔ یہ دونوں باب بیانا اللہ کے صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحب کتاب
 پیغمبر تھے اس سرور میں پہلے اللہ تعالیٰ نے قریم کے عقل اور عقلی دلائل بیان فرمائے
 اور آخر میں فرمایا اِنَّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ الْغُلٰقَ عَلٰى عَبْدٍ مُّبِيْنٍ کہ اس
 میں اللہ کی طرف رجوع رکھنے والے ہر بندے کے لیے نشانیاں ہیں۔ اللہ نے عبید
 منیب کے طور پر پہلے داؤد علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور اب ان کے فرزند داؤد
 حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے۔

سلیمان علیہ
 السلام کا ذکر

حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹوں میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے
 چھوٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ میں دو صلاحیتیں لے کر بھیج دی تھیں جو دوسرے
 کسی میں نہیں ملتی تھیں۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام کے بعد مسند قدرت پر بھی سلیمان علیہ السلام
 ہی لیکن ہونے والے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا وَفَوَقَ قُوْرَتِ شٰلِيْحٍ دَاوُدَ وَالْعِزِّ (۱۶)
 ہم نے سلیمان علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کا خلاف میں وارث بنایا اگر سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ
 نے ان کے آپ کی طرح نبوت و رسالت بھی عطا فرمائی اور خلافت و نیابت بھی، آپ
 نے تیرہ سال کی عمر میں عمان حکومت سنبھالا اور پچاس سال تک بے مثال حکومت
 کی، آگے سرور میں آ رہا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ میرا
 هَبْ لِيْ مِّنْ اٰثَرِيْكَ اِنَّيْ بَعِيْثُكَ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ اٰثَرِيْكَ اِنَّيْ بَعِيْثُكَ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ اٰثَرِيْكَ (۱۷)
 مجھے ایسی حکومت نصیب فرما جو میرے بعد کسی کو میرے بعد ہو، آپ کی دعا قبول ہوئی
 اور اللہ نے آپ کو بے مثال حکومت عطا فرمائی، آپ نہ صرف ان اثار کے مالک بنے
 بلکہ اللہ نے جنوں اور پرندوں کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا آپ کے لیے ہر کوئی
 کمر لگایا تھا جو آپ کو نیابت تیز رفتاری کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ
 پہنچا دیتی تھی۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ دنیا میں چار شخصیتوں کو تقریباً پوری دنیا پر غلبہ حاصل رہا ہے۔ ان میں سے دو ہستیاں اہل ایمان میں سے ہیں یعنی سکندر و ذوالقرنین اور سلیمان علیہ السلام۔ دو کافروں میں سے ہیں۔ ایک بابل کا بادشاہ بخت نصر اور دوسرا آشوریوں کا بادشاہ فرودان میں سے سلیمان علیہ السلام کی حکومت سب سے ممتاز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو وسائل حکومت عطا فرمائے تھے ان کا تصور اساتذہ کرام آج کے درس میں آ رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَسْكَیْطُنَ الرَّیْجِ اَہْمَ لَیْسَیْمَانِ عَلَیْہِ السَّلَامُ کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا ایک ایسی ضروری چیز ہے جس پر ہر جاندار بلکہ نباتات کی زندگی کا انحصار بھی ہے۔ یونانی دور میں ہوا کو بسیط مانا جاتا تھا لیکن بعد کی تحقیق کے مطابق ہوا مرکب ہے، اس میں آکسیجن، نائٹروجن اور فاسفورس وغیرہ گیسوں ملی ہوئی ہیں۔ ہوا کا سب سے ضروری عنصر آکسیجن ہے جو ہر سانس کے ساتھ ہر جاندار کے اندر جاتا ہے اس کے ذریعے جاندار کا خون صاف ہوتا رہتا ہے۔ درخت دن کے وقت پتوں کے ذریعے آکسیجن کھینچتے رہتے ہیں اور رات کو کاربن ڈائی آکسائیڈ جیسی زہر ملی گیس باہر نکالتے ہیں۔ آکسیجن ہوا کا لطیف ترین حصہ ہے جس پر زندگی کا انحصار ہے۔ اگر پانچ منٹ کے لیے بھی سانس رُک جائے تو کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ چونکہ یہ اس قدر ضروری چیز ہے، اس لیے اللہ نے اسے بالکل فری ہیا کیا ہے، ہوا پر کسی طاقت کی اجارہ داری نہیں اور یہ ہر ایک کو بلا محنت اور بلا قیمت میسر ہے، ہوا کے بعد دوسری ضروری چیز پانی ہے یہ بھی منسری ہونا چاہیے اور ہر حکومت کو بلا ٹیکس پانی کی بہم رسانی کا انتظام کرنا چاہیے۔ اس کے بعد خوراک کا نمبر آتا ہے جو انسان محنت کر کے حاصل کرتے ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہوا کو سیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ آپ

ملکی تاریخ

نے جب کہیں دور دراز کے سفر پر ہانا، تو آپ اپنا تخت ہوا پر بچھا دیتے، اس پر خود
 بھی بیٹھ جاتے اور دیکھ کر بارہا لیں اور شکر بول کر بھی بٹھایے اور چکر دیتے تو وہ آپ کو
 اٹھا کر منزل مقصود تک لے جاتے، اس کو ان پرستار کا ہر عالم تھا عذوق و شوق
 مشہور تھا جب دوست کے وقت پہنچتے تو ان کے حضور سے حصے میں بیٹھ جبر
 کا سفر طے کر لیتی وَلَا تَحْجُکَ مَشْفُورٌ اور اس کا پہلا پہر ہی ایک ہوا کی مناسبت
 طے کر لیتا، مطلب یہ کہ عام سواری گھوڑے، اونٹ وغیرہ پر کرنی شخص بن سفر ان
 کے پہلے حصے میں یا پچھلے حصے میں طے کر سکتا تھا، نہت بیمان و بلا مہمتے عصر میں مینہ
 بھر کر صاف طے کر لیتے۔

اس وقت تو نیز رفتاری کی یہ صورت بغیر آلات کے محض زور و تپش آتی
 تھی، تاہم اس زمانہ میں مٹی بھی نیز رفتا۔ ٹھکانے اور وہی ہوا ہی کی سرزدی مستحب
 آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ جو جودہ ناسے کی نیز توین سوانہ ہوائی مہاز ہے جو کہ ہوائیں تیز ہوا
 ہے، تاہم اب ہوا اگر آلات کے ذریعے ٹھکر کیا جاتا ہے۔ ہوائی جہاز کے علاوہ
 پٹرول، ڈیزل اور کوئلہ وغیرہ سے چلنے والی تمام گاڑیاں اسی اصول کے تحت چلتی
 ہیں، گاڑی میں ایندھن مل کر کسٹیم پیدا کرتا ہے جو کہ ہوائی کی ایک قسم ہے، اور
 وہ کسٹیم گاڑی کو روڑا پھرتا ہے۔ بہر حال ہوائی کسٹیم حسرت بیمان علیہ السلام کی حسرت
 میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی تھی اور آپ اس سے نہ بڑے
 کام لیتے تھے، آج تو ہوائی جہاز یا ٹرکوں اور پانی میں چلنے والی گاڑیوں کو ہر آن حادثہ
 پیش آ جانے کا خطرہ بھی لاحق رہتا ہے مگر بیمان علیہ السلام کی ہوا کے دوش پر چلنے
 والی گاڑی کو ایسا کوئی خطرہ درپیش نہیں ہوتا تھا۔ آپ جہاں چاہتے بلا خوف و خطر
 ہوا کے کنوے پر سوار ہو کر پہنچ جاتے۔ یہ آپ کی اس دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا کہ
 پروردگار! مجھے ایسی حکمت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔
 بظاہر ہوا ایک گھونڈی چیز ہے جس کے تعلق سعدی صاحب نے کہا ہے۔

جہاں ہوا آب نہ دست زندگی بر باد لے من غلوم آن کہ دل برد نہ نہاد

جہاں کی بنیاد تو خدا تعالیٰ نے پانی پر رکھی ہے کہ کرۂ ارض کے ارد گرد پانی احاطہ کئے ہوئے ہے، مگر زندگی کی بنیاد اللہ نے ہوا پر رکھی ہے انسانی زندگی کی یہ بنیاد بڑی کمزور ہے معقوڑی دیر کے لیے سانس رُک جانے تو زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ سانس دان کہتے ہیں کہ کرۂ ارض کے ارد گرد پانی سمیل تک ہوا محیط ہے۔ اگر ہوا کا یہ احاطہ نہ ہو تو اوپر سے آنے والے کر وڑوں شہاب زمین پر گر کر اسے تباہ و برباد کر دیں اور انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ ہوا کا احاطہ ہے جو شہاب کے زمین تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے، کوئی پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک شہاب امریکہ کے کسی علاقے پر گرا تھا جس سے مکانات کو آگ لگ گئی اور سینکڑوں جانیں تلف ہو گئیں تھیں۔

فرمایا ایک ترجمہ نے ہوا کو سیماں علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا اور دوسری چیز یہ کہ وَاسَلْنَاكَ اَلْعَيْنَ الْقَطْرِ ہم نے آپ کے لیے آنے کا چشمہ بنا دیا۔ آنہ ایک سفید اور قیمتی دھات ہے، ابھی کچھ عرصہ پہلے تک اس کے بڑے بڑے برتن بنائے جاتے تھے۔ یہ دھات بجلی کی تاروں میں خاص طور پر استعمال ہوتی ہے کیونکہ یہ بجلی کی منتقلی میں بہترین تار ثابت ہوئی ہے۔ جس طرح اللہ نے دُؤد علیہ السلام کے لیے لوسہ کو نرم کر دیا تھا اور آپ بغیر تپائے اس سے زرہیں وغیرہ بناتے تھے، اسی طرح سیماں علیہ السلام کے لیے اللہ نے آنے کے چشمے جاری کر دیے تھے۔ وہاں سے آنہ نکال کر آپ ظروف بناتے تھے۔ اب بھی صنعتِ صُفرت میں آنے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

ہوا اور آنے کی تسخیر کے علاوہ اللہ نے فرمایا وَمِنْ الْجِنَّ اور ہم نے جنات کو بھی سیماں علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا مَنْ يَّعْمَلْ بَيْنَ يَدَيْهِ یا ذِی رِبِّہِ یہ جنات اپنے پروردگار کے حکم سے حضرت سیماں علیہ السلام کے سامنے کام کرتے تھے۔ جنات سے مراد وہی غیر مرئی مخلوق ہے جو انسانوں کی طرح مکلف ہے مگر درجے میں ان سے کم تر ہے۔ جنات کی مختلف شکلیں

آنے کا
چشمہ

جنات کی
تسخیر

ہوئی ہیں جنہیں وہ حسبِ مشابہت ہی کر سکتے ہیں۔ ان کی تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے ہوئی تھی تو انہی کے ایک فرد ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہکایا۔ جنوں کے ہی انسانوں کی طرح خاندان ہوتے ہیں۔ یہ کاروبار کرتے ہیں۔ انسانوں کی طرح ان میں بعض مومن اور بعض کافر ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ نے سورۃ جن میں ان کا اپنا بیان نقل فرمایا ہے۔ وَ اَنَابَتِ الْمُسْلِمُونَ وَ عِثَ الْقَاسِطُونَ (آیت ۱۴) ہم میں سے بعض فریادگار ہیں اور بعض افران۔

شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں کہ انسان اور جن مکلف مخلوق ہے۔ اسی لیے نور اللہ نے سورۃ الرحمن میں دونوں الزام کر خطاب فرمایا لِمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْانَاسِ لے جنوں اور انسانوں کے گمراہ! اگر تمہیں قدرت ہو تو آسمان و زمین کے گندوں سے نکل جاؤ۔ جن کے نام سے ایک مستقل سورۃ بھی ہے جس میں جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسانوں کی طرح جن بھی ضرور مکر کرتے ہیں اور رذیرہ کی زندگی میں آواز استعمال کرتے ہیں۔ البتہ انسان نکاح ہیں اور جنات نا۔ انسان کی تخلیق میں مٹی کو زیادہ دخل ہے۔ جب کہ جنوں کی تخلیق میں ہوا اور آگ کا عنصر غالب ہے۔

فرمایا جنات اپنے پروردگار کے حکم سے سیماں علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کرتے تھے وَ مَن يَتَّبِعْهُمْ يَنصُرْهُمْ يَخْرُجْ مِنْهُمْ مِّنْ عَذَابِ السَّعِيرِ (آیت ۱۶) جو ان کے پیچھے لگے گا ان کا مدد کرے گا اور ان سے نکلے گا۔ عذابِ السعیر۔ قرآن انہیں آگ کا عذاب چکھاتے تھے۔ مطلب یہ کہ اللہ نے جنات کو سیماں علیہ السلام کی خدمت پر مامور کر رکھا تھا۔ آپ جو بھی کام ان کو باتے وہ کرنے پر مجبور ہوتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی جن حکم بدولی کی کوشش کرتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر آگ کے کوڑے برسائے جاتے۔

محرابوں کی
تعمیر

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعض کاموں کا ذکر فرمایا ہے جو جنات سلیمان علیہ السلام کے حکم پر انجام دیتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُونَ مِنْ تَحَارِيبَ جَنَاتِ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے لیے ان کی حسبِ مشا کام کرتے تھے۔ ان میں سے ایک کام قلعوں کی تعمیر تھا۔ محاریب محراب کی جمع ہے۔ ہمارے ہاں تو محراب مسجد کے اس حصے کو کہا جاتا ہے، جہاں پر امام کھڑا ہوتا ہے، مگر یہ اس لفظ کا صحیح مفہوم نہیں ہے کیونکہ ابتدائے اسلام میں تو مسجدوں کے محراب نہیں ہوا کرتے تھے۔ یہ تو پہلی صدی کے آخر میں جسے شروع کیا۔ محراب غلغلا کی حفاظت کے لیے بنائے شروع ہوئے تاکہ نماز کے دوران کوئی حملہ آور نہ ہو۔ اب یہ رواج عام ہو چکا ہے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ امام کسی حد تک محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے کہ مسجد میں ایک صف کی مندرجہ گنجائش نکل آتی ہے۔ تاہم غلغلے اٹھاتے کہتے ہیں کہ امام کو محراب کے بالکل اندر نہیں کھڑا ہونا چاہیے کہ وہ مقتدیوں کو نظر نہ پڑے بلکہ غلغلے اس باہر نکل کر کھڑا ہونا چاہیے۔ دیے محراب کا عام لغوی معنی عمدہ قسم کا کمرہ ہے جس کا اطلاق عبارت خانے پر بھی ہوتا ہے۔ تاہم اس مقام پر محاریب سے مراد عمدہ قسم کے قلعے اور مکانات ہیں جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر تعمیر کرتے تھے، اور جن میں سورج و سفید نفیس قسم کے پتھر لگائے جاتے تھے اس کی ایک مثال سورۃ النمل میں بھی گزر چکی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم پر جنات نے پانی کے حوض پر شیشے کا خوبصورت فرش لگا دیا تھا۔ بلکہ سب نے سمجھا کہ یہ پانی ہے حالانکہ وہ شیشے کا نفیس فرش تھا جس کے نیچے پانی تھا۔

قدیم مجسمہ
سازی

فرمایا ایک تر جبات محراب بناتے تھے اور دوسرے وَتَحَارِيبَ لَهُ وہ مجسمے (STATUES) بھی بناتے تھے بمفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پہلے ادیان میں مجسمہ سازی ممنوع نہیں تھی مگر ہمارے دین میں کسی مجسمہ سازی، پتھر یا دھات کا مجسمہ بنانا یا لکھنے سے تصویر بنانا یا کمرے سے فولیو بنا کر سب حرام ہے۔ قدیم زمانے میں کسی نیک آدمی کی شکل پر کوئی بت تراش دیتے تھے، اس کی عظمت کرتے تھے اور اس

کے سامنے خدا دنیا پیش کرتے تھے۔ یہی شرک ہے جس کی انتہائی سختی سے تردید فرمائی ہے۔ مجسم سازی پر اصول کی تہذیب میں بھی مٹی ہے۔ بخود حار و اور ٹھیکہ کے کھنڈرات سے بھی بت برآمد ہوئے ہیں اور کن میدا ادا کی قدیم تہذیب کھنڈرات اور میں بھی مجسم سازی کے بہت سے آثار ملتے ہیں۔ سنسکرت میں سے امام زکریا اور صاحب تفسیر فرماتے ہیں کہ ہر مجسمہ حرام ہے خواہ وہ کسی بھی مادہ کا ہو۔ بعض لوگ قرآن کے اسی لفظ تمثال سے مجسم سازی کا ہوا پیش کرتے ہیں جو کہ غلط ہے تصویر کشی اور مجسم سازی کی حرمت میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اور یہ لفظ تمثال واضح بھی نہیں ہے کہ اس سے کون کون سے مجسمے مراد ہیں۔ تاہم ہماری شریعت میں اس کی ہر حال ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے یہ روایت بھی آئی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا لَا تَدْعُ تَمَثَّلَانِ إِلَّا تَمَثَّلَا كُفًی مجسمہ یا زچھرو جو جسے مٹا دو۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ جس مجسمہ میں تصویر یا کجہر دلوں پرست کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ فرمایا اِنَّ اَصْحَابَ هَذِهِ الصُّوَرِ يُعَذِّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَسَدَ الْعَذَابِ یہی تصویریں بنائے دلوں کو قیامت کے دن سخت سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ مصوروں سے فرمے گا کہ پال پر نقشہ گری تو میری صفت ہے هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحامِ كَيْفَ يَشَاءُ (آل عمران ۶۰) وہی اللہ کی ذات ہے جو ماؤں کے رحم میں جیسی چاہتا ہے تمہیں بنا کر آتا ہے۔ تو اللہ فرماتے گا تم نے میری صفت اختیار کر کے تصویر ترسانی اب اَخْيَرْتُمْ خَلَقْتُمْ اب ان تصویروں کو زندہ بھی کرو، مگر وہ نہیں کر سکیں گے اور سخت عذاب کا شکار ہوں گے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے۔ اَسَدَ النَّاسِ عَذَابًا كَوْمَ الْقِيَامَةِ

۱۔ کثرت میں ۵۰، ۲۔ قرطبی میں ۲۰۰، ۳۔

۴۔ منہاج میں ۱۱۱، ۵۔ اعلام القرآن میں ۲۲۳، ۶۔ تہذیب و تہذیب

الْمُصَوِّرُونَ تصویر کشی کرنے والوں کو سخت سزا دی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں تصویر کشی کا کام کرتا ہوں۔ آپ نے اُس شخص کو قریب بلا کر فرمایا کہ تمہیں علم ہے کہ تصویر کشی حرام ہے۔ حضور نے جاندار جیروں کی تصویر بنانے سے منع فرمایا ہے، وہ شخص کہنے لگا کہ یہ تو میرا پیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ افسوس اگر تم نے یہی پیشہ اختیار کرنا ہے تو کم از کم جانداروں کی تصویریں تو نہ بناؤ۔ بہر حال تمہیں کمال لفظ صریح نہیں ہے۔ اس میں جاندار بھی آتے ہیں اور غیر جاندار پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اگر قدیم زمانے میں لوگ جانداروں کے مجسمے بناتے تھے تو یہ ان کی شریعت میں تو مباح ہو سکتا ہے۔ ہماری شریعت میں قطعی حرام ہے۔

تیسری چیز جس کا اللہ نے یہاں ذکر کیا ہے کہ سیمان علیہ السلام کے حکم پر جنات بناتے تھے، وہ ہے وَجَعَانِ کا لجوابِ حضوں کی مانند بڑے پیالے تھے چونکہ سیمان کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہوتا تھا، اس لیے وہ لشکر کو کھانا انہی حوض نما پیالوں میں کھلاتے تھے۔ اس کے علاوہ وَقْدُورِ رَسِیْدِ ایک جگہ پر جمی ہونے والی بڑی بڑی ٹانڈیاں بھی بناتے تھے۔ ظاہر ہے کہ نفی کی کثرت کے پیش نظر ان کے لیے دافر کھانے کی ضرورت پیش آتی تھی جسے بڑی بڑی دیگوں میں پکایا جاتا تھا اور حوض نما پیالوں میں ڈال کر کھایا جاتا تھا۔ یہ کام بھی جنات کے سپرد تھا کہ وہ اتنی بڑی بڑی تانبے وغیرہ کی دیگیں تیار کریں۔ جن میں بڑی مقدار میں کھانا تیار کیا جاسکے۔ یہ اتنی بڑی بڑی دیگیں ہوتی تھیں، جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتی تھیں بلکہ جہاں ایک دفعہ رکھ دی گئیں وہیں پڑی رہتی تھیں اور وہیں اُن میں کھانا تیار کر لیا جاتا تھا۔ اس کی بعض مثالیں آج بھی ملتی ہیں مثلاً اجیر شریف میں ایک بہت بڑی دیگ ہے جسے جرسون کی دیگ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک دوسری دیگ بھی ہے

حوض نما پیالے
اور دیگیں

جس میں ایک وقت سا مؤمن لکھا، تیار ہوا ہے۔ یہ بھی ایک جگہ پر نسب میں اور
الذی انتقل میں۔ یہ حال جنات کے ذمے ایک کام بھی تھا کہ وہ بڑی بڑی دیگیں
تیار کرتے تھے

شکر گزاری
کے کام

سلمان علیہ السلام کی اس پر مثال حکومت کا ذکر کرنے کے بعد انہی نے فرمایا
إِغْلِقُوا آلَ دَاوُدَ سَكْرًا لَّيْلَةً وَلِذَلِكَ عَلِمَ كَعْدُ دَاوُدَ الْغَزَا لِي كَيْ يَكُونَ
سَكْرًا۔ یعنی ایسے اعمال انہم دو میں سے اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری اور ہوتی ہو۔ چنانچہ حضرت
داؤد اور سلمان علیہما السلام اللہ کے لیے مددگار گزار بندے تھے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان
ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی ہوتی تھی۔ آپ
کبھی صرف تہائی حصہ کرتے اور دو تہائی عبادت میں گزارتے اور کبھی چوتھا حصہ
کرتے اور باقی سا وقت عبادت الہی میں گزار دیتے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آیا
ہے کہ آپ نے گھر کا نظام اس طرح بنا رکھا تھا کہ آپ کے عبادت خانہ میں
چوبیس گھنٹے عبادت ہوتی رہتی تھی اور وہ کسی وقت بھی خالی نہیں ہوا تھا۔
آپ خود آپ کی کئی نہ کئی بیوی ضرور عبادت رہتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام
کا روزہ بھی اللہ کا پسنہ تھا۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور دو روزہ چھوڑ دیتے
آپ باوراس قدر تھے کہ لَا يَفْضَرُ إِذَا ذَاكَ جَبَّ وَثْمَنٌ سے سخت صبر ہوتی تو آپ
پشت پیر کر نہیں جاتے تھے بلکہ غرب مقابلہ کرتے تھے۔

ابن ماجہ شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت سلمان علیہ السلام کی والدہ نے
آپ کو نصیحت کی کہ لے بیٹے! رات کو زیادہ نہ سو یا کرو کیونکہ خیرات السنو
بالليل تسرلہ الربیع خلقہ یعنی رات کو زیادہ نیند آری کو محتاج بنا
دیتی ہے۔ ایک موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی۔
پروردگارا! میں تیری نعمتوں کا کس طرح شکر یہ اور کمروں کی طرح جب میں تیری نعمت

کاشکے ادا کرتا ہوں تو یہ بھی تیری توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہوتا اور یہ مجھ پر ایک بڑی انعام ہوتا ہے۔ اللہ نے خوش ہو کر فرمایا کہ اے داؤد! جب تم مجھ گئے کہ ساری نعمت میری جانب سے ہے تو تم نے شکر کا حق ادا کر دیا ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ آل داؤد کی مانند وہ شخص ہوگا جو خوشی اور غصے میں عدل کرتا رہے رکھے گا، دولت مندی اور احتیاجی میں میانہ روی کو اختیار کرے گی، اور جس کے دل میں پریشانیہ اور ظاہر ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ہوگی۔ ان تین خصوصیات کا حامل شخص آل داؤد کی طرح شکر گزاروں میں شامل ہوگا۔

مگر اللہ نے ساقی یہ بھی فرمایا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ میرے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔ اکثر لوگ میری نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں مگر نہ زبان سے شکر ادا کرتے ہیں اور نہ اعضاء و جوارح یعنی ہاتھ پاؤں اور قلب سے جب آدمی ان تین اعضاء کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہے تو گویا وہ اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اسی طرح جب زبان سے اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہے تو ان کا شکر ادا کرتا ہے۔ جب دل میں خشیت الہی آجائے تو یہ قلب کا شکر ہوتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص دعا کیا کرتا تھا کہ پروردگار! مجھے قلیل لوگوں میں سے بنائے رَبِّ اجْعَلْنِي مِّنَ الْقَلِيلِ حضرت عمرؓ نے پوچھا تم یہ کیسی دعا مانگتے ہو کہ کثرت سے قلت میں آنا پسند کرتے ہو؟ کہنے لگا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ میرے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں اور میں قلت میں شامل ہونا اس لیے پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤں حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ عمر سے تو سارے لوگ ہی زیادہ کچھ رکھتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کی اکثریت ناشکر گزار ہی ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى
مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَاتِهِ
فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنَّ أَنَّهُ لَوُكَاؤُنَا يَعْلَمُونَ
الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝

ترجمہ ۱۔ پس جب ہم نے فیصلہ کر لیا اس (سیمان علیہ السلام) کے بارے میں موت کا تو انہیں بتلایا اُن لوگوں کو آپ کی موت کا حال جو زمین کے ایک کیڑے نے جو کھا رہا تھا آپ کی لاش کو۔ پس جب وہ بچر پڑے تو معلوم کر لیا جہات نے کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو نہ ٹھرتے وہ زلت تاکہ تکلیف میں ۝

زلف آیت

مکہ مشہدہ درس میں اللہ تعالیٰ کے دو منیب بندوں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں باب بیٹے کو بڑی نعمتیں عطا فرمائی تھیں۔ دنیا میں خلافت، حکومت اور عزت عطا فرمائی اور آخرت و رسالت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اللہ نے داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر سوہ کو نرم کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوش آسمانی عطا فرمائی تھی مگر جب آپ اللہ کی حمد ثنا بیان کرتے تو پہاڑ اور پہاڑ سے بھی آپ کے جمنوا ہو جاتے۔ آپ اللہ کے بڑے بھلا عبادت گزار اور شکر گزار بندے تھے۔ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہولوں پرندوں اور جہات کو کھر کر دیا تھا۔ جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ جہات سے بڑے بڑے کام لیتے تھے۔ اگر وہ آپ کے حکم سے ذرا بھی

سرتابی کرتے تو ان پر آگ کے کڑے برستے تھے۔

بیت المقدس
کی تعمیر

گزشتہ درس میں جنات کے ذریعے بڑے بڑے قلعوں اور دیگر عمارت کی تعمیر کا ذکر آیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر بھی جنات کے سپرد کر رکھی تھی۔ وہ دور دور سے بڑے بڑے پتھر اٹھا کر لاتے اور پھر انہیں تہ اش تراش کر عمارت میں لگاتے۔ اس عمارت کا نقشہ بھی بہت خوبصورت تھا۔ اس پر پیشہ ور بھی بہت نفیس لگا گیا۔ بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز تو حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا مگر وہ آخری وقت میں بقیہ کام حضرت سلیمان علیہ السلام کے سپرد کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے یہ کام اپنی خلافت کے چوتھے سال میں جنات کے ذریعے شروع کیا اور بعض روایات کے مطابق اپنے دور خلافت میں اسے مکمل کر لیا۔ تاہم بعض کہتے ہیں کہ عمارت کا کام تو آپ کی زندگی میں ہی مکمل ہو گیا تھا البتہ اس کی آخری زیب و زینت باقی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ ابھی سال بھر کا کام باقی تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا آخری وقت آ گیا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ تعمیر کا قصور اس کا کام باقی تھا کہ آپ نے مندر پتھر پر کھڑے ہو کر بارگاہ رب العزت میں دعا کی کہ مولیٰ کریم کو نے مجھے جو نعمت عطا فرمائی ہے اور جو فضیلت بخشی ہے مجھے اس کا شکریہ ادا کرنے کی بھی توفیق عطا فرما۔ آپ نے بیت المقدس کے بارے میں یہ دعا بھی کی کہ یہ دور و گار! جو شخص تیرے اس عبادت خانے میں داخل ہو،

اس کو یہ پانچ چیزیں عطا فرما۔ یعنی

(۱) اگر اس مسجد میں کوئی گنہگار داخل ہو تو اسے توبہ کی توفیق عطا فرما کیونکہ مومن کے مقامات عالیہ میں سے پہلا مقام توبہ کا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
اَلتَّائِبُونَ الْعَبَدُونَ الْحَسِدُونَ ... الخ (التوبہ - ۱۱۲) اللہ کے نیک بندوں

میں بھی پلانہ قرب کرنے والوں کا ہے۔ مگر انسان کفر و شرک اور قسم کی قسمی سے قرب کو اس کے بعد عبادت کی طرف قدم اٹھائے۔

(۲) اگر کوئی خوف والا آدمی اس سبیل میں داخل ہو تو اس کو امن عطا کرے۔

(۳) بیمار آدمی داخل ہو تو اسے شفا دے۔

(۴) اگر محتاج آجائے تو اسے مستغنی کر دے۔ غنی سے مراد وہ مال کا غنی ہے کیونکہ منہ بیلہ کا فرمان ہے لَيْسَ الْغِنَى عَدُوٌّ كَثَرَةُ الْعَدُوِّ مَعْنَى غَنَى مَالٍ دَوْلَت اور عباد و محنت کی فراوانی کا نام نہیں بلکہ اِنَّ الْغِنَى عِنْدَ النَّفْسِ اصل غنی تو مال کا معنی ہے۔

(۵) جب تک کوئی آدمی تیرے اس گھر میں موجود ہے تو اس پر اپنی رحمت کی نظر ڈالے رکھ۔

سیدنا علی علیہ السلام کی روایت

جب بیت المقدس کی تعمیر تکمیل کے قریب تھی تو سیدنا علی علیہ السلام کی وفات کا وقت آن پہنچا۔ آپ اُن کو فخر لاحق ہوئی کہ وفات کے ساتھ حق کا داماد و میرا چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ حکومتی سرگرمیوں کے باوجود آپ کا معمول تھا کہ اونٹن کی عبادت کے لیے وقت نکال دیتے تھے۔ آپ بے عرصہ تک عبادت الہی میں مصروف رہتے۔ بعض کہتے ہیں کہ کئی کئی ہفتوں کا توڑ لے کر عبادت خانہ میں جاتے اور تنہائی میں اللہ اللہ کرتے رہتے۔ چنانچہ آپ نے اپنی اس عادت کو بیت المقدس کی تکمیل کے لیے بغیر بنیاد استعمال کیا۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی حاضیہ پر لکھتے ہیں کہ جب سیدنا علی علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آ رہا تھا تو آپ نے تعمیر کے باقی ماندہ کام کا نقشہ بنا کر جوڑ کر دیا۔ اور خود شیخ کے کہنے میں بند ہو کر عبادت الہی میں مصروف ہو گئے۔ غنا

لے منظری ص ۸۰

لے تفسیر عثمانی ص ۵۵ (فیاض)

دیکھ سبہ تھے کہ آپ عبادت میں مصروف ہیں، لہذا وہ اپنا کام کرتے رہے
 سلیمان علیہ السلام اپنی لامٹی کے سہارے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر عبادت کر رہے
 تھے کہ اسی حالت میں آپ کی روح قبضِ غفیری سے پرواز کر گئی۔ موت ہر ذی روح
 کے لیے لازمی ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (الانبیاء - ۳۵) اس
 سے غیر بھی مستثنیٰ نہیں ہیں، لہذا سلیمان علیہ السلام بھی اپنے خالقِ حقیقی سے جا
 ملے۔ یاد رہے کہ مغیبروں کا یہ خاصہ ہے کہ ان کو وفات سے پہلے اطلاع دے
 دی جاتی ہے اور دریافت کیا جاتا ہے کہ آپ کا کیا ارادہ ہے۔ اس کے بعد
 جب ان کی طرف سے "ہاں" ہو جاتی ہے تو جان قبض کر لی جاتی ہے۔

سلیمان علیہ السلام شیشے کے کمرے میں بند ٹیک لگائے کھڑے تھے یا بیٹھے
 تھے۔ جنات کا کام کر رہے تھے اور آپ کو دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ
 آپ مصروفِ عبادت ہیں مگر اندر جلنے کی کوئی جرات نہیں کرتا تھا۔ سلیمان علیہ السلام
 اسی حالت میں اللہ کو پیارے ہو چکے تھے مگر جنات انہیں زندہ سمجھتے ہوئے
 اپنے کام میں مصروف تھے۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام ہو رہا
 تھا تاکہ جنات کا کام نہ پھوڑ بیٹھیں لہذا کسی کو سلیمان علیہ السلام کے کمرے میں نہیں جانے
 دیا۔ اس کی مثال عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتی ہے۔ اللہ نے ان پر سو سال
 تک کے لیے موت طاری کر دی۔ آپ کا گدھا تر فنا ہو گیا اور اس کی ہڈیاں بھی
 بکھر گئیں مگر آپ کا کھانا بالکل تروتازہ رہا۔ اصحابِ کہف کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔
 وہ تین سو سال تک غار میں پڑے رہے مگر اللہ نے کسی کو وہاں جانے نہیں دیا۔ جب
 خود اللہ نے بیدار کیا تو حقیقتِ حال واضح ہوئی۔

جنات اسی حالت میں کام کرتے رہے حتیٰ کہ ایک سال کا عرصہ گزر گیا اور
 اُدھر بیت المقدس کی تعمیر کا کام بھی مکمل ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام

جنات کو
 وفات کا علم

کی موت کو گلاہر کر دیا جس کے لیے ایک خاص سبب بھی خود ہی پیدا کیا۔ ارشاد ہوتا ہے
فَلَمَّا قُضِيَ تَعْلِيْقُ الْعَمَلِ جب ہم نے سیماں علیہ السلام کی موت کا
 فیصلہ کر لیا مَدَّ لَهُمْ عِلْفَ مَوْتِهِمْ قرآن کریم کی نظر پر نہیں پڑے دیا۔
إِلَّا نَابَتْهُ الْأَرْضُ فَأَكَلَ مِنْهَا مگر زمین کا ایک کپڑا آپ کی لاش کی لٹائی کو کھا
 رہا تھا۔ مٹی کی زبان کا لفظ ہے جو مٹی میں بھی استعمال ہوا ہے اور اس کا لاشی
 لاشی ہے۔ اس لاشی کی لاشی کو کھانے والا کپڑا دیکھ
 تھا جسے مٹی میں دیکھ سکتے ہیں۔ سال بعد ایک سیماں علیہ السلام ایک ہی جگہ پر
 کھڑے تھے۔ اس دوران میں دیکھنے والی لاشی کو کھانا شروع کر دیا۔ جب لاشی
 کمزور ہو کر گر پڑی تو سیماں علیہ السلام کا جسم بھی زمین پر آ گیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ دیکھ لاشی کو کھاتا ہے اور اس جگہ پر مٹی اور پانی بھی ہوتا
 ہے حالانکہ الیہ چیزوں کے دباؤ سے کاشی کا کرنی انتظام نہیں ہوتا۔ مشہور ہے کہ مٹی اور
 پانی دیکھ کر جنات پہنچاتے ہیں کیونکہ دیکھنے والی سیماں علیہ السلام کی لاشی کو توڑ دیا
 تھا جس کی وجہ سے جنات کو آپ کی موت کا علم ہو گیا اور وہ کام چھوڑ کر چلے گئے
 مگر جنات دیکھ کا احسان منستے ہیں۔ تاہم یہ بے حقیقت بات ہے جس کی کوئی
 سند نہیں۔

ارشاد ہوا ہے فَلَمَّا خَلَّتْ لَاشِي کے ٹوٹ جانے سے جب سیماں علیہ السلام
 زمین پر گر پڑے تَبَيَّنَتْ الْجَنُّ قرآن وقت جنات پر روشن ہوا کہ سیماں علیہ السلام
 تو فرشتے ہو چکے ہیں اور ہم غواہ ان کے کام پہنچے تھے۔ چہرہ خوں نے یہ بھی
 کہا أَنَّ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُونَ الْغَيْبَ اگر وہ غیب جانتے ہوتے مگر
لَبَسْنَا فِي الْعَذَابِ اگر ہمیں قرآنی دیکھ دفت، مگر سزا میں
 مبتلا نہ ہوتے۔ یعنی اگر ہمیں بڑے عجیب علم ہو جاتا کہ سیماں علیہ السلام وفات پا
 چکے ہیں تو قرآن کام چھوڑ کر بھاگ جاتے اور سال بعد ایک مشقت برداشت کئے۔
 حضرت سیماں علیہ السلام جنوں سے بڑا کام لیتے تھے، چنانچہ انسانوں کے ساتھ ان کے

مشہور غیب

اختلاط کی وجہ سے کئی غلط چیزیں بھی مشہور ہو گئیں جنہیں لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے، مثلاً سورۃ بقرہ میں موجود ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل نے اللہ کی کتاب تورات کو تو پس پشت ڈال دیا، اور اس کے بجائے جنات کے بتائے ہوئے جادو پر چل نکلے اور کفر پر اور شرکیہ باتوں میں ملوث ہو گئے۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ انہوں نے ان غلط چیزوں کو شیاطین کا کارنامہ قرار دینے کی بجائے انہیں سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ اسی لیے اللہ نے دلائل وضاحت فرمائی وَمَا كَفَرْنَا سَلِيمًا وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ بِالْبَقَرَةِ ۚ (۱۰۲) کہ یہ کفر یعنی سجاد سلیمان علیہ السلام کا تعلیم کردہ نہیں بلکہ یہ تو شیاطین لوگوں کو سکھاتے تھے بہر حال اس طرح کے غلط عقائد میں سے بنی اسرائیل میں ایک یہ عقیدہ بھی راسخ ہو گیا کہ جنات علم غیب جانتے ہیں۔ یہ تصور آج بھی کسی مذہب جہال میں پایا جاتا ہے چنانچہ جنات سے غیب کی خبریں دریافت کی جاتی ہیں۔ جو کہ صریح کفر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنات چونکہ لطیف مخلوق ہے اور اُن کی رفتار بھی بہت تیز ہے اس لیے وہ بعض چیزوں کو دیکھ کر اُن کا علم رکھتے ہیں مگر بے وقوف لوگ اسے غیب پر محمول کرتے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے۔ غیب کا علم اللہ نے مخلوق میں سے کسی مقرب سے مقرب ہستی کو بھی نہیں دیا۔ اسی چیز کی تصدیق اس آیت کریمہ میں خود جنات کی زبان ہو رہی ہے کہ اگر ہم غیب دان ہوتے تو سلیمان علیہ السلام کی وفات کے باوجود سال بھر تک مشقت میں نہ پھٹے ہوتے۔ الغرض اللہ نے اس باطل عقیدہ کا رد فرما دیا ہے۔

ایک مسئلہ اور رہ جاتا ہے کہ بعض لوگ عملیات کے ذریعے جنات کو تسخیر کر کے اُن سے بعض کام لیتے ہیں، ہماری شریعت میں اس فعل کے متعلق کیا حکم ہے اس ضمن میں مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اور بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں

جنات کی
تسخیر پر
عملیات

کہ اگر جنات کی تسخیر مغایب اور نبی و جبرائیل علیہ السلام کے لیے مسمیٰ تو یہ تو جبرائیل
جائز ہے، یا اگر کوئی جن اپنی مرضی سے کسی انسان کے تابع ہو جائے تو بھی درست
ہے۔ بعض مہارکرام کے متعلق آتے ہیں کہ جنات بخیرتی ان کے کلام انجام دیتے تھے۔
اس مسئلے میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کا ہم باجا تلبے کہ بعض جنات
از خود ان کے حکم کی تعمیل کرتے تھے، یہ بھی درست ہے، البتہ حکایت کے ذریعے
جنات کی تسخیر کو جائز قرار دینا صحیح نہیں ہے، اگر جائز کلام پڑھ کر ایسا کیا جائے، تو پھر
تو جائز بنتا ہے اور اگر کھڑے یا شکر کے کلام پڑھ کر جنات کی تسخیر کیا جائے تو یہ حرام ہے
جنات بھی اللہ کی آواز مخلوق ہے مگر ان کو زبردستی غلام بنانا کسی طور بھی جائز
قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ کسی آواز آدمی
کو غلام بنالیا جائز نہیں ہے، ایسا کرنے والا شخص سخت مجرم ہو گا، اسی طرح آواز
جنات کو زبردستی غلام بنالیا بھی جائز نہیں ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اگر کلام شرک و کفر اور بدعت سے پاک ہو، اور کرنے
کا کلام بھی خلاف شرع نہ ہو تو جنات کو شخص اس لیے سوا کیا جائے کہ اس طرح کسی بیمار
کو علاج کیا جائے گا یا کسی کا جائز طریقے پر دعائے کیا جائے گا، اگر کوئی جن کسی انسان
کو تکلیف دے رہا ہے اور اس کے مطلق و فیرو کے لیے جنات کی تسخیر مطلوب ہے
تو فرماتے ہیں کہ اس حد تک تسخیر شاید جائز ہو، ورنہ غیر شرعی اور ناجائز کام کرنے
کے لیے ایسی بدعتیں انسان کو ایذا پہنچانے کے لیے جنات کو مامور کیا جائے تو یہ
قطعی ناجائز اور حرام ہے، اسلاف میں سے حضرت مولانا قاضیؒ اور حاجی مولانا
دہلویؒ کے پاس اگر کوئی ایسا شخص بیعت کے لیے آتا، جس نے جنات کو
سخن کر رکھا ہو تو یہ حضرات ایسے شخص کو کہتے کہ پہلے جن کو آزاد کرو اس کے بعد
ہماری بیعت کرنا، آپ اس فعل کو اس قدر محبوب سمجھتے تھے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَيِّدٍ فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَيْنِ
 عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ هُكُلُوا مِنْ رِزْقِ
 رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ
 غَفُورٌ ⑤ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ
 الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ
 أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ⑥
 ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي
 إِلَّا الْكَافِرِينَ ⑦

ترجمہ :- البتہ تحقیق قوم سبا کے لیے اُن کی بستی میں
 نشانی تھی ۔ دو باغات دائیں اور بائیں جانب ۔ کھاؤ اپنے
 پروردگار کی عطا کردہ روزی میں سے اور اُس کا شکر ادا
 کرو ۔ یہ شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش کرنے
 والا ⑤ پس اعراض کیا اُن لوگوں نے ، پھر چھوڑ دیا ، ہم
 نے اُن پر نالہ زوردار سیلاب کا ۔ اور ہم نے تبدیل
 کر دیا اُن کے لیے دو باغوں کے بدلے دو ایسے باغ
 جن کا پھل کیلا تھا ، اور کچھ جھاؤ کے درخت اور کچھ
 تھوڑے سے بیر ⑥ یہ ہم نے بدلہ دیا اُن کو اس
 وجہ سے کہ انہوں نے کفرانِ نعمت کیا اور ہم نہیں الیا

دارہ دیتے مگر شکر گزاروں کو ⑤

گزشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے ثبات، انصاف کے رد و وقوع، قیامت اور نبوت و رسالت کے سلسلے میں کئی دلائل ذکر کیے۔ پھر اللہ کی طرف انابت رکھنے والے دو انبیاء حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر فرمایا۔ ان دو انبیاء کے واقعات میں قدرت کے نمونے بنائے تاکہ لوگ رسالت اور قیامت کا انکار نہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کو خصوصی عزت عطا فرمائی تھی۔ ان کی عظمت بے مثال تھی جس میں عجیب و غریب قسم کا نظام تھا۔ اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر لوہے کو نرم کر دیا تھا اور آپ اس سے بنیہ شفقت کے زور میں بناتے تھے۔ آپ کو نہایت عمدہ آواز سے نوازا تھا۔ چنانچہ جب آپ اپنی پرسوز آواز میں زبرد کی تلاوت فرماتے تو اراد کر کے پہاڑ اور درخت بندے بھی حمد باری تعالیٰ میں آپ کے ہنوا ہو جاتے۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہولڑوں اور جنات کو حاضر کر دیا۔ آپ جنات سے بڑے بڑے کام لیتے تھے۔ دونوں باب بیٹا اللہ کے نہایت ہی شکر گزار بندے تھے۔ پھر اللہ سے شکر کیا کہ اُس کے شکر گزار بندے بہت ہی خوشے ہیں۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے شکر گزار قوم کے طور پر قوم سبا اور اُس کے انجاء کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہو لبت لغتہ کا۔
 لَسْبَا فِی مَسْجِدِہِمْ اَیْمٌ اَبَدٌ تَحْتِیْقِ قَوْمِ سَبَا کے لیے اُن کی رہائش گاہ (یعنی) میں نشانی تھی۔ سبا قوم کا نام ہے اور اسی نام سے ایک بقی بھی تھی۔ اس قوم کا دار السلطنت عارب تھا اور وہاں پر آپاہشی کے ایک سر سپاس فرے لبا اور سپاس فرے چوڑا ایک آدم بھی نایاب تھا جو سولہ لبا کے نام سے مشہور تھا۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

ایک صحابی حضرت فروہ ابن میکث یمن کے رہنے والے تھے، اور ان کا تعلق وٹان کے قبیلہ مراد سے تھا۔ یہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، حضور! مجھے اجازت دیں کہ میں اپنی قوم کے ایماندار آدمیوں کو ساتھ لے کر اپنی ہی قوم کے کفار و مشرکین سے جنگ کروں۔ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرمادی۔ اور ساتھ ہی اپنی قوم کا امیر بھی مقرر کر دیا۔ پھر جب میں آپ کی مجلس سے چل دیا تو میرے پیچھے آدمی بھیج کر مجھے بلایا اور فرمایا کہ پہلے تم اپنی قوم کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو جو شخص اسلام قبول کر لے تم بھی اس کو قبول کرو، اور جو شخص ایمان نہ لائے تم اس کے ساتھ جلد بازی نہ کرنا بلکہ میری طرف سے مزید ہدایات کا انتظار کرنا۔

حضرت عروہ مزید بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن کی سورہ سبا نازل ہوئی اور اس بات کا چرچا ہوا کہ اللہ نے قرآن میں قوم سبا کا ذکر کیا ہے تو آپ کی مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! وہاں سبا یعنی سبا کیسے کیا یہ کسی خطے کا نام ہے یا کسی مرد یا عورت کا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک آدمی کا نام تھا۔ اس کے دس بیٹے تھے۔ ان میں سے چھ تو یمن میں آباد ہو گئے، اور چار شام کے علاقے میں چلے گئے اس شخص کے نام پر اس قوم کا نام سبا مشہور ہوا اور پھر ملک کا بھی یہی نام پڑ گیا۔ سبا کی اولاد میں سے جرہم میں آباد ہوئے ان قبیلوں کے نام ازد، اشعر، حمیر، کندہ، مزنج اور انمار ہیں۔ اسی طرح شام میں آباد ہونے والے قبیلوں کے نام تخم، جذام، غسان اور عامرہ ہیں ایک شخص نے عرض کیا، حضور! یہ انمار کیا ہے۔ فرمایا انمار وہی جہنم ہے جس سے آگے تخم اور بکیلہ کے قبیلے آباد ہوئے گویا یہ قبیلہ انمار کی مزید شاخیں ہیں۔ سبا کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ سبا ابن یثجب ابن قحطان۔ اسی سلسلے سے اس علاقے کے لوگ قحطانی عرب کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی عرب

۱۔ خازن ص ۲۸۵ و ابن کثیر ص ۵۳۱ و طبری ص ۶۶ و جہل ص ۶۶ (فیاض)

عذابی عرب کھاتے ہیں، منصور علیہ السلام کا نذرانہ منہ بھی انہی میں سے ہے۔
 سب عرب کے جزئی مسد میں واقع ہے جو سلع مسند سے ۲۹۰۰ فٹ
 کی بلندی پر واقع ہے، آب و ہوا کے لحاظ سے یہ مستطیل خطہ ہے، مگر سب جس
 کا ذکر سورۃ نمل میں ہے، وہ بھی اسی علاقہ کی کہنے والی تھی۔ قوم تنج کا ذکر بھی قرآن
 میں آیا ہے، ان کا نذرانہ تباہی بھی اسی قوم سب سے تعلق رکھتا تھا۔
 قوم سب کا علاقہ پہاڑی اور چگنائی علاقہ تھا۔ پانی نہ ہونے کی وجہ سے کاشتکاری
 بہت معمولی قسم کی تھی۔ پہاڑوں پر ہونے والی بارش کا پانی یا قریت میں جذب
 ہو جاتا یا مسند میں بہہ جاتا تھا۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً آٹھ سو سال
 قبل کی بات ہے کہ اس قوم نے اپنی زمینوں کی آبپاشی کے لیے بارش کے پانی
 کو ذخیرہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ پانچ سو پہاڑی دھول کے درمیان ۱۵۰ فٹ لمبا اور
 ۵۰ فٹ چوڑا بنہ بنا کر بارش پانی کو روک لیا۔ اس طرح وہ اس قوم سے حسب ضرورت
 سارا پانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی زمینیں سیراب ہونے لگیں اور
 پر سے علاقے میں باغ لگ گئے اور کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ یہ قوم انہوں نے اپنے
 ذوالکفلا، رب کے قریب ہی تعمیر کیا، یہ سد بارب کہلانے لگا۔ اس پانی کی ذر
 سے آرب کے مشرق و مغرب میں تین سو مربع میل کے رقبہ پر بانات ہی بانات
 تھے جن میں دافر پہل پہل ہوتا تھا اور لوگوں میں خوشحالی آگئی تھی، انہی بانات کے
 کے متعلق اللہ نے جبال فرمایا ہے جَبَلَيْنِ مَعْنِ قَعَمَيْنِ وَ شِشَالِ
 اُن کے دائیں اور انیس بانات تھے جن میں ہر قسم کے پھل اور امان پھل ہوتے تھے
 سیرت نبوی اور ارض القرآن کے مصنف مولانا سید سلیمان ندویؒ اس خطے
 کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی علامات میں سے یہ قوم بھی تھا ہے
 سد بارب کا علاقہ تھا۔ عرب میں کوئی دائمی رہائشی نہیں ہے۔ بارش کا پانی پہاڑوں

سے بہہ کر ریگستان میں خشک ہو جاتا ہے۔ اور کاشتکاری کے لیے استعمال نہیں ہو پاتا۔ قوم سب نے پہاڑوں اور وادیوں میں بڑے بڑے بند بنادھ کر پانی کو روک لیا اور اسے کھیتی باڑی کے لیے استعمال کرنے لگے۔ یہ کئی چھوٹے چھوٹے بند تھے مگر ان میں سے بڑا اور مشہور بند سد مارب تھا جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ یہ بند دو پہاڑوں کے درمیان تعمیر کیا گیا تھا۔ اب اس کا ایک حصہ افتادہ ہے، تاہم تقریباً ایک تہائی ٹوٹی پھوٹی دیوار اب بھی نظر آتی ہے۔

یورپ کے ایک ارنانڈ نامی سیاح کا مجملہ ”فرنج ریشا ملک سومانی“ میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں اس نے سد مارب کا نقشہ مدگی کے ساتھ تیار کیا ہے۔ اس کے مطابق بند کی دیوار پہاڑوں پر جا بھاکتے ہوئے تھے، جو کہ پڑھے لکھے بند کے اوپر نیچے کھسکیاں تھیں جن کے ذریعے ڈیم کا پانی کھولا جاسکتا یا بند کیا جاسکتا تھا۔ اس بند کے دائیں اور بائیں یعنی مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ و راست زمینوں کو سیراب کرنا تھا۔ اس نظام آبپاشی کے لیے دائیں بائیں جانب اس ریگستانی اور شور زدہ ملک میں تین سو مربع میل تک بہشت نر تیار ہو گئی جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے۔ ان کو قرآن پاک میں جنتین عکب یعمین و شعلیٰ کہا گیا ہے۔

ایک یونانی مؤرخ جو یسوع علیہ السلام سے ۱۴۵ سال قبل ہوا ہے اور قوم سبا کا ہم عصر تھا، وہ بیان کرتا ہے کہ سبا عرب کے سرسبز و شاداب حصے میں رہتے ہیں۔ جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں۔ دریا کے کنارے پر خوبصورت درخت ہیں اور اندرون ملک بخورات، دارہنی اور چھوٹے سے کے بلند و بالا درختوں کے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ جن سے نہایت شیریں خوشبو ملکتی ہے۔ کہتا ہے کہ درختوں کی اقسام اور تنوع کی کثرت کے سبب ان

میں سے ہر قسم کا نام اور وصف بیان کرنا مشکل ہے۔ البتہ ان سے جو خوشبو اٹھتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں۔ جو لوگ کشتیوں پر ساحل سے دور گزرتے ہیں وہ بھی اس خوشبو سے لطف اندوز ہوتے ہیں گریا کر کہ وہ آپ حیات سے لطف اندوز ہوتے ہیں اگرچہ یہ تشبیہ بھی اس شے کی لطافت کے معادل میں ناقص ہے اس نے منہا کے مقام پر قصہ بخوان کا ذکر بھی کیا ہے جو کہ عیسٰی بن مرزا علیہ السلام کی عمارت تھی۔

سب کے آخری دور کا ایک نذرنا آرٹھی میٹرورس لکھتا ہے کہ سب کے بادشاہ کے ایران مارب میں ہیں جو کہ پڑا شہار سپاٹھی پریش دسرت میں واقع ہے۔ بہر حال یہ ساری سرسبز و شادابی مارب ڈیم کی وجہ سے تھی۔ قدیم مصر کے فرعون بھی اس قسم کے ڈیم بنا کر زمینیں آباد کرتے تھے۔ اس دور میں ہی یہ بندوبست میں درج ہیں بلکہ اب توجہ دینا کہ لوہی کی بدولت پانی کے اس محفوظ ذخیرے سے نہ صرف آبپاشی کا کام لیا جاتا ہے بلکہ اس سے بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے۔ ڈیم کے پانی کو جتنی سی سے گرا کر نیچے جھرنے دکھائیے جاتے ہیں۔ پانی جھرنوں کے تختوں پر گرا کر انہیں حرکت دیتا ہے، جس سے بجلی پیدا ہوتی ہے جو روشنی اور بڑی بڑی مشینوں کو چلانے کے کام آتی ہے، ہمارے ملک میں بھی کئی جھونٹ چھوٹے بند بنائے ہوئے ہیں ان سے مذکورہ کام لیے گئے ہیں ان میں تریچا ڈیم، سیکھا ڈیم اور وارک ڈیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ملک میں بجلی کی ترسیل کا انتظام ریلوے ڈیموں پر ہے۔

الغرض! خوشحالی، سرسبزی و شادابی اور معتدل آب و ہوا کے اعتبار سے ہر طرح کے ماسب اس قابل شاکر الہ نے اس کے متعلق فرمایا۔ کہ یہ پاکیزہ شہر تھا جس میں ہر چیز کی قدرانی تھی۔ لہٰذا فرمایا کہ تھوڑے وقت میں رزق کی کھوپڑی پر درگاہ کا اعلان

روزِ یس سے کھاؤ وَاَشْكُرُوا لَهُ اور اس کا شکر یہ ادا کرو اس کا عام قانون
یہی ہے۔ لَیْسَ شُكْرُكُمْ اِلَّا بِذِكْرِكُمْ وَلَیْسَ كُفْرُكُمْ اِلَّا
عَذَابٌ لَّسَدِیْكُمْ (ابراہیم۔ ۷) اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں سزا عطا کروں گا
اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بھی بڑی سخت ہے۔ اللہ نے سنرایا
مَبْلَۃً طَیِّبَةً یہ ایک پاکیزہ شہر ہے۔ وَدَبَّ عَفْوٌ اور تمہارا پروردگار گناہوں
کو معاف کرنے والا ہے۔

یہ پاک شہر کا لفظ بہت بڑی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے اور اس میں ہمارے
یہ بھی بڑی تعلیم ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یاد رکھو
ملک کی بہتری اور پاکیزگی اُس وقت ہوگی جب ملک فتنہ و فساد سے پاک ہوگا۔ اگر
شہروں میں شریر لوگوں کا غلبہ ہو۔ اتباعِ برائی وجہ سے لوگ بد امنی میں مبتلا ہوں، تو
ایسا شہر یا ملک ہر گز پاکیزہ نہیں کہلا سکتا۔ اگر کسی ملک یا شہر پر ظالم لوگ چھا جائیں
تو وہ لوگوں کو ظلم و جور کا نشانہ بنائیں گے۔ ملک میں چوری، ڈاکہ، بدکاری اور لوٹ مار کا
بازار گرم ہوگا۔ اور ملک و شہر برباد ہو جائیں گے۔ اگر شہر میں اعمالِ خدارہ کا دور دورہ
ہو یعنی نقصان دہ کام ہوتے ہوں، چادوگر اپنا کام دکھاتے ہوں، تخریب کار پوشیدہ
طور پر لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتے ہوں، خوراک اور پانی میں زہر ملانے سے بھی دریغ
نہ کرتے ہوں جبکہ جگہ دھاکے کرتے ہوں، اغوا برائے نادان کی دلدلی ہوں، علی الاعلان
قتل کا بازار گرم ہو۔ ملک لوٹے جاتے ہوں تو ایسے ملک یا شہر کو پاکیزہ کیسے کہہ سکتے
ہیں، جہاں اصلاح کی بجائے فساد کی تعلیم دی جاتی ہو، ملک کو لوکر کے ساتھ اور
کارخانے دار کو مزدور کے ساتھ برسرِ پیکار کر دیا جائے تو امن کیسے قائم ہو سکتا ہے؟
اسی طرح لوگ عاداتِ قبیحہ یعنی شراب نوشی، زنا، لواطت اور جانوروں سے پرہیزی
جیسے امور انجام دینے لگیں تو شہروں میں بربادی ہی آئے گی، سکون نصیب نہیں ہو
سکتا۔ جوا، سود، رشوت اور پاتل میں کمی بیشی قبیح حرکات بھی شہروں کی اصلاح
کی بجائے تباہی کا باعث بنتی ہیں اور ایسے شہر اور ملک پاکیزہ کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔

کاشکریہ ادا کرنے کی بجائے قَاعِدُ صَوَابٍ اپنے پروردگار سے اعراض کیا۔ اس کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اُس سے دوسری اختیار کی اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاِذَا جَاءَ سَيْلٌ مِّنَ السَّمَاءِ فَكَانَهُمُ سَيْلٌ مِّنَ السَّمَاءِ جو اُن کی خوشحالی کا باعث بنا ہوا تھا، اُن کے لیے تباہی کا باعث بن گیا۔ بند کی دیوار میں گھس وغیرہ آگ آئی جسے چوہوں نے کھا کھا کر دیوار کو کھوکھلا کر دیا۔ بند میں شکون پڑ گیا اور ایسا زبردست سیلاب آیا جس نے پورے ملک میں تباہی پھیلادی کھیتیاں تباہ ہو گئیں، باغات اجڑ گئے۔ مکانات اور خورد و نوش کے تمام ذخیرے بہہ لگے اور اس طرح ایک خوشحال ملک کھنڈرات کا ڈمیر بن گیا۔ گزشتہ آیت میں جن دو پھیل اور باغات کا ذکر کیا گیا ہے اُن کے متعلق اللہ نے فرمایا وَبَدَّلْنَاهُمْ جَنَّاتٍ مِّنْ جَنَّاتٍ مِّنْ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ فِيهَا كَانُوا يَكْفُرُوْنَ جو ان دو باغات کو دو سر ایسے باغوں سے تبدیل کر دیا ذَوَاتِ اُكُلٍ خَمْقٍ جن کا پھل کیلا ہوتا ہے وَاَثَلٍ اور جھاڑ کے درختوں ہوتے ہیں جن میں پھل آتا ہی نہیں وَشَعۡبٍ مِّنۡ سَيْدٍ قلیل اور کچھ جنگلی بیرہ لگے اَتٰی پھل دار درخت سارے تباہ ہو گئے۔

فرمایا ذٰلِكَ جَزَآئُہُمْ بِمَا كَفَرُوْا ہم نے اُن کو یہ بدلہ انکی ناشکری کی وجہ سے دیا۔ انہوں نے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کیا بلکہ اپنی خوشحالی پر اترنے سے پہلے تو اللہ نے اُن کو یہ صلہ دیا۔ فرمایا وَهَلْ يَخۡزِنُۢنِیۡ اِلَّا اَنۡ يَّكْفُرُوۡا اور ہم ایسا بدلہ نہیں دیتے مگر ناشکر گزاروں کو۔ اہل سبا کو تو اُن کی ناشکری کی سزا مل گئی۔ اللہ نے دو سر لوگوں کو بھی سمجھایا کہ اگر توحید، رسالت، کتاب الہی اور قیامت کا انکار کر دے گے تو ناشکر گزاروں میں شمار ہو گے اور تمہارا حشر بھی قوم سبا سے مختلف نہیں ہوگا۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا
 قَرْيَ ظَاهِرَةً وَقَدَرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا
 لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ۱۸ فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدَ بَيْنِ
 أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ
 وَمَزَقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّ فِي ذَلِكَ
 لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۱۹ وَلَقَدْ صَدَّقَ
 عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ
 الْمُؤْمِنِينَ ۲۰ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ
 سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُّؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ
 مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ وَرَبُّكَ عَلَى
 كُلِّ شَيْءٍ حَفِظٌ ۲۱

۱۸

ترجمہ :- اور بنائی تھیں ہم نے ان (سبا والوں) کے درمیان
 اور برکت والی بستیوں (شام و فلسطین) کے درمیان نمایاں
 بنیادیں۔ اور عسائی تھی ہم نے ان کے درمیان موزوں مسافت
 (حکم تمام چلو ان میں راتوں کو اور دن کو پڑ امن) ۱۸ پس
 کہ انہوں نے لئے ہمارے پروردگار۔ ا دعویٰ ڈال دے
 ہمارے سفروں میں۔ اور زیادتی کہ انہوں نے اپنی جانوں

پر۔ پس بنا دیا ہم نے اُن کو قصے کہانیاں اور ہم نے اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر اور شاکر شخص کے لیے (۱۹) اور البتہ تحقیق سچ کر دکھایا اُن پر ابلیس نے اپنے گمان کو، پس انہوں نے اس کا اتباع کیا سوائے مومنین کے ایک چھوٹے سے گروہ کے (۲۰) اور نہیں تھا اُس (ابلیس) کا ان پر کوئی غلبہ مگر تاکہ ہم ممتاز کر دیں اُس کو جو ایمان رکھتا ہے آخرت پر اُس شخص سے جو اس سے شک میں پڑا ہو ہے اور تیرا پروردگار ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا ہے (۲۱)

اس رکوع میں اللہ نے قوم سبا کا ذکر فرمایا ہے۔ گذشتہ آیات میں پہلے اس قوم پر کیے جانے والے انعامات کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ہم نے اُن کو شہروں کی پر امن زندگی اور ہر طرح کی خوشحالی عطا فرمائی تھی مگر انہوں نے خدا تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے سے اعراض کیا تو اللہ نے تاریخی ڈیم میں سے تباہ کن سیلاب بھیج کر اُن کے باغات اور شہری آبادیاں تباہ و برباد کر دیں اور اُن کی زمین سے زرخیزی کی صلاحیت ہی ختم کر دی۔ اب پھلدار درختوں کی مہلے، وٹاں جھگی جھاڑ بوٹ اگتا تھا جو یا تو بے پھل ہوتا تھا یا اس کا پھل کڑوا کیلا تھا۔ البتہ بہت کم مقدار میں بعض جگہ جھگی بیر ہو جاتے تھے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کے کچھ مزید حالات بیان فرمائے ہیں۔

رہنمائی

ارشاد ہوتا ہے: وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمُ الْوَادِيَّ الْوَعْدَىٰ الَّذِي بَيْنَهُمَا قَرْيَتَا قَاهِرَةٌ اور بنادیں ہم نے اُن سب والوں کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی ہے۔ نمایاں بقیات بابرکت بقول مکر لوشام فلسطین کی بقیات ہیں جنکو اللہ نے ظاہری اور باطنی برکات سے نوازا ہے۔ یہ سب بزرگوار طلبہ اللہ کے پیو کام کر رہا ہے اللہ نے اس خطہ میں بہت سے نبیوں کو مبعوث فرمایا جن میں حضرت

نمایاں بقیات

ہر ایک پر علیہ السلام کو آپ کی اولاد شامل ہے اور وہ میں ان کی قبریں بھی ہیں اس سے
 حادوی بیت المقدس میں اور دوسری بستیوں میں جن کے متعلق ائمہ نے مواقع و
 واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ایک بہت دور ذات جو چاہے نہ کہ گزرتوں است
 مسجد کرام سے انما المسجد الاقصیٰ الذی بناہ اللہ دجی اسے بنا۔ یہاں بھی
 ان طرف سے ہیں جس کے اور ذکر کو ہم نے پایہ نہ بنایا ہے۔ نمایاں بیوں سے
 حادوی بیت المقدس اور دوسرے نوا آنے والی واضح بستیوں میں یہ بھی بستیوں ہیں۔
وَقَدْ رَفَعْنَاهَا لَشَامِ آگے یہ بیان ہم نے خاص اہل بیت کے مطابق
 صاف سے بھی ہے

مذکور نمایاں بستیوں میں سے لے کر شام و فلسطین تک آباد ہیں۔ اس
 زمانے میں ان میں دوسری بستیوں میں تھیں اور دوسرے قلعے تھیں یا اونٹوں پر
 سفر کرتے تھے، سواری کے لیے گھوڑے بھی استعمال ہوتے تھے۔ تاہم
 باربروں کے لیے، اور اونٹوں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ میں سے شام تک
 عیسائیوں نے، اہل سنت بھی، عام طور پر چکیاں بنائیں یا آبادی بہت کم ہوتی ہے
 مگر اس حالت میں، کمزوروں مناسب یہ جگہ بستیوں آباد ہیں۔ جن کی وجہ سے
 مسافروں کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی، ان آبادیوں میں مسافروں کو خواہ گھر
 مسافروں کے لیے رہنے کے لیے آجاتی تھیں۔ راستہ پر میں تھا اور دن اور رات کے سفر میں
 مسافروں کو کوئی ہفتہ پیشہ نہیں آتی تھی۔ راستہ نے اپنے اسی عالمہ ذکر فرمایا ہے
 کہ ہم نے اس حق و حق صحیح میں مناسب جگہ پر نمایاں بستیوں آباد کر دی ہیں، تاکہ
 ہمیں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔ قرآن اس راستے کے متعلق ہمیں حکم دیتا ہے
فَبَنَاهَا لِسَبِيلِ قَوْمَانَا اس میں کہ یہاں یہ دن رات یہاں سفر کرو۔
 صاحب تفسیر علی بن ابی حمزہ نے روایتوں سے بیان کرتے ہیں کہ میں سے

لے کر شام تک اس شاہراہ پر چار ہزار سات سو شہر، قصبے اور دیہات تھے۔ اس راستے سے مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت ہوتی تھی۔ یمن کے ساحل کے بالمقابل ہندوستان (موجودہ پاکستان) کا ساحل ہے لہذا ہندوستان کا تجارتی مال یمن کے ساحل پر اتر کر اونٹوں کے ذریعے شام و فلسطین پہنچتا اور وہاں سے مصر اور دوسرے افریقی ممالک تک جاتا۔ اسی طرح افریقہ کا مال سبا اور یمن کے راستے ہندوستان واپس جاتا۔ چنانچہ یہ شاہراہ سارا سال مصروف رہتی اور یہ نمایاں بستیاں بھی پُر رونق رہتیں۔ چین تک کا تجارتی مال اسی راستے سے آتا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ حج اور عمرہ کرنے والے لوگ بھی اسی راستے سے آتے جلتے تھے۔ اور ان نمایاں بستیوں کی وجہ سے انہیں بڑا آرام تھا۔ محضرنے کے لیے سرائیں تھیں اور ضروریات کی اشیاء بھی مل جاتی تھیں۔ سبا کی یہ آبادی مسیح علیہ السلام سے آٹھ سو سال قبل اپنے جو بن پر تھی، پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے اس علاقے کو ملیامیٹ کہہ دیا گیا جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے۔

”ارض القرآن“ کے مصنف لکھتے ہیں کہ سبا کی دولت کا انحصار زیادہ تر تجارت پر تھا۔ یہ لوگ کاشتکاری بھی کرتے تھے اور ان کے باغات سینکڑوں مربع میل پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس علاقے کے ایک طرف ہندوستان کا ساحل اور دوسری طرف افریقہ کا ساحل ہے۔ دونوں براعظموں کے درمیان خوب تجارت ہوتی تھی۔ سونا، قیمتی پتھر، مصالحے، خوشبو، ہاتھی دانت وغیرہ کالین دین ہوتا تھا۔ برصغیر کا مال یمن کے ساحل پر اترتا اور پھر وہاں سے خشکی کے راستے حجاز سے ہوتا ہوا، شام و فلسطین اور آگے افریقہ تک جاتا تھا۔ اور پھر اسی راستے سے واپسی تجارت ہوتی۔ اس شاہراہ کو قرآن پاک میں ”امام مبین“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی سفر کو سورۃ قریش میں رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ یعنی موسم گرما اور

سرمہ کے سفر کا نام دیا گیا ہے۔ مسیح علیہ السلام سے ۹۴ سال قبل وہ یسویٰ
مذہب مصلحت ہے کہ حضرت موسیٰ سے لے کر سب تک چالیس روز کا رستہ تھا۔
وہاں سے مال سماریت شہروں پر ایلوینی عقیقہ تک پہنچا تھا اور اس طرہ ایلو
مشرق کا مال مغرب کو اور مغرب کا مال مشرق کو پہنچا دیتے تھے۔

۱۰۰

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ایلو سب کو ٹری آسودگی بخشی تھی، ان کا دشمن
بنا کر وہ ہماری نعمتوں کی قدر دانی کرتے۔ اس کے برخلاف هَفَا لَوَا رَسَتْ
بَعْدَ سَنَ اَسْفَارِنَا کہنے لگے پروردگار! ہمارے سفروں کو لمبا کر دے
ہم سنتے ہیں کہ دوسرے ملک میں دوران سفر بڑی مشغلات پیش آتی ہیں، مگر
ہمارے سفر قربانیت پُر امن اور پُر سہولت ہیں اور ہمیں کوئی دشواری پیش نہ
آتی۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہمارے سفروں کو بھی آسودگی کر دیا جائے کہ ہم صحت
مصاب کا مزہ چکھیں۔ شاہ عبدالقادر اس موقع پر لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کو ارادہ
مستی آتی اور یہ خود پہنے سے تکلیف اٹھتے گئے۔ انہوں نے بائبل میں اسرائیل علی
بات کی کہ سر الرودی کے دوران اچھے خاصے من و سموی کی بجائے ہنس پیا۔ وہ
بنی زکاری علیہ السلام نے لگے فرمایا انہوں نے خود اپنے لیے بہا کر لے
وَضَلَعُوا اَنْفُسَهُمْ اپنی جانوں پر خود غلہ کیا، ان کی اس دغا کا نتیجہ بڑا
کہ ایک کرسی سیلاب نے ان کے باغات اکھینڈیاں، مکان اور ذخائر تباہ
کر دیے اور دوسرے وہاں کی زمین کی نشوونما کی قوت ہی ختم ہو گئی اور وہاں
جھاڑیوں کے علاوہ کچھ ہوتا ہی نہیں تھا، گھر بھی تباہ ہو گئے اور مال و دولت
بھی جاتا رہا۔ اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اس سرزمین
کو خیر باد کہہ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔

۱۰۱

جیسا کہ میں نے گزشتہ درس میں عرض کیا تھا، سیلاب کی تباہ کاریوں نے

بعد اہل سبا کے چھ خاندان یمن میں اور چار شام و فلسطین میں جا آباد ہوئے، اور اس طرح یہ مصروف ترین شاہراہ بھی بند ہو گئی۔ فرمایا اس سرسبز و شاداب علاقے سے قوم سبا کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ہم نے ان کو افسانے بنا کر رکھ دیا۔ ایسی بربادی آئی کہ ان کا نام صرف تاریخ تک محدود ہو کر رہ گیا۔ لوگ ان کی خوش حالی، جاہ و حشمت، تاریخی ڈھم اور پھر ان کی تباہی کی داستان عبرت کے طور پر سنتے سنا تے تھے۔ فرمایا وَمَنْ قَاتَلَهُمْ كُفَّ مَعْرِقٍ اور ہم نے ان کا شیرازہ اس طرح بکھیرا کہ پارہ پارہ کر کے رکھ دیا، کوئی کہہ نہ چکے اور کوئی کسی دوسری جگہ جا آباد ہوئے۔ ارض القرآن کے مصنف یہ بھی لکھتے ہیں، کہ اہل سبا کے زوال کے بعد یونانیوں اور رومیوں نے مصر اور شام پر قبضہ کر لیا، اور ہندوستان اور افریقہ کے درمیان تجارت کو بری راستے سے بحری راستے پر ڈال دیا اب تجارتی مال بحر احمر کے راستے سواحل مصر و شام پر اترنے لگا۔ اس طریق تجارت نے یمن سے شام تک بری راستے کی خاک اڑادی اور سبا کی تمام بستیاں ویران ہو گئیں۔ فرمایا فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ اس میں ہر صابر و شاکر آدمی کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو شخص یا قوم خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرتی ہے اور مصائب پر صبر کا اظہار کرتی ہے وہ سمجھ سکتی ہے کہ ناشکر گمراہی کا کیا نتیجہ برپا ہوتا ہے اور خدا کی ناراضگی کس طرح شامل حال ہوتی ہے۔ اس قسم کے واقعات بلاشبہ نشانات عبرت ہیں۔

شیطان کی
کارگزاری

اللہ نے ارشاد فرمایا ہے وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ اور البتہ تحقیق شیطان نے ان لوگوں پر اپنا گمان سچا کر دکھایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت ہی شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ تو نے آدم کو مجھ پر بدتری عطا کی ہے لَا حَتَّيْكَ ذُرِّيَّتَكَ (یعنی اسرائیل - ۶۲) میں اس کی اولاد کے منہ میں ضرور لگام ڈالوں گا۔ اور انہیں گمراہ کروں گا۔ چنانچہ ابلیس نے اہل سبا کو گمراہ کر کے ناشکری پر مائل کیا۔ جو ان کی تباہی کا سبب بن گیا اور ان کی طرح

اہلس نے انسان کے متعلق ایسا کہہ دیا کہ: كَانَتْ بَعْقَةُ الرَّأْفَةِ
مِنْ الْعَوْفِيِّينَ۔ یہاں سے سب نے یہاں کو اتباع کیا۔ اے ایمان الہی
 کے ایک گردہ کے جس نے شیطان و اتباع کیا بکری خدا کی لکڑیوں کی تلافی
 کرتے ہیں، اُس کی وحدانیت اور نبیوں کے بتانے پر اکتفا ہے۔
اَکْثَرُ النَّاسِ مَزِيدٌ مِّنْ ذَٰلِكَ وَمَا كَانَ لَهُمْ عَلَيْهِمْ
سُلْطٰنٌ اور شیطان کو ان لوگوں پر کوئی غلبہ نہیں تھا اَلَا لَعَلَّكُمْ تَهْتَبٰ
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُوَ مِنْكُمْ هُوَ مِنْكُمْ هُوَ مِنْكُمْ۔ اور
 اصل مقصد یہ تھا کہ ہم جان لیں کہ کون آدمی اذیت پر یقین رکھتا ہے۔ اور
 کون اس بارے میں شک میں پڑا ہوا ہے۔ اگرچہ لَعَلَّكُمْ معنی جانتا ہی
 ہے مگر خدا تعالیٰ تو یہ چیز کر ازل سے اپنا ملک جانتا ہے۔ لہذا یہاں پر جانتے
 کو طلب کیا گیا تھا کہ اسے بتا دے۔ یعنی خدا تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ اہل ایمان
 اور مشرکین کو لوگوں کے سامنے نما کر دے اور دونوں گردہوں کو ایک ایک
 کر دے تاکہ ہم ایک جہاز سے علی اس کی کارگزاری کے مطابق واقع ہو سکیں۔ یہ تو
 محض لوگوں کا اطمینان تھا وگرنہ شیطان کے پس گوئی بات نہیں ہے کہ وہ
 لوگوں سے زیادہ سچی کوئی مخلوق کام کر دے۔ یہ تو لوگوں کے اطمینان کے لیے شیطان
 کو ذرا چھوٹ دیا گئی ہے کہ وہ دوسرا اندازہ کرے پھر ہم دیکھیں گے کہ
 کون اُس کے تباہی میں آتا ہے اور کون ایمان پر قائم رہتا ہے۔
فَرَادَا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الَّتِيْ تَقْرٰنَ
 ہر چیز کی تکمیل کرنے والی ہے۔ ہر چیز کی حفاظت اس کے امتیاز میں ہے۔ اُس
 کی امانت سے بغیر انسان کہ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ شیطان اور جہنمی
 کو دعوت دے رہا ہے کہ وہ جو توہم اس کے ہی جہنم و آسمان میں ہے۔ جہنم و آسمان
 سرکشی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو تنبیہ بھی فرمادی۔

قُلْ أَدْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ
فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍَ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ ②۲
وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ
حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ
رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقُّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ②۳

ترجمہ :- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) پکارو تم اُن کو
جن کو تم گمان کرتے ہو (معبود) اللہ کے سوا - نہیں
مالک وہ مقدار ایک ذرے کے آسمانوں میں اور نہ
زمین میں - اور نہیں اُن کے لیے ان دونوں میں کسی
قسم کی کوئی شراکت - اور نہیں ہے اس (اللہ) کے
لیے ان میں سے کوئی مددگار ②۲ اور نہیں کام دے گی
سفارش اُس (اللہ) کے پاس مگر اس کے لیے جس کے
لیے وہ اجازت دے - یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور
ہو جاتی ہے اُن (فرشتوں) کے دلوں سے تو کہتے ہیں
کیا فرمایا تمھارے پروردگار نے؟ وہ کہتے ہیں کہ اُس
نے حق بات فرمائی ہے، اور وہ بلند ہے اور بڑائی

اس سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے جو مضمون ذکر کیا تھا۔ اُس کو لوٹا یا جا رہا ہے۔ وہاں پہ اللہ نے توحید کے متعلق اور نقلی و لافنی بیان کیے تھے اور شرک کا رد فرمایا تھا۔ درمیان میں اپنے لشکر گزدار بندوں حضرت زلفہ اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا حال ذکر کیا۔ پھر قریم سب کا ذکر کیا کہ اللہ نے اُن کو اسوۂ زندگی اور ہر قسم کے انعامات سے نوازا تھا۔ مگر انہوں نے اِن نعمتوں کی ناشکری کی۔ غرور و تکبر میں مبتلا ہوئے تو اللہ نے اُن پر تباہ کن سیداب بھیج کر اُن کے انعامات کو اکھٹا کر دیا۔ کھیتیاں ویران ہو گئیں، مکانات زمین بوس ہو گئے اور اس طرح وہ سزا کے سختی سے لگے۔ اللہ نے فرمایا کہ اُس کے ہاتھ گزداروں کو دنیا میں بھی سزا ملتی ہے اور آخرت میں تو وہ دائمی عذاب کے سختی ہوں گے اب آج کی آیات کا ربط سورۃ کے ابتدائی مضمون قریمہ کے اثبات اور شرک کے رد سے ہے۔ اِن کا تعلق گذشتہ آیات کے ساتھ بھی ہے کہ انسان کے لیے سب سے بڑی نالکھ گزاری یہ ہے کہ وہ اپنے مجموعہ حقیقی کے حق کو نہ پہچانے اور اس کی توحید پر ایمان لانے کی بجائے کفر و شرک کا راستہ اختیار کرے۔

اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی شکر گزاری یہ ہے کہ انسان اللہ کی وحدانیت کو صحیح طریقہ پر تسلیم کرے۔ اُس کے حق کو پہچانے اور اُس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرے۔ شرک کی بہت سی صورتیں ہیں۔ لوگ اللہ کی ذات کے ساتھ بھی شرک کرتے ہیں، اس کی صفات میں بھی شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کی عبادت میں ہی شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بعض نذر دنیا کی صورت میں شرک کرتے ہیں اور بعض محلے میں صلیب لٹکا کر ادھماکے بانڈ مگر شرک فی العبادت ہوتا ہے کرتے ہیں۔ بعض لوگ تصویروں کی تخلیق کرتے ہیں تو کہ شرک بھی کی علامت ہے اللہ نے سورۃ النعام میں شرک کی مختلف صورتیں بیان کر کے اُن کی تردید فرمائی ہے۔ الغرض: اللہ نے شرک کا رد کرتے ہوئے اِس مقام پر منسرایا ہے

قُلِ ادْعُوا الذِّیْنَ رَفَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ اِلٰہَ غَیْرِہٖ

ان سے کہہ دیں کہ پکارو تم ان کو جن کو تم اللہ کے سوا گمان کرتے ہو کہ یہ ہماری حاجتیں پوری کرتے ہیں یا ہماری مشکلات حل کرتے ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ ان میں بھی الوہیت کی کوئی چیز پائی جاتی ہے۔ ذرا ان کو پکار کر تو دیکھو کہ یہ تمہاری کون سی حاجت براری کرتے ہیں۔ یہودی عزیر علیہ السلام کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور عیسائی مسیح علیہ السلام کو اللہ مانتے ہیں۔ مشرکین مکہ و عرب، لات، منات اور عزری وغیرہ سے مشکلات حل کرواتے تھے، یہ سب شرکیہ باتیں ہیں۔ جو نزولِ قرآن کے زمانہ میں پائی جاتی تھیں اور آج بھی بدستور موجود ہیں۔ اللہ نے اپنی کارِ فرماہی امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے اور خالق ہونے میں کوئی بھی شرک نہیں کرنا خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ البتہ مشرک لوگ تیسرے اور چوتھے درجے یعنی تدبیر اور عبادت کے معاملہ میں آکر پھنس جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسرے بھی تدبیر کر کے ہمارا کام بناتے ہیں، حالانکہ اہل ایمان کا پختہ عقیدہ وہی ہے جو قرآن پاک نے بیان کیا ہے يَدَّبُّنُ الْأَمْصَارَ الشَّعَاءُ الْمَكَّ الْأَرْضُ (السجدة- ۵) آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی تدبیر خود اللہ تعالیٰ کرتا ہے جس میں کسی کو دخل نہیں بخوبی لوگ قسمت کے بناؤ بگاڑ کر ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہ اس پر ان کا ایمان کوئی دخل نہیں ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے اختیار علی علیہ السلام کو سونپ رکھے ہیں لہذا وہ بھی لوگوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں بعض لوگ دوسری ہستیوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ خدا تو نہیں مگر اللہ نے ان پر الوہیت کی چادر ڈال رکھی ہے اور ان کو تصرف کا اختیار دے رکھا ہے۔ یہ شرک فی التدبیر ہے۔ اس مقام پر بھی اللہ نے شرک کی ایسی قسم کا ذکر کیا ہے کہ مشرک لوگ جن ہستیوں کو اللہ کے سوا کارِ حازمانتے ہیں لایمیل کوئی

شرک فی التدبیر
والعبادت

مَنْعًا لِّدَرْجٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَتَرَاهُمْ فِي السَّمَاءِ وَتَرَاهُمْ فِي الْأَرْضِ
 جبر کے بھی نام ہیں۔ مخالف میں الشریک کا ہے جس سے اور تصرف میں کسی
 کو حاصل ہے مگر انشاء و بلاکہ و تصرف اللہ تعالیٰ ہی ممتاز رکھتا ہے۔ شاہد ہے کہ
 فرماتے ہیں کہ توحید کا چوتھا درجہ عبادت کا ہے۔ لوگ عبادت میں بھی دوسروں
 کو شریک کرتے ہیں۔ کسی کو نذر دنیا و پیشکش کرتے ہیں اور کسی کے سامنے سجود
 و خضوع کرتے ہیں اور اس طرح وہ شرک کی انعامات کے مستحق ہوتے ہیں۔ اللہ نے
 فرمایا وَمَا أَكْفُرُوا بِهِ لِمَنِ الشَّرْكَ أَشْرَئِلَافٍ لِّمَنْ كَفَرَ لَئِنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَرَأْسًا
 کسی چیز میں نہ اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔

بعض مشرکین کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز کو پناہ اور اللہ سے کیا ہے۔ مگر
 ان چیزوں کو اختیار ہے۔ گناہت میں کامیاب ہیں کہ وہیں اور جس کا چاہا ہیں
 روک لیں۔ کوئی اس فعل کو انہوں کی طرف منسوب کرتا ہے اور کوئی دوسری طرف
 کی طرف اور کوئی سترہوں کی طرف اللہ نے اس کی صاف نفی کی ہے کہ
 نہ اس کے ساتھ ایض و سوا میں کسی قدر کی کوئی شریک نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی فرمایا
 وَمَا لَهُمْ مِنْهُمُ مِّنْ شَيْءٍ يَّظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُشْرِكُونَ اور ان میں سے اللہ کا مدد بھی کوئی
 نہیں۔ بعض جہتیں بعض کی معاون بھی ہوتی ہیں مخلوق میں سے تو ایک
 دوسرے کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور پر انہی کے کاموں میں
 تو اللہ نے تعاون کا حکم بھی دیا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ
 (انعامہ ۲۰) یعنی اور تعاون کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون
 کرو۔ مگر خدا تعالیٰ فرمود قادر مطلق ہے۔ اسے کسی کے تعاون یا مدد کی قطعاً
 ضرورت نہیں ہے۔ گویا یہ عقیدہ بھی شرک کا ہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی کی مدد

کی ضرورت ہے۔
 شرک کی ایک صورت جبری یا قہری مفادش بھی ہے۔ اہم شاہ ولی اللہ
 العزیز العجیب ہیں فرماتے ہیں کہ اکثر مشرک لوگ خدا تعالیٰ کی ذات کو دنیا کے
 لئے معبود و راجع ہیں۔

بادشاہوں پر قیاس کہہ کے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح کسی بادشاہ، صدر، امیر یا وزیر تک رسائی حاصل کرنے کے لیے درمیان میں واسطے اور سفارش کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح خدا تک پہنچنے کے لیے بھی سفارش کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر وہ مخلوق میں سے اپنے سفارشی ڈھونڈتے ہیں جو ان کی بات کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا سکیں، قرآن پاک نے ان کا بیان نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں **هُوَ لَا يَشْفَعُ عِنْدَ اللَّهِ** (یونس - ۱۸) اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں جو سفارش کر کے دنیا میں ہماری بگڑی بنوادیں گے اور آخرت میں غلبے سے چھڑادیں گے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ان خود ساختہ معبودوں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ ان پر چڑھاوے کیوں چڑھاتے ہو ان کے نام کی عتیں کیوں مانتے ہو۔ اور ان کے بدلے سجدہ ریز کیوں کرتے ہو تو جواب دیتے ہیں **مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوا نَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ** (الزمر - ۳) کہ ہم ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔ ہماری دُعا تو وہ قبول نہیں کرتا یہ سفارش کر کے خدا تعالیٰ کو منا لیتے ہیں خواہ وہ راضی ہو یا ناراض ہو۔ مگر اللہ کے ہاں ایسی سفارش کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اللہ نے یہاں بھی اسی بات کا اعادہ کیا ہے **وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ** لَہُ اللہ کے ہاں کوئی سفارش مفید نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ خود کسی سفارش کرنے کی اجازت نہ دے دے، غرضیکہ جبری سفارش والا عقیدہ بالکل باطل ہے۔

البتہ دین میں جائز سفارش کا تصور واضح طور پر موجود ہے۔ آپ حدیث میں پڑھتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت والے دن مقام محمود پر فائز ہوں گے تو شفاعت صغریٰ بھی کریں گے اور شفاعت کبریٰ بھی شفاعت کبریٰ تو تمام بنی نوع انسان کیلئے ہوگی اللہ تعالیٰ حساب کتاب شروع کریں اور شفاعت صغریٰ صراحت کے حق میں ہوگی حضور علیہ السلام

جائز سفارش

خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ تفسیرِ ہدایت کے مطابق
 حضور علیہ السلام دس سال تک سجدہ میں پڑے رہیں گے۔ اللہ کی حمد و ثناء بیان
 کریں گے۔ پھر حکم ہوگا اَرْفَعُ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ اے محمد! اُٹھ اُٹھ
 سر اُٹھا اٹھ اٹھ آپ سناش نہیں۔ آپ کی سناش قبول کی جائے گی۔ اس
 کے بعد آپ سناش کریں گے۔ تو مطلب یہ کہ اللہ کی اجازت کے بغیر قرآن
 کی قریب ترین حق جی سناش کی جرأت نہیں کریں گی۔ وہاں باقی ہستیوں کا کیا شمار
 ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سناش کی اجازت اُس کو دیں گے۔ جس
 کا عقیدہ درست ہوگا وَرَضِيَ لَهُ قَوْلُهُ (طہ - ۱۰۹) اور جس کی بات میں اللہ
 کو پسند ہوگی کسی کافر مشرک یا منافق کے حق میں کرنی نہ سناش نہیں کرے گا۔ اور اللہ
 کی رضا کی بنیاد یہ ہے وَ اِنْ تَسْكُرُوْا يَنْفَعُكُمْ كَسْوَ الْاَنْثَرِ ۝ الْاَنْثَرُ كُوْرُوْ
 گے اور ایمان قبول کرو گے قرآن راہی ہوئے گا اور پھر قمار سے حق میں سناش
 کی اجازت بھی دے دیگا۔ جس پر خدا! عرض ہوگا اُس کے لیے سناش کی اجازت
 نہیں دیں گی۔

بعض لوگ فرشتوں کو سناشی یا حاجت روا اور شفا بخش سمجھتے ہیں۔ اور
 اِبْرٰہِیْمُ یٰمَیْمٰنٰی کَلِّمَکَ کہ تو مجھے کہتا ہے۔ گویا اللہ نے اُن کو امتیازاتِ تعویض
 کر رکھے ہیں۔ صمیم حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ عالمِ بالا میں کوئی فیصلہ
 کرے گا تو فرشتے اپنے پر کھینچتے ہیں اُن پر غشی کی طاری ہو جاتی ہے اُن
 کی آواز اس طرح نکلتی ہے جیسے کسی چٹان پر زنجیر کوڑ کر کہہ کر کھینچا جائے۔ گویا
 وہ اللہ کے خوف سے اس قدر خوف زدہ ہوتے ہیں۔ اسی سلسلے میں اللہ نے
 یہاں فرمایا اِذَا فُزِعَ عَدُوٌّ فَلَوْ بِہُمْ یٰاَیُّہَا
 کہ جب اُن کے دلوں سے کسی حد تک گھبراہٹ و ڈر ہوئی تب تو انھیں ملحقہ وار
 فرشتے کو پر والوں سے مخاطب ہوتے ہیں فَاَلْوَاکَ اِذَا قَالُوْا رَبِّکَ

اور کہتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ پھر اُپر کے طبقے والے فرشتے بتاتے ہیں قَالُوا الْحَقُّ کہ اللہ نے حق بات فرمائی ہے وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ اور وہ ذات بہت بلند اور بڑی عظمت و بڑائی والی ہے۔ مطلب یہ کہ فرشتے تو خود اس قدر بے بس اور اللہ کے خوف سے بے خود ہونے والے ہیں، وہ کسی کی کیا سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کا شریک بنالینا۔ تو فرشتے صاف کہہ دیں گے کہ پروردگار! ہم تو خود تیرے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے، کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا ماننے کے لیے تیار نہیں۔ سُبْحٰنَكَ تیری ذات پاک اور منزہ ہے، ہم کیسے کہہ سکتے تھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا اُس کی عبادت میں شریک بنالو۔

الغرض! اس مقام پر شرک کی تردید میں اللہ نے دو باتیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کے مل جل جبری سعادش کا کوئی تصور نہیں ہے اور دوسری یہ کہ تدبیر اور تصرف میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ آگے توحید کے مزید دلائل اور قیامت کا ذکر آئے گا۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَوتِ وَالْأَرْضِ قُلْ
 اللَّهُ ۚ إِنَّا أَوْلَىٰكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ
 مُّبِينٍ ۝ قُلْ لَا تَسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرُمْنَا وَلَا
 نَسْأَلُ عَمَّا تَدْمَأُوذُ ۝ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا
 رَبَّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ
 الْعَلِيمُ ۝ قُلْ أَرَأَيْتِ الَّذِينَ اتَّخَفْتُم بِهِ شُرَكَاءَ
 كَلَّا بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ وَمَا
 أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا
 وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَلَيَقُولُنَّ
 مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ
 لَكُمْ مِيعَادٌ يَوْمَ لَا تَسْتَأْجِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً
 وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ۝

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ میں نے جو لوگ کہ
 روزی پہنچاتا ہے آسمانوں سے اور زمین سے، آپ کہہ دیجئے
 کہ اللہ ہی ہے (جو روزی پہنچاتا ہے) اور بیشک ہم
 یا قوم! بہت بات پر ہیں (کہ ان کو تمہاری بات میں) ۳۳ آپ کہہ
 دیجئے کہ ان سے نہیں پوچھا جائے کہ ان گناہوں کے

بارے میں جو ہم نے کیے ہیں۔ اور ہم سے نہیں پوچھا جائے گا اُن کاموں کے بارے میں جو تم کرتے ہو (۲۵) آپ کہہ دیجئے، جمع کرے گا ہم سب کو ہمارا پروردگار پھر فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق کے ساتھ۔ اور وہ فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (۲۶) آپ کہہ دیجئے، مجھے بتلاؤ وہ جن کو تم نے ملایا ہے اُس کے ساتھ شریک بنا کر۔ خبردار، بلکہ وہ اللہ ہی ہے جو کمال قدرت کا مالک اور حکمتوں والا ہے (۲۷) اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۲۸) اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ کہ کب پورا ہو گا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو (۲۹) آپ کہہ دیجئے تمہارے لیے وعدہ ہے ایک دن کا۔ نہیں جیسے ہٹو گے تم اُس سے ایک گھڑی بھر بھی اور نہ اُس سے آگے ہو گے (۳۰)

رابطہ آیت

ابتداءً سورۃ میں اللہ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے پھر درمیان میں مکرگزاروں اور ناشکرگزاروں کا حال ذکر کیا اس کے بعد شرک اور مشرکوں کا رد کیا۔ اُن کے تدبیر اور تصرف میں غلط عقائد کی نفی کی اور ساتھ ساتھ جبری اور قہری سفارش کے منوعہ نظریات کی تردید کی۔ فرمایا بعض لوگ فرشتوں کو اپنا کارساز اور سفارشی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ تو خود خدا تعالیٰ کے سامنے خوفزدہ رہتے ہیں اور اللہ کے حضور ہمیشہ عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو فرشتے پر پھیلا دیتے ہیں۔ اُن پر مدہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ پھر جب اُن کی دہشت کسی حد تک دور ہوتی ہے تو نیچے طبقے والے فرشتے اوپر والوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے، وہ آگے سے جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے

گیا، اب زمین کو بھاڑ کر اگس سے نہایت ہی نرم و نازک پورے کو نکالا اور پھر اسے حد کمال تک پہنچا کر انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان مہیا کیا۔ اللہ نے سورۃ بقرہ میں بھی فرمایا: **وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ** (آیت ۱۲۰) ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا اور پھر اس کے ذریعے تمہاری خوراک کے لیے پھل پیدا کیے۔ عربی میں سادہ اور پر والی چیز کو کہتے ہیں۔ بادل بھی چونکہ اوپر ہی ہوتے ہیں اسلئے بارش کے نازل کے لیے اسکا لفظ ہی عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم اوپر سے سر اور اوپر سے نازل ہونے والا حکم الہی بھی ہے۔ دراصل اسی حکم کے ذریعے بارش نازل ہوتی ہے وگرنہ بے اوقات بادل بھی آتے ہیں مگر بارش بالکل نہیں ہوتی یا کسی دوسری جگہ ہر جاتی ہے۔

رزق بہت
خدا

در اصل روزی رسانی مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق **إِنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ** (الرقم ۲۷) جس کیلئے چاہتا ہے روزی کو کثرت دے دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اسکا واضح فرمان ہے **وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ** (الذاریت ۲۲) تمہاری روزی اور جن چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس کا تعلق آسمان سے ہے اور پر سے حکم آتا ہے تو تمہیں اس حکم کے مطابق کم و بیش روزی مہیا ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان میں موجود ہے **فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَالْعَنَکِبُوتَ** (۱۷) روزی ہمیشہ اللہ سے مانگو کیونکہ اسباب رزق کا مالک وہی ہے اللہ نے خود بھی بار بار اعلان فرمایا کہ روزی رسانی اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہ ہر جاندار کی روزی کا فرماندار ہے۔ فرمایا **وَكَايُنَ مِنْ دَابَّةٍ لَا تُحْمِلُ رِزْقَهَا قُلْ اللَّهُ يَرْزُقُهَا أَوِیَاكُمُ** کہتے ہی جانور، چرند، پرندہ میں جو اپنی روزی پشت پر نہیں اٹھاتے پھرتے۔ بلکہ اللہ ہی انہیں روزی پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی جس طرح خشکی پر پہننے والے ہر جاندار کی طرح مکوڑے، انسان، مویشی، پرندہ، چرند اور درند کی روزی اللہ کے ذمے ہے، اسی طرح سمندروں کی تہیں

سُننے والی مخلوق کا روزی رسال بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ فرمایا وَمَا مِمَّنْ دَاخِلِهِ
الْأَرْضُ وَالْأَعْلَى اللَّهُ يَذْقُهَا (موجودہ) زمین میں بسنے والے ہر جاندار کی
روزی اللہ کے ذمے ہے۔

ایک روزی توروہ ہے جو اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف سے بارش برسا
کر زمین سے پیدا کرتا ہے اس کے علاوہ زمین کی تر سے نکلنے والی معدنیات
سونا، چاندی، لوہا، تانبا، میسرے، کوئلہ، تیل وغیرہ بھی روزی کا بہت بڑا سبب
ہیں۔ بلکہ آج کی دنیا میں ان اشیاء کی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے۔ مگر زمین سے یہ
چیزیں بڑھتے جوتیں تو دنیا متمدن نہ بن سکتی اور نہ ہی انسانی زندگی کے آرام و آسائش
کی موجودہ سہولتیں میسر آتیں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے وسائل رزق میں بیکہ پھیلا
دیکھے ہیں۔ اب یہ خود انسان کا کام ہے کہ وہ انہیں تلاش کر کے ان سے فائدہ
اٹھائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے اَطْلُبُوا الرِّزْقَ فِي
خَبَاءِ الْأَرْضِ یعنی زمین کے گوشوں سے رزق تلاش کرو۔ الغرض اللہ
نے آسمان و زمین کے وسائل کو روزی کا ذریعہ بنایا ہے۔

مگر وہ حقائق کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا
ہے کہ ذُرَّانِ سے پوچھیں کہ تمہیں آسمان و زمین سے روزی کون پہنچاتا ہے۔
فرمایا، یہ کافر و مشرک، محمد اور جیسے دین لوگ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکیں
گے، لہذا آپ خود ہی فرمادیں هَٰذَا هُوَ کہ روزی رسال تو اللہ ہی ہے اور
کون ہے جو وسائل رزق میا کر کے جانداروں کی خوراک کا بندوبست کر سکے؟
جب روزی رسال صرف اللہ ہے تو پھر یہ مشرک لوگ دوسروں کو حاجت روا اور
مشکل کش کیوں سمجھتے ہیں اور خدا کی الوہیت میں ان کو کیوں شریک کرتے ہیں؟
ان کے خود ساختہ الٰہ یا تو بے جان شجر و پتھر ہیں جن کی جیسے ہی کوئی حیثیت نہیں
نہ بول سکتے ہیں، نہ چل پھر سکتے ہیں، نہ کسی کے کام آسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ

اگر یہ لوگ انسانوں، جنوں یا فرشتوں پر بھروسہ کیے بیٹھے ہیں تو وہ بھی بے اختیار ہیں، اللہ کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔ ان میں سے نہ کوئی خالق ہے، نہ مالک ہے اور نہ مدبر و متصرف ہے، تو یہ تمھاری کون سی مشکل حل کریں گے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر مخاطب کو اس بہترین انداز میں تبلیغ کی جائے کہ اُسے سوچنے سمجھنے کا موقع مل سکے تو اس کے بہترین نتیجے برآمد ہو سکتے ہیں۔ اسی اصول کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے دلیل توحید پیش کرنے کے بعد فرمایا۔
 وَإِنَّا أَنَا أَنَا كُمْ لَعَلِّي هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ بے شک ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا گھٹی گمراہی میں ہیں۔ مقصد یہ کہ مشرک اور موحد میں جو نظریات کا اختلاف ہے اُس کی وجہ سے ایک فرقہ یقیناً ہدایت پر ہے اور دوسرا گمراہ ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں فرقے نہ صحیح راستے پر ہو سکتے ہیں اور نہ دونوں کا عقیدہ غلط ہوگا بلکہ ان میں سے ایک ضرور صراطِ مستقیم پر ہے۔ اب یہ ہمارا اور تمھارا فرض ہے کہ اچھی طرح سوچ سمجھ لیں اور پھر فیصلہ کریں کہ کون حق پر ہے اور کون گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید کو سمجھانے کا یہ بہترین انداز اختیار فرمایا ہے۔

مشرکین کو اعتراض تھا کہ اہل ایمان ان کے بتوں کی مذمت بیان کرتے ہیں۔ لہذا وہ بھی مسلمانوں کو برا بھلا کہتے تھے اور یہ بھی بتوں کی برائی بیان کر کے تم نے غلط راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہ اللہ کے مقرب ہیں اور ان کی توہین لامحالہ اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قُلْ لَّا تَسْتَلُونَنَا أَجْرَ مَنَّا اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر توحید خداوندی کا اثبات اور شرک کا رد جرم ہیں تو پھر ہم ان کا اقرار کرتے ہیں۔ اور ان مفروضہ جبرائیم کے بارے میں تم سے

ذمہ داری
اپنی اپنی

کونی سوال نہیں ہوگا، بلکہ ان کی ذمہ داری ہم پر عاید ہوتی ہے۔ اور ہم ہی جوابدہ ہیں۔
 اور دوسری طرف جو کچھ تم کفر یہ، شرک یہ اور عصی کے کام کر رہے ہو۔ ان کا الزام
 تمہارے سر پر ہے وَلَا تَنْتَهِ عَنَّا تَعْمَلُونَ اور تمہارے ان جرائم
 کے متعلق ہم سے کونی باز پرس نہیں ہوگی۔ مگر یا ہم اور تمہارے اپنے افعال کے
 ذمہ دار ہیں، تم ہم پر سختہ یہی کرنے کی بجائے اپنی فکر کرد۔ آخرت میں تمہیں اپنے
 اعمال کا خود ہی جواب دینا ہوگا۔ فَمَا تَتُوبَ تَأْتِ كُلُّ نَفْسٍ بِجَهَادٍ عَنْ
 نَفْسِهَا وَتُتَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ
 وَالنَّحْلُ۔ ۱۱۱) قیامت کے دن ہر شخص کو اپنے اعمال کا خود دیکھنا پڑے گا اور ہر
 انہیں ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور کسی کے ساتھ کونی زیارتی نہیں ہوگی
 اے اللہ نے قیامت کا ذکر سزا بھی فرمایا ہے قُلْ يَتَّبِعْ
 مَبِيتَنَا وَنَبَاتِ آبِ کُہوں کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو قیامت کے دن
 جمع فرمائے گا ثُمَّ يُفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ
 فرمائے گا۔ ہر شخص کو اس کے عقیدے، عمل، کردار اور اسباق کے مطابق جزا یا
 سزا ملے گی۔ وَهُوَ الْفَتْاحُ الْعَلِيمُ اور وہ فیصلہ کرنے والا اور مشکلات
 کو کھولنے والا ہے اور ہر بات کو جاننے والا اسی ہے۔ اس سے کونی چیز مخفی
 نہیں لہذا وہ ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کا بھی ضرور محاسبہ کرے گا۔

شرک کی
تہذیب

اے اللہ نے شرک کی راضی طور پر تردید فرمائی ہے اور مشرکوں کو جہنم کیا
 ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قُلْ اُوْفُواْ بِالَّذِیْنَ
 اَلْعَقْدُ بَیْنِکُمْ وَبَیْنَنَا شَرٌّ مَّا کَانَ اَبِیْ اِنِّ مَشْرُکُوْکَیْ سَے کُہوں کہ جن شرکچوں کو تم
 نے خدا کے ساتھ قرار دیا ہے، مجھے بتاؤ کہ وہ کیا ہیں؟ وہ کون سا کلمہ انجام
 دیتے ہیں؟ کیا وہ خالق، مالک، متصرف فی الامر ہیں؟ اس کا جواب کہ جہلا
 کرن دیتا۔ اللہ نے خود ہی فرمایا کہ لَا خَیْرَ دَارِ! اللہ کے سوا کونی بھی ذکر کرے
 صفات کا حامل نہیں۔ ہر چیز کا، ملک حق صرف اللہ ہے بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِیْزُ

الحَکِیْمُ بلکہ وہ اللہ ہی ہے جو کمال قدرت کا مالک، ہر چیز پر غالب اور کمال حکمتوں والا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

مالی نبی

اگلی آیت میں اللہ نے رسالت کے بیان میں فرمایا وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرسانے والا بنا کر کافۃً للناس کا مطلب دنیا بھر کے لوگوں کے لیے ہے خواہ اُن کا تعلق کسی ملک، قوم، نسل سے ہو، آپ سب کی طرف رسول ہیں۔ عربی ترتیب کے لحاظ سے یہ لفظ بشیر و نذیر کے بعد آنا چاہیے تھا مگر مضمون کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے اسے پہلے لایا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ صرف عرب کے خطے یا عرب قوم کے لیے نبی اور رسول بن کر نہیں آئے بلکہ آپ کی رسالت کا دائرہ زمین پر بسنے والے ہر انسان تک وسیع ہے۔ اب اس میں کسی زمانے کی قید بھی نہیں ہے۔ بلکہ قیامت تک آنیوالی نسلیں آپ ہی کی امت کا حصہ ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے دو سکر انبیاء کے مقابلے میں بعض خصوصیات عطا فرمائی ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ بُعِثْتُ إِلَیْ کَافَّةً لِّلنَّاسِ یعنی میں تمام بنی نوع انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور میری یہ خصوصیت بھی ہے وَخُصِّیْتُ بِالنَّبِیُّوۃِ کہ مجھ پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا ہے۔ اب قیامت تک میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے بُعِثْتُ إِلَیْ کَافَّةً لِّلنَّاسِ وَالْأَحْمَرِیْنَ ہر کالے اور گورے کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس میں کسی قوم، رنگ اور نسل کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ فرمایا اللہ نے مجھے عالمی نبی بنا کر بھیجا ہے۔ وَلَٰكِنَّا أَكْثَرُ

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ سِوَاكَ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ لَكُنَّا عِندَ رَبِّكَ
اے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، لہذا اگر ہی میں پڑے سہتے ہیں۔

ذریعہ
تبدیل

مشرک اور کافر لوگ وقوع قیامت کا بھی انکار کرتے تھے۔ اللہ نے ان کے
اس باطل عقیدہ کی طرف توجہ دلائی وَكَيْفَ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ لَكُنَّا عِندَ رَبِّكَ
حُجُوبًا مِّنْهُ کہتے ہیں کہ جس قیامت سے ہمیں ڈرانے پر وہ کب آئے گی، اگر
تم اپنے دھڑی میں ہے ہو تو اس کے وقوع کی تاریخ بتاؤ۔ اللہ نے جواب فرمایا قُلْ
لَّكُم مِّمَّا بِيَدِي قِسْمٌ خَافٍ أَن يَأْتِيَكُمُ الْيَوْمَ فِي سَاعَةٍ لَّا تَشْعُرُونَ
ایک دن کا وہ ہے اُنکے انتظار کرنے سے ساعۃ وَلَا تَشْعُرُونَ
جب وہ مقررہ دن آجائے گا تو پھر نہ تو تم گھڑی بھر بیچے ہو گے اور نہ آگے، بلکہ
عین وقت پر قیامت برپا ہو جائے گی۔ اور پھر حساب کتاب کے لیے جمع کیا جائے گا
آج تو تم استغنا کرتے ہو مگر اُس دن تمہیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔ سورۃ انفاس
میں اس دن کے لیے آجَلٌ مُّشْتَقًّی کا لفظ آیا ہے کہ وہ ایک مقررہ وقت
ہے جو ہر انسان کی انفرادی زندگی کے لیے بھی ہے اور مجموعی طور پر تمام عالم کے لیے
بھی۔ جب یہ وقت آجائے گا تو آگے پیچھے نہیں ہوتا

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ
وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ
مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ
إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا
لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾
قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا
أَنْتُمْ صَدَدْتُمْ عَنْ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ
بَلْ كُنْتُمْ ثَجْرَمِينَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِينَ
اسْتَضَعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ
الْيَلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ
وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ كَمَا
رَأَوْا الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ
الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ ۱۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ ہم
ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر

جو اس سے پہلے آئی ہیں۔ اور اسے مخاطب اگر تو دیکھے
جب کہ ظالم لوگ کھڑے کیے جائیں گے اپنے پروردگار کے
سامنے، اور لڑائیں گے بعض ان میں سے بعض کی طرف
بات کو کہیں گے وہ لوگ جو کمزور خیال کیے جاتے تھے ان
لوگوں سے جنہوں نے تکبر کیا اگر نہ ہوتے تم تو اللہ ہم ہوتے ایسا لوگوں
میں ۴۷) کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے تکبر کیا ان لوگوں سے جو کمزور خیال کیے
جاتے ہیں کہ کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت سے بعد اس
کے کہ وہ تمہارے پاس آچکی تھی بلکہ تم خود مجرم تھے ۴۸)
اور کہیں گے وہ لوگ جو کمزور خیال کیے جاتے ہیں۔ ان
لوگوں سے جنہوں نے تکبر کیا، نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ
ات دن کے خرب میں تم ہی ہمیں گمراہ کرتے تھے جب
کہ تم حکم دیتے تھے ہمیں کہ ہم کفر کریں اللہ کے ساتھ اور
جائیں ہم اس کے لیے شریک، اللہ پوشیدہ رکھیں گے۔
ندامت کو جب رکھیں گے عذاب کو سامنے۔ اور ڈال
دیں گے ہم مطلق ان لوگوں کی گندوں میں جنہوں نے کفر
اختیار کیا۔ نہیں بلکہ دیے جائیں گے وہ مگر اس کا جو کچھ وہ
کھا کرتے تھے ۴۹)

ایک آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور شرکین کا رد فرمایا اور توحید کا عقلی
دلیل بیان کیا، پھر رسالت کے تذکرے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت عامہ
کا ذکر کیا کہ ہم نے آپ کو کفایت اللہ میں یعنی تمام بنی نوع انسان کی طرف
رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور اس میں رنگ و نسل یا زمان و مکان کی کوئی قید
نہیں۔ پھر اللہ نے منکرین قیامت کو جواب دیا کہ جس طرح تمہاری انفرادی
زندگی کا ایک دن مقرر ہے، اسی طرح مجبوراً عالم کا بھی ایک دن مقرر ہے۔

قیامت کا وعدہ اُس مقبرہ دن پر پورا ہو جائے گا۔ اور اس میں گھڑی بھر کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوگی۔

قرآن پاک
کی حقانیت

اب قرآن پاک کی حقانیت کے ضمن میں قیامت والے دن اس کے منکوحین کے دو گروہوں کے درمیان مکالمے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس دنیا میں اس کا انکار کرنے والے آخرت میں پھٹائیں گے اور پھر ایک دوسرے پر الزام دھریں گے ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا ادر کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا کن لئومین بهذا القرآن کہ ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے اس قرآن پر وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے آئی ہیں۔ مشرکین کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتا تھا۔ اس کی وجہ بھی آگے آرہی ہے کہ اللہ کی کتابوں میں مذکور پروگرام ان لوگوں کے خود ساختہ رسم و رواجی پروگرام سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ چونکہ وہ اپنی فسودہ رسوم کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے لہذا وہ آسمانی کتابوں کا سکر سے انکار ہی کر دیتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ کبھی خدائی پروگرام پر شکوک و شبہات کا اظہار کرتے اور کبھی اسے بالکل ناقابل عمل قرار دے دیتے۔ اللہ نے دوسری جگہ قرآن میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کو قیامت اور محاسبہ اعمال کا تصور نہیں تھا، اور نہ یہ قرآن اور توحید کا انکار نہ کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ قرآن پاک تو ہر شخص کے عقیدے، عمل اور اخلاق پر پابندیاں عاید کرتا ہے، حلال و حرام کے درمیان امتیاز پیدا کرتا ہے، ظلم و تعدی سے منع کرتا ہے، قومی و ملکی رنج و رنج کی مخالفت کرتا ہے، اس لیے مشرک لوگ نہ تو قرآن کو تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے اور نہ اپنی آزادی کی راہ میں کوئی پابندی قبول کرنا چاہتے تھے، لہذا وہ سکر سے انکار ہی کر دیتے تھے۔

انگریز بھی قرآن پاک کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ یہ قوم جس عیاشی، فحاشی، زنا، لواطت، گندی ذہنیت، گندی فکر اور کفر و شرک میں مبتلا

ہے قرآن اس کی تردید کرنا ہے مگر یہ آزاد سنسٹ کوئی پابندی قبول کرنے سے پہلے
تیار نہیں۔ یہ تو ماوراءِ پردہ آزادی چاہتے ہیں۔ لہذا انہوں نے اللہ کی آخری کتاب کی ممانعت
انکار کر دیا۔ اور تعصب و عناد میں اس مذہب بڑھ گئے کہ مگر دیکھو یہ کس مذہب
کے ذریعہ غلبہ گھڑائے گئے ہیں پارلیمنٹ میں کھڑے ہو کر یہ ہرزہ سرائی کی سعی۔
کہ جب تک قرآن دنیا میں موجود ہے دنیا متحضر نہیں ہو سکتی۔ جو حقیقت ہے کہ
قرآن کے پروگرام پر عمل کیے بغیر دنیا میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ مغرب
کی نام نہاد ترقی اور ظالم برہمنی ملک و مکتبہ جہنم کا گڑھ ہے۔ اس کی وجہ
سے دنیا کی ذہنی اصلاح ہو سکتی ہے، نرا اطمینان و یقین نصیب ہو سکتا ہے۔
اور نہ آخرت میں فلاح نصیب ہو سکتی ہے۔

قرآن ہر چیز کی پاکیزگی کا قائل ہے۔ اس کے بے مثال پروگرام کے متعلق
ہم خود جمع ہیں۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ**
وَيَسْمَعْ صَوْتُ الضَّالِّينَ وَالْمُتَكِبِّينَ ۚ وَالنَّارُ الَّتِي لَا تَبْطُلُ
بے شک اللہ تعالیٰ حسین عدل و احسان کا حکم دیتا ہے، اترت داروں سے جہنم
کی نصیحت کرتا ہے اور فحشی، معصیت اور بغاوت سے منع کرتا ہے۔ قرآن کا
یہی پروگرام مسکین کی ساری گندہ امیدوں پر پانی پیر دیتا ہے، لہذا وہ مسکین کو
قول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

اس کے برخلاف قرآن پاک اپنے پروگرام کی صداقت پر اس قدر پختہ ہے
کہ اس نے پوری دنیا کو چیلنج کر رکھا ہے **إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ رِبِّيَّاتًا**
فَزَلْنَاهُنَّ عَلَيْنَ عِبَادِنَا فَإِنَّمَا يَسُوْرَةٌ قَوْمٌ قَوْلُهُ (البقرہ ۲۳)
اگر تمہیں اس پروگرام میں کوئی شک و شبہ ہے تو اس سے بہتر پروگرام دالی
کوئی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ، پھر موازنہ ہو جائے گا، کہ کون سا پروگرام بہتر
ہے۔ مگر اس چیلنج کا جواب گزشتہ چودہ صدیوں میں نہیں دیا جاسکا۔ اس سے
عیاں ہے کہ پوری دنیا کی مخلوق قرآن سے بہتر پروگرام پیش کرنے سے عاجز ہے

آگے اللہ تعالیٰ نے آخرت کی ایک کیفیت کو بیان کیا ہے۔ فرمایا آج تو منکرین توحید، منکرین رسالت، منکرین قرآن اور منکرین معادِ دُعا دُناتے پھرتے ہیں اور تمسخر اڑاتے ہیں مگر قیامت والے دن ان کی حالت قابلِ دید ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے اے مخاطب وَلَوْ تَرَىٰ اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْعُوْنَ عِنْدَ رَبِّہُمْ اِذَا رَآوْا اَنْہُمْ رَاجِعُوْنَ اِلٰی بَعْضِہُمْ سَلَمٌ یَّجْعَلُ بَعْضُہُمْ اِلٰی بَعْضٍ ۚ الْقَوْلُ اِس وَقت ان میں بعض بات کو دوسروں کی طرف لوٹائیں گے، یعنی ایک دوسرے پر الزام تراشی کریں گے اللہ تعالیٰ کے جلال کے سامنے جب اپنے اعمال پر نظر ماریں گے تو سخت مایوسی ہوگی اور پھر وہ اپنی بد بختی کے لیے ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔ پھر یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتَضِعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا ۖ یٰحٰیہِ جَلْفَہٗ وَاٰلِہٖٓ کَمْزُوْرٍ لُّوْکٍ متکبر اور مغرور لوگوں سے کہیں گے لَوْ لَا اَنْتُمْ اَکْمَرْنَا مَوْمِنِیْنَ اگر تم نہ ہوتے تو ہم یقیناً ایماندار ہوتے اور یہ رسوائی نہ اٹھانا پڑتی۔ مطلب یہ کہ ہم دنیا میں تم سے کمزور تھے، تم ہمارے لیڈر، پیشوا، بل مالک اور جاگیردار تھے۔ ہم ہر کام میں تمہارا اتباع کرتے رہے جس کا نتیجہ آج یہ نکلا ہے کہ تم خود بھی جہنم میں جا رہے ہو اور تمہارے پیچھے پیچھے ہم بھی اسی راستے پر جا رہے ہیں۔ یہ عام محاورہ بھی ہے النَّاسُ عَلٰی دِیْنٍ مُّلُوْا کَھَسْرَ لُّوْکٍ اپنے بادشاہوں یا بڑوں کے دین پر ہوتے ہیں، انہی کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں تو قیامت والے دن تابع لوگ متبوعین سے کہیں گے کہ ہمارا بیڑا تم نے غرق کر دیا ہے۔

قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَضِعِفُوْا ۖ اَسْخَرْنَاہُمْ اَمْ کُنْتُمْ عَنِ الْہُدٰی بَعْدَ اِذْ جَاءَکُمْ کُھَرُکُھَا ۚ ایت آجانے کے بعد ہم نے تمہیں اس سے روکا تھا۔ مطلب یہ کہ ہم نے تمہیں مانتے سے پکڑ کر تو صراطِ مستقیم سے نہیں روکا تھا بلکہ کُنْتُمْ یَجْرِیْنَ بَیْنَہُمْ کہ تم خود ہی مجرم تھے۔ یعنی غلط

ہستے کا انتخاب تم نے خود کیا اس وقت تمہاری عقل کمال گئی تھی؟ اللہ تعالیٰ نے
 تمہیں آنکھیں کھان اور دل عطا کیا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بخشی تھی۔ پھر تو
 خواہ مخواہ ہمارے پیچھے کیوں پھرتے ہو؟ تمہیں قرآن و حدیث کا راستہ قبول کرنا چاہیے
 تھا۔ اسکل ہی بات قیامت میں دن شیطان ہی کے گا۔ لوگ اس کا گریبان
 پکڑیں گے کہ دنیا میں تو نے ہمیں ہلکا کر گرا دیا اور آج ہمیں دلت و برائی کا منہ
 دیکھنا پڑا۔ وہ آگے سے جواب دیکھا کہ مجھے تم پر کوئی غلبہ تو حاصل نہیں تھا۔ میں
 نے تمہیں ایک لفظ راستے کی دعوت دی جسے تم نے بغاوت و بغیبت قبول کر لیا۔
 اس میں میرا کیا تصور ہے؟ فَلَا تَكُونُوا مِّنَ الْمُفْسِدِينَ وَلَوْ مَوَّآ أَنفُسُكُمْ
 (ابراہیم ۲۲) اب مجھے علامت نہ کرو بلکہ خود اپنے آپ کو مسمت کرو۔
 تم اپنے فعل کے غمزدہ نہ رہو۔ یہی بات جنہوں میں بھی کہیں گے کہ دنیا میں تم فعل گنہگار
 تھے۔ تم نے خود اپنے لیے لفظ راستے کا انتخاب کیا۔ اب اس کی سزا بگھو۔
وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضِيعُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَمَّا رَجَعُوا
إِلَىٰ أَرْضِهِمْ لَمَّا رَجَعُوا کہ تم شب و روز اسی دھوکے اور فریب میں گئے رہتے تھے کہ لوگوں کو گمراہ کیا جا
 اذ تَأْمُرُوْنَ قَوْمًا أَن يَكْفُرُوا بِاللَّهِ رَبِّهِمْ كَمَا كَفَرْتُمْ تَعْلَمُونَ کہ تم انہ
 کے ساتھ کفر کریں۔ تمہی نے ہیں دروغ کر تو یہ کہ تم کہنے کی جگہ انہ کفر کہنے
 پر مجبور کیا اور ہم تمہارے جہانے میں آ گئے۔ اب تم اپنے آپ کو کیسے بری الذمہ
 قرار دے سکتے ہو؟

عدایت
کا حال

آج دنیا میں عدائیت بھی معرود فریب پر ہی چل رہی ہے۔ جیسا بوں نے
 ہر طریقے سے دین اسلام کے راستے میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی ہے
 عدائیت کی تبلیغ کے لیے نئے نئے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ ان کے مشنری
 ادارے بھی کام کر رہے ہیں۔ کبھی سکول کے نام پر اور کبھی فزی ہسپتال کے نام پر
 لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ کبھی ایڈمنسٹریٹو کمرسیاؤں کے منبر کو غریبوں کی کوشش

کی جاتی ہے۔ اس کام کے لیے دنیا بھر میں بڑا روپیہ صرف کر رہے ہیں وہ عیسائیت کو اسلام پر غالب کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ (آل عمران - ۱۱۶) کافروں کے مال ان کے کچھ کام نہ آئے بلکہ اس مال کا وبال انہی پر پڑے گا۔ جب اللہ کی گرفت آئیگی تو لعنت میں مبتلا ہو جائیں گے۔

امیر شکیب ارسلان نے لکھا ہے کہ یورپ کے عیسائیوں اور یہودیوں نے قرآن پاک اور حضور علیہ السلام کی سیرت کے خلاف چھ لاکھ کتابیں اور رسالے شائع کیے ہیں تاکہ لوگ اسلام کی طرف مائل نہ ہوں اور حیر ہو چکے ہیں۔ وہ بظن ہو جائیں مشرقی علوم کے ماہر مغربی دانشور (مستشرقین) ایسا سبق پڑھاتے ہیں اور ایسے طریقے سے گمراہ کرتے ہیں کہ سادہ لوح لوگ اُن کے دامن میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں ایوب کے زمانے میں فضل الرحمان نے ایک قبیح شوشہ چھوڑا تھا کہ قرآن سارے کا سارا خدا کا کلام نہیں ہے۔ اُس شخص کو حکومت میں بڑا عہدہ ملا ہوا تھا۔ اور بڑے انعام و اکرام ملے تھے۔ مگر اس نے اس قسم کا شوشہ چھوڑا، تو ملک بھر میں احتجاج ہوا۔ جس کی بنا پر اُسے حکومت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ یہ شخص مولانا شہاب الدین کافر زند تھا جو کہ خود بڑے صالح اور نیک آدمی تھے، حضرت مولانا شیخ الہند کے شاگرد تھے مگر مغرب والوں نے ایسا چمک دیا کہ الٹی سیدھی باتیں کرنے لگا۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے بہاولپور کا ایک پروفیسر مغربی تعلیم حاصل کر کے آیا تو اُس نے ایک مقالہ لکھا تھا جس میں حضور علیہ السلام کی حیات طیبہ پر بڑے غلط قسم کے اعتراضات کیے تھے، اس سے حضور علیہ السلام کی زندگی کو عام سیاستدانوں جیسی زندگی ثابت کرنا مقصود تھا۔ یہ اور اس قسم کے لوگ عیسائی اور یہودی لابیوں سے متاثر ہو کر اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ اُن کے پاس کثیر فنڈ ہوتے ہیں جنہیں خرچ کر کے وہ اپنے قبیح مقصد میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہی اُن کا شب و روز کافر میں ہے، وہ حدیث کی تحقیق کے نام پر گمراہ کن کتابیں شائع

کے دینا بھر میں پھیلے ہیں اور گمراہ کن پراپیگنڈا کے ذریعے اسلام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عیسائی ہوں یا یہودی یا اشراک کی اسلام دشمنی میں سبب یکساں بلکہ ایک دوسرے کے مدد و معاون ہیں۔ ابھی قریب زمانے میں ایک بڑے آدمی نے یہ بیان دیا تھا کہ حکومتوں کو بہت نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ جدید دین اسلام ایک فطرتاً ہی طاعت ہے، چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا بھر میں یہاں بھی کوئی مسلمان حکومت ابھرتی ہے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر کوشش کرتی ہے اسے یا تو لایحی کر دیا جائے یا طاعت استعمال کر کے اسے کمزور کر دیا جاتا ہے۔

بہر حال آج لوگ اپنے متبوعین سے کہیں گے کہ تم ہمیں اللہ کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیتے تھے ان یہ بھی فَجَعَلَ لَكَ آئَاتٍ کہ ہم اس کے ساتھ شریک بنائیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے اس کے ساتھ شریک بنائیں اُن کی تعلیم کریں اُن کی نذر دنیا زدوں اور ان کے سامنے سجدے کریں۔ فرمایا اس وقت اُن کی یہ حالت ہو گئی وَأَسْرَوْا زِينَتَهُمْ لَمَّا رَاَهُمُ الْعَذَابُ کہ عذاب کو اپنے سامنے دیکھ کر اپنی غلامت کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ وَجَعَلْنَا الْأَرْضَ فِي أَغْصَانٍ اَلَّذِينَ كَفَرُوا ہم کفر کرنے والوں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے۔ مہجوروں کے ہاتھوں میں سہتہ کڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں بھی ہوں گی، طوق چوڑا سب سے زیادہ ذلت ناک چیز ہے اس لیے یہاں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنی گردن میں طوق پڑا ہوا دیکھے، تو یہ اچھا خواب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ذلت کی علامت ہے اس وقت دنیا میں جتنے بھی مشرک اور بدعتی لوگ ہیں ان کی گردنوں میں رسومات

باطلہ کے طوق پڑے ہوئے ہیں مگر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ہماری گزشتہ زندگی ہو رہی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ چیزیں قیامت والے دن ان کے لیے ذلت کا سبب بن جائیں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص خراب میں اپنے آپ کو مہتھ کٹھری یا بیڑی پہنے ہوئے پائے تو یہ اس کے لیے اچھی علامت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دین میں بچتا ہے۔

قبر پرستی

اب دیکھ لیں کس کس قسم کی بدعات کا طوق گلے میں ڈال رکھا ہے۔ قبروں کو پختہ بنایا جا رہا ہے۔ ان پر گنبد تعمیر ہوتے ہیں، سنگ مرمر لگتا ہے، پھر انہیں عرق گلاب سے دھویا جاتا ہے اور اوپر چادریں چڑھائی جاتی ہیں، آخر یہ کہاں کی نیکی ہے اور صاحب قبر کو اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ خانہ کعبہ کو غسل دینا اور اس پر غلات چڑھانا تو بجا طور پر جائز ہے مگر قبروں کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ چادریں ماکین کی تن پوشی کے لیے استعمال نہیں ہو سکتیں؟ فرمایا هَلْ يَجْزَوْنَ الْاَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ان کو ان کے خود کردہ اعمال ہی کا بدلہ ملے گا، اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ کفر کے راستے پر چلنے والوں کا انجام بھی اللہ نے بیان فرمادیا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا
إِلَّا بِنَا أَرْسَلْتُمْ بِهِ كُفْرُونَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ
أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا ۖ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ﴿۳۵﴾ قُلْ إِن
رَبِّيَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَٰكِن
أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾ وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا
أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰ ۖ أَفَلَا
أَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعِيفِ
بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفِ آمِنُونَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِينَ
يَسْتَعِذُّونَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِبِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ
مُخْضَرُونَ ﴿۳۸﴾ قُلْ إِن رَّبِّيَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ
يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۖ وَمَا أَنْفَقْتُمْ
مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ :- اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ارسلانے
والا سگر کہا رہاں کے آسودہ حال لوگوں نے کہ بیک
ہم اُس چیز کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں جو تمہارے
ساتھ بھیجی گئی ہے ﴿۳۴﴾ اور کہا انہوں نے کہ ہم زیادہ

ہیں مال اور اولاد میں اور نہیں ہم سزا دیے جانے والے (۳۵)
 آپ کہہ دیجئے بے شک میرا پروردگار کٹا دہ کرتا ہے۔
 روزی جس کے لیے چاہے، اور تنگ کر دیتا ہے (جس
 کے لیے چاہے) لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے (۳۶) اور
 نہیں ہیں تمہارے مال اور نہ تمہاری اولادیں کہ تم کو
 قرب دلائیں ہمارا، مگر وہ شخص کہ جو ایمان لایا اور جس
 نے اچھا عمل کیا، پس یہی لوگ ہیں جن کے لیے گنا اجر
 ہوگا اس وجہ سے جو انہوں نے کیا۔ اور وہ بالاخانوں میں
 امن سے رہنے والے ہوں گے (۳۷) اور وہ لوگ جو گردش
 کرتے ہیں ہماری آیتوں میں ان کو کمزور کرنے کے لیے
 یہ لوگ خذاب میں پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے (۳۸) آپ
 کہہ دیجئے، بیشک میرا پروردگار کٹا دہ کرتا ہے روزی جس
 کے لیے چاہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کر
 دیتا ہے جس کے لیے چاہے، اور جو تم خرچ کرتے ہو
 پس وہ اس کا بدلہ دیتا ہے، اور وہ بہتر روزی دینے
 والا ہے (۳۹)

رابطہ

پہلے توحید اور اس کے دلائل بیان ہوئے۔ پھر اللہ نے قرآن کی حقانیت
 صداقت کو واضح کیا اور منکرین کا رد فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے رسالت
 کا ذکر بھی کیا۔ اور پھر مہربان کا حال بیان کیا اور حشر میں پیش آنے والے بعض
 حالات سے آگاہ کیا۔ اب آج کے درس میں اللہ نے نبوت و رسالت
 کے ضمن میں فرمایا کہ جب بھی کوئی نبی یا رسول کسی بستی شہر یا علاقے میں مبعوث ہوا۔
 اور اس نے لوگوں کو کتاب، شریعت، ایمان اور توحید کی دعوت دی تو سب
 سے پہلے اُس بستی کے آسودہ حال لوگوں نے ہی مخالفت کی۔

مصدقہ
تیسری بات -

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا فِي مَتْلُبِكُمْ سَبِيلَ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ يَدْعُو إِلَى الْفِتْنَةِ أُولَئِكَ سَبِيلُ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ يَدْعُو إِلَى الْفِتْنَةِ أُولَئِكَ سَبِيلُ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ يَدْعُو إِلَى الْفِتْنَةِ
کسی بتی میں کرنی نہ سنانے والا یعنی نبی اور رسول الا قال متفقہ ہوا
مگر یہ کہ اس بتی کے آسورہ حال لوگوں نے کہا انا بسعنا الرسل
یہ کہہ کر دین تمھارے ساتھ جو کچھ ہمیں چاہیے ہم اس کا انکار کرتے
ہیں اللہ کے سارے نبی بشیر اور نذیر ہوتے ہیں۔ وہ نیک اعمال اور عقیقہ
پر خوشخبری دیتے ہیں اور بُرے اعمال، دھنڈے سے ڈراتے ہیں۔ خاص طور پر
انذار کی زیادہ ضرورت۔ موقوف ہے کیونکہ پہلے لوگ بُرائی سے باز آئیں گے
قرنی کی حدت راغب ہوں گے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کو ہی اللہ
نے ابتدائے نبوت میں یہی حکم دیا فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (المائدہ - ۳) آپ
کھڑے ہو جائیں اور لوگوں کو ان کے بُرے انجام سے ڈلائیں۔

اس آیت کریمہ میں حضور ہی کو یہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعین کیا ہے
بھی ہے کہ اگر آپ کا تم نے خوشحال اور متول لوگ آپ کی مخالفت کرتے
ہیں تو یہ کوئی بات نہیں ہے۔ ہر نبی کے ساتھ مترس نے ایسا ہی ہو کر
کیا۔ آپ گھر میں نہیں اور اپنا کام باری رکھیں۔ نبیوں کا مقابلہ کرنے
والے بہ بخت اکثر صاحب ثروت نہ لوگ ہی ہو کرتے ہیں۔ انہیں اپنی
دولت پر ناز ہوتا ہے اس لیے وہ کسی غریب اور نادار کو اپنے پاس
بٹھا بھی پسند نہیں کرتے۔

مال و اولاد
پر فحش

اُن کے خور و خیر کا یہ حال ہوا ہے کہ وہ صاف کہتے ہیں
وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ الْمَتَلَبِ
کی قرار دے ہے۔ ہمارا نامزد ہے۔ اللہ نے ہمیں ہر چیز دی ہے۔
وَمَا كُنَّا بِمُعْذِيبِينَ مِمَّا كُنَّا نَسْتَكْبِرُ
ہم سے لڑی ہے جس نے مال و اولاد سے نواز ہے۔ مگر وہ ہمارے
اعمال سے ناراض ہر آثار ہمیں خوشحال کیوں بناتا۔ تم ہمیں نولہ مخولہ ڈرا ہے

ہو، ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔ مالدار لوگوں کا ہمیشہ سے یہ دطیرہ رہا ہے
انہیں مال و اقتدار پر فخر ہوتا ہے۔ اللہ نے اس چیز کو گمراہی کے اسباب
میں بیان کیا ہے۔

قرآن پاک میں جن انبیاء کا حال بیان کیا گیا ہے ان میں سے کوئی خال ہی
ہوگا جس کی مخالفت نہ کی گئی ہو۔ ابتدائی دور میں نبیوں پر ایمان لانے والے عام
طور پر غریب اور مساکین ہی ہوتے رہے ہیں۔ صاحب حیثیت لوگ ابتداء میں اکثر
مخالفت کرتے رہے اور پھر جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہا۔ تو آخر میں مل کر
ایمان لائے ہر قیل کے واقعہ میں موجود ہے کہ اُس نے ہجرت کر کے آئینا
مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور ان کی دعوت کے متعلق سوال جواب کیے۔
پھر مکے کے رہنے والے کسی دوسرے آدمی کو طلب کیا تو ابوسفیان کو پیش کیا گیا
جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے۔ ہر قیل والی رد مانے دیگر سوالات کے
علاوہ ابوسفیان سے یہ بھی پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کار کیسے لوگ
ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ کمزور اور غریب لوگ ہیں جب کہ بڑے بڑے
رؤسا مخالف ہیں۔ ہر قیل پہلی کتابوں کا علم رکھتا تھا، کہنے لگا کہ ہر نبی کے
اولین متبعین کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔

شانِ نزول

اس آیت کی شانِ نزول میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن ابی حاتم کے حوالے
سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ بعثت میں دو تاجر آپس میں
شراکت دار تھے، ان میں ایک دور کہیں کا اعلیٰ علاقے میں تجارت کے سفر
پر تھا جب کہ دوسرا اپنے گھر میں تھا۔ مسافر تاجر نے وہیں یہ خبر سنی کہ مکے کے
ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو اُس نے اپنے شراکت دار کو لکھا کہ
میں نے سنا ہے کہ مکے میں کوئی مدعی نبوت پیدا ہوا ہے، اگر ہے تو مجھے

اُس کے متعلق حالات سے باخبر کریں، مقیم تاجر نے جواب دیا کہ ہاں واقعی
مکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے مگر اُس کے پیروکار غریب
غرا، ہی ہیں، کسی بڑے آدمی نے ایسا قبول نہیں کیا، یہ خط پاکر ساغر تاجر اپنا
کاروبار چھوڑ کر فرار ہوئے۔ براہ راست حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا
اور دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اللہ کا
رہنما ہوں، مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے، میں توحید اور ایمان کی دعوت دیتا ہوں
برائیوں سے غبر و گراہوں، خود شخص اُسی مجلس میں مشرف بہ اسلام ہوگا جسے اللہ تعالیٰ
واقعی اللہ کے رسول ہیں، حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے مجھے کس طرح پہچانا،
کہنے لگا کہ میں علامت سے کہ آپ کو ماننے والے غریب لوگ ہیں، دولت مند
اعراض کر رہے ہیں، امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ اسی موقع پر نازل ہوئی
آسودہ مال لوگوں کا حال اللہ نے بعض دوسرے معائنات پر بھی بیان فرمایا ہے
جیسے سورۃ الواقعة میں جہاں اللہ نے مخرج بن کا حال بیان کیا ہے۔ وہاں فرمایا ہے
لَا تَنْفَعُ كَفَالَتُهُ قَبْلَ ذَلِكَ مَثَلَيْنِ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوا يُعَيِّشُونَ قَوْلَ
تِلْكَ الْحَنُوتِ الْعَظِيمِ ﴿۴۶﴾ یہ لوگ پہلے بھی آسودہ مال تھے اور بڑے
گنہگاروں پر اصرار کرتے تھے، یہ لوگ کفر و شرک میں مبتلا تھے اور مال و دولت
میں غم میں کسی دوسرے کو بات سننے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے، یہی لوگ
اصلاح کے راستے میں رکاوٹ بنتے رہے ہیں تاکہ ان کا استغناء دھندلے
رہے اور انہیں کوئی پرچھنے والا نہ ہو۔

اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ ان پر راضی ہے جو اس قدر
مال و دولت میں رکھے مگر یہ چیزیں رضا الہی کی علامت نہیں ہیں۔ رزق
کی کٹاؤں یا حتیٰ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت پر مبنی ہوتی ہے۔ مندرجہ
قُلْ لِّی بَغِیْرِہٖ اِنْ کَرِهَ دِیْنِ اِنْ رَیْتُ یَسْطُرُ الْمَرْذَقَ لَمَنْ
یَنْتَظِرُ وَیَقْدِرُ بے شک میرا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے رزق

رزق کی
سبب رزق کی
اور رزق

کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ رزق کی فراوانی اچھالی کی علامت نہیں ہے، بہت سے شریر، نافرمان، ملحد اور دہریے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں جب کہ بعض اہل ایمان اور خدا پرست لوگ تنگی کی حالت میں ہوتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول بندے ہوتے ہیں۔ لہذا آسودہ حالی کوئی پسندیدگی کی علامت نہیں ہے **وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ** مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے اور وہ ظاہری خوشحالی کو ہی اپنی مقبولیت کی نشانی سمجھتے ہیں، یہ تنگی اور فراخی تو اللہ کی حکمت پر مبنی ہوتی ہے، کبھی وہ کسی کو مال و دولت سے محروم کرتا ہے اور کبھی ان چیزوں سے محروم کر کے امتحان لیتا ہے، پھر جو بندے اُس کے امتحان میں پورے ہوتے ہیں۔ وہی مقبول بارگاہ ہوتے ہیں۔

امام شافعیؒ کا قول ہے۔

وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلَى الْقَضَاءِ وَحُكْمِهِ

بُؤْسُ اللَّيْبِ وَطَيِّبُ عَيْشٍ الْأَحْمَقِ

اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر یہ دلیل ہے کہ بے اوقات عقل مند اور دانا لوگ نہایت غلہ تی میں وقت گزارتے ہیں جب کہ بیوقوف لوگ عیش و راحت میں ہوتے ہیں۔ سعدیؒ کا قول بھی ہے۔

اگر روزی بدانش بد فرودے

ز نادان تنگ تر روزی نہ بودے

اگر رزق کی وسعت محض عقل و دانش کی بنیاد پر ہوتی تو بیوقوف بیچارے بھوکوں مر جاتے۔ بہر حال تنگی و فراخی اللہ کی حکمت اور منشاء کے مطابق ہوتی ہے۔ مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت کو نہیں پاتے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا ہے وَلَا تَقْعُبُوا آلَهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا قَوْمَهُمْ (۸۵) اے پیغمبر! ان کے مال اور اولاد پر اسے
 تجسس نہ کریں۔ یہ قرآنہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ہے اس آزمائش
 میں ان کا بھی پرہیز اللہ تعالیٰ ابن کریمت نازل فرمائے گا۔ اس مقام پر بھی مندرجہ
وَقَدْ آمَرْنَاكُمْ ذَٰلِكَ أَوَّلَ مَا كُنَّا نَكْتُبُ إِلَيْكُمْ عِندَ مَا لَمْ يَكُنْ
مَعَكُمْ آلٌ أَوْ أَوْلَادٌ تَعْلَمُونَ (۱۶۱) اے تم! ہم نے پہلے تم کو یہ حکم دیا تھا
 کہ تم اپنے مال اور اولاد تمہیں جہاں قرب نہیں دلا سکتے (۱۶۱) اے تم!
 وہ عیال صلیحاً قرب الہی تو اس شخص کو حاصل ہو گا جو ایمان لایا اور جبر
 نے نیک اعمال انجام دیے۔ ہاں اگر مالداروں میں بھی کوئی ایمان لانے
 کے بعد اچھے کام کرتا ہے تو وہ بھی قرب الہی کا حقدار ہے۔ اے شخص
 کے حق میں اس کا مال صرف عید ہو گا۔ حضرت علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے
يَقْصُرُ مَا يَتَّبِعُ الْمُسْلِمَ لِمَنْ أَدَّى إِلَيْهِ مَسْلُكٌ (۱۶۱) اے اس
 کو مال ایک اچھا ساتھی ہے بشرطیکہ اس نے مال کا حق ادا کیا ہو۔
 غریب اور مسکین کا خیال رکھا ہو، قربت واروں کا حق ادا کیا ہو، اور
 نیکو وصدقات دیا ہو۔ مگر جو لوگ مال کا حق ادا نہیں کرتے ان کے لیے
 یہ وبال جان بن جاتا ہے، جب کوئی شخص کسب میں حلال و حرام کی تمیز
 نہیں کر سکتا، نہ طریق میں جائز اور ناجائز ملک میں امتیاز کر سکتا، تو اس کا مال
 اُسے ہرگز فائدہ نہیں دے گا۔

فرمایا جو کوئی ایمان لانے کا اور نیک عمل کرے گا هَٰذَا وَلِيَّكَ
لَهُمْ حَرَامٌ (۱۶۱) اے تم! ان کے لیے حرام ہے ان کے مال کا جو ان سے
 ان کے اعمال کا جو ان کے لیے حرام ہے ان کے مال کا جو ان سے
بِالْحَسَنَةِ فَلَكُمْ عَشْرُ أَمْثَلِهَا (۱۶۱) اگر کوئی
 اچھا عمل کرے گا تو اس کے بدلے میں اسے دس برابر مال ملے گا۔ ہر نیک عمل کا بدلہ سات سو گنا
 نیک ہے یا جس قدر ملے عطا کر دے۔ تاہم ہر نیک عمل کی جزا و ثل تر

خوشگوار و ریح
 قرب الہی

لَا زُجْرَ لَهُمْ فِي الْعَذَابِ أُولَئِكَ الْأُمْنُونَ اور ایسے نیکو کار لوگ جنت کے بالا خانوں میں نہایت امن و سکون کے ساتھ گزراوقات کریں گے، ان کے عالیشان مکان ہوں گے جن کی دیواریں اتنی شفاف ہوں گی کہ باہر کا نظارہ اندر بیٹھے ہوئے کے سوا، وہاں انہیں کوئی غم اور پریشانی نہیں ہوگی، کسی محنت و مشقت کی ضرورت نہ ہوگی، اور نہ کسی نعمت کے چھین جانے کا خطرہ ہوگا۔

فَرِیَّا وَالَّذِیْنَ یَسْتَعِیْنُ فِیْ آٰیٰتِنَا مُعْجِزِیْنَ جو لوگ ہماری آیتوں میں کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں ہرا دیں، کمزور کر دیں اُولَئِكَ فِی الْعَذَابِ مُخَضَّرُوْنَ وہ عذاب میں پھڑک کر حاضر کیے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ آیات الہی کا تسخیر اڑاتے ہیں اور اس کے پروگرام کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بالآخر عذاب میں پھڑکے جائیں گے اور ان کی رہائی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

آگے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اِنَّ رَّبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَیَقْدِرُ لَکُمْ بِشَکِّیْرٍ پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کثرت سے دیتا ہے۔ اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ یہ اُس کی حکمت ہے جسے کوئی نہیں جان سکتا۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق روزی تقسیم کرتا ہے۔ پھر جس کو زیادہ دیتا ہے۔ اُس کو بھی امتحان میں ڈالتا ہے کہ وہ میرے احکام کی کس حد تک پاسداری کرتا ہے۔ اور جس کو کم دیتا ہے۔ اس کے صبر و شکر کا بھی امتحان لیتا ہے اور پھر ان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ کرتا ہے۔

چونکہ اکثر مالدار لوگ کنجوس واقع ہوئے ہیں لہذا آگے اللہ نے اتفاق فی سبیل اللہ کا قانون بھی بتا دیا۔ وَمَا اَلْفَقْتُمْ مَوْتِیْ فِیْ فُتُوْیْکُمْ یُخَفِّفُہُمْ تَمَہُ چیز بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا ضرور بدلہ دیتا ہے لہذا مال کہ ہمیشہ صحیح جگہ میں خرچ کرنا چاہیئے۔ اپنی جائز ضروریات بھی پوری کرو مگر حقاروں کے حقوق بھی ادا کرو۔ جس نے مال کا حق ادا نہیں کیا۔ اُس کے لیے

مجرمین کے لیے سزا

اتفاق فی سبیل اللہ

یسی مال مصیبت بن جائے گا۔ مال کے بدلے کی کئی صورتیں ہیں، بعض اوقات دنیا میں اللہ تعالیٰ اس مال میں غیر برکت ڈال دیتا ہے اور مال میں زیادتی ہو جاتی ہے، اکا در بار میں نفع حاصل ہوتا ہے، فصل ایسی ہو جاتی ہے، کسی تاولان بیماری پر مقدمہ وغیرہ سے انسان محفوظ رہتا ہے، اہلیانِ اندکون حاصل کرتا ہے، اور ریل کی مخلوق بھی مستفید ہوتی ہے۔

منور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ سر سبز اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے زمین پر اترتے ہیں، ایک دُعا کرتا ہے اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُبْتَغِیَّ اللّٰهِ مِمَّا بَدَّ بِہِمْ خیرٌ کَمَنْ لَمْ یَسْأَلْہِمْ عِلَّافَہُ۔ اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے کہ اے اللہ! انھیں اس کے خواہش کے مطابق عطا فرما۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے مطابق عطا فرماتا ہے وَھُوَ خَیْرُ الذِّقِّیْنِ اور اللہ تعالیٰ بہتر دوزی رسال ہے۔ دوزی کا فیصلہ وہی کرتا ہے۔ دنیا میں تو اللہ کی فتا کے مطابق رزق ملتا ہے اور آخرت میں وہ ایمان اور نیکی کی بنیاد پر افضل دوزی عطا کرے گا۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَكِ
أَهْوَأَ لَكُمْ أَيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٢٠﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ
أَنْتَ وَلِيِّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ
الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴿٢١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا وَنَقُولُ لِلَّذِينَ
ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا
تُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾ وَإِذَا تَتَلَّى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ
قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّكُمْ عَمَّا
كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ وَقَالُوا مَا هَذَا إِلَّا إِفْكٌ
مُفْتَرٍ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَاءَهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسْحَرُ مُبِينٌ ﴿٢٣﴾ وَمَا
آتَيْنَهُمْ مِنْ كِتَابٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا
إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَذِيرٍ ﴿٢٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِثْرًا مِمَّا آتَيْنَاهُمْ
فَكَذَّبُوا رَسُولِي ثُمَّ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٥﴾

توجہ دے۔ اور جس دن وہ (اللہ تعالیٰ) اکٹھا کئے گا ان سب کو، پھر فرمائے جو فرشتوں سے کیا یہ لوگ ہماری عبادت کرتے تھے؟ (۳۰) وہ کہیں گے پاک ہے میری ذات، تو ہی ہمارا کارساز ہے ان کے سوا۔ بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر ان پر اعتقاد رکھتے تھے (۳۱) پس آج کے دن نہیں ہلکے اور کھاتم ہیں سے بسبب بعض کیلئے کسی نفع اور نقصان کا۔ اور ہم کہیں گے ان لوگوں سے جنوں نے غلام کیا، کچھ آگ کا ضاب جس کو تم جھٹلاتے تھے (۳۲) اور جب ان پر پرسی جاتی ہیں ہماری واضح آیتیں فرماتے ہیں، نہیں ہے یہ مگر ایک شخص جو ارادہ کرتا ہے کہ دلوں سے تم کو ان چیزوں سے جن کی تمہارے آباء واجداد عبادت کرتے تھے۔ اور کہا انہوں نے کہ نہیں ہے یہ مگر جبرٹ افتراء کیا ہوا۔ اور کہا ان لوگوں نے جنوں نے کفر کیا حق کے ساتھ جب کہ وہ ان کے پاس آیا نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو (۳۳) اور نہیں دیں ہم نے ان کو کوئی کتاب جن کو - رٹھتے ہوں اور میں بھی ہم نے ان کی طرف کچھ سے پتے کوئی ڈرنا نہ والا (۳۴) اور جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرتے ہیں، اور نہیں پہنچے یہ لوگ اُس کے عشرِ عشر کو بھی جو ہم نے ان کو دیا، پس جھٹلایا انہوں نے میرے بارے کو، پس کس طرح ہوئی میری گرفت (۳۵)

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ رسالت کا انکار عام طور پر

پر آسودہ حال لوگ ہی کرتے تھے کیونکہ نبی کی پیامت کو تسلیم کرنے سے ان کی اپنی سرداری اور سچہ دھڑ بھٹ متاثر ہوتی تھی۔ اللہ نے خوشحالی کو اسبابِ گمراہی میں شمار کیا ہے، اللہ کے ہاں مقبولیت کا تعلق مال و دولت یا جاہ و شہرت سے نہیں بلکہ ایمان اور اعمالِ صالحہ سے ہے۔ اللہ نے رزق کا قانون بھی بیان فرمایا کہ یہ تقسیم اُس کے اپنے قبضہ قدرت میں ہے، جس کا چاہے رزق وسیع کر دے اور جس کا چاہے تنگ کر دے۔ یہ تقسیم اُس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوتی ہے جسے مخلوق نہیں جان سکتی۔ مخلوق کا فرض ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو زندگی کا لائحہ عمل بنائے۔

فرشتوں کی
عبادت

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت والے دن مشرکین کی کیفیت بیان کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ يُحْشَرُ لَهُمْ جَمِيعًا جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا، اُن سے اُن کی پوچھ گچھ اور بد اعمالی کے متعلق باز پرس ہو گی وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اس وقت انسان، جن، عابد اور معبود سب جمع ہوں گے ثُمَّ يَقُولُ الْمَلِئِكَةُ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمایا گا۔ أَهْوَلَكُمْ إِلَٰهًا كُنْتُمْ تُعْبَدُونَ کیا یہ لوگ دنیا کی زندگی میں تمہاری عبادت کیا کرتے تھے اس وقت دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ بعض لوگ فرشتوں کے نام پر ہیکل بناتے ہیں۔ بعض اُن کو مشکلات میں پکارتے ہیں اور بعض یا جبرائیل یا میکائیل والے تعویذ لکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ فرشتوں کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ تو جب مشرک لوگ اپنے شرک کی کوئی توجیہ پیش نہیں کر سکیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ دنیا میں تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مقرب مخلوق ہیں، وہ جہانیت اور ہیبت سے پاک ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور اس کے حکم کی تعمیل کرنے والے ہیں، اُن کی توجیہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رہتی ہے، وہ جواب دیں گے

قَالُوا سُبْحَانَكَ مَوْلَا كَرِيمٍ تیری ذات ہر قسم کی اگر آدمی اور نقص و عیب سے پاک ہے
 اَنْتَ وَ اَنْتَ اَمِيْنٌ ذُو فَضْلٍ اَنْتَ اَنْتَ سوا تو ہی ہمارا کارساز ہے۔
 جب ہم خود تیرے مصلح ہیں تو ہم ان کو کیسے کہہ سکتے تھے کہ ہماری عبادت
 کیا کرو۔؟ فَقَالُوا اللَّهُ سَتَكُنْ كَكُثْرِ كُودًا (الاعراف - ۱۹۰) تیری ذات
 بند و برتر ہے۔ اُن تمام چیزوں سے جن کو یہ تیری طرف منسوب کرتے ہیں۔
 ہم نے تو ان کو کبھی نہیں کہا کہ ہمیں اپنا کارساز کہو، ہم تمہاری مشکلات حل کر
 دیا کریں گے، لہذا بوقت ضرورت ہمیں پکارا کرو۔ فرستے صاف کہہ دیں گے
 کہ مولا کریم! یہ لوگ ہیں تمہارا شریک بناتے ہے ہیں، ہم نے کبھی ان کو
 اپنی عبادت کی دعوت نہیں دی تھی۔ دوسری جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے
 ستر میں سے پوچھے گا۔ اَنْتُمْ اَضَلَلْتُمْ عِبَادِي هَلْؤُا لَكُمْ (الفرقان)
 کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا، کیا تم نے ان کو کہا تھا کہ تمہاری یا مخلوق
 میں سے کسی دوسرے کی عبادت کریں؟ مگر سب انکار کریں گے۔ سَمِعَ اللَّهُ
 میں موجود ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مسیح علیہ السلام سے بھی یہی سوال
 کریں گے اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ اَوْلِيَّيْنِ الْاِلٰهَيْنِ مِنْ
ذُوْنِ الْمَلِكِ (آیت - ۱۱۶) کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے دو تیری والدہ کر اللہ
 کے سوا سمجھو رنا لو؟ اُن کو حاجت روا اور مصلح کہا سمجھو اور اُن کی ضرورت و نیاز دو، تو
 میری علیہ السلام بھی ایسا ہی جواب دیں سُبْحَانَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ
اَنْ اَقُوْلَ اَنْتَ اِلٰهٌ اَوْ اَنْتَ اَمِيْنٌ (آیت - ۱۱۶) مولا کریم تیری ذات پاک سے
 میرے لائق ہرگز نہیں تھا کہ میں ایسی بات کر تا جس کا مجھے حق نہیں پہنچا۔ انہوں
 نے ایسی کوئی بات کہ بہ تر تو اُس کو جانتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس نے ہرگز
 ایسی دعوت نہیں دی کہ میری پوجا کیا کرو۔ تو یہاں پر فرشتوں کا ذکر ہے
 کہ ان سے پہچا ملے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے وہ جواب
 دیں گے۔ مولا کریم! تیری ذات ہر عیب و نقص اور شرک سے ستر و پست

ہم نے ان کو ہرگز نہیں کہا تھا کہ ہماری عبادت کریں۔

جنت کی
پرستش

فرشتے مزید عرض کریں گے بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ بلکہ یہ
لوگ توجہات کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اکثر انہیں یہ عقائد رکھتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے کام آسکتے
ان میں سے اکثر انہیں یہ عقائد رکھتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے کام آسکتے
ہیں۔ جنت کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین لوگوں کے دلوں میں
وسوسے ڈالتے ہیں اور عہد الشریک کے سوا دوسروں کو جاہت روا اور شکل کن سمجھنے
لگتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سارے بندے نبی، ولی ہی کہتے آئے
ہیں کہ عبادت صرف اللہ کی کرو۔ إِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ
واللہ - ۱۱) جو تمھارا بھی رب ہے اور ہمارا بھی رب ہے۔ وَهُوَ رَبُّ
كُلِّ شَيْءٍ (الانعام - ۱۰) اور وہی ہر چیز کا پروردگار ہے اور ہم بھی اسی کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں

اللہ نے فرمایا فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا وَلَا
ضرر آج کے دن تم ایک دوسرے کے نفع نقصان کے مالک نہیں ہو
گے۔ اُس دن عابد اور معبود، تابع اور متبوع کا بھگنا بالکل نمایاں ہوگا اور کوئی
ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکے گا۔ درحقیقت نفع نقصان کا مالک اللہ ہی
ہے، مگر دنیا میں اکثر لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے پر انحصار
کرنے لگتے ہیں، مگر آخرت میں تو وہ دیرھ کی بے بسی ہوگی اور کوئی بھی کسی
کے کام نہیں آسکے گا۔ تمام خود ساختہ معبود حتیٰ کہ شیطان بھی بیزاری کا اظہار
کرنے لگے گا، اور کہے گا۔ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ میں نے کفر کیا
(ابراہیم - ۲۲) دنیا میں تم مجھے شریک بناتے تھے، میں بیزاری کا اعلان کرتا
ہوں، میں نے تو تمہیں گمراہی کی دعوت دی تھی، شرک کرنے والے تو تم
خود ہو۔ اللہ نے تمہیں عقل و شعور عطا فرمایا تھا۔ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ
الْغَىٰ (البقرہ - ۲۵۶) ہدایت اور گمراہی کا راستہ بھی واضح ہو چکا تھا۔ اس کے بعد
تم نے خود گمراہی کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کفر اور شرک کیا، اب

پہنچائی کا خود ہی ممکن کرو۔

ظالم کے
یہی مذہب

فرمایا قیامت کے دن کوئی بھی ایک دوسرے کے لیے نفع نقصان کا
ملک نہیں ہوگا۔ وَلْتَعْلَمُوْا اَنَّ ذٰلِكَ ظُلْمٌ اور ہم ظلم کرتے والوں سے کہیں
گئے۔ ظالم ہے کہ سب سے بڑا ظلم تو کفر اور شرک ہی ہے۔ جیسے تفسر آیا۔
وَالْكَافِرُوْنَ هُمْ الظّٰلِمُوْنَ کہ البقرہ ۱۲۵ اور کافر ہی ظالم ہیں۔
اِنَّ الْبَشَر لَطٰظِمٌ لِلظّٰلِمِ عَظِيْمٌ (نہان ۱۳) بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے
تو اللہ تعالیٰ ظالموں سے فرمے گا ذٰلِكَ وَفَوَقَ عَذَابِ النَّارِ اَلَّذِيْ كُنْتُمْ
يَهْتَكُمُ کہ تُوں اب اس دوزخ کا عذاب چکھو جس کو تم اللہ کی مکتبت
تھے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ شرک لوگ جس طرح توحید و رسالت کا اللہ کرتے
تھے۔ اسی طرح قیامت کے بھی منکر تھے اور کہتے تھے کہ جنت دوزخ کچھ ہی
نہیں، محض مولویوں کی بنائی گئیاں ہیں۔ شیطان نے ایسی ہی پڑھائی تھی،
لَا جَنَّةَ وَلَا نَارَ وَلَا حِسَابَ تو کیا اب کہتے تھے کہ کوئی جنت ہے نہ
دوزخ اور نہ کوئی حساب اور نہ کتاب۔ اللہ فرمائے گا اِس انکار کا سزا اب
چکھو۔ سورۃ القور میں اس طرح فرمایا ہے اے یہ کفار! اَصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْا
اَوْ لَا تَقْصِرُوْا سو آؤ علیکم کفر (آیت ۱۶) اس جہنم میں داخل ہو جاؤ۔
اب سبر کرو یا بے صبری تمہارے لیے برابر ہے، اب یہ سزا تمہیں برداشت
کرنی پڑے گی۔

فرمایا: اِنَّ كُوْنِيَا مِیْمَ عَالٍ ہے وَاِذَا اُنْشِلٰی عَلَیْہِمْ اِلَیْہِمْ
کیلئے کہ جب ان پر ہاری واضح واضح آئیں پڑھی جاتی ہیں۔ یعنی ان کے
سانے دلائل، احکام یا معجزات چشیں کیے جاتے ہیں فَالْقَوْمَ اِهْذٰ
اِلَّا رَجُلًا یَّمْنٰی اَنْ یَّصْدَکُمْ عَمَّا صَحٰنَ یَکْفُرُ اَیَّٰہُ فَعَمُ
تو کہنے ہیں کہ یہ شخص نہیں اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں سے روکا جاتا ہے۔ یہ
نہی یا رسول نہیں ہے بلکہ تمہارے آباؤ اجداد کے طریقے سے بنا جاتا ہے۔

چلتا
انکار

وَقَالُوا مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ كُفِرَ بِهِ وَهُوَ كَذَّابٌ
چیز کو یہ خدا کا کلام قرآن کہتا ہے وہ تو محض افتراد کیا ہوا مجھوٹا ہے (نعوذ باللہ)
گر یا قرآن پاک کا بھی انکار کر دیتے۔ اکثر مشرکین یہی کہتے تھے کہ یہ شخص تمہیں ڈرا
دھمکا کر اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اسی لیے دولت مند اور صاحب اقتدار
لوگ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرتے تھے۔

پھر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر یہ شخص اللہ کا نبی نہیں ہے تو پھر لوگ
اُس کی بات کیوں مانتے ہیں، جو آدمی ایک دفعہ اس کے قریب آ جاتا ہے
وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے، آخربات کیا ہے؟ اس بات کے جواب میں مشرکین
نے یہ فلسفہ گھڑا ہوا تھا۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ
تُرْكَافُونَ نے حق بات کے متعلق کہا جب کہ وہ اُن کے پاس آگئی اِن
هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ کہ یہ تو کھلا جادو ہے، کہنے لگے اس شخص
کی بات میں اثر اس لیے ہے کہ اُس کے پاس جادو ہے جس کے ذریعے
یہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے، وگرنہ نہ تو یہ اللہ کا رسول ہے اور نہ ہی قرآن
اللہ کا کلام ہے بلکہ تو ایک خود ساختہ چیز ہے جسے اللہ کی طرف منسوب
کر رہا ہے (العیاذ باللہ) مشرکوں کا یہ پُرانا صریح ہے کہ جب دلائل کا جواب
دلائل سے نہیں دے سکتے تو حقیقت کو جادو سے تعبیر کر کے جان چھڑاتے
کی کوشش کرتے ہیں پہلے لوگ بھی جب کوئی نشانی دیکھتے تو کہتے سِحْرٌ
مُبِينٌ (القمر - ۲) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔

نزدیک قرآن سے قبل تقریباً دو ہزار سال تک عربوں میں کوئی نبی نہیں آیا
تھا، چنانچہ ڈیڑھ ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام
کے لائے ہوئے دین پر قائم تھے، ان میں شرک کی بیماری پیدا نہیں ہوئی تھی۔
پھر حضور علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً چار سو سال پہلے قصی ابن کلاب کے
زمانے میں شرک کی ابتداء ہوئی۔ ایک شخص عمرو ابن لُحی کہیں بیرون ملک سفر یہ

عربوں
کی لائے

گیا تو وہاں مورتیاں دیکھیں جو اُسے پسند آئیں اور وہ انہیں ساتھ لے آیا اور یہاں آکر بھی ان کی ویسی ہی تند و تیز شروعات کر دی جیسے اُس ملک میں لوگ ان کی عبادت کرتے تھے۔ سب سے پہلے جانور ہی اس شخص نے غیر اللہ کی خدائی کیے۔ اس کی دیکھی دیکھی دوسرے لوگ بھی بتوں کی پوجا کرنے لگے اور اس طرح عرب میں بھی شرک پورے پھیل گیا۔

[illegible]

سابقہ اوزار
لاش

ارشاد ہوتا ہے وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی اللہ کے نبیوں اور ان کی لالی ہوتی کتابوں اور نشانوں کو جھٹلایا۔ اب اللہ نے مسکرمین، کفر اور مشرکین، عرب کو تنبیہ کی ہے کہ اگر انہوں نے بھی اپنے پیغمبر کو جھٹلایا، تو ان کا انجام بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔ فرمایا وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتُكْفَرُوا عَنْ سَبِيلِهِ ثُمَّ تُدْعَوْنَ إِلَى دِينِ اللَّهِ فَتَقُولُونَ لَا مَرْجِعَ لَنَا إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَمِلْ سَاءَ عَمَلًا فَسَاءَ مَوْلَاكَ اللَّهُ ثُمَّ تُوَلَّى الْأَسْوَاقُ الْأَسْوَاقُ فَكَانَ الْمَثَلُ كَلِمَ بَلَاءٍ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ فَتَبْلُغُ أُمَّةٌ لَهَا لَافَةٌ مُبَارَكَةٌ تَسْمَعُ لِمَنْ يَدْعُو لَهَا وَتَكْفُرُ لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

کہ سابقہ اقوام کی نسبت عرب لوگ دسویں حصے کے بھی مالک نہیں۔ تاہم بعض
دوسرے لغت کے امام اس کلامی عشر العشر یعنی دسویں کا دسواں حصہ کرتے ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ ان کو سوال یا ہزاروں حصہ بھی نہیں ملا۔ نہ تو عربوں میں پہلے
لوگوں کی سی جسمانی قوت ہے جیسے کہ قدیم مصریوں، عاد، ثمود، کلدانیوں اور
آشوریوں کو حاصل تھی اور نہ ان جتنا مال و دولت اور اقتدار ہی حاصل ہے۔ عربوں کے
پاس تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ کس چیز پر تکبر کرتے ہیں اور حق کی
مخالفت کرتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا فَكَذَّبُوا رَسُولِيْ اُن پہلے لوگوں نے بھی میرے رسولوں
کو ٹھٹھلایا۔ فَكَيْفَ كَانَ سَكِرَتِيْ پھر کیسی ہوئی میری گرفت، قوم نوح،
قوم شعیب، قوم سبا، الیٰ بقی والے اور دیگر نافرمانوں میں سے کیا فرد واحد بھی
اللہ کے خدا سے بچ سکا؟ نہیں بلکہ سب تباہ و برباد ہوئے۔ جب وہ نہیں بچ
سکے جو ان سے ہزار فیصد زیادہ طاقتور اور مالدار تھے تو ان کی کیا حیثیت ہے؟
ان کو بھی اپنا انجام یاد کر لینا چاہیے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حق کے مخالفین ذلیل و خوار
ہوئے اور خدا تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کر دیا۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۖ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مَشْفِئًا
 وَقُرَادَى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ
 جِنَّةٍ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ
 شَدِيدٍ ۝ قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجَرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ
 إِنْ أَجِرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
 شَهِيدٌ ۝ قُلْ إِنْ رَبِّي يَهْدِي لِحَقٍّ
 عَلَامَ الْغُيُوبِ ۝ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبَدِّلُ
 الْبَاطِلَ وَمَا يُعِيدُ ۝ قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا
 أَضِلُّ عَلَى نَفْسِي ۖ وَإِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوحَىٰ
 إِلَيَّ رَبِّي ۖ إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ۝ وَلَوْ تَرَىٰ
 إِذِ فَزِعُوا فَلَا فَوْتَ وَأَخِذُوا مِنْ مَكَانٍ
 قَرِيبٍ ۝ وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ ۖ وَأَلَىٰ لَهُمُ التَّنَاسُتُ
 مِنْ مَكَانٍ يُعِيدُ ۝ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ
 وَيَقْدِرُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَكَانٍ بُيُوتٍ ۝ وَحِيلَ
 بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ ۖ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ
 مِنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُرِيبٍ ۝

تجہ ۱۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) بے شک میں تم کو نصیحت کرتا ہوں ایک بات کی کہ تم کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے دو دو اور ایک ایک ۔ پھر تم خود دھڑک کر دو تمھارے صاحب میں کوئی جزن نہیں ہے ۔ نہیں ہے وہ مگر تمھیں ڈر سننے والا (اللہ کے) شدید عذاب سے پہلے ۴۶) آپ کہہ دیجئے اگر میں تم سے سوال کروں کسی بے کا پس وہ تمھارے لیے ہی ہے ۔ نہیں ہے میرا بدلہ مگر اللہ کے ذمے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے ۴۷) آپ کہہ دیجئے بیشک میرا پروردگار پھینکتا ہے حق کو (یعنی نازل کرتا ہے اُپر سے) وہ جاننے والا ہے پرشیدہ باتوں کا ۴۸) آپ کہہ دیجئے حق آگیا ہے اور نہیں ظاہر کرتا باطل کسی چیز کو اور نہیں وہ لوٹاتا ۴۹) آپ کہہ دیجئے اگر میں بہک جاؤں ، پس بیشک میں بسکوں گا اپنے نفس کے لیے ، اور اگر میں ہایت پاؤں ، پس اس وجہ سے جو وحی کی ہے میری طرف میرے پروردگار نے ۔ بیشک وہ سب کچھ سننے والا قریب ہے ۵۰) اور اگر تو دیکھے جب یہ لوگ گھبراہٹیں گے ، پس بھاگ نہیں سکیں گے اور پکڑے جائیں گے قریب جگہ سے ۵۱) اور کہیں گے ایمان لاٹے ہم اس پر ۔ اور کہاں ہو گا ان کے لیے پالنا دور جگہ سے ۵۲) اور تحقیق کفر کیا انہوں نے اس کے ساتھ اس سے پہلے اور پھینکتے ہیں وہ (ایسے ہی) بغیر دیکھے دور جگہ سے ۵۳) اور رکاوٹ ڈال دی جائے گی ان کے درمیان اور اُس چیز

کہ تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی صفائی میں مندرایا ہے کہ تم میں سے بعض لوگ آپ کو دیوانہ، بعض شاعر اور بعض ساحر کہتے ہیں۔ مگر جب اس کے افعال و کردار پر نظر کرو گے اور تعلیم میں غور و فکر کرو گے تو اس میں دیوانگی والی کوئی چیز نہیں پاؤ گے۔

اس مقام پر پیغمبر علیہ السلام کے لیے صاحب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سورۃ التکویر میں ہے وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ (آیت ۲۲) تمہارا صاحب مجنون یا دیوانہ نہیں ہے۔ وَمَا هُوَ عَلَيَّ الْغِيْبِ بِضَنِيْبٍ (آیت ۲۳) اور وہ غیب کی باتوں پر تنگ دل بھی نہیں ہے۔ اور تمہیں آپ کی حقیقت معلوم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی چاہیے، کیونکہ تم نے مجھ سے جاننے ہو، اور اس کے عادات و اطوار اور اخلاق سے واقف ہو۔ انہوں نے خود تمہیں غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا ہے فَقَدْ كَذَّبْتُ رَبِّيْكُمْ عُمْرًا مِّنْ قَبْلِهِ (لونس۔ ۱۶) میں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ تم میں گزاریا ہے، کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا تمہیں میری صداقت و امانت میں کوئی شک ہے؟ صاحب کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اسی قوم کے فرد تھے جنہوں نے آپ کی پیدائش ہوئی۔ وہیں بڑے ہوئے اور عمر کا ایک حصہ اُن میں گزارا جو شخص چالیس سال تک جھوٹ نہیں بول سکتا، وہ یکایک کیسے کذب بیانی کرنے لگے گا۔

جب حضور علیہ السلام کو نبوت ملی اور اللہ تعالیٰ نے تبلیغ حق کا حکم دیا تو آپ نے لوگوں کو آواز دے کر کوہ کعبہ پر جمع کیا۔ تقریباً چالیس آدمی اکٹھے ہو گئے۔ آپ نے اُن کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف سے دشمن تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟ سب نے

ایک زبان جواب دیا کہ ہم ضرور تصدیق کریں گے کہ جو مباحثہ بنا علیہما
 کذباً ہم نے کبھی آپ کی زبان سے جھوٹ نہیں سنا، آپ ہمیشہ سچ کہتے
 ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں خدا تعالیٰ کی گرفت سے ڈرا رہا ہوں، ایک
 وعدہ لا شریک پر ایمان لے آؤ اور ان بتوں کی بجائے جو ہر دو ماب اتنی بات
 کی تو لوگوں نے پھر ماننے شروع کر دیے۔ اس مقام پر بھی فرمایا کہ میں تمہیں نصیحت
 کرتا ہوں ایک بات کی کہ تم اپنا ہی طور پر بالفرازی حیثیت سے غرور کر دو گے
 تو تمہیں پتہ چلے گا کہ تمہارا یہ تاہمی دیر نہ نہیں ہے، بلکہ وہ تو علم و عرفان اور حکمت و
 دانائی کے سمندر بار بار ہے وہ قوم کا غیر خواہے اور ایسے دلائل کے ساتھ
 بات سمجھا رہا ہے جو عقل اور عقل دو لوگوں کے مطابق ہیں اس کی حیثیت یہ ہے
 اِنَّ هُوَ لَا يَذِيْرُ كَذِبًا يَدْعٰى عَذَابَ شَدِيْدٍ وَهُوَ قَدِ احْسَنَ الْوَسِيْلَیْنِ
 شہیدِ عذاب سے پہلے ڈر سنانے والا ہے۔

قرآنی حوالہ
 کافی

آجے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی طرف سے تبلیغ دین کے سلسلے میں
 کسی ذاتی معاوضہ کی نفی فرمائی ہے۔ ارشادِ بڑا ہے قُلْ مَا اَشْكُرُكُمْ وَاِنْ
 اُجِرْتُ فَهُوَ لَشَاْكِرٌ غَيْرُكُمْ! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر میں تم سے
 کوئی معاوضہ طلب کروں تو وہ تمہارے لیے ہے، مطلب یہ ہے کہ میں اپنے
 فرض منصبی کی ادائیگی کے لیے اور تمہیں وعظ و نصیحت کرنے کے لیے کوئی معاوضہ
 طلب نہیں کرتا، کیونکہ اِنْ اُجِرْتُ لَاشْكُرُكُمْ اللہ میرا معاوضہ تو اللہ تعالیٰ
 کے پاس ہے، مجھے میری محنت کا ملو دیئے گا۔ تم اپنا معاوضہ اپنے پاس
 رکھو، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میری یہ خدمت بے لوث ہے تمام
 انبیاء و دین کا کام بلا معاوضہ کرتے ہیں اور اس کا اجر اللہ پر چھوڑتے ہیں وہو
 اَحْكَمُ الْخَالِقِ شہید اور وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ سب معنی اس
 سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ وہ میری نیت اور سچائی کو بھی جانتا ہے اور تمہاری
 مخالفت اور جو کوئی بھی اللہ کے سامنے ہے۔ تمہیں نصیحت کرنے میں میرا کوئی

مذہب اور تصرف اللہ تعالیٰ ہے اس میں کسی باطل کا کوئی دخل نہیں ہے۔
 اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کا ایک خاص اذار ایسے نبی کو رکھا ہے
قُلْ إِنْ صَلَّيْتُ فَإِنَّمَا أَصْلُ عَلَى نَفْسِي لَعَنَ يَمِينِي آج ان مشرکوں
 سے کہہ دیں کہ اگر میں دین کے معاملہ میں بیکا ہوا ہوں تو اس کا نقصان میری ہی بلا
 کو ہو گا۔ اس کا وبال تم پر تو نہیں پڑے گا وَإِنْ أَهْتَدَيْتُمْ فِيمَا أُتُوْا
بِالْحَقِّ لَتَرْجِعْنَ إِلَى اللَّهِ رِجْعًا اور یقیناً ایسا ہی ہے تو میری اس
 وحی کی برکت سے ہے جو اللہ نے میری طرف نازل فرمائی ہے۔ اگر تمہارے
 نزدیک میں اپنے دین میں سچائیوں ہوں تو اس کا نتیجہ بھی مجھے ہی ملے گا۔
 تم پر تو کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ فرمایا جس نے میری طرف وحی نازل کی ہے
إِنَّمَا سَبِّحْتَ قَرِيبًا وہ سب کچھ سننے والا اور بالکل قریب ہے۔ وہ
 اپنے دین کو تمام ارباب پر غالب بنا چاہتا ہے اللہ اور میری سرپرستی کو ثابت
 کرے۔ یہ تو تمہاری اپنی بدبختی ہے کہ خواہ مخواہ میری مخالفت کر کے دین دنیا میں
 نقصان زدہ بن رہے ہو۔

فرمایا آج تو یہ سچائیاں اذکار میں طرح طرح کی باتیں سناتے ہیں مگر ایک ایسا
 وقت بھی آئے گا جس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ قُرُونًا
لَمَّا تَطَلَّعَتْ فِي حَالَتِ كُرْهٍ جب کہ یہ تعبیر جائیں گے فَلَا فَوْتٌ
وَأَخِذُوا مِن مَّوْظِعِكُمْ قریب قریب تو ان کو کہیں بھاگنے کا موقع نہیں دیا جائے
 گا۔ اور یہ قریبی ہتھم یہی پکڑ لے جائیں گے۔ دنیا میں تو جرم کر کے بھاگ جاتے
 گا۔ امکان بھی ہوتا ہے، مجرم روپوش ہو جاتے ہیں مگر اللہ کی عدالت کے فیصلے
 کے وقت ان کے فرار کا کوئی منصوبہ بھیاں نہ ہو سکتا۔ بلکہ فوراً گرفت میں آجائیں
 گے اور اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔

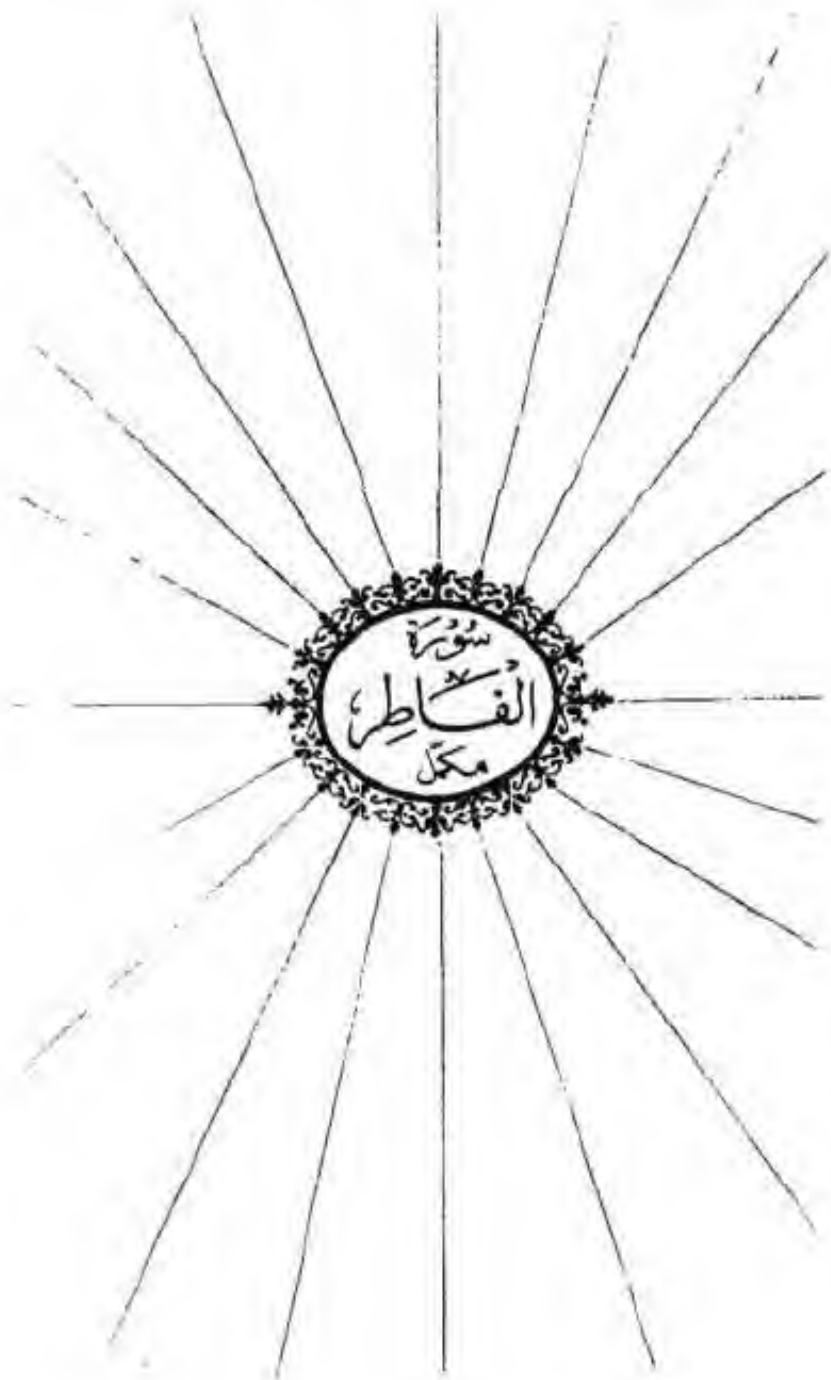
پھر جب مذہب الہی کہنے سے دیکھیں گے وَقَالُوا أَتُتَابِعُ
 تو اس وقت کہیں گے کہ ہم اللہ پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر

اور یومِ آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر اس وقت تک پانی سر سے گزر چکا ہوگا۔ دارِ العمل
 سے گزر کر درِ الجہنم میں پہنچ چکے ہوں گے وَأَنفُ كَهْمُ التَّانُوسِ مِن
تَمَكَّانٍ كَبِيبٍ تو اس وقت اُن کا دُرس سے ایمان کو پالینا کہاں ممکن ہوگا۔ اُس
 وقت کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی اور خدائی فیصلے کے آگے تسلیمِ خم کرنا پڑے گا۔
 اس قسم کا مضمون سورۃ السجدہ میں بھی آتا ہے۔ اہل ایمان سر در زینِ بلصراط پر سے
 گزر رہے ہوں گے۔ اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور دہنی طرف چل رہا ہوگا۔
 اُن کے پیچھے منافق لوگ گھپ اندھیرے میں گھرتے پڑتے آہے ہوں گے۔
 اور پیچھے سے اہل ایمان کو آواز دیں گے کہ ہماری طرف نظرِ شفقت کریں۔
 کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کر سکیں، مگر آگے سے جواب آئیگا
قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا (آیت-۱۳) پیچھے لوٹ جاؤ
 اور دلوں سے نور تلاش کرو۔ اب روشنی کہاں میسر آئے گی۔ یہ نور حاصل کرنے کا
 موقع تو دنیا میں تھا جس کو تم نے ضائع کر دیا۔ اب نہ تم دنیا میں واپس جا سکتے ہو
 اور نہ نورِ ایمان حاصل کر سکتے ہو۔

ارشاد ہوگا وَقَدْ كَفَرَ واپس من قبل وہ اس سے پہلے ایمان اور
 توحید کا انکار کر چکے ہیں۔ مگر اب ان کا ایمان لانا کچھ سفید نہیں ہوگا۔ وَيَقْذِفُونَ
بِالْغَيْبِ مِن تَمَكَّانٍ كَبِيبٍ اور یہ بغیر دیکھے دور جگہ سے پھینکتے ہیں (یعنی
 بات مانتے ہیں) بالکل اسی طرح جس طرح کوئی بے تمکا تیر چلا دیا جاتا ہے۔ اور
 وہ کسی آن دیکھی منزل پر جا کر نہ ہے۔ اور پھر وَجِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا
يَشْتَهُونَ پھر اُن کے اور اُن کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے
 گی كَمَا فَعَلَ بِالشَّيَاطِينِ مِّن قَبْلِ هَٰذَا جیسا کہ انہی جیسے لوگوں
 کے ساتھ اس سے پہلے کیا گیا۔ سابقہ اقوام کے لوگوں نے بھی آخری وقت میں
 ایمان لانے کا اقرار کیا مگر وہ بے سود گیا فرعون نے بھی کہا تھا کہ میں بنی اسرائیل
 کے خدا پر ایمان لایا، مگر اُس وقت گرفت آچکی تھی اور وہ بمع قومِ پانی کی موجوں

میں غریب کھارہ تھا۔ اللہ نے فرمایا اَلْشَّنَّ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلَ رِيَاضِ (۹۱)
 اب ایمان لاتے ہو۔ حالانکہ ساری عمر ایمانی میں گزار دی۔ اللہ کے نبی کو ڈراتے
 دھمکاتے تھے۔ اور غنہ گرو کی کامنظارہ کرتے تھے۔ اب تم خدا ایمان لانا
 کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ بہر حال جب عمل کی دنیا سے نکل کر انسان جزا کی دنیا
 میں پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کی دنیا میں واپس جا کر ایمان لانے کی خواہش پوری
 نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔
فرمایا پیسے لوگوں کی طرح ان کی خواہش بھی اب پوری نہیں ہو سکتی، کیونکہ
اِنَّهُمْ كَانُوا فِيْ شَكٍّ مُّبِيْنٍ دنیا کی زندگی کے دوران یہ لوگ
 اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور قیامت کی طرف سے تردید انگیز شک میں
 پڑے تھے۔ انہیں نبیوں کی بات پر یقین ہی نہیں آتا تھا کہ وہ سچی بات کہہ رہے
 ہیں یا غلط، تو الہی پر اعتبار نہیں آتا تھا۔ وقوع قیامت اور جزائے عمل کو نہ گھڑ
 کہانیاں بتلاتے تھے اور اس طرح گویا ہر چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے
 فرمایا اب ان کا ایمان کمال سے آگے لگا، اب تو وقت ہی گزر چکا ہے لہذا
 ان کی خواہش پوری نہیں ہو سکے گی۔





فاطر ۲۵

آیت ۱

ومن یقنت ۲۲

درس اول ۱

سُورَةُ فَاطِرٍ كَثْرَتِهَا خَمْسٌ وَأَرْجُونَ آيَتِهَا خَمْسٌ كُرُوعَاتٍ
سورة فاطر کی ہے۔ یہ پتالیس آیات اور پانچ کرع پر مشتمل ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

أَتَمَدُّ اللَّهُ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَكِ
رُسُلًا أُولَىٰ أَجْنَحَةٍ مِّثْنَىٰ وَثَلَاثَ وَرُبْعًا
يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ①

ترجمہ:۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بنانے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اور جو بھڑانے والا ہے فرشتوں کو پیغام لانے والے، بازوؤں والے دو دو، تین تین، چار چار، اور زیادہ کرتا ہے تخلیق میں جو چاہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا

ہے ①

اس سورۃ کا نام سورۃ فاطر ہے۔ یہ نام سورۃ کی پہلی آیت میں آدھ لفظ فاطر سے اخذ ہے۔ مفسرین کرام نے اس سورۃ کا دوسرا نام سورۃ مائیکہ بھی ذکر کیا ہے

نام اور کثرت

کیونکہ اس میں اللہ نے مالک کو قاصد بنانے کا ذکر کیا ہے۔

مفسرین کو اس فہرست میں کہ یہ سورۃ مکی زندگی میں سورۃ الفرقان کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی پینتالیس آیات اور پانچ رکعات ہیں۔ یہ سورۃ مبارکہ ۱۹۷ الفاظ اور ۲۱۳۰ حروف پر مشتمل ہے۔

ماہر سورۃ کی طرح یہ بھی مکی سورۃ ہے اور اس میں بھی زیادہ تر بنیادی قواعد مضامین سورۃ قویہ، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت و حقیقت ہی کا ذکر ہے۔ توحید کے ضمن میں عقلی دلائل کے ذریعے مشرکین کے ضمیر کو جھوٹا دیا ہے کہ وہ اپنے گرو و زلیح میں نظر مار کر دیکھو کہ کائنات کی لاکھوں کھڑکوں، مسنیا، کوبہ، گھنے والی کون سی ذات ہے اور تمام ضروریات مہیا کرنے والا کون ہے۔ یہ تو قویٰ عز کرے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا کرنا چاہے تو کر کے رک رک سکتا ہے۔ اور اگر وہی مدد دے تو ہمیں کون سے نعمتیں دے سکتا ہے۔ جب ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور تصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر اس کے سوا معبود بھی کوئی نہیں، ہم کہہ کر بے شک ہے ہوا اور اللہ کی مخلوق کو بھی اس کا شریک بندہ ہے۔

رسالت کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قسلی دی ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کو ٹھٹھا تے ہیں تو اس میں گھبرانے کی کوئی سی بات ہے پہلی قومیں بھی اپنے انبیاء کو اسی طرح ٹھٹھاتی رہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے دنیا میں ہی ان کو سزا دی۔

دفعہ قیامت اور محاسبہ اعمال کے متعلق اللہ نے قویہ دلائی ہے کہ تم خود ہی سوچو کہ بڑے اور چھوٹے میں کوئی تمیز ہونی چاہیے یا نہیں۔ کیا دونوں کو برابر سزا پر جھوڑ دینا چاہیے یا ہر ایک کو اس کی کارکردگی کا صلہ دینا چاہیے۔ معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی کہے گا کہ نیک کے ساتھ اچھا اور بُرے کے ساتھ بُرا سلوک ہونا چاہیے، یہی محاسبہ اعمال ہے لہٰذا یہی جزا و سزا کا قانون ہے جو اللہ تعالیٰ تعین بتلانا چاہتا ہے اور قیامت کا دفعہ اس مقصد کے حصول کی طرف

بیب قدم ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور توحید قبول کرنے والوں کے لیے بڑی بشارتیں دی ہیں اور ان کو اپنے والے انعامات کا ذکر کیا ہے تاکہ ان کے دل مضبوط ہوں۔ اسی طرح نافرمان لوگوں کی سزا کا ذکر بھی کیا ہے، کہ ان کے عذاب میں کمی نہیں ہوگی۔ وہ جہنم سے نکلتا چاہیں گے۔ مگر ان کی مذمت قبول نہیں کی جائے گی۔

فاطر یا بدیع

اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہوتی ہے الْحَمْدُ لِلّٰهِ سب تعریفیں اور خوبیاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہیں۔ سابع سورۃ سب کی ابتداء بھی انہی الفاظ کے ساتھ ہوئی تھی اور میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن پاک میں دو مزید سورتوں کی ابتداء بھی انہی الفاظ سے ہوئی ہے یعنی سورۃ فاتحہ اور سورۃ الفہم كَرَّمَا سَبَّحَ تَعْرِيفِينَ اور ستائشیں اس ذات کے لیے ہیں فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کنندہ ہے۔ فاطر اور بدیع کا قریب قریب ایک ہی مضموم ہے یعنی پیدا کرنے والا۔ قرآن پاک میں بعض جگہ فاطر کا لفظ آیا ہے اور بعض مقامات پر بدیع بھی استعمال ہوا ہے جیسے بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البقرہ - ۱۱۷)

فطور کا لغوی معنی کسی چیز کو بھاڑنا یا اس میں شکاف ڈالنا ہوتا ہے۔ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس لفظ کے صحیح مفہم کے متعلق تردد تھا لہذا میں اس کی ٹوہ میں تھا کہ کس طرح اس لفظ کا صحیح صحیح مطلب سمجھ میں آجائے، اس زمانے میں دیہاتی عربی کو معیاری زبان سمجھا جاتا تھا، اسی لیے روئے عرب اپنے بچوں کی ابتدائی پودش دیات میں کرنا پسند کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نے دو عرب بدویوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے پایا۔ ان کے درمیان ایک کنویں کی ملکیت کا جھگڑا تھا۔ ایک شخص دوسرے سے کہنے لگا۔

کہ تم اس کفر کی کھیت کھیکے دھوا کرتے ہو مگر اَنَا فَطَرْتُكُمْ میں نے تم کو تو
میں نے ہی کھسوا تمہا میں زمین میں شکاف ڈال کر میں نے ہی تیرے نون تیار کیا
تھا۔ اب تم میرے مقابلے میں کس طرح دویدار بنے ہو؟ حضرت ابن عباسؓ
فرماتے ہیں کہ بدووں کی اس گفتگو سے مجھے غاظر کا معنی کچھ میں آئی کہ اس سے مراد
کسی چیز کی ابتداء کرنے کا ہے جب کہ اس سے پہلے اس چیز کا وجود نہ ہو۔

جائزہ
نہا دی

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کی تخلیق اور نشو و نما
کے لیے اللہ تعالیٰ کی پارسا صفت ایک بعد دیگرے کام کرتی ہیں۔ اللہ کی پہلی
صفت اَبَاحٌ یا فَطُورٌ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس صفت خاصہ کے ذریعے غیر مطلق
آئے اور فرشتے کے مطلوبہ چیز کو پیدا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سَبَدِیُّہُ
السَّلَاطِیۃِ وَ اَنْزَلْنٰ رُحْنِ الْبَقْرَہِ (۱۱۴) میں نے آسمانوں اور زمین کو کون
کسی ماسے آئے اور مابقتہ نمونے کے تخلیق کیا، ان کی تخلیق تو ہمارے سامنے
موجود ہے مگر یہ تخلیق کس طرح وجود میں آئی، اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں اس
چیز کو فلسفے کی زبان میں کہتے ہیں معلوم الا نسیۃ مہجولہ کیف
اس کا پرہی طرح سمجھنا تو ذرا مشکل ہے تاہم تنبیہات جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ
اپنی خاص تخلیقات اور صفات کے ذریعے ہی کس چیز کو براہ راست پیدا کرتا ہے
جسکی کیفیت اور مخلوق میں سے کوئی نہیں جان سکا کہ کس قسم کی تخلیقات کا طور
ہوا، اور کس قسم کے تغیرات واقع ہوئے جس کے نتیجے میں کائنات کا علمور ہوا
بہر حال یہ اللہ کی پہلی صفت اَبَاحٌ یا فَطُورٌ ہے جس کے ذریعے کائنات کو موعی
وجود میں آئی۔

جب ایک چیز اللہ کی صفت اَبَاحٌ کے نتیجے میں معرض وجود میں آگئی
تو اب اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت مختصہ خلق کا نام کرتی ہے خلق کا معنی ہے

ہے کہ کسی چیز کا مادہ موجود ہو اور اس سے کوئی چیز بنائی جائے۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ خود اسی کا فرمان ہے **اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ** (المومن - ۶۲) چنانچہ انسان، ملائکہ، جنات، جنت اور دوزخ وغیرہ سب اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اس کی صفت خلق کی واضح مثال یہ ہے کہ اُس نے زمین کو صفت ابداع کے ذریعے بغیر مادے، آگے اور ہونے کے پیدا کیا۔ اور پھر زمین کے مادے مٹی سے انسان کو صفت خلق کے ذریعے پیدا فرمایا۔ اُس کا ارشاد ہے **خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ** (ال عمران - ۵۹) یعنی اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا، اور پھر قطرہ آب سے نسل انسانی کو چلایا۔ اسی طرح انسانوں اور جنات کے متعلق فرمایا **خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ** (الفجر - ۲۸) **وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ** (التوحید - ۱۵-۱۴) اللہ نے انسانوں کو کھنکھاتی ہوئی مٹی سے اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ اسی طرح ملائکہ کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ان کو اللہ نے ایک خاص قسم کے نورانی مادے سے تخلیق فرمایا۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ ایک چھوٹے سے بیج سے یا ایک معمولی سی گٹھلی سے بہت بڑا درخت بنا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کا کرشمہ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ صفت خلق کے ذریعے کوئی چیز پیدا فرما دیتا ہے۔ تو تیسرے نمبر پر اُس کی صفت تدبیر کام کرتی ہے اللہ کا فرمان ہے **يَذَرُ الْأَمْمَ مِنَ السَّمَاءِ الْحَبَّ الْأَرْضَ وَالْمَرْصُ وَالسَّجْدَةَ** (۵) آسمان کی مہندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر ہر چیز کی تدبیر اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ پیدائش کے بعد کسی چیز کو تدریج بڑھانا یا گھٹانا، کسی چیز کو آگے پیچھے کرنا۔ یا ترقی و تنزل کے مراحل سے گزارنا، ازغذہ یا قائم رکھنا، موت دے دینا یا فناء کر دینا یہ صفت تدبیر کا کام ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ خود انجام دیتا ہے۔ اور اس معاملے میں بھی اس کو کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی، اور نہ ہی وہ یہ کام اپنی مخلوق میں سے کسی کے سپرد کرتا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ کی جو بھی صفت تدلی کا نذر آتا ہے۔
تدلی کا لغوی معنی کسی چیز کا نیچے کی طرف ٹٹک جانا یا اتر جانا ہے اور اس سے
مقصود یہ لیا جاتا ہے کہ جب کوئی انسان پیدا ہو جاتا ہے اس کے تمام اعضاء نیک
طریقے سے بنے جاتے ہیں اور اس کی نگاہ ہی اللہ باطنی قوتیں کام کرنے لگتی ہیں۔ تو
اللہ تعالیٰ کی تعلیمی اہم کاموں کا نیک انسان کی روح پر پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ روح
جو نیک طبیعت چیز ہے اللہ یہ آتی ہی عالم بالا سے ہے لہذا اس کی کشش ہمیشہ
اوپر کی طرف ہوتی ہے۔ اس تعلیمی اہم تدلی کا اثر انسان اس دنیا میں محسوس نہیں
کرتا۔ کیونکہ اس پر مادیت کا غول چڑھا ہوا ہے۔ جب اس کی موت واقع ہو جاتی
ہے تو یہ غول بھی اتر جاتا ہے۔ اور اصل انسانیت ابھر کر سامنے آ جاتی
ہے۔ اس وقت یہ تدلی اوپر کی طرف کشش کرتی محسوس ہوتی ہے۔ اگر کوئی
نیک اللہ عبادت گزار آدمی ہے تو اسے اس دنیا میں بھی اس کا کچھ نہ کچھ اثر
محسوس ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو یہی کشش
اُس کو آسانی کے ساتھ عالم بالا کی طرف لے جاتی ہے اور اگر کوئی کافر مشرک
یا گنہگار آدمی ہے تو اُس کی کشش نیچے کی طرف ہوتی ہے جب کہ تدلی کی کشش
اوپر کی طرف۔ اور اس طرح ایسے شخص کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
اس جہاں سے دو سکڑ جہاں میں منتقلی کی مثال شاہ صاحب اسی طرح
بیان کرتے ہیں جیسا کہ کوئی شخص زندہ کے دوران خواب دیکھتا ہے۔ خواب
میں مختلف مقامات پر ہوتا ہے، کچھ کام انجام دے رہا ہوتا ہے۔ افسس
کو کچھ ایسے جگہ سے واسطہ پڑتا ہے مگر جو جی میاں ہوتا ہے تو خواب
والا سا جہاں ختم ہو کر وہی اس دنیا کا جہاں سامنے ہوتا ہے۔ جب ان اس
جہاں کی زندگی ختم کر کے اگلے جہاں میں پہنچتا ہے تو اسے اس دنیا کی زندگی ایک خواب
محسوس ہوگی۔ الغرض! جو تھے فیروز اللہ کا صفت تدلی کام کرتی ہے، تو غفلت کے
سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی چار صفات یکے بعد دیگرے کام کرتی ہیں۔ جن میں جو بھی صفت
تدلی ہے۔

فرشتوں
کی تکلیفیں

آیت کے ابتدائی حصے میں اللہ نے اپنی صفت ابداع یا فطور کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جَاعِلُ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا جو کہ فرشتوں کو پیغام رسال بنانے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے نبیوں کے پاس اللہ کا پیغام لاتے ہیں۔ اس فرض کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ فرشتوں سے تدبیر کے مختلف کام لیتا ہے اور وہ تعمیل حکم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فقدان فرشتوں کے ذریعے ہی کائنات تک پہنچتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث، دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے اربوں، کھربوں سال پہلے انسان کی مصلحت کی خاطر اپنے فضل اور مہربانی سے اللہ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا۔ خدا تعالیٰ ازل میں جانتا تھا کہ انسانوں کی مصلحت فرشتوں پر موقوف ہے۔ تاہم فرشتے درجات میں انسان سے کم تر ہیں۔ فرشتوں کے سات مختلف طبقات ہیں۔ اور ہر طبقہ کا مادہ تخلیق الگ الگ ہے۔ ملائکہ کی تخلیق لطیف نورانی سے ہوئی ہے جن میں جبرائیل، میکائیل وغیرہ شامل ہیں اور ملائکہ سافل کی تخلیق اس سے کمتر مادہ سے ہوئی ہے۔ شاہ صاحب فرشتوں کے مادہ تخلیق کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کی مثال اُس آگ جیسی ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوئی تھی۔ حقیقت میں یہ حجاب نوری تھا یا ناری تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام اُس آگ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ ایک درخت سے نکل رہی ہے مگر درخت کو جلاتی نہیں بلکہ مزید روشن کر دیتی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دلیف مائے سے پیدا کیا ہے، ان میں رو میں اور عقل و شعور ہے اور وہ ہر وقت ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

فرشتوں کی
صلاحیت

فرمایا اللہ تعالیٰ فرشتوں کو پیغام لانے والا بنانے والا ہے۔ اور فرشتوں

کی بیعت ہے اور لفظ اُجَیْبَتہ معنی وَجَّهْتُ وُجْہَہُ کَرُوہُ
 دو تین میں اور چار پہلوں میں اس لئے کہ کوئی محنت بعد میں نہ
 عطا کئے ہیں جن کے درمیان وہ اترتے ہیں۔ فرمایا اُن کے پردوں کی تعداد چار
 ایک محمد و انیس بکر قیْسُہ بنی المصطلق کا ایک اور اللہ تعالیٰ اُن کی
 تخلیق میں اضافہ کر دیتا ہے جس قدر چاہے۔ جس طرح اس زمین پر پہلے
 اپنے پردوں کے لاییت تیز رفتاری سے اترتے ہیں اسی طرح اللہ کے ملائکہ بھی
 نہایت ہی برق رفتاری کے ساتھ اپنے پردوں کی بدولت ایک جگہ سے دوسرے جگہ منتقل
 ہوتے ہیں۔ فرشتوں کی تیز رفتاری کا عالم یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ایک سال
 میں طغیقاۃ اقدس سے زمین تک پچاس ہزار مرتبہ آتا کھتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کا ارشاد مبارک ہے کہ میں نے سورج کے مرقعہ پر سدۃ المستقی کے قریب جبرائیل علیہ السلام
 کو اُن کی اصلی شکل میں دیکھا جن کے چہرے سوئے تھے۔ دوسرے درجے کے روایات
 میں یہ بھی آپ کے ہر پر کے درمیان مشرق و مغرب جتنا فاصلہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کی کتاب الذہب میں ایک روایت ہے کہ ایک
 مرقعہ پر حضور علیہ السلام نے حضرت جبرائیل سے کہا کہ آپ کو اصلی شکل میں دیکھنا
 چاہتا ہوں انہوں نے کہا کہ آہ۔ ریشماری ہوگی مگر کہ میں کر کے دیکھوں۔ یہ
 جبرئیل جبرائیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو ظاہر کرنا شروع کیا، حضور علیہ السلام نے
 والسلام پر مشی طمانی ہو گئی۔ جب آپ کو ہوش آیا تو جبرائیل علیہ السلام نے عرض
 کیا۔ اے محمد! آپ تو مجھے اپنی اصلی حالت میں نہیں دیکھ سکتے اور اگر آپ بارہ
 ہزار پردوں والے مکہ میں کو دیکھیں تو آپ کو کیا کیفیت ہوگی۔ چنانکہ صحیح حدیث
 میں آئے کہ حضور علیہ السلام نے دودھ جبرائیل علیہ السلام کو اُن کی اصلی شکل
 میں دیکھا ہے۔ اسی دفعہ اُس وقت جب اُن کا آغاز ہوا اور وہ وہ دفعہ مرقعہ

کے واقعہ میں سدرۃ المستقی کے پاس۔

تخلیق میں
اضافہ

اس آیت کریمہ میں یَبْدِئُ فِي الْخَلْقِ کے الفاظ توجہ طلب ہیں اس کا بظاہر معنی تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے پندوں میں حسبِ مشاء اضافہ بھی کرتا ہے۔ تاہم مفسرین کہتے ہیں کہ اس کے عمومی معنی بھی ملتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ کی ہر قسم کی تخلیق میں اضافہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ مثلاً انسان کو اللہ نے تمام اعضاء عطا فرمائے ہیں جو عام طور پر عمومی نوعیت کے ہوتے ہیں مگر بعض لوگوں کے لیے کھانے کا اضافہ بھی فرما دیتا ہے کسی کو غیر معمولی حسن عطا کر دیا، اس کی آنکھوں، کانوں اور ناک کو بہترین انداز میں بنا دیا۔ کہ وہ عام لوگوں سے زیادہ حسین نظر آتا ہے۔ کسی کو خوبصورت اور سرلی آواز دے دی، کسی کو اضافی عقل و ذہانت عطا کر دی، کسی کے قدم میں اضافہ اور کسی کی جسمانی قوت کو غیر معمولی بنا دیا۔ کسی کو خوش الحانی اور کسی کو تحریر و تقریر میں زیادتی عطا کر دی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں جن کی قدر کرنی چاہیے۔

فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰمُ كُلِّ شَيْءٍ وَ قَدِيرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اُس نے ہر چیز اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ بنائی ہے۔ انسانوں پر بے شمار انعامات فرمائے ہیں لہذا انسان کا فرض ہے کہ ایمان اور توحید کو درست کرے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

وَمِنْ نِعْمَتِ ۲۲

درس دوم ۲

فاطر ۳۵

آیت ۲۲

مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا
وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ② يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ
اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ
مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَلَا
تُوفَكُونَ ③ وَإِنْ تَكْذِبُوا فَعِدَّ كُذِّبَتْ
رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ وَاللَّهُ تُرْجِعُ الْأُمُورَ ④

ترجمہ :- جو کچھ کھول دے اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے
اپنی رحمت سے ، پس نہیں کوئی روکنے والا اُس کو
اور جس کو روک دے ، پس نہیں کوئی بھیجنے والا اُس
کے سوا ۔ اور وہی ہے کمال قدرت کا مالک اور
حکیموں والا ② اے لوگو ! یاد کرو اللہ کی نعمت کو
تمام سے اُپر ۔ کیا ہے کوئی خالق اللہ کے سوا جو تم کو
روزی پہنچاتا ہو آسمان اور زمین کی طرف سے ۔ نہیں
کوئی عبادت کے وطن مگر وہی ۔ پس تم کہاں پھرے
جاتے ہو ③ اور اگر جھٹلاؤں یہ لوگ آپ کو
پس بیک جھٹلائے گئے اللہ کے رسول آپ سے پہلے
اور اللہ ہی کی طرف لوٹانے جائیں گے تمام معاملات ④

رابطہ آیات

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدا و حمد باری تعالیٰ سے ہوئی۔ سب تعریفیں اور ستائشیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا ایجاد کنندہ ہے جس نے فرشتوں کو پیغام رسانی کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ فرشتوں کے متعدد درجے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جس قدر چاہے تخلیق میں اضافہ کر دیا ہے۔ یہ فرشتے پیغام رسانی کے علاوہ فیضانِ رسانی کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عمومی رحمت کا ذکر فرمایا ہے اور اپنی صفتِ خلق کو بیان کیا ہے ساتھ ساتھ شرک کی تردید ہے اور آخر میں نبی علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون ہے۔

بابِ حجت

ارشاد ہوتا ہے مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ
اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جو کچھ کھول دے فَلَا مُمْسِكَ لَهَا تَر
اُس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کا یہ دروازہ انسان کے جسمانی فوائد
کے لیے بھی کھلا ہے اور روحانی ضروریات کے لیے بھی۔ اللہ تعالیٰ انسانی جسم
کی نشوونما اور بقا کے لیے بارش برساتا ہے، اس کے ذریعے پھل اور اناج
اگاتے ہیں جو انسان کی غذائی ضروریات پوری کرتے ہیں اور انسانی جسم کی نشوونما
کا سبب بنتے ہیں، اسی طرح مالک الملک انسان کی روحانی تربیت اور ہدایت
کے لیے اپنے نبیوں کو مبعوث فرماتا ہے۔ اُن پر وحی نازل فرماتا ہے،
شرائع اور قوانین عطا کرتا ہے۔ اسی سلسلہ کی آخری کڑی کے طور پر اللہ نے اپنے
آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ
کو اپنی آخری اور جامع کتاب قرآن حکیم عطا فرمائی۔ قرآن کریم ہدایت انسانی کے
لیے ایک ایسا خزانہ ہے جو قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے منبع
رشد و ہدایت ہے۔ اس کے ذریعے انسانوں کو بقائے دائمی کا سامان حاصل
ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ کوئی بھی بند نہیں کر سکتا۔ اسی

طرح و قیام محض جس وردہ سے کہ خود تعالیٰ بندہ کرے۔ اپنی جہانی یا دنیائی نعمت
 کر رکھ لے۔ فَلَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ لکھو کہ قرآن کے بعد اس روک ہوئی ہے
 کہ کوئی بھیجنے والا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو کوئی چیز
 دینا چاہے قرآن کی مرضی سے مخلوق کو نہ دے جو اس کے اور اس کی مشاؤ کے
 مخلوق۔ نعمت کا وہ وارزہ کہ قبول سکے ایسا ناممکن ہے۔ وَلَوْ كُنَّا فَاعِلِينَ
 اور وہ ذات کمال قدرت کی مالک اور حکمتوں والی ہے، اس کے سامنے
 کوئی دوسری طاقت سر نہیں اٹھا سکتی، تمام طاقتوں کا سرچہ اور سرچہ پر غالب
 ذات مخلوق ہی ہے، اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے وہ ساری مخلوق کے خالق
 ہے اور ہر ایک کی استعداد اور صلاحیت کو جاننے والا ہے۔ وہ مخلوق کے قول و
 فعل اور خلق اور ادوار سے بھی واقف ہے، لہذا وہ ہر شے کے اس مخلوق
 کو کہتا اور اسے دیکھ کر کہتا ہے اور اس کو اس وقت تک کسی چیز سے محروم نہ کرے
 گیا اس کا کوئی جرم حکمت سے غالی نہیں۔

مولانا امام باکھٹ میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رحمت کا وارزہ
 اللہ تعالیٰ ہی کہتا ہے کسی دوسری جی کو یہ اختیار اس میں ہے بلکہ بعض
 لوگ یہ صفت علیہ السلام ہی کہتے ہیں مثلاً مُرْسَلِينَ کا ایک سورہ نزل بارش
 کہ ستاروں کی طرف منسوب کر آئے کہ غلاں بکھیرے غلوغ ہوا تو بارش بری
 اسی طرح دنیا میں پیش آئے غلاں جو اوقات کو کسی کسی ستارے کے اثر سے
 منسوب کیا جاتا ہے۔ ایک رات بارش ہوئی تو صبح کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرے بندوں میں سے دو قسم کے
 بندے صبح کی ہے، ایک گروہ وہ ہے جنہوں نے کہا مُطِئْنَا بِفَضْلِ
اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ ہم یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے بارش ہوئی اور

دوسرا گروہ کہتا ہے مُطْلُونَا بِنَوْعٍ كَذَا ہم پر فلاح نچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی۔ فرمایا ایسے لوگ کفرانِ نعمت مرتکب ہوتے ہیں اور اگر وہ ستاروں کو حقیقی موزن مانتے ہیں تو قطعی کافر ہیں۔ اللہ نے سورۃ الواقہ میں فرمایا ہے ۔ وَ تَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿۸۲﴾ تم ایسی چیزوں کو ستاروں کی طرف منسوب کر کے اللہ کی رحمت کو جھٹلاتے ہو۔ یہ تو شرک والی بات ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ معمول تھا کہ جب بارش ہوتی تو یوں کہتے مُطْلُونَا بِنَوْعٍ الْفَاتِحِ یعنی ہم پر فتح کے نود (سارے) کے ساتھ بارش ہوئی۔ اور پھر یہی آیت تلاوت فرماتے مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ ... الخ گویا فتح سے مراد یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا دروازہ کھول دے۔ اُسے کوئی روکنے والا نہیں، اور جس پر وہ خود رحمت کا دروازہ بند کر دے اُسے کوئی کھول نہیں سکتا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نماز کے بعد اکثر یہ ورد کیا کرتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَنَّةِ مِنْكَ الْجَنَّةُ (بجناہ، مسلم) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اُسی کے لیے بادشاہی ہے اور اُسی کے لیے سب تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! نہیں کوئی روکنے والا جس چیز کو جو تو عطا کر دے، اور نہیں کوئی دینے والا وہ چیز جو تو روک دے۔ اور تیرے

۱۔ درمنثور ص ۲۹۳ ج ۵ وابن کثیر ص ۵۴ ج ۲

۲۔ غازی ص ۲۹ ج ۵ و المعالم التنزیل ص ۱۹۳ (فیاض)

ساتے کسی گردشِ رائے کی گردشِ فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ حضرت مغیوثؒ بھی بیان کرتے ہیں اَلْهَى فَيْسَلُكَ فَقَالَ يَٰمُحَمَّدُ عِلْمُ عِلْمِ الْإِسْلَامِ نَعْنِي قَالِ يَمْنِي بَاتِ بِاتِ اَلْهَى تَبْنِي اَوَّجَرَاتِ مِيں کیلئے نکلنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے کثرتِ سوال سے بھی منع فرمایا ہے۔ اگرچہ مجبوری کے وقت سوال کرنے کی کسی حد تک اجازت ہے۔ آپ نے کثرتِ سوال سے منع فرمایا ہے کہ یہ چیز عزتِ انفس کے خلاف ہے۔ آپ نے انصافِ مال یعنی فضولِ خرچہ سے بھی منع فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص غریب کی غرضِ خودی کے کام میں اپنا مال میں خرچ کرے تو یہ لطف نہیں ہوگا بلکہ مشرک ہوگا چنانچہ بازانہ کردہ کاموں میں ضرورت کیا جائے اگرچہ وہ ضرورت ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ پناہ مالِ محروموں اور یتیموں کے ہاتھ میں نہ دو کہ وہ ضائع کر دیں گے تعیش کے کاموں اور فضولِ شیبِ آپ میں مال خرچ کرنا بدستِ فضولِ غریبی میں داخل ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے۔

آج کل محرمات کے حقوق کا بڑا اصرار کیا جاتا ہے۔ آخر یزید نے انہی حقوق کی آڑ میں محرمات کو آزادی کا سبق پڑھا کر آگے بڑھایا اور مردوں کے برابر قرار دیا جس کے نتیجے میں کئی قسم کی اخلاقی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ غرضکاری کی وجہ سے نسلیں خراب ہو گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محرمات کے حقوق کی اسلام ہی سمیع معز میں حفاظت کی ہے۔ قبل از اسلام بچیوں کو پیدا ہونے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ یہ تو انسانیت کی توہین ہے جسے کبیرہ لگی و قرار دیا گیا ہے اسلام نے عورت کو وراثت کا حق دیا ہے۔ مگر آج عورت کو غیر مردی چیز کے نام پر وراثت سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ یہ کون سی حق پروری ہے! اسلام نے عورت کو عائشہؓ، فاطمہؓ، خدیجہؓ، ام سلمہؓ جیسے خواجہ سرا نام دیئے مگر خیمِ عورت کو اس کے نام سے محروم کر دیا۔ اب دوبابِ اعجاز کے نام کا نام حق بن کر رہ

گئی ہے جیسے ارم تذیر یا منر ناصر وغیرہ۔ یہ کون سی عزت افزائی ہے؟ عورت کو فیکٹری میں ملازمت دے کر یا فوج پولیس اور دفتر میں بھرتی کر کے مزدور بنا دیا گیا ہے حالانکہ عورت تو گھسر کی زینت اور اس کی ذمہ دار ہے۔ اللہ نے عورت کو چاروں باعزت مقام عطا کیے ہیں: بختیت مال عورت کا بڑا بلند مقام ہے اللہ نے اولاد کی جنت مال کے قدموں کے نیچے رکھی ہے: بختیت بہن بھی عورت کو نہایت احترام کا مقام دیا گیا ہے۔ بختیت بیٹی اس کا مشتقاقہ مقام ہے اور بختیت بیوی وہ گھر کی مالکہ ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے اسی طرح عورتوں کا حق مردوں پر ہے یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے درجے میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی ہے مگر ان کے بھی مردوں پر حقوق ہیں۔ ان کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے کسی عورت کو اس کے جائزہ حق سے محروم رکھنا اسے زندہ درگور کرنے والی بات ہے جس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حضرت علیہ السلام نے مال کی نافرمانی سے منع فرمایا ہے۔ باپ کے مقابلے میں خدمت کے لیے مال زیادہ حقدار ہے کیونکہ وہ باپ کی نسبت کمزور ہوتی ہے۔ فرمایا والدین کے لیے اذیت کا باعث نہ بنو۔ چہ جائیکہ ان کو گالیاں دے کر گھر سے نکال دیا جائے یا ان سے ذلت آمیز سلوک کیا جائے۔

عامر ابن قیس ایک بزرگ گزشتے ہیں جو غالباً صحابی ہیں ان کا قول ہے کہ قرآن کریم میں چار آیات ایسی ہیں کہ جب میں ان کی تلاوت کر لیتا ہوں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ میری صبح کیسے گزری گی اور شام کیسے؟ گویا یہ آیات مجھے ہر چیز سے مستغنی کر دیتی ہیں جو فرماتے ہیں کہ ان چار آیات میں سے پہلی آیت تو یہی آیت زبیر درس ہے یعنی مَا يَفْتَحُ اللَّهُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال رحمت کا ذکر ہے جس کی وجہ سے اس ذات

چند مستغنی
کنندہ آیت

یہ یقین ضرور رکھنا ہے۔ فوت ہونے پر دوسری آیت کریمہ **وَإِنْ تَسْأَلِ اللَّهَ**
يُخْبِرَكَ كَمَا أَشَفَ لَمَّا أَهْوَىٰ وَإِنْ تُرِيدْ لَهُ بَخْسًا فَمَوْلَاكَ لِلْعَمَلِ
 (یوسف - ۱۱۷) اور اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تعلیم پہنچا دے گا تو اس کو کوئی دوسری کسرکت
 اور ضرورت تمہارے ساتھ عبدی کا اہلہ کرے تو اس کو کوئی مال نہیں سنا۔ فوت ہونے پر
 قیسری آیت یہ ہے۔ **مَنْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ عَمَلًا غُضِرَ كُنُوسُهُ** (الطلاق - ۷)
 اللہ تعالیٰ کسی کے بعد سالی پیدا فرماتا ہے۔ ایسی ہی دوسری آیت ہے **إِنْ مَعَ**
الْعُسْرِ كُنُوسٌ (الانشراح - ۶) بے شک تنگی کے بعد سالی ہے مگر اللہ کی
 مصلحت کے مطابق اس زندگی میں راحت، نصیب، زہر کے تو آخرت کی زندگی
 میں ترلاہ کامیابی اور راحت نصیب ہوگی۔ فرمایا جوئی آیت یہ ہے **وَمَا**
يُنْزِلُ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَىٰ اللَّهِ يَرْزُقُهَا سِتْرًا (زمر - ۶۰) زمین پر پھرنے
 پھرنے والے سر بہانہ کی راز ہی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ غرض کہ ان آیات میں
 اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل اعتماد اور توکل پایا جاتا ہے اسی بے حسرت عمارتِ فراق ہے
 جس کو ان آیات کی تلاوت مجھے ہر چیز سے مستغنی کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ

اچھی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء کی تذکرہ **صُنْعَتِ**
الْعَالَمِ اور شرک کا رد فرمایا ہے۔ **وَاللَّهُ يَرْزُقُكَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَذْكُرُونَ**
فَعَمِلْتَ اللَّهُ عَلَيْكَ كَمُؤْنَةٍ (الزمر - ۶۰) اللہ کے احسان زیاد کر دے جو اس نے وہ
 کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہاں اور دوسری جگہوں پر نعمتوں سے نوازا ہے
وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا (ابراہیم - ۳۴) اچھی لو اگر تم ان احسان
 الہیہ کا شمار کرنا یا برآ کر نہیں سکتے۔ اللہ کے لئے لا تعدوا احساناتہ میں۔ ذرا غور
 فرمائیں کہ ایک انسان جب میں گھسے میں ایک لاکھ سے زیادہ سانس لیتا ہے
 اور ہر سانس کے ذریعے انسان کو دو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جب سانس اندر جاتا
 ہے تو انسان کا خون تروتارہ ہوتا ہے اور جب سانس باہر نکلتا ہے تو اس
 مادے باہر نکلتے ہیں۔ تو اندازہ لگائیں کہ دن رات میں انسان کو کتنی نعمتیں ہوتی

آتی ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ نے انسان کو بے شمار ظاہری اور باطنی قوی عطا فرمائی ہیں، دیکھئے، سنئے، چلنے پھرنے، بولنے اور غور و فکر کرنے کی کتنی ہی نعمتیں ہیں کہ انسان ان سب کا شکر یہ ادا کر ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے بندے اگر اس کا غصوڑا سا شکر یہ بھی ادا کر دیں تو وہ راضی ہو جاتا ہے، ورنہ کوئی شخص کسی نعمت کا شکر یہ ادا کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ کے فرشتے اگرچہ ہمہ تن عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ مگر شکر یہ کا حق ادا کرنے میں وہ بھی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

رازق صرف اللہ ہے

ارشاد ہوتا ہے هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی پہنچاتا ہو۔ یہ استغناء میرا انکار کہلاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ یقیناً کوئی نہیں ہے، خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہر جاندار کو روزی بھی وہی پہنچاتا ہے۔ مگر انسان کس قدر نادان واقع ہوا ہے کہ اس روزی کی خاطر اپنے ایمان کو ضائع کر دے، اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے حاجات طلب کر لے اور اس طرح شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ روزی کا اختیار تو صرف اللہ کے پاس ہے جو خالق ہے اور جسے ہنود، یہود، مشرک، مجوسی، سب تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی گمراہ چکا ہے کہ خدا کے سوا روزی کا مالک کوئی نہیں لہذا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ
وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ (العنکبوت - ۱۷) لہذا اسی کے ہاں رزق تلاش کرو، اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر یہ ادا کرو۔ ہر روزی روح کے حالات کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق روزی کا دروازہ کھولتا ہے۔ فرمایا الْأَيْفَ لَكُمْ مَن خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (الملک - ۱۳)
 کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو نہایت باریک بین اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے، مطلب یہ کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

فرمایا جب اللہ کے سوا خالق کوئی نہیں ہے جو تمہارے لیے روزی کا سالک

میا کر کے تو کہہ اَللّٰهُ هُوَ اس کے سوا معبود ہی کوئی نہیں ہے فَاتَى تَوْفِيقًا
 قرعہ رقم کہ مر پھر سے جاتے ہو۔ تمہیں تو یقین ہونا چاہیئے کہ جس خالق نے پیدا کیا ہے
 وہ روزی کا بندہ بہت ہی ضرور کرے گا۔ سب اعتبار ہی کے پاس ہیں۔ وہی عبادت
 کے لائق ہے۔ ہنوز کے ان تو تین خدا ہیں۔ ایک پیدا کرنے والا، دوسرا
 باقی رکھنے والا اور تیسرا ن کر کے والا۔ اگر حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کا خالق، مالک
 متعز، مدبر اور مروت غلامی کرنے والی فقط ایک ہی ذات ہے، لہذا انہی سے
 لڑنا پابندی اور صرف انہی کی عبادت کر لی جائے۔

تسلیم
 معجون
 اگلی آیت میں اللہ کریم نے اپنے نبی اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی
 ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو یہ
 کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اللہ کریم نے ہر نبی کی تکذیب اور مخالفت کی اور طرح
 طرح کی تکالیف پہنچائیں۔ لہذا آپ دلی برداشت نہ کریں۔ بلکہ تکالیف کو برداشت
 کرتے ہوئے اپنے من کو جاری رکھیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ يَكْذِبُوا
كَذِبُوا آپ کو مبتلا دیں فَعَذَابُ اللَّهِ شَدِيدٌ رسول قَبْلَتْ رَبِّ تک آپ
 سے پہلے رسول بھی مبتلا ہوئے تھے۔ لوگوں نے ان کو بھی رسول مانتے سے انکار کر دیا
 اللہ کے ہر نبی نے اپنی قوم کو ایمان اللہ توہید کی دعوت دی يَعْقُوبُ اعْبُدُوا اللَّهَ
مَا كُنْتُمْ قَبْلُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِبَادٌ (الاعراف ۸۵) اے سیری قوم کے لوگو! اللہ کی
 عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں مگر لوگوں نے اللہ کے پیروں کو
 صحابیوں دیں، پھر اسے اللہ تکذیب کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ
 جب تمہارا کوئی عزیز فوت ہو جائے اور تم مختلف غم میں مبتلا ہو تو اس وقت میرا نصیب
 کیا کرو کہ مجھے کتنی تکلیف اور کتنے غم و اذہم برداشت کرنا پڑے۔ اللہ
 کا نبی اس کا محبوب بندہ ہوتا ہے۔ جب وہ بھی اس جہان سے رخصت ہو گئے

ترجائے تھائے کسی عزیز کی کیا بات ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ جب کوئی غم لاحق ہو تو میرا سوہ سامنے رکھو۔

ایک شخص نے حضور علیہ السلام کے متعلق بڑی غلط بات کی۔ کہنے لگا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم انصاف کرو۔ آپ کے دل پر سخت چوڑ لگی۔ فرمایا اگر میں انصاف نہیں کر دوں گا تو اور کون انصاف کرے گا۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ آسمان والے تو مجھے این سمجھتے ہیں اور تم مجھے بے انصاف جانتے ہو۔ اس قدر پریشانی کے باوجود آپ نے فرمایا رَحِمَہُ اللہُ مُوسٰی لَقَدْ اُوْدِیَ بِاَکْثَرِہِمْ ہَذَا اَقْصَبَ الشَّعْرِ اَللّٰہُ تَعَالٰی حَسْرَتِہٖ، موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، انہیں اس سے بھی زیادہ تکالیف دی گئیں مگر انہوں نے صبر کیا۔ موسیٰ علیہ السلام پر لوگوں نے سخت اتمام لگائے، آپ کی تکذیب کی مگر انہوں نے ہمیشہ صبر سے کام لیا۔ فرمایا اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا۔ آپ تسلی رکھیں وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ثُمَّ جَمَعَ الْاُمُوْمُ تَمَامُ اَمْرِ اللّٰہِ ہ کی طرف لڑائے جائیں گے۔ آپ فکر نہ کریں اور اپنا کام کرتے جائیں، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہوگا۔

ومن یفنت ۲۰

فاطر ۵

درس سوم ۳

آیت ۱۵

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ
 الْحَيَاةُ الدُّنْيَا قُتِلُوا وَلَا تَغُرَّنَّكُمُ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ⑤
 إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا
 يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ⑥
 الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَالَّذِينَ
 آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ
 كَبِيرٌ ⑦

۱
۳

ترجمہ :- اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ سچ ہے ۔
 پس نہ دھوکہ دے تم کو دنیا کی زندگی ۔ اور نہ دھوکہ
 دے تم کو کہ اللہ کے بارے میں بڑا دھوکے باز ⑤ میلہ
 شیطان تمہارا دشمن ہے ۔ پس اس کو دشمن ہی سمجھو
 تحقیق وہ بلا ہے اپنے گرد گرد آکر جو جانیں رو
 دوزخ والوں میں سے ⑥ وہ لوگ جنہوں نے کفر
 شیروہ اختیار کیا ، ان کے لیے سخت عذاب ہے ۔
 اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال
 انجام دیے ، ان کے لیے بکثرت اور بڑا اجر ہے ⑦
 گذشتہ درس میں حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے پیروکارانہ کے
 لیے تسلی و تسکین تھا ۔ اللہ کے فرماؤ کہ لوگ آپ کی پیروی کرتے ہیں ۔ اور

۱
۳

آپ کو تکالیف پہنچاتے ہیں تو آپ ان سے خوفزدہ نہ ہوں کیونکہ پہلے لوگ بھی اسی طرح اپنے رسولوں کو جھٹلاتے رہے۔ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔ وہ ان مکذبین کو ضرور سزا دے گا۔ اس کے بعد اللہ نے عام بنی نوع انسان کو خبردار کیا ہے کہ شیطان تمھارا دشمن ہے اس کے اغواء سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے، قیامت ضرور واقع ہوگی۔ محاسبے کا وقت آئے گا، اور پھر جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔

وقوع قیامت
کا وعدہ

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسباب ضلالت میں سے دو اسباب کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلا سبب یہ فرمایا۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ لَا يَكُورُ اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اللہ نے وقوع قیامت اور جزائے عمل کا جو وعدہ لوگوں کے ساتھ کیا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ اور ہر شخص کو بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہوگی۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ کا فرمان ہے وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ (۱۰۴) وقوع قیامت برحق ہے اور ہم ایسا کر کے رہیں گے۔ قرآن پاک کا تقریباً ایک تہائی حصہ اسی مسئلہ قیامت پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تمام کتب سماویہ میں بھی اس مسئلہ کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ تاہم قیامت کی جس قدر تفصیلات قرآن پاک نے بیان کی ہیں۔ اتنی دوسری کتابوں میں نہیں ہے۔

فرمایا، لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے فَلَا تَغُرُّكُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا پس دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ گویا اس دنیا کی زندگی کا ظاہری عیش و آرام اور اس کی رنگینیاں اسباب ضلالت میں سے پہلا سبب ہے۔ اسی میں اکھج کر آخرت کو نہ بھلا بیٹھنا۔ یہ زندگی تو اللہ نے آزمائش کے لیے دی ہے، کہ انسان یہاں آکر کیسے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اس فانی دنیا میں مگن ہو کر اپنے اصلی مقام کی فکر بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ سورۃ الملک کی ابتداء میں اسی بات کا تذکرہ ہے کہ عِندَ اللَّهِ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ

نَبِيَّكُمْ لَمْ يَأْتِ بِشَيْءٍ جَدِيدٍ إِلَّا بِمِثْلِ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (آیت ۲۰) جس نے موت و حیات کو پیدا کیا، اگر وہ آدمی کو تیرے پیچھے احوال کو ان انجام دیتا ہے، اللہ نے کفار کے متعلق فرمایا ہے ذَلِكُمْ مَبْلَغُ عَذَابِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَرْجِعُونَ (آیت ۲۱) ان کا نام جو عجز و قیصری صرف دنیا کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے یعنی ان کا بیشعور صرف دنیا کی زندگی ہے، وہ اس کے لئے کچھ نہیں بنتے۔ فَرَأَى الْقَوْمُ يَنْصُرُونَ مَا هُمْ بِلَاغٍ مِنَ الْخُسُوفِ الَّذِي هُمْ عَنْ الْآخِرَةِ هُمْ غَفِلُونَ (آیت ۲۲) وہ دنیا کی ظاہری زندگی کے متعلق غور و جستجو نہیں کرتے، اسی لئے اللہ نے مختلف طریقوں سے سمجھایا ہے کہ ان دنوں کی ظاہری زیب و زینت اور رونق پر فریفتہ ہو کر دھوکہ نہ کھائیں۔ فَرَأَى الْقَوْمَ الْمَبْلُغَةَ الْخُسُوفِ الْأُولَى الْأُولَى وَالْآخِرَةَ الْخُسُوفِ الْآخِرَةَ يَتَّقُونَ وَالْآخِرَةَ ۚ (آیت ۲۳) دنیا کی زندگی تو محض کھیل و تماشہ ہے اور متین کے لئے آخرت کا گھر ہی بہتر ہے۔ سورة العنكبوت میں بھی ارشاد ہے وَمَا هَذِهِ إِلَّا خُسُوفُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَكِنَّ الْآخِرَةَ لَئِيْلٌ الْحَيَاتِ (آیت ۲۴) دنیا کی زندگی تو صرف کھیل و تماشہ ہے، مگر آخرت کا گھر ہی جہش کی زندگی کا گھر ہے، اس کو کہیں فراموش نہ کرو، بہر حال فرمایا کہ اللہ کا وعدہ کھلم کھلا ہے، قیامت ضرور واقع ہوگی، لہذا تمہیں دنیا کی زندگی میں دھوکے میں نہ ڈال دے۔

شیطان کا
اظہار

اللہ نے اسباب فسادات میں سے دوسرا سبب یہ فرمایا وَلَا يَغْنَمُ فَرَأَى الْقَوْمَ الْفَرِيقَ الَّذِي كَفَرَ وَتَوَلَّى الْآخِرَةَ وَالْأُولَى ۚ (آیت ۲۵) اور تمہیں متواتر گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ فَرَأَى الْقَوْمَ أَنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوًّا فَخَذَّوْهُ عَصَا قَوْمٍ ۚ (آیت ۲۶) یہ شک شیطان تمہارا خطرناک دشمن ہے، لہذا اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ اِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ الشَّعْرِ ۚ (آیت ۲۷)

اپنے گروہ کو دعوت دیتا ہے تاکہ وہ سارے کے سارے دوزخ والے بن جائیں۔ وہ درودِ اذی کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے تاکہ اس کی جماعت بہت بڑی جماعت بن جائے۔ اس آیت کریمہ میں لفظ عَن قَوْمِ غ کی ترجمہ کے ساتھ آیا ہے۔ جس کا معنی دھوکہ باز یا فریبیہ ہے اور اگر یہی لفظ غ کی پیش کے ساتھ ہو تو معنی دھوکہ ہوگا۔ تو فرمایا شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس سے بچ کر رہنا۔

شیطان سے
بچنے کا طریقہ

امام قشیری چوتھی صدی کے بزرگ گزرے ہیں۔ وہ اپنی کتاب رسالہ قشیریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کا سخت ترین دشمن ہے۔ جس کے متعلق خود اللہ جل شانہ کا فرمان ہے إِنَّهُ يَكُفُّ عَنْكُمْ وَيُقِيلُ مِنْ حَيْثُ لَا تَوْنُهُمْ (اعراف ۲۷) وہ اور اُس کا قبیلہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔ اُس کی دشمنی انسان کے لیے ہر لحاظ سے گہرا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اُسے آدم علیہ السلام کے سامنے بجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اور اس نے انکار کیا تو وہ سرورِ کائنات اس نے اللہ کے سامنے عہد کیا، پروردگار لَا تُعْوِيَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ (المحجہ ۳۹) میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ کہنے لگا، میں آگے پیچھے، دائیں بائیں، غرضیکہ ہر راستے سے آکر انسان کو گمراہ کروں گا۔ چنانچہ شیطان آدمؑ کے چیلے ہر وقت انسان کے درپے رہتے ہیں۔ تو ایسے ازلی دشمن سے بچنے کے لیے امام قشیری فرماتے ہیں کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ اس مسئلہ میں حضور علیہ السلام نے بعض کلمات بتائے جن کے درود سے شیطان کے شر سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ بِسْمِ اللَّهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ گناہ سے بچاؤ اور نیکی کی انجام دہی پس اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہے اسی طرح اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ

۱۔ رسالہ قشیریہ

(فیاض)

۲

الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ میں سرورِ شیطان سے اللہ کی پناہ پکڑا ہوں۔ یہ الفاظ
 ہی آتے ہیں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَـٰذَا وَمِنْ هَـٰذَا
 وَنَفْسِهِ میں اللہ کی پناہ پکڑا ہوں شیطان سرور کی چھٹی چیز اس کے بکیر اور
 اس کے سب سے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَاقِلِ مِنَ الشَّيْطَانِ الْغَافِلِ میں اللہ کی
 پناہ پکڑا ہوں برہنہ رہے شیطان کے بچنے کے لیے جو خدا رہے۔ ہر حال
 شیطان کے احوال سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی استغاثت کی ضرورت ہے۔
 ہماری شریعت کی درایت میں آتا ہے کہ جب انسان سوچتا ہے کہ شیطان
 کو انسان کے اندر داخل ہونے کے لیے کوئی راستہ نہیں مگر وہ ناک میں لکھ کر بیٹھ
 جاتا ہے اور دل پہ پھر نکلیں مارتا رہتا ہے اور اسی طرح دوسرا انداز یہ کہ آتا ہے پھر
 جب انسان بیدار ہو کر اللہ کو نام لیتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے، اس کو
 اللہ کے نور سے چھلکا ہوا ہوتا ہے۔

انسان کی
 اذیتوں کی
 حالت

مفسر قرآن امام قرطبی اور ایک دوسرے بزرگ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ
 شایستگی انہوں نے تمام ہے کہ انسان پہلے محسوس کر جانتے ہوئے بھی اس کی طرف
 توجہ نہیں کر آتا اس کے احباب کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔ خائف اور محزون متعلق کو ہر
 شخص خوب پہچانتا ہے کہ اس کے بیشمار انعامات ہیں مگر اس کا شکریہ بہت
 کم دیتا ہے یا ادا کرتے ہیں، اسی طرح انسان کو بھی طرح طرح سے کہ شیطان اس
 کو اندر لے رہا ہے دشمن ہے مگر اس کے باوجود اس سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا۔
 اگر انسان کی حالت کس قدر افسوس ناک ہے۔

امام فضیل بن عیاضؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ وہ انسان کو
 خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے انسان! تم کتنا غیور اور بختری ہو کہ ظاہر

میں تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہو مگر باطن میں اس کے ساتھ دوستانہ ہے۔ تم اکثر کام شیطان کی خواہش کے مطابق انجام دیتے ہو۔ تمام رسم و رواج، بدعات، شرکیہ اور کفریہ رکات اور فضول خرچی شیطان کی خواہش کی تکمیل ہی تو ہے۔ سورہ لیس میں اللہ نے ابن آدم کو خطاب کر کے فرمایا ہے اَلَمْ اَعْلَمُ اَنَّكُمْ لِبَنِيْ اٰدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوْا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (آیت ۶۰) اے ابن آدم! کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے مگر تم پھر بھی اس کے دام میں پھنس گئے۔

فرمایا، شیطان کو اپنا دشمن سمجھو اِنَّ مَا يَدْعُوْا حِزْبَهُ لَيْسَ كُفُوًا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ بے شک وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ سب روزخ والوں میں ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی جماعت بنا کر ان کو جہنم میں لے جانا چاہتا ہے۔ لہذا اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کا انجام بھی بیان کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَهٖ لَوْ كُفِرُوْا لَہُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ کفر کا انجام لازماً بُرا ہوگا۔ کفر کا معنی دین، شریعت اور توحید کا انکار ہے۔ یہ سخت جرم ہے جس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ دوسری طرف اہل ایمان کے متعلق فرمایا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے لَہُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ کَبِيْرٌ اُن کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہوگا۔ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ دوسری منزل ہے اگر ایمان کی بنیاد مستقیم ہے تو نیکی بھی مقبول ہوگی، ورنہ نہیں، نیک اعمال میں سب سے پہلے فرائض یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج آتے ہیں۔ پھر جہاد قربانی، اور صدقہ و خیرات کا نمبر ہے، انسان سے بہت سی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ ایمان اور نیک اعمال کی وجہ سے معاف فرمے گا۔ دوسرے

کفر اور ایمان کا انجام

مقام پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ایمان کی برکت سے جنت کے لئے پہنچا
 کر دین تک پہنچائے گا۔

فرمایا ایمان اور اعمال صالحہ کی برکت سے ایک طرف غلطیاں ادا کرنا
 سماعت ہوں گی تو دوسری طرف اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر بھی میسر آئے گا۔ اللہ
 نے اہل ایمان کے لیے یہ بشارت بھی سنائی ہے۔

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ جب انہیں ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے گرفت آئی تو انہوں نے کیوں نہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کیا، بلکہ اُن کے دل مزید سخت ہو گئے وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (آیت ۴۳) اور شیطان نے اُن کے بُرے اعمال کو مزین کر دیا، لہذا انہوں نے توبہ نہ کی۔ پھر اچانک اللہ کی گرفت آئی اور ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔ تو فرمایا جس شخص کی نظر میں بُرے اعمال اچھے ہیں کیا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو اللہ کے فضل سے نیکی اور بُرائی میں تمیز کرتا ہے، نیکی کو اختیار کرتا ہے اور بُرائی سے بچتا ہے۔ یقینی بات ہے کہ یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک ہے جو شیطان کی پیروی کر رہا ہے اور شقاوت کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہے، اور دوسرا نیکی کو اپنا کر سعادت کے راستے پر چل رہا ہے۔ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

آگے اللہ نے گمراہی اور ہدایت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کے راستے پر ڈال دیتا ہے ہدایت اور گمراہی دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں مگر اس نے اس ضمن میں قوانین مقرر کر رکھے ہیں۔ جو شخص تعصب، ضد اور عناد کی بنا پر توحید کا انکار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ پکڑ کر ہدایت کی طرف نہیں لاتا بلکہ فرمایا نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ (النار - ۱۱۵) عرصہ وہ جانا چاہتا ہے ہم اُسی طرف کی توفیق دے دیتے ہیں اور پھر وہ بالآخر جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے جس شخص میں استعداد اور صلاحیت موجود ہوتی ہے اور وہ حق کی تلاش میں کوشش کرتا ہے ہم اسے ہدایت کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (الرعد - ۲۷) وہ ہدایت اس کو دیتا ہے جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی ہدایت طلب کرتا ہے۔ اور جن کو ہدایت کی خواہش ہی نہیں ہوگی۔ انہیں صراطِ مستقیم میں نہیں آسکتا۔ سورۃ المائدہ میں ہے وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ

روایت ۱۰۸۰) اللہ تعالیٰ ایسے نافذوں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا جو برائی کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

تعلیم
تعمیر

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرِ موم کو لکھ دی ہے کہ اپنے ہدایت کرنے اور آپ کو طرف سے پوری کوشش کے باوجود اگر یہ لوگ ہدایت پر نہیں آتے تو
تَذَكُّتْ نَفْسِكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٌ تَرَىٰ أَنْ يَزِيدَهُمُ فَسُوقًا ۖ وَاللَّهُ
کہیں آپ نے تو اپنا فریضہ ادا کر دیا۔ اور ان کو خیر خواہی کی بات بتادی۔ اب
ان کا محروم رہنا آپ کے بے حسرت کا باعث نہیں بننا چاہیے۔
اللہ کے سارے نبی اپنی قوم کے ساتھ خیر خواہی کی بات ہی کرتے تھے شعیب
علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! میں نے تمہیں اپنے بارگاہ
کا پیغام پہنچا دیا ہے وَتَصَدَّقَتْ لَكُمْ فَاكَيْفَ اَسْمٰی عَلٰی قَوْمٍ كَافِرٍ
(الاعراف: ۹۳) میں نے تمہیں پوری نصیحت کر دی۔ اب میں کافروں کی
قوم پر کیا افسوس کروں؟ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے ہی کہا کہ میں نے
اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیے ہیں وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ۚ اِنَّكَ
تھما ہے بے خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے اگر تم اب بھی نہیں مانتے تو پھر
خود ذمہ دار ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کہا کہ میں نے اللہ کے احکام پہنچا دیے
ہیں وَاسْتَأْذِنْ لَكُمْ اَعْمٰیۤنَ (الاعراف: ۹۸) اور میں تمہاری خیر خواہی
کرنے والا امانت دار ہوں۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ خیر خواہی کا حق ادا کرنے
کے بعد بھی ضد اور عناد پر اڑے رہتے ہیں آپ اُن پر حسرت نہ کریں۔ ہر ماقبل مانع
آویں سکھتے ہیں اور اپنے اپنے عقیدے اور عمل کا ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ ہر شخص
اپنے اعمال کا جبران خود کرے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كَيْفَ تَصْنَعُوْنَ
اللہ تعالیٰ اُن کی ہر کار کو دیکھ رہا ہے۔ جب مہلت کی منزل آئے گی تو وہ ان
کا ہر عمل ان کے سامنے دکھلا کر اسے گا اور پھر اس کے مطابق بدلے گا۔ اللہ تعالیٰ
نے جبرائیل علیہ السلام کو یہ رسول بھی بتا دیا۔

اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنا چاہے گا تو عرش کے نیچے ایک خاص قبر کی بارش ہو گی۔ جو نبی بارش کا پانی زمین پر پڑے گا اس سے زندہ ہوئے شروع ہوجائیں گے۔ پھر ایک نیا لکام قائم ہوگا۔ لہذا آخرت پر یقین رکھنا چاہیے۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے، وہ ضرور پورا ہوگا۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ لہذا اس کی تیلہ لڑنی چاہیے۔

عزت کا
معیار ہے

اب اُسی آیت میں اللہ نے مشرکوں، کافروں اور مشرکین کی خدمت میں بارش کا ہے ارشاد ہوتا ہے مَنْ كَانَ يُرِيدِ الْغَنَةَ جو شخص عزت چاہتا ہے فَلْيَتْلِ الْعُرَةَ جو شخص عزت چاہتا ہے فَلْيَتْلِ الْعُرَةَ عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مطلب یہ ہے کہ مخلوق ہرگز بزرگ نہیں ہوتی عزت ملے ہے چرتے ہیں اپنے نسب، جاہ و ثروت اور مال و دولت پر فخر کرتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عزت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ سورۃ بقرہ ۱۲۹ وَأَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ آلِهَتِي مَذَاجًا اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں اور کافروں نے ان کے عبادت گاہوں میں جو بتیں بنائیں وہ ان کی پرستش کرتے ہیں مگر ان کو عزت و قدر اور حاصل ہونے والی چیزیں ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ اولیاء من دون المؤمنین ویتفقون عندہم العبدۃ فَإِنَّ الْعِبَادَةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۴۰۔ جو لوگ کافروں کو اپنا دوست مانتے ہیں ان میں جیسے ہو کر گیا وہ ان کے ہاتھ میں عزت نہیں کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ عزت تو ساری کی ساری اللہ کے پاس ہے۔ وہ کمال رکھتا ہے۔ ہر جسے محبوبان اللہ کی پرستش اور دعا کی آوازیں سے عزت حاصل نہیں ہوتی ان لوگوں نے غلط راستہ اختیار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نور اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہر کمال اور تمام کمالوں کا مالک ہے عزت والا ہے۔ اللہ کے بعد فرماؤں سورۃ بقرہ ۲۵۵ وَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عزت کامل ہے جو کہ وہ اللہ کا مقرب ترین بندہ ہے اور قیامت میں

وَالْمُؤْمِنِينَ عَزَّتْ اٰہلِ اٰیْمَانِ کے لیے ہے عزت اُس شخص کو حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرے گا، اس کی اطاعت کرے گا، نیکی کے کام انجام دیگا اور اللہ کا ذکر کرے گا۔ فرمایا اسی طرح اگر کوئی شخص قوت کا متلاشی ہے تو یہ چیز سی انجینیئر یا سائنسدان یا سرکاریہ دار کے ہاں نہیں ملے گی بلکہ اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا (البقرہ - ۱۶۵) قوت اور طاقت کا سرچشمہ بھی فقط ذات خداوندی ہے اللہ چاہے تو ناتواں سے ناتواں شخص اور جماعت کو قوت بخش دے اور بڑے سے بڑے طاقتور کو کمزور کر دے۔ غیر اللہ کے پاس نہ عزت ہے اور نہ طاقت۔ جو لوگ ان چیزوں کے لیے ان کے پیچھے بھاگتے ہیں وہ محروم رہیں گے۔

غرضیکہ بارگاہ الہی میں عزت کا مقام اُس شخص کو حاصل ہوگا جس کا عقیدہ درست ہوگا۔ ایسے شخص کے متعلق اللہ نے فرمایا اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ، کہ اس کا پاک کلام اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کلمہ طیب سے مراد اللہ کا ذکر، دعا، قرآن کی تلاوت، وعظ و نصیحت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ہر وہ نیک بات ہے جو لوگوں کے لیے دنیا اور دین میں مفید ہو۔ کوئی شخص جو بھی نیکی کا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ اور انسان کا نیک عمل اُس کلمہ کو مزید بلند کرتا ہے۔ گویا ہر نیک بات کو اگر عمل صالح کی تائید بھی حاصل ہوگی تو ایسے کلمہ کو مزید تقویت حاصل ہوگی اور اُسے بارگاہ رب العزت میں کمال و ربح کی قبولیت حاصل ہوگی۔ اگر یہ نیک بات کی قبولیت اپنی جگہ مسلم ہے مگر ساتھ نیک عمل بھی ہو تو وہ نور علی نور ہوگا۔ اللہ کا فرمان ہے فَمَنْ یَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا کُفْرَانَ لِسَعِیْہِؕ وَاِنَّآ لَہٗ کَاتِبُونَ (انبیاء - ۹۴) جو شخص اچھا عمل کرے بشرطیکہ ایماندار ہو تو اُس کی تاقدری نہیں کی جائے گی بلکہ وہ عمل اللہ کے ہاں ضرور قبول ہوگا۔ اور اچھا عمل کیا ہے؟ اس میں سب سے پہلے فرائض آتے ہیں۔ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ پھر واجبات، سنن

کلمہ طیبہ
اور عمل صالح

اور سچا ہے کہ میں تبارہ قربانی صدقات وغیرہ سب اچھے اعمال ہیں اور یہ اعمال
انسان کے کھلیجہ کی مغیرہ نیت میں مہر و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اگر مفسرین فرماتے ہیں کہ مَنَعَةُ میں ہ کی ضمیر مگر کی طرف لوثی ہے
یعنی نیک عمل کھلیجہ کو بند کر دینا ہے، تاہم حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے
ہیں کہ ہ کی ضمیر عمل صالح کی طرف لوثی ہے اور معنی یہ ہے کہ کھلیجہ نیک عمل
کو مزید بند کر دینا ہے۔

فرمایا نیک عمل کے رخصت والے کہ تَمَكُّرُونَ الشَّيَاطِیْنَ
جو لوگ برا بیوں کا راز سب کر گئے ہیں اور ان کے لیے ظاہر سوچتے ہیں بدگوئی
بانتے ہیں لَہُمْ سَعَادَاتٌ شَدِيدَةٌ اُن کے لیے سخت عذاب تیار کیا
گیا ہے، بعض اوقات دنیا میں اللہ تعالیٰ بچے دے تاکہ مدت دیا رہا ہے
اور وہ سزا سزا سچے ہوتے ہیں ارشاد خداوندی ہے وَأَفْضِلْ لَہُمْ دَارًا
کَیْنَدِی مَسِیْنًا (الاعراف ۱۸۳) میں ان کو نعمت دیتا ہوں مگر میری تدبیر
ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔ سورۃ انفال میں فرمایا وَتَمَكُّرُونَ وَیَمَكُّرُ اللّٰہُ
وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَمْکِرِیْنَ (آیت ۳۰) کافر، مشرک اور منکر بھی تدبیر کرتے
ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی تدبیر کر سکتا ہے مگر اللہ کی تدبیر بہترین تدبیر ثابت
ہوتی ہے اور وہ بھی کامیابی سے ہمکار ہوتی ہے مگر یاد رکھو! وَمَا مَكَّنَّہُمْ
أُولَٰئِکَ هُمُ یَبْیُوْذُوْنَ اُن لوگوں کی مکاری تباہ و برباد ہو کر رہے گی ان کا دوزخ
کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مشرکین نے دُا اللہ وہ ہیں، جمع ہو کر حضور علیہ السلام کے
نقل کا منصوبہ بنایا تھا مگر اللہ نے اُسے ناکام بنا دیا۔ اُسے اسی سورۃ میں بھی آدھا
ہے وَلَا یَحْیِیْ الْمَمْتُومَ السَّیِّئُ ثُمَّ لَا یَاْہِلُہٗ (آیت ۴۳) جو شخص کسی دوسرے

نے بارے میں غلط تدبیر سوچا ہے، وہ خود اسی کو گھیر لیتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان
 بھی ہے مَنْ حَفَرَ لِنَفْسِهِ بَيْتًا وَقَعَ فِيهِ جَوَادِيْهِ اُتِيَ بِهَا اُتِيَ اُتِيَ
 یسے گڑھا کھودتا ہے، وہ خود ہی اس میں گر آئے۔ غرضیکہ مخالفین حق کے خلاف
 سازشیں کرتے رہتے ہیں مگر بالآخر یہ خود ہی ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے اور دین حق
 کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اس میں تسلی کا مضمون بھی آگیا ہے۔

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ
 جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا
 تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا يُعْتَرُّ مِنْ مَّعْمَرٍ وَلَا
 يَنْقُصُ مِنْ عُمرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ
 عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ⑪ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ
 هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا
 مِلْحٌ أُجَاجٌ وَمِنْ كُلِّ تَاكُلُونَ لِمَا ظَرَرْتُمْ
 وَتُسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى
 الْفُلُكَ فِيهِ مَوَاحِرُ يُتْبَتَغُونَ مِنْ فَضْلِهِ
 وَلَعَنَ كُفْرًا ⑫ تَشْكُرُونَ ⑬ يُؤَلِّجُ الْبَحْرَ فِي
 النَّهَارِ وَيُولِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَيَخْرُجُ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ
 كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ذَلِكَ اللَّهُ
 رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ
 دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ⑭ إِنْ
 تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا

مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ
بِشْرِكِكُمْ وَلَا يَنْبِئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ۝۱۲

ترجمہ :- اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تم کو مٹی سے ۔ پھر ذریعہ انسانی کو ، قطرہ آب سے ۔ پھر بنایا ہے تمہیں جوڑے ۔ اور نہیں اسحاق کوئی مادہ اور نہیں جنتی (اُس کو) مگر اس کے علم سے ۔ اور نہیں عمر دی جاتی کسی عمر والے کو اور نہیں گھٹائی جاتی اس کی عمر مگر وہ کتاب میں (لکھی ہوئی ہے) ۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ۝۱۱ اور نہیں برابر دو سمندر ، ایک میٹھا ، خوشگوار ، پیاس بجھاتے والا اور دوسرا کھاری ، کٹوا ۔ اور ہر ایک سے کھاتے ہو تم تازہ گوشت ، اور نکالتے ہو تم زبور جس کو تم پینتے ہو ۔ اور دیکھے گا تو کشتیوں کو سمندر میں پانی کو بھاڑتی ہوئی چلتی ہیں ، تاکہ تلاش کر دے تم اُس کے فضل سے اور تاکہ تم شکر ادا کرو ۝۱۲ وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں ، اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اُس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو ۔ ہر ایک چلتا ہے ایک مقررہ وقت تک ۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار ۔ اسی کی بادشاہی ہے ۔ اور جن کو تم پکارتے ہو اُس کے سوا ، نہیں ، تاکہ وہ کھجور کی گٹھلی کے پھٹکے کے برابر بھی کسی چیز کے ۝۱۳ اگر تم اُن کو پکارو تو نہیں سننے تمہاری پکار کو ۔ اور اگر سن میں تو وہ تمہارا کام

ابنا آدم و آدم من تراب کہ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی، لہذا کسی انسان کو دوسرے کے مقابلے میں تکبر نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور پر کسی ماحول میں کسی خاندان کے ذریعے کوئی شرافت یا عزت بخشی ہے تو اس کو اللہ کا فضل سمجھنا چاہیے اور اس کا شکرا ادا کرنا چاہیے، نہ کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔

فرمایا خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر قطرہ آب سے ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنادیا، مرد اور عورت میں تفریق کر کے دو صنف بنائیے۔ پھر ان کے ملاپ سے نسل انسانی کے بقا کا سلسلہ قائم کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کی دلیل ہے۔

فرمایا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ کوئی عورت نہیں اٹھاتی بچہ اپنے پیٹ میں اور نہ اُسے جنمی ہے مگر وہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ عورت کے رحم میں حمل قرار پانا اور پھر مقررہ مدت کے اندر شکم میں نیچے کا پردہ پاش پاش پانا اور پھر باہر آ جانا سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ اور اسی طرح وَمَا يُعْمَلُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا بِعِلْمِهِ اور نہ گھٹائی جاتی ہے اس کی عمر إِلَّا فِي كِتَابٍ مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب انسان اس دنیا میں آ جاتا ہے تو پھر وہ کتنی عمر پاتا ہے، پھر کتنی عمر میں فوت ہو جاتا ہے یا لمبی عمر پاتا ہے یا اس کی زندگی میں کیا تبدیلیاں آتے ہیں۔ بیماری، تندرستی، دولت، منہی، مصلحتی شقاوت، سعادت ہر چیز کو اللہ جانتا ہے۔ ہر چیز اللہ کی کتاب لوح محفوظ میں ہی درج ہے، مقدر ہے، درمیانی یا لمبی عمر کی حکمت اور مصلحت کو بھی اللہ ہی جانتا ہے، یہ چیز کسی دوسری ذات کے علم میں نہیں ہے۔

فرمایا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے، اسے کوئی کام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ اس مقام پر شاہ قلم

ایک اور بات بھی کہلاتے ہیں کہ جس طرح انسان کی نشوونما آیت آیت اور پتہ پتہ سے، اسی طرح اسلام بھی بتدریج بڑھے اور چلے پھیرے گا اور کفر والا غر مغلوب و مقہور ہو گا۔ جسکی دہر میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ایک طرف اپنی قدرت و اسرار کو واضح کر دیا اور دوسری طرف دفر قیامت پر بھی دلیل قائم کر دی ہے۔ اگر انسان اپنی پیدائش اور عمر کے مختلف مراحل کو آسانی سے سمجھتا ہے تو اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندگی بھی اُس کی نگاہ میں آسانی سے چاہیے۔

ایمان اور
کفر و فتنہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے ایمان اور کفر کو واضح فرمایا ہے کہ دونوں کا انجام بھی ذکر کیا ہے ارشادِ جبرائیل علیہ السلام: وَالْبُصْبُحَانِ دو صبحیہ دریا برابر نہیں کیونکہ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ ایک میٹھا ہے اور پیاس کر کھانے والا ہے سَاءٌ شَرَابٌ اور اس کا مشروب ترش و گوار ہے جب کہ وَهَذَا حُلُجٌ اُجاج پر دوسرا کھاری اور کڑوا ہے اس کا حلق سے اترنے والا ایک گھونٹ حلق کو چھیل ڈالنے کے لیے کافی ہے جس طرح یہ دو پانی ایک سے نہیں، ایک نہایت مفید ہے اور دوسرا سخت مضر ہے۔ اسی طرح کفر اور اسلام بھی برابر نہیں ہیں۔ ایمان کمال درجے کی حقیقت ہے۔ اللہ نے اہل ایمان کو خوشگوار اور دائمی زندگی کی بشارت دی ہے جب کہ کفار کے لیے دائمی سزا کی وعید سنائی ہے۔ لہذا یہ دونوں آپس میں قطعاً برابر نہیں ہو سکتے۔

سمندر

اللہ نے میٹھے اور کھاری سمندروں کا ذکر کرنے کے بعد اُن کے فرائض کا ذکر کیا ہے جو انسانوں کو دونوں انعام کے پانی سے ملے ہوئے ہیں۔ قرآن: وَمِنْ كُلِّ ثَلَاثَةٍ حِمَاً طَيِّبًا تم ہر قسم کے پانی سے تازہ گوشت کھاتے ہو اس سے مراد مچھلی ہے جو میٹھے اور کھاری ہر قسم کے پانی میں جاتی ہے۔ نوٹ: پکڑ کر اس کا گوشت خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں مچھلی کا گوشت نہایت لذیذ اور طاقتور غذا ہے۔ اس میں پروٹین بہت زیادہ

ہونے ہیں۔ خشکی کے جانوروں کو تو پھر ڈنکے کے بعد ذبح کر کے اس کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے مگر مچھلی کو ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ دنیا کے لاکھوں انسانوں کی معیشت کا دار و مدار مچھلی کے شکار پر ہے۔ ساحلی لوگ عام طور پر مچھلی کا کاروبار کرتے ہیں۔ سمندروں اور دریاؤں کے علاوہ مصنوعی طور پر جو ہڑوں اور ٹالابوں میں بھی مچھلی پالی جاتی ہے جو لوگوں کی خوراک کا حصہ بنتی ہے۔

فرمایا ایک ترقی یافتہ ان پانیوں سے مچھلی کا شکار کرتے ہو اور دوسرے وقتیں جنوں حلیۃ تلبسوں تھا ان سمندروں سے پہننے کے زیورات ہی نکالتے ہو۔ زیورات سے ہر دموتی اور مونچکا ہیں جن کے ہار بنا کر پہنے جاتے ہیں۔ سونے چاندی کے زیورات تو مردوں کے لیے جائز نہیں البتہ موتیوں کے ہار مرد بھی پہن سکتے ہیں۔ یہاں بھی اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس طرح لوگ میٹھے اور کھاری ہر دم سمندر سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح اسلام کی تقویت مسلمانوں کے ذریعے تو مسلم ہے انہیں انکار کی طرف سے بھی سبزیہ اور خراج کی صورت میں فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا اس کے علاوہ سمندروں اور دریاؤں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ تَرْمِی الْعُلُكُ فِیْہِ مَوَاسِخٌ اور تم کشتی کو دیکھتے ہو کہ پانی کو چیرتی پھڑکتی ہوئی جلتی ہے۔ پہلے زمانے میں بادبانی کشتیاں جلتی تھیں جو چھوٹے پیمانے پر نقل و حمل میں کام دیتی تھیں مگر اب سائنسی دور میں لاکھوں ٹن وزنی جہاز معرض وجود میں آچکے ہیں جو نہ صرف مسافروں کو سفر کی سہولت سہم پہنچاتے ہیں بلکہ لاکھوں ٹن وزنی تجارتی سامان بھی ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچاتے ہیں۔

سامان کی بین الاقوامی نقل و حمل میں بحری جہاز بڑا مفید خزانہ قرار دیا کرتے ہیں ان کے بغیر سامان کی ترسیل بہت مہنگی اور دشوار ہوتی ہے۔ فرمایا جہاز رانی کا فائدہ یہ ہے لَقَدْ تَعَوَّاهُمْ فَضْلُہُ تاکہ تم اس کے ذریعے اللہ کا فضل یعنی رزق حلال تلاش کرو۔ بین الاقوامی تجارت روزمری کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اللہ نے اپنا یہ احسان بھی جہاز دیا کہ اس نے کشتی رانی کے ذریعے تمہارے لیے

لاشریک ہے۔ اُس کی توحید کو مان کر اُسی کی عبادت کر نہ چاہیے۔ جب ہر چیز کا مالک، مدبر اور متصرف وہی ہے تو پھر اپنی حاجات دوسروں کے سامنے پیش کرنا کس قدر حماقت کی بات ہے۔

معیودانِ باطلہ
کی بے بسی

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ جُلُودٌ لَّهُمْ عِلَاقَةٌ دوسروں کو پکارتے ہیں، ان سے حاجت براری چاہتے ہیں، فرمایا مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِينٍ وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں، وہ تو اتنی معمولی سی چیز بھی نہ بنا سکتے اور نہ کسی کو دے سکتے ہیں ان کو نہ کوئی اختیار حاصل ہے اور نہ وہ کسی کی تکلیف دہ کر سکتے ہیں۔ فرمایا إِنْ تَدْعُواهُمْ لَمْ يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ اگر تم اُن کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار کو سن بھی نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ وہ تو لکڑی یا پتھر کے بے جان محسمے ہیں یا پھر شجر و حجر ہیں۔ وہ تمہاری پکار کو کیسے سنیں گے؟ وَلَوْ سَمِعُوا اور اگر بالفرض تمہاری بات کو سن بھی لیں مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ تو وہ تمہیں جواب تک نہیں دیں گے۔ وہ تو بے جان ہیں اور قوتِ گویائی سے محروم ہیں۔ وہ تمہیں کیسے جواب دیں گے؟ اور اگر تم جاندار امتیوں مثلاً ملائکہ، جنات، انبیاء اور اولیاء کو یا کسی دوسری ہستی کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری بات سن کر بھی تمہاری مدد پر قادر نہیں ہیں۔ وہ تو اللہ کے حکم کے بغیر کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ کا فیصلہ ہے صَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرہ - ۲۵۵) اس کی اجازت کے بغیر کوئی ذات سفارش بھی نہیں کر سکتی۔ بھلا وہ تمہاری مشکل کا کیسے مدد کر دیں گے؟

فرمایا یہ ہمتیاں تمہاری مدد کرنے کی بجائے وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بَشِرْكُمْ قِيَامَتِ دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے، جب اللہ ان سے پوچھے گا کہ کیا تم نے ان کو کہا تھا کہ تمہاری عبادت کریں۔ تمہارے سامنے نذر و نیاز پیش کریں اور تم سے حاجات طلب کریں تو ملائکہ، جنات، انبیاء اور اولیاء یہ انکار کر دیں گے کہ مولا کریم! ہم نے تو ان سے نہیں کہا تھا کہ ہمارے بعد ہمیں اپنا

عاجت روا اور مشکل کٹ بنالینا ہم خود بھی تمہی سے حاجات طلب کرتے ہیں اور انھیں
 بھی یہی درسیں دیتے ہیں کہ دست سوال صوفی اللہ تعالیٰ کے سامنے دلا کر مانگو۔ لوگ
 شیطان کے بہکے دے میں آگئے اور اُسی لئے کہنے پر کفر و شرک پر اصرار کرتے ہیں
 فرمایا تم ان عبودانِ اعلیٰ سے کیا توقع رکھتے ہو وَلَا يَسْتَلِفُ مِثْلُ خَبِيرٍ
 اے مخاطب! اللہ علیہم وخیر کی طرح یہ تمہیں کچھ نہیں بنا سکیں گے۔ ان کے سامنے
 لاکھ جتنے چلاتے رہو، ان کو فرق الاسباب پھر ستے رہو، یہ تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے
 کیونکہ علیم و خیر صرف ذاتِ خداوندی ہے۔ باقی سب عاجز و مخلوق ہے۔ حقیقت یہ ہے
 يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَكَالْاَرْضِ (الرحمن ۲۱) آسمان و زمین کی ہر چیز
 اللہ تعالیٰ کے سامنے ہی ہاتھ پھیلاتی ہے لہذا تمہیں بھی اپنی حاجات اُسی سے
 طلب کرنی چاہئیں۔ یہ خود ساختہ عبودیت تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ①۵
 وَإِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ①۶ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ①۷ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ
 وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ①۸ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ
 يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ①۹
 وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ②۰ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ②۱

ترجمہ :- اے لوگو! تم محتاج ہو اللہ کی طرف اور اللہ تعالیٰ ہی غنی اور تعریفوں والا ہے ①۵ اگر وہ چاہے تو تم کو لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے ①۶ اور نہیں یہ بات اللہ پر کوئی شکل ①۷ اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ اور اگر کوئی بوجھ اپنا بوجھ اٹھانے کی طرف کسی کو بلے گا ، تو نہیں اٹھائی جائے گی اس سے کوئی چیز اگرچہ وہ قریب دار ہی کیوں نہ ہو۔ بیشک آپ ڈر سکتے ہیں اُن لوگوں کو جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے بغیر دیکھے۔

وہ قلم کی انہوں نے خانہ، اور جو شخص تکبر حاصل کرے و
 پس یہ شک وہ تکبر حاصل کرے وہ اپنے نفس کے
 لیے، اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جاتا ہے ①

گذشتہ آیات کی طرف آج کے درس میں بھی توحید کا اثبات، مشرک کا رد
 و فوج نیاست اور محاسبہ اعمال کا بیان ہے۔ مقررہ سائنس و فلسفہ
 زجر و نسیہ کہ پہلو بھی ہے، تمام ہی نوع انسان کو خطاب کر کے انہیں اٹل کی
 ذمہ داری کہ احساس دہا دے، ارشاد ہو کہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اسْمِعُوا لَكُمْ
الْفَصْرَ آخِرَ الْكِتَابِ اللہ کے دنیا جہان کے لوگو! تم سب کے رب اللہ تعالیٰ
 کی طرف متوجہ ہو۔ فقہاء و اہل دین کے ممبرے کو کہ جاتا ہے، جس شخص کو
 مسرور کرنا ہو، جس کی کمر سہی نہیں ہو سکتی اور اس معاملے سے وہ غافل و
 ہے۔ تفرقہ و امتداد کے سامنے مشرک کے رد میں سے ہے جو اور اپنی قوم
 عبادت اسی سے ہے۔ مگر ہے جو سورۃ النور میں فرمایا ہے کہ يَا أَيُّهَا
النَّاسُ اسْمِعُوا لَكُمْ اللہ تعالیٰ کی آیت ہے۔ وَمَا يَسْمَعُونَ اور نہ ہی
 انہی سے مانع ہے، مخلوق میں خود اللہ کے نسب فرستے ہوئے و اثبات، اللہ
 نبی، ولی، حبیب اللہ تعالیٰ کی مہدایت کے محتاج ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ انسان تہذیب و تمدن اور تمدن و تمدن
 و تمدن سے مددیت میں مگر تجر و تجربہ و تمدن و تمدن سے طلب کرتے ہیں۔
 ہمارے زمانہ سے و تمدن و تمدن میں جس و تمدن نہیں ہیں کی تہذیب سے کہ وہ ہوں
 کہ اپنی ضروریات کو اظہار کریں، ان کی حالت ہی اللہ تعالیٰ سے ہی مدد ہے
 طلب کرتی ہے، اسی طرح جائزہ گیر سے مکرر سے چرچہ اور چرچہ سے میں محسوس
 کی لا تعداد و محتاج ہے، سب کی عبادت، یہ اور وہ سب سے ہے، ان کی

حال ہی سے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات میں سوال کر رہے ہیں۔ اللہ کی مقرب مخلوق فرشتے بھی اللہ تعالیٰ سے ترقی و عروج اور انعامات کے طالب ہیں اور اپنے انداز سے درخواست کرتے ہیں۔ جنات کا اپنا انداز ہے، غریب کی ساری مخلوق اُسی کی محتاج ہے اور اسی کے آگے دست سوال دراز کیے ہوئے ہے۔ فرمایا وہ صرف ایک ہی ذات ہے جو کسی سے سوال نہیں کرتی ہے بلکہ سب اس کے سوالی ہیں۔ **وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ** اور وہ ذاتِ خدائی ہے جو بے نیاز اور تعریفوں والی ہے، وہ ہستی تمام کمالات کے ساتھ متصف ہے، ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ ساری مخلوق اُسی سے استعانت کرتی ہے، وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے لہذا عبادت کے لائق بھی وہی ہے، اس کے علاوہ کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں۔ غنی اور صمد وہ ذات ہے جس کی طرف قصد کیا جاتا ہے اور اس کو کسی قسم کا احتیاج نہیں ہوتا۔ ہندی زبان میں ایسی ذات کو "نرادھار" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ابن ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے **مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللَّهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ** جو ذات اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتی اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے، اگر مجھ سے سوال کیوں نہیں کرتا۔ اُدھر انسان سے سوال کیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے مگر رب تعالیٰ سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے کہ میرا بندہ ہو کر میرے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتا۔ ایک مشہور عربی شاعر عبید بن ابرہہ کہتا ہے

مَنْ يَسْأَلُ النَّاسَ يَحْزَنُ مَوَهُ
وَسَأَلَ اللَّهَ لَا يَحْزَنُ

جو لوگوں سے مانگتا ہے تو لوگ اس کو محروم رکھتے ہیں اور جو اللہ سے طلب کرتا ہے وہ کبھی محروم نہیں رہتا۔ حضور علیہ السلام کے زمانے کے ایک عیسائی

کا ارادہ کرنا ہے تو پھر اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

یہ اعمال
کی فکر

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کا احساس دلایا ہے کہ محض دنیا کی رنگ رلیوں میں ہی الجھ کر نہ رہ جاؤ بلکہ آخرت کا بھی کچھ خیال کرو ہر شخص سے اس کے عمل کے بارے میں سوال ہوگا، ایمان، عقیدہ ہے، اخلاق اور فکر کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اس وقت ہر شخص کو اپنے عقیدے اور عمل کی خود جوابدہی کرنا ہوگی اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائیگا۔ اسی لیے فرمایا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَذَرِ الْأَثْرَىٰ ۚ وَذَرِ الْكَافِرَ ۚ اِسْمٰی کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جِهْلِيهَا ۖ فَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ اِسْمٰی جہلیہا اور اگر کوئی بوجھل کسی کو بوجھ اٹھانے کے لیے بلا لے گا کہ ذرا میری مدد کر دو لَا یُجِبْکَ مِنْہُ شَیْءٌ ۚ اِسْمٰی ترا اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں اٹھائی جا سکے گی اور مدد طلب کرنے والے کو ایسی ہوگی۔

روایات میں آتا ہے کہ ہر خاندان اور بیوی اپنے اپنے بوجھ کی فکر میں ہوں گے۔ خاندان اپنی بیوی سے کہے گا کہ دیکھ! میں نے دنیا میں تیرے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا، تمہاری تمام فرمائشیں پوری کیں اور تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں آنے دی، اب اپنی نیکیوں میں سے ایک نیکی مجھے دیدو۔ وہ کہے گی کہ میں تو خود اس معاملہ میں فکر مند ہوں، تجھے کہاں سے دے دوں؟ پتہ نہیں میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے؟ اسی طرح ماں اپنے بیٹے سے کہے گی بیٹا! میرا پیٹ تیرے لیے ظرافت قحاج میں میں تجھے نو ماہ تک اٹھائے پھری۔ پھر میری چھاتی تیرے لیے مشکیزہ بنی ہوئی تھی تم جیب چاہتے تھے میرا رب ہوتے تھے، میری گود تیری لیے بطور گوارہ تھی۔

جس میں تم آرام کرتے تھے۔ اب میری مدد کر دو اور پاک نیکی مجھے دیدو۔ بیٹا ماں کے تمام احسانات کو تسلیم کرے گا مگر کہے گا کہ میں تو نیکیوں کے معاملہ میں خود پریشان ہوں، نامعلوم میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے لہذا میں خود مجبور ہوں غرضیکہ قریبی عزیز بھی ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جائیں گے اور کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ ایک دوسرے سے بھاگیں گے کہ کہیں کوئی دوسرا نیکی نہ طلب

کرے۔ قرآن پاک نے اس صورت مال کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے یَوْمَ لَفِيقُ
الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأَقْرَبِهِ وَبَنَاتِهِ وَمَنْ جَارَتِهِ وَيَنْتَبِهُ
بِكُلِّ امْرِيٍّ وَمَنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَانٌ يُغْنِيهِ قِيَامَتِ يَوْمِ
دُنْیَا دُنْیَا اپنے بھائی سے بھائے گا، اپنی ماں اور باپ سے بھائے گا، اپنی بیوی اور
بیٹے سے راہ فرار اختیار کرے گا۔ اس دن ہر شخص ایک ہی فکر میں مبتلا ہوگا۔
اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ اَلَمْ يَرَهُ قَرَابَةً
ہی کیوں نہ ہو۔ ہر ایک کو اپنے اعمال کا خود محاسبہ کرنا ہوگا۔

آگے نبی علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ لوگ توحید کا انکار کرتے ہیں۔ شرک
کفر اور معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں، خدا اور تعصب کی بنا پر سمجھانے سے سمجھتے
بھی نہیں بلکہ بٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپ دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ
اِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ اِنَّ لَكُمْ كُوْنُورًا
ساتے ہیں جو بغیر دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کوئی
رب ہے جو ہم پروردگار پر بس کمرے گا۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر ہم اللہ اور اس
کے نبی کی بات کو نہیں مانیں گے، اکلام الہی پر یقین نہیں کریں گے تو ہمارا ٹھکانا
کہاں ہوگا؟ دنیا کا نظام تو ایسا ہی ہے کسی نے اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا، نہ
ملائکہ کو دیکھا ہے اور نہ جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے
تو نبی علیہ السلام پر نزول وحی کا مشاہدہ کیا۔ مگر باقی سب لوگ تو ان تمام چیزوں پر
ایمان بالغیب ہی رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ کی ذات وعدہ لا شریک
ہے، اس کے انبیاء و مرسلین اس کی کتابیں سچی ہیں اور پھر محاسبہ اعمال کا وقت
آنے والا ہے تو فرمایا کہ آپ تو اپنی کو ڈرا سکتے ہیں جو ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔

فرمایا محاسبہ اعمال سے ڈرنے والوں کی دوسری صفت یہ ہے وَأَقَامُوا
الصَّلَاةَ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں جبکہ ایمان کے بعد سب سے ضروری عبادت
اور تمام عبادات میں سب سے زیادہ مقرب الی اللہ ہے۔ قیامت دئے دن سب

ایمان
بالغیب

نماز اور
تذکرہ

سے پہلے نماز ہی کے متعلق سوال ہو گا کہ اسے ادا کیا تھا یا نہیں۔ نیز فرمایا کہ ایمان لانے اور اعمال صالحہ انجام دینے کے بعد وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ جو شخص تزکیہ حاصل کر لے گا یعنی اپنے آپ کو پاک بنالے گا تو یہ اس کے اپنے نفس کے لیے ہی مفید ہو گا۔ شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ تزکیہ سے مراد ظاہر باطن ہر طرح کی پاکیزگی شامل ہے۔ جسم، لباس، مکان اور ماحول کی پاکیزگی کے علاوہ فکر، ذہن، قلب، دماغ اور روح کی پاکیزگی بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص بظاہر پاک صاف ہے مگر اس کی خوراک اور لباس مال حرام سے ہے تو آدمی نجس ہے۔ ایسے شخص کی عبادت مقبول نہیں۔ دھوکہ، فریب، سود، چوری اور سنگٹنگ کی کمانی پاکیزہ نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مکمل تزکیہ حاصل کرتا ہے تو اپنے ہی لیے حاصل کرتا ہے۔ اس کا فائدہ خود اسی کو ہو گا۔ خدا تعالیٰ کو ہماری عبادت و ریاضت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہم اللہ کی خوشنودی کے لیے کام کریں گے تو اس میں ہمارا اپنا ہی بھلا ہے، ہمیں ترقی نصیب ہوگی۔ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گا اور خدا کی رحمت کے مقام میں جگہ ملے گی۔

غرضیکہ ہمیں اپنے آپ کو، اپنی فکر کو اپنے ماحول کو، شہر اور ملک کو، مسجدوں اور مدرسوں کو پاک کرنا ہو گا، مسجدوں میں شور و شر کرنا، بیسودہ غریب پٹھنا، لڑائی جھگڑا کرنا، دوسروں پر کھیڑ اچھانا، کسی پر اتہام لگانا یہ سب تزکیہ کے خلاف چیزیں ہیں۔ ہماری مسجدوں کو ان نجاستوں سے پاک صاف ہونا چاہیے۔

فرمایا جس نے تزکیہ حاصل کیا تو اپنے ہی فائدے کے لیے۔
يَا دُرَيْسُ إِنَّكَ لَمِنْ الْمُصْبِينَ اور سب کو خدا تعالیٰ کی

طرف ہی لوٹ کر جانا ہے اور اپنی کارگزاری کا خود جواب دینا ہے، اگر اس دنیا سے
 تزکیہ کر جاؤ گے تو انجاس اچھا ہوگا، اور اگر نجاست سے آلودہ ہو کر جاؤ
 گے تو بہت برا حشر ہوگا۔ اللہ کے سامنے سب کی پیشی ضروری ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ①۹ وَلَا الظُّلُمَاتُ
وَلَا النُّورُ ②۰ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ②۱ وَمَا
يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ
يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ
فِي الْقُبُورِ ②۲ إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ②۳ إِنْ أَرْسَلْنَاكَ
بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا
خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ②۴ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ
كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ②۵ ثُمَّ
أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ②۶

ترجمہ :- اور نہیں برابر اندھا اور بینا ①۹ اور نہ اندھیرے
اور نہ روشنی ②۰ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ ②۱ اور
نہیں برابر زندہ اور مردہ ۔ بیشک اللہ تعالیٰ سنااتا ہے
جس کو چاہے ، اور آپ نہیں سنانے والے اُن کو جو
قبروں میں پڑے ہوئے ہیں ②۲ نہیں ہیں آپ مگر
بڑے سنانے والے ②۳ بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ
کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور بڑے سنانے والا اور

نہیں گزری کوئی امت مگر یہ کہ ہوا ہے اُن میں ڈر نہانے والا (۲۳) اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں، پس بے شک جھٹلایا اُن لوگوں نے جو اُن سے پہلے گزرے ہیں۔ آئے ہیں ان سے پس اُن کے رسول کھلی نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب سے کہ (۲۵) پھر پکڑا میں نے اُن کو جنہوں نے کفر کیا۔ پس کس طرح ہوئی میری گرفت (۲۶)

گزشتہ آیات میں مشرکین کا رد تھا۔ نیز ساری مخلوق کے احتیاج اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا ذکر تھا۔ اس بنا پر تمام حاجات اللہ وعدہ لا مشرک سے طلب کرنی چاہئیں اور اُسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ پہلے تو ساری مخلوق کو صغیر ہستی سے نابود کر کے اُس کی جگہ دوسری مخلوق کو لے آئے لہذا ہر انسان کو محاسبہ اعمال کی فکر کرنی چاہیے۔ قیامت والے دن کوئی عزیز ترین رشتہ دار بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اللہ نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈراتے ہیں جو خدا تعالیٰ سے بن دیجئے ڈرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ لوگ کف از پڑھتے ہیں اور ظاہری و باطنی تہذیب حاصل کرتے ہیں۔ فرمایا جو کوئی پاکیزگی اختیار کرے گا تو اُس میں خود اُسی کا فائدہ ہے جس کا نتیجہ اللہ کی بارگاہ میں پیشی کے وقت سامنے آئے گا۔ اس طرح اللہ نے قیامت کا مسئلہ بھی سمجھا دیا۔

گزشتہ درس میں یہ سمجھ اور کٹھڑے سمندر کی مثال بیان کی گئی تھی کہ یہ دونوں برابر نہیں مگر مخلوق خدا اِصْحٰہ کیساں طور پر فائدہ اٹھاتی ہے۔ اب اسی تسلسل میں بعض دوسری مثالیں بیان کی ہیں کہ متضاد چیزیں آپس میں برابر نہیں ہو سکتیں ارشاد ہوتا ہے وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰی وَالْبَصِيْرُ اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہیں۔ ہر شخص ہی کے حکم کا کہ بنا آدمی اندھے سے بستر ہے۔ کیونکہ وہ دیکھ کر اچھے اور بُرے میں تمیز کر سکتا ہے اور نقصان سے بچ کر مختلف چیزوں

رابطہ آیات

نیک بہ
کی مثال

سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح فرمایا وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّجُومُ اَنْدِصِرَے
اور روشنی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اَنْدِصِرَے میں انسان ٹھوکریں کھانا پھرتا ہے۔ جب
کہ اجالے میں سارے کام انجام دیتا ہے، لہذا ان کو بھی کوئی شخص برابر تسلیم کرنے
کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ پھر فرمایا وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُّ وَلَا السَّيَّاءُ اور دھوپ
بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ سالے میں آدمی کام کاج کر سکتا ہے، کچھ دیر کے لیے
مسافر آرام کر سکتا ہے۔ جب کہ دھوپ کی شدت میں نہ تو سکون سے کوئی کام
ہو سکتا ہے اور نہ ہی آرام کر سکتا ہے۔ یہ بھی متضاد چیزیں ہیں جن میں سے ایک
مفید اور دوسری غیر مفید ہے۔ فرمایا وَمَا يَنْبَغُ لَكَ مِنَ الْاَشْيَاءِ وَلَا
الْاَشْوَاقُ زندہ اور مردہ بھی برابر نہیں ہیں۔ زندہ انسان دنیا میں چلتے پھرتے
ہیں، کام کاج کرتے ہیں، عبادت کرتے ہیں۔ جب کہ مردہ انسان قبروں میں
خاموش پڑے ہیں۔ یہ دونوں گروہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ یہی مثال نیک اور
بد ایمان اور کافر کا ہے، ایک طرف مومن ہے جس کے دل کی آنکھیں اللہ نے
روشن کر رکھی ہیں، اس کو بصیرت ہے۔ جس کے ذریعے وہ نیکی اور بدی میں تمیز
کر سکتا ہے۔ وہ جس طرح ظاہری روشنی کو دیکھ رہا ہے اسی طرح دل کی بصیرت
سے وحی کے اجالے کو بھی دیکھ رہا ہے اور اپنی منزل کھٹے کرتے چلا جا رہا ہے
ظاہری روشنی آنکھوں کے لیے ضروری ہے۔ جب کہ وحی الہی کے روشنی
عقل کے لیے لازمی ہے جب تک انسان کو وحی الہی کی روشنی میسر نہ ہو۔
وہ اپنی منزل طے نہیں کر سکتا، عقل ایک قیمتی جوہر ہے مگر تمام چیزوں میں
وہ بھی خود مکفی نہیں ہے۔ بلکہ وحی الہی کی محتاج ہے۔ جو شخص وحی الہی کی روشنی
میں آخرت کے سفر پر گامزن ہوتا ہے وہ بِالْآخِرَةِ خَيْرٌ مِنَ الْقَدَسِ اور جنت
بیک پہنچ جاتا ہے، دوسری طرف جو شخص وحی الہی کی بصیرت سے محروم ہے۔
اور اس کے دل پر کفر اور شرک اور معاصی کی تاریکیاں چڑھی ہوئی ہیں، وہ خدا کی
رحمت کے مقام میں کبھی نہیں پہنچ سکے گا، بلکہ وہ تو جہنم کی آگ میں ہی پہنچے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے شخص کو بھی مردہ سے تشبیہ دی ہے۔ جس
 کا دل ذکر الہی سے خالی ہے۔ فرمایا مَثَلُ الذَّوْنِ يَذْكُرُ اللَّهَ وَالَّذِي
 لَا يَذْكُرُ كَمَثَلِ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ یعنی خدا تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور ذکر
 نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ زندہ شخص تو نصیحت سے فائدہ
 اٹھا سکتا ہے، امکان ہے کہ وہ کسی نہ کسی وقت ایمان قبول کر لے مگر مردہ شخص
 تو دارالعمل سے نکل کر دارالجنز میں پہنچ چکا ہے، اب اس کے لیے کوئی نصیحت
 قطعاً مفید نہیں ہو سکتی۔ وہ نہ تو کسی ایمان کی بات کو سن سکتا ہے، نہ نیکی کما سکتا
 ہے اور نہ اسے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مومن اور کافر بھی ایسے ہی ہیں۔ مومن کی
 مثال ایک زندہ کی ہے جو نیکی کما رہا ہے اور کافر ایک مردہ ہے جو ایک رائی
 کے دانے کے برابر بھی نیکی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی ضمن میں فرمایا اِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ
 مَنْ يَّشَاءُ مِنْ شَيْءٍ شَكَّ اللهُ تَعَالٰی سَادِیْتَا ہے جس کو چاہے وہاں اَنْتَ
 بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ اور آپ نہیں سنا سکتے اُن کو جو قبروں میں پڑے
 ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ جس طرح آپ قبروں والے مردوں کو نہیں سنا سکتے
 یعنی اُن پر آپ کی نصیحت کا رگہ نہیں ہو سکتی، اسی طرح کفر اور شرک کرنے والوں
 کے لیے بھی آپ کی کوئی نصیحت فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ اسی بات کو سورۃ العنکب
 میں اس طرح فرمایا اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي
 مَنْ يَّشَاءُ كَوْنُ جَمْعِ آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ ہدایت کا نور
 اُس کو حاصل ہوتا ہے جس کو اللہ چاہے وَلٰئِكَ لَتَهْدِيَهُمْ رَاطِلٌ
 صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ (الشوریہ - ۵۲) آپ تو صرف یہ دے سکتے ہیں کہ طرف
 راہنمائی کرتے ہیں، باقی ہدایت دینا اللہ کا کام ہے یعنی ہر بات اللہ کی حکمت
 اور ارادے کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر اللہ چاہے گا تو کسی کافر، مشرک کو
 ہدایت نصیب ہو جائیگی۔ اگر اُس کی مشیت نہیں تو پھر ہدایت نصیب نہیں
 ہو سکتی۔ آپ اپنی مرضی سے قبر والوں یعنی کفار و مشرکین کو سنانا چاہیں تو

نہیں سنا سکتے۔

سماع موٹی
کاسٹل

سماع موٹی سے متعلق اس قسم کی آیت سورۃ نمل، نمل، روم اور آگے سورۃ احقاف میں بھی ہے، یہ تمام آیات بظاہر سماع موٹی کے متعلق ہیں مگر دراصل ان سے مردے نہیں بلکہ کافر مراد ہیں۔ یعنی کافروں کی حالت مردوں جیسی ہے جن پر نصیحت کی کوئی بات کارگر نہیں ہوتی۔ چونکہ ان آیات سے حقیقی مردوں کے سننے یا نہ سننے کی بحث چھیڑ لی جاتی ہے، اس لیے مفسرین کرام نے اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سماع موٹی کا مسئلہ صحابہ کرامؓ کے زمانے سے لے کر مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ امام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سماع موٹی سے انکار کرتی ہیں اور جو احادیث سماع کے حق میں آئی ہیں ان کی تاویل کرتی ہیں۔ بعض دوسرے صحابہؓ بھی ان کے ہم مسلک ہیں، البتہ حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ فی الجملہ مردوں کا سننا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ جن جن مقامات پر مردوں کے سننے کا ذکر آیا ہے صرف انہی مقامات پر سماعت کا عقیدہ رکھیں گے نہ کہ ہر وقت اور ہر مقام پر۔ چنانچہ فقہائے منصفیہ کے امام ابن مہمامؒ لکھتے ہیں۔ کہ شریعہ عام طور پر نہیں سننے البتہ بعض مقامات پر اس اصول سے مستثنیٰ ہیں، وہاں مردے سننے ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرنا ہے کہ وہ اپنی آواز ضرور ہی کسی مردے کو سنا سکتا ہے تو یہ دعویٰ درست نہیں کیونکہ یہ کام کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ لیکن علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر مردے فی الجملہ نہیں سننے تو بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔ امام بخاریؒ نے تو باب باندھ کر سماع موٹی کو ثابت کیا ہے۔ باب یہ ہے۔

الْمَيِّتُ يَسْمَعُ قَرْعَ نَعَالٍ یعنی جب لوگ مردے کو دفن کئے واپس جاتے ہیں تو مردہ اُن کے جوتوں کی کھٹکھاہٹ کی آواز سنتا ہے۔ یہ وجہ اول کی حدیث ہے جس کی کوئی بھی توجیہ یا تاویل نہیں کر سکتا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مردوں کے لیے بھی سلام کا وہی طریقہ بتلایا ہے جو زندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ یعنی جب تم قبرستان میں جاؤ تو اُن کو یوں سلام کرو اَلْسَلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الْقُبُورِ یعنی اے قبروں والو! تم پر سلام ہو۔ اگر یہ سلام فی الجملہ نہ ہو تو یہ کلام ہی بے مقصد ہے۔ محدثین کرام ایسی احادیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتے ہوئے سلام کرتا ہے تو مردہ اُس سلام کو سنتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے مگر ہم اُس کے جواب کو نہیں سن سکتے۔ اگر مردہ سلام کرنے والے کو دنیا میں پہچانتا تھا تو بعد از مرگ بھی پہچانتا ہے۔ محدث ابن عبد البرؒ نے اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

بعض اصحاب نے مذکور آیات کو عام معانی میں لیا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اس بنا پر انہوں نے سماع موٹی والی احادیث کی تاویل کی ہے۔ جبکہ بعض نے احادیث کو صحیح مان کر آیات کی تاویل کی ہے تاکہ بات سمجھ میں آجائے امام بیضاویؒ، امام قرطبیؒ اور صاحب روح المعانیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ مردوں کے سینے سے متعلق سننا مراد نہیں بلکہ ایسا سماع مراد ہے جو مضید ہو۔ آپ قبر پر کھڑے ہو کر دو گھنٹے تک وعظ و نصیحت کریں مگر مردے کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ عمل کی دنیا سے نکل کر جزا کی دنیا میں پہنچ

۱۔ بیضاوی ص ۲۶۰ ۲۔ قرطبی ص ۲۴ ج ۱۳ ۳۔ روح المعانی ج ۳۵
۴۔ البحر المحیط ص ۲۹ ج ۴ (فیاض)

ہجک ہے بالکل اسی طرح کافر حضور علیہ السلام کی آواز تو سنتے ہیں مگر یہ سماع اُن کے لیے مفید نہیں کیونکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ گویا ان آیات میں سماع نافع کی نفی کی گئی ہے کہ مردوں کو نصیحت کرنا بیکار ہے، نہ یہ کہ وہ بالکل مُسنّت ہی نہیں۔ امام ابن تیمیہ جو ان مسائل میں بڑے شدید ہیں، وہ بھی لکھتے ہیں کہ مردے سلام بھی سنتے ہیں اور قرآن پڑھنے والے کی آواز بھی سنتے ہیں۔

الغرض ان آیات کا یہ مفہوم لینا پڑے گا کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ اپنی مرضی سے کسی مردے کو مُسنّتے تو یہ تو ممکن نہیں کیونکہ اس کے لیے مشیتِ خداوندی ضروری ہے۔ اور اگر بلا فائدہ کوئی مردہ مُسنّتا بھی ہے تو مُسنّت ہے، اس سے کیا فرق پڑے گا۔ بعض لوگ سماع موتی کو اس لیے نہیں مانتے کہ اس سے شرک پیدا ہونے کا خطرہ ہے اگر سماع مانیں گے تو لوگ اُن سے مرادیں مانگنے لگیں گے اس میں شرک کو داخل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مرد مانگنا تو مردہ پھوڑ زندہ سے بھی جائز نہیں وہ بھی شرک ہے۔ بہر حال سماع موتی کے مسئلہ میں شروع سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ عام مردوں کے سماع کے سلسلے میں دونوں طرف دلائل موجود ہیں، تاہم مولانا گنگوہی فرماتے ہیں کہ نبیوں کے سماع میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جب کوئی شخص حضور علیہ السلام کی قبر مبارک پر جا کر درود سلام پڑھتا ہے تو آپ اس کو مُسنّت ہیں۔ اسی لیے صاحبِ فتحِ قدیریہ اور بعض دیگر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص آپ کی قبر پر جا کر درود سلام پیش کرتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ اپنے حق میں دعا کی درخواست بھی کہے کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں خاتمہ بالایمان کی سفارش فرمادیں۔

اس زمانے میں بعض اصحاب نے سماع موتی کا بالکل انکار کیا ہے حالانکہ اہل حدیث بزرگ مولانا ندووی حسینؒ بھی فتاویٰ ندوویہ میں لکھتے ہیں کہ اگر حضور علیہ السلام کی قبر پر جا کر درود شریف پڑھا جائے تو آپ مُسنّت ہیں تاہم دور سے صلوة و سلام فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب

جلال الاقوام میں صحیح سبند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور مولانا نانوتوی نے بھی یہ بات سمجھائی ہے کہ عام سماع موٹی کا مسئلہ اختلافی ہے۔ بعض اس کے قابل ہیں اور بعض قابل نہیں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جسے اب کوئی بھی حل نہیں کر سکتا۔ اس کی حقیقت تو قبر میں پہنچ کر ہی معلوم ہوگی کہ سنائی دیتا ہے یا نہیں۔ بہر حال یہ کوئی اعظمی مسئلہ نہیں کہ ماننے یا نہ ماننے والے پر کفر یا شرک کا فتویٰ لگا دیا جائے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ عام مردوں کے متعلق بھی عدم سماع کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن دوسری طرح بھی دلائل ہیں جنہیں یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ قرآن و حدیث میں سماع اور عدم سماع دونوں کا ذکر ہے لہذا جس نے جو بھی پہلو اختیار کیا ہے۔ وہ درست ہے دوسرے فریق کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے۔ انبیاء کے سماع کا مسئلہ اتفاقی ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فتاویٰ رشیدیہ میں تین دفعہ لکھا ہے کہ انبیاء کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں کسی ایک متعبر عالم کا بھی ذکر نہیں ملتا جس نے اختلاف کیا ہو۔

بہر حال فرمایا اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيرٌؕ آپ تو ڈرانے والے ہیں۔ آپ کسی شخص کو اپنے اختیار سے راہِ راست پر نہیں لا سکتے۔ البتہ تمام انبیاء علیہم السلام بشیر اور نذیر ہوئے ہیں جو اپنی قوم کو نیک اعمال کی بشارت اور برے اعمال سے ڈراتے رہے۔ تاریخ میں حضرت علاؤالدولہ سمنانیؒ کا ذکر ملتا ہے۔ انہوں نے یہ بڑا قیمتی فقرہ لکھا ہے کہ تمام انبیاء دنیا میں اس لیے تشریف لائے کہ مخلوق کی انگلیں اس طور پر کھول دیں کہ ان کو اپنا عیب اور حق تعالیٰ کا کمال نظر آنے لگے۔ اپنی عاجزی اور اللہ کی قدرت نظر آنے لگے، اپنی ظلم و زیادتی اور حق تعالیٰ کا عدل و انصاف نظر آنے لگے، اپنی جہالت اور حق تعالیٰ کا علم نظر آنے لگے، اپنی پستی اور حق تعالیٰ کی عزت نظر آنے لگے۔ اپنی بندگی اور حق تعالیٰ کی مالکیت نظر آنے لگے اپنا فقر اور حق تعالیٰ کا غنا نظر آنے لگے، اپنی کوتاہی اور حق تعالیٰ کی نعمتیں نظر آنے لگیں۔ اپنا قہر اور بقا ہستی صرف خدا تعالیٰ کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّا ارْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ كَشِیْرًا وَّ مُدِیْرًا بَیِّنًا

ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اہل ایمان کے لیے جنت میں اعلیٰ مقام کی بشارت ہے جب کہ کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے بُرے انجام کی وعید ہے۔ فَرِیَا وَانْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا اخَذْنَا بِهَا نَذِیْرًا ہر امت میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا گنہگار ہے کوئی ایسی امت نہیں جس میں اللہ کے صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت نبی یا ان کے نائب آئے ہوں۔ نبیوں کے بعد ان کی امت کے مبلغین ہی انذار کرنے والے ہوتے ہیں اور یہ قسمل کے ساتھ ہر قوم و ملک میں آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔

فَرِیَا وَانْ تَبْکُذْ بَعْدَ اَیْمَانٍ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو گھبراہٹ میں نہیں یہ قرآن کی پرانی ریت ہے۔ فَقَدْ کَذَبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے اپنے نبیوں کو جھٹلایا۔ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ان کے رسول ان کے پاس کھلی اور واضح نشانیاں احکام اور دلائل لے کر آئے۔ وَبِالنَّبِیِّیْنَ وہ اپنے ساتھ صحیفے بھی لائے۔ اللہ نے بہت سے انبیاء علیہم السلام پر صحیفے بھی نازل فرمائے وَبِالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ اور وہ روشن کتابیں بھی لائے۔ چار آسمانی کتابیں، زبور، تورات، انجیل اور قرآن ہیں۔ ان کے علاوہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسطر نے ایک سو چھوٹے موٹے صحیفے بھی نازل فرمائے۔ جب اللہ نے انبیاء اور کتب کے ذریعے حجت پوری کر لی، اور جو پھر بھی نہ مانے تو فرمایا لَقَدْ اخَذْنَا مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا مِیْثَاقًا انہوں نے کفر کرنے والوں کو پکڑ لیا۔ پہلے انذار کیا، مصلحت دی مگر جب وہ کسی طرح نہ مانے تو میری گرفت آئی فَکِیْفَ کَانَ نَصِیْرًا پھر دیکھو میری گرفت کیسی ہوئی۔ جب حق تعالیٰ کی طرف سے عذاب آیا تو پھر نافرمان قوم کافر و داعی بھی نہ بچ سکا۔ سب دنیا ہے ناپید ہو گئے۔ فرمایا دیکھو ایسے لوگوں کا کیا حال ہوا۔

ومن یفنت ۲۲
درس ہشتم ۸

مناظر ۲۵
آیت ۲۱ تا ۲۴

الَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا
بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ
بَيَاضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَدَابِيْبٌ
سُودٌ ۚ (۲۱) وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَّابِّ وَالْأَنْعَامِ
مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ ۚ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ
عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ (۲۲) إِنَّا
الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً
يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ (۲۳) لِيُؤْفِيَهُمْ
أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ
غَفُورٌ شَكُورٌ (۲۴) وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَبِْعَبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ (۲۵)

ترجمہ :- کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ
نے اتارا آسمان کی طرف سے پانی ۔ پھر نکالے ہم نے اس کے
ساتھ پھل مختلف رنگوں کے ۔ اور پہاڑوں میں سے بعض

گھاٹیاں سفید ہیں اور سُرخ۔ اُن کے مختلف رنگ ہیں اور کچھ انتہائی درجے کی سیاہ ہیں (۲۷) اور لوگوں، کیڑوں، مکوڑوں اور مویشیوں میں سے جن کے مختلف رنگ ہیں اسی طرح۔ بیشک ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اُس کے بندوں میں سے علم والے لوگ۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور بخشش کرنے والا ہے (۲۸) تحقیق وہ لوگ جو پڑھتے ہیں اللہ کی کتاب اور قائم رکھتے ہیں نماز کو، اور خرچ کرتے ہیں اُس میں سے جو ہم نے اُن کو روزی دی ہے پوشیدہ اور ظاہر۔ وہ اُمید رکھتے ہیں ایسی تجارت کی جو کبھی تباہ نہیں ہوگی (۲۹) تاکہ وہ بدلے سے اُن کو اُن کا پورا پورا۔ اور زیادہ دے گا اُن کو اپنے فضل سے۔ بیشک وہ بہت بخشش کرنے والا اور قدردان ہے (۳۰) اور وہ جو ہم نے وحی مازل کی ہے آپ کی طرف کتاب سے، یہ برحق ہے۔ تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے (کتابیں) ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ اہل خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ہے (۳۱)

گزشتہ آیات میں انداز کا بیان تھا۔ اللہ نے اہل ایمان اور کفار کی الگ الگ حیثیت کو بیان فرمایا تھا کہ یہ دونوں گروہ برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح اندھا اور بینا، اندھیر اور روشنی، سایہ اور پیش، زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے اسی طریقہ سے کافر، مشرک، گمراہ اور ایماندار برابر نہیں ہو سکتے، اُس کے بعد اللہ نے رسالت و نبوت کے بیان میں فرمایا کہ ہم نے ہر امت میں ڈر سنا دے والے بھیجے ہیں، اور آپ کو بھی ہم نے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اگر یہ لوگ انکار کرتے ہیں تو آپ دِل برداشتہ نہ ہوں۔ یہ گنہگار کوئی نئی بات نہیں ہے

اب آج کی آیات میں بھی دلائل قدرت بیان کئے گئے تو حید کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے اگر انسان غور کریں تو حید خداوندی کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ کی قدرت کے نمونے دیکھ کر انسان کے دل میں یقین پیدا ہوتا ہے۔ انہی آیات میں اللہ نے ایمان لانے اور سمجھ سکنے والے لوگوں کی تعریف بھی فرمائی ہے۔ ان کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور پھر ان کا انجام بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ نَكُنْ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ كَمَا آتَا
نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا۔ عربی زبان
میں سما کا اطلاق آسمان کے علاوہ بادل اور فضا پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سمندر
سے بخارات کو اٹھاتا ہے اور پھر جہاں بارش برسانی مقصود ہوتی ہے وہاں
انہیں اٹھا کر وہاں سے جاتی ہیں۔ آسمان کا ذکر اس لیے بھی کیا گیا ہے کہ بارش
برسانے کا حکم تو اُد پر ہی سے آتا ہے، اللہ کا فرمان ہے وَفِي السَّمَاءِ
رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الدّٰرِیْتُ ۲۳) تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ
کیا گیا ہے۔ سب آسمانوں میں ہے یعنی حکم تو وہیں سے آتا ہے۔ فرمایا اللہ نے
آسمان کی طرف سے پانی نازل کیا فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا
اَلْوَانُھَا پس اس کے ذریعے پھل پیدا کیے جن کے مختلف رنگ ہیں اللہ
نے یہ چیزیں انسانوں کی غذا اور تفریح کے لیے پیدا فرمائی ہیں۔

اب ذرا ان پھلوں کی ساخت، رنگ اور ذائقہ میں غور کریں، ہر ایک کا الگ الگ حجم، الگ الگ رنگ، ذائقہ اور خواص ہیں ہر موسم کے پھل بھی مختلف ہیں جنہیں انسان جانور اور کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ سورۃ الرعد میں اللہ نے زمین کے مختلف خطوں اور مختلف باغات کی طرف توجہ دلا کر

فرمایا ہے۔ یُسْقٰی بِسَآءٍ وَّآحِدٍ (آیت ۴۰) سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر اس سے پیدا ہونے والے بعض پھلوں کو بعض پر اللہ نے فضیلت بخشی ہے۔ پانی تو وہی ہے جو بارش کے ذریعے نازل ہوتا ہے۔ پھر وہ کبھی ندی نالوں اور دریاؤں کی صورت میں بہہ نکلتا ہے کبھی چشموں کی شکل میں زمین کے اندر رُک جاتا ہے، اور پھر کنوؤں کے ذریعے نکالا جاتا ہے مگر یہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے کہ ایک ہی پانی حاصل کرنے والے پھلوں میں سے کوئی میٹھا ہے، کوئی کڑوا، کوئی ترش اور کوئی پھیکا ہے۔ رنگ بھی مختلف ہیں اور سائز میں بھی تفاوت ہے بہر حال اناج اور پھل اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔

پھاڑوں کی
گھاٹیاں

فرمایا جس طرح اللہ نے پانی کے ذریعے مختلف پھل پیدا کیے ہیں اسی طرح
وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَيَضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُمَا پھاڑوں کی گھاٹیاں بھی سرخ و سفید ہیں
ان کے مختلف رنگ ہیں وَغَرَابِيبُ سُودٍ اور بعض انتہائی سیاہ ہیں۔ دنیا
کے مختلف خطوں میں ہیں مٹی کا رنگ بھی مختلف ہے اور پھاڑوں کے رنگ
بھی مختلف ہیں، کہیں سیاہ پتھر ہیں تو کہیں مٹیالے۔ کہیں سفید ہیں تو کہیں سُرخ
یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ہر چیز کا خالق وہی وحْدٌ لَا شَرِکَ
ہے۔ انسان، پھلوں اور پھاڑوں کی تخلیق میں ہی غور کر لے تو اُسے اللہ کی وحدانیت
سمجھ میں آسکتی ہے۔

جانداروں
کی تخلیق

بے جان چیزوں کی تخلیق کے بعد اللہ نے جانداروں کی تخلیق کا ذکر بھی
کیا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَّآبِ اور لوگوں میں سے اور زمین
میں چلنے پھرنے والے کیڑے مکوڑوں میں سے۔ وَالْأَنْعَامِ اور مویشیوں میں
سے ذرا ان تمام جانداروں میں غور کرو مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذٰلِكَ اِی طرح
ان کے بھی مختلف رنگ ہیں۔ انسان بھی ظاہری شکل و صورت اور رنگت کے
اعتبار سے مختلف ہیں، کوئی سیاہی مائل ہے، کوئی گورا چٹا، کوئی زردی مائل،
اور کوئی گندمی رنگ والا۔ قد و قامت کے لحاظ سے بھی کوئی پست قامت ہے۔

کوئی درمیانہ اور کوئی طویل قامت ہے۔ اسی طرح کوئی موٹا ہے اور کوئی پتلا۔ قوت کے لحاظ سے کوئی بڑا طاقتور اور کوئی کمزور ہے۔ مختلف خطوں کے لوگوں کے خواہش بھی مختلف ہوتے ہیں۔ باطنی طور پر بھی لوگوں کے خصائل مختلف ہیں کوئی ایماندار ہیں اور کوئی کافر، مشرک، مجوسی اور دہریہ، کوئی خوش اخلاق ہیں اور کوئی بد اخلاق لوگوں کے عزائم بھی مختلف ہیں اور سوچ اور فکر بھی مختلف ہوتی ہے گویا انسانوں میں بڑا ہی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی تغاوت دیگر جہازوں میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

در اصل نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مخالفین کا ایذا اور سائیوں سے پریشان نہ ہوں۔ دنیا دار الامتحان ہے۔ اس میں لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ جیسے فرمایا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُخْتَلِفِينَ (ہود - ۱۱۸) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر انسان برابر اختلاف کھینچتے رہیں گے۔ سورۃ النحل میں فرمایا وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (آیت - ۹) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا مگر وہ کسی پر جبر نہیں کرتا۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (الکاف) جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے، اللہ نے دلوں کا انتظام واضح کر دیا ہے۔ اگر ایمان لائے گا تو خلیقۃ اللہ میں جیسے پاک مقام کی رکنیت حاصل ہو جائے گی اور بالآخر اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچ جائے گا۔ اور اگر کفر و شرک کے راستے پر چل نکلا تو آگ کی قاتلوں والی جہنم میں جانا پڑے گا۔ بہر حال ان اختلافات کو سامنے رکھ کر تسلی دی گئی ہے کہ اہل ایمان ٹھکین نہ ہوں۔

اہل علم کی
تعریف

فرمایا اللہ کی مختلف قسم کی تخلیق میں اختلاف تو موجود ہے لیکن انشأ یَحْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اے شک اللہ کے بندوں میں سے

اہل علم ہی ڈرتے ہیں، جن لوگوں میں علم اور سمجھ کی کمی ہوتی ہے اُن میں خوف خدا کا بھی فقدان ہوتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے وہی لوگ ہیں جو اللہ کی عظمت و جلال کو پیش نظر رکھتے ہیں، خدا کی تہجد اور صفات کو سمجھتے ہیں اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتے ہیں، شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ اللہ سے ڈرنے والے سارے لوگ نہیں ہوتے بلکہ یہ تو سمجھ رکھنے والوں کی صفت ہے۔

اللہ کے عالم بندوں کی شناخت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عالم باللہ جس نے اللہ کا وہ بندہ ہے جو خدا نے رحمان کو جاننے والا ہے لَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا جس نے اللہ کے ساتھ شریک کیا ہو۔ یعنی مشرک آدمی عالم کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ عالم آدمی وہ ہے اَحَدٌ حَلَالٌ وَحَرَمٌ حَرَامٌ جس نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھا، وَحَفَظَ وَصِيَّتَهُ اور اس کی وصیت کی حفاظت کی وَ اَيُّقِنَ اَنَّهُ مُلْقِيْهِ وَهُوَ حَاسِبُهُ اور یقین رکھا کہ ایک دن اُس سے ملاقات ہونے والی ہے اور وہ ضرور حساب لے گا۔

امام حسن بصریؒ عالم کی تعریف میں فرماتے ہیں اَلْعَالِمُ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ عالم شخص وہ ہے جو بن دیکھے خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے ایسا شخص اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر ہی اپنے دل میں خوف رکھتا ہے جس چیز کی اللہ نے ترغیب دی ہے، وہ بھی اُس کی ترغیب دیتا ہے، اور جس چیز سے اللہ نے منع کیا ہے، وہ بھی اس سے منع کرتا ہے، اور جس چیز میں خدا کی ناراضگی ہے اُس سے خود بھی بچتا ہے اور دوسروں کو بھی بچاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے علم کی تعریف اس طرح منقول ہے۔

لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الْحَدِيثِ
وَلَكِنَّ الْعِلْمَ عَنْ كَثْرَةِ الْخَشْيَةِ

زیادہ روایات یاد ہونا علم کی علامت نہیں بلکہ خوفِ خدا کی زیادتی علم کی نشانی ہے۔
 شیخ شہاب الدین سرور دہلوی سے منقول ہے **مَنْ لَا خَشْيَةَ لَهُ**
يَسْكُنُ بِعَالَمِهِ جس میں خشیت نہیں وہ عالم نہیں، صاحبِ روح المعانیؒ
 فرماتے ہیں کہ علما حقیقت میں وہ ہیں جو اللہ کی ذات اور اس کی صفاتِ جلیلہ
 کو جانتے ہیں اور خدا کے افعالِ حمیدہ کا علم رکھتے ہیں اور اس کی تمام شیونِ مجیدہ
 کو بھی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح امام مالکؒ نے بھی فرمایا ہے کہ عالم وہ نہیں ہے
 جس کو زیادہ روایتیں یاد ہوں بلکہ عالم وہ ہے جس کا دل اللہ کی عطا کردہ روشنی
 سے روشن ہے، خدا کی معرفت حاصل ہے اور اس کی ذات و صفات کو جانتا
 اور پہچانتا ہے۔ مفسر قرطبیؒ نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں
 کہ فلاں آدمی فقیہ ہے حالانکہ فقیہ کامل تو یہ شخص ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت
 سے مایوس نہیں کرتا اور کسی کو خدا کی معافی کی اجازت نہیں دیتا اور لوگوں کو
 عذابِ الہی سے بے فکر نہیں کرتا۔ عالم آدمی قرآن سے اعراض نہیں کرتا، نیز
 فرماتے ہیں **لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةِ لَا يَعْلَمُ فِيهَا** اسی عبادت میں کوئی بہتر
 نہیں جس میں علم کا دخل نہیں، گویا عبادتِ علم کے ساتھ خوب سوچ سمجھ کر کی
 جائے تو مفید ہوگی، ورنہ نہیں۔

خواجہ علی ہجویریؒ کا قول بھی ہے **الْمُتَعَبِّدُ بِدَلِيلٍ عِلْمٍ كَالْحِمَارِ**
فِي طَائِفَتِهِمْ بغیر علم کے عبادت کرنے والا خراس کے گمہ سے کی طرح ہے
 وہ جانتا ہی نہیں کہ کیوں چمکے گاٹ رہا ہے، اسی طرح بے علم کی حالت ہے بغیر سمجھ
 کے علم درست نہیں اور سمجھ میں ضروری چیز ایمان ہے۔ جس کے بغیر کوئی عبادت
 قابلِ قبول نہیں۔ خدا کی توحید، اس کی صفات، عالمِ ہندو اور آخرت کی منازل
 وغیرہ سب ضروری چیزیں ہیں جن کے متعلق عالم کو علم ہونا چاہیے۔ اسی طرح فقیہ

بھی رہی ہوگا۔ جو کچھ اور فقہاء ہمت رکھنے والا ہوگا، حضرت علیؑ کا مقولہ ہے لَا قِسْرَةَ
لَا تَدْبِرُ فِيْهِمَا قُرْآنَ کی جس تلاوت میں تدبیر نہیں ہے اُس کی کوئی خاص نوبت
نہیں کیونکہ قرآن کی آیات میں غور و فکر اور تدبیر ضروری ہے۔ اللہ نے شکوہ کیا ہے
اَفَلَا يَتَذَكَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (معدہ ۲۳)
لوگ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر آٹے پڑے ہیں؟
پرویز جیسے بعض گمراہ لوگوں نے اس آیت کا غلط معنی کیا ہے۔ اُس نے
اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ عالم سے مراد سائنسدان ہیں۔ یہ تو صرف کچھ قرآن پاک کی تحریف
ہے اس شخص نے اپنے آپ کو مفکر قرآن کے نام سے مشہور کر لیا۔ رسالہ طلوع اسلام
جاری کیا مگر گمراہ ہو گیا۔ اس نے خود ساختہ لغت بھی جاری کیا۔ اس نے نہ صرف
عالم کا معنی غلط کیا بلکہ سورۃ نمل میں جہاں وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ (آیت ۲۰) کا ذکر
کیا ہے۔ وہاں اس نے طیر کا معنی پرندہ نہیں بلکہ جنگلی آدمی کیا ہے۔ اللہ کا معنی
قانون کیا ہے، اور حرمین سے پاکیزہ فکر مراد لی ہے۔ اُس نے اہل کا معنی اونٹ
کی بجائے بادل بھی کیا ہے۔ اسی طرح اُس نے علماء سے مراد سائنسدان لیا ہے۔
اگرچہ سائنس بھی ایک علم یا فن کا شعبہ ہے جس کے ذریعے تجربات حاصل کیے جاتے
ہیں اور فزکس، کیمسٹری، بائیو، فلکیات، وغیرہ اس کی بہت سی شاخیں ہیں مگر
عالم سے مراد محض سائنس دان لینا تو بالکل ہی غلط ہے۔ سائنس دان تو مومن، کافر،
دھرمی، سنی، عیسائی، سیکھ، جین، وغیرہ ہو سکتے۔ عالم بندہ سے قرآن کی مراد ایسا شخص
ہے جسے اللہ کی توحید، اس کی صفات، ذات، احکام اور آخرت کا علم حاصل
ہے اور اس علم کے مطابق وہ عامل بھی ہے۔ عالم کے لیے تو عقیدے کی درستگی
ضروری ہے جو غیر مسلموں میں نہیں پائی جاتی۔ لہذا وہ عالم کہلانے کے حقدار نہیں
ہو سکتے۔

فرمایا اللہ کے بندوں میں سے اہل علم ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔ اِنَّ
اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُوْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے کہ جب وہ کہی۔

سرکش کو پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔ وہ غفور بھی ہے کہ توبہ کرنے پر گنہگاروں کو معاف بھی کر دیتا ہے۔

نفع بخش
تجارت

ارشاد ہوتا ہے إِنَّ الْذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وہ لوگ جو کتاب الہی کی تلاوت کرتے ہیں وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ اور نماز قائم کرتے ہیں۔ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے۔ اس میں سے مخفی اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔ کبھی پوشیدہ طور پر خرچ کرنا بہتر ہوتا ہے اور کبھی ظاہر کر کے خرچ کرنا ضروری ہوتا ہے فرمایا۔ ایسے لوگ يَرْجُونَ خَيْرًا کن يَسُورُوا ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں۔ جو کبھی برباد نہیں ہوگی، تو یا نفع بخش تجارت ہے، یا جہ میں رہ سکتے ہیں۔ يُجْزَوْنَ حَسْرَةً کہ وہ بدلے سے ان کو پورا پورا اللہ تعالیٰ کسی کی حق منفی نہیں کرتا۔ وہ مذکور بندوں کو ان کے عطا کردہ اعمال کا پورا اجر دے گا۔ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بلکہ اپنی مہربانی سے ان کے استحقاق کی نسبت زیادہ انعام و اکرام بھی دے گا جس کی کوئی حد نہیں کیونکہ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ اس خدا کی یہ شان ہے کہ وہ غلطیوں کو مٹا دیں اور معاف کرنے والا بھی ہے اور معمولی سے معمولی کار خیر کا قدر دان بھی ہے۔ وہ کسی کی محنت و کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔ امام بخاری کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے ایک شاگرد نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ اور فرمایا کہ اے فلاں! کیا تمہیں پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں عورت کو بخش دیا ہے۔ شاگرد نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا، وہ عورت نماز نہیں پڑھتی تھی، البتہ جب اذان ہوتی تو اس کا جواب بڑے استعزام سے دیتی تھی۔ خدا نے اس کا۔۔۔ یہی عمل قبول کر لیا ہے۔ حدیث کا مضمون بھی ہے کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی حقیر نہ سمجھو، شاید اللہ کے نزدیک وہی قابل قبول ہو اور تمہارے لیے نجات کا باعث بن جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان فرائض سے غافل ہو کر محض چھوٹے چھوٹے کاموں کے پیچھے لگ جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ کی

غفوریت اور قدرتِ الٰہی کا یہ عالم ہے کہ وہ چھوٹے سے عمل کا بار نہ بنا کر بھی بخش دینے پر قدرت رکھتا ہے۔

قرآن کی
حقانیت

اُسے قرآنِ پاک کی حقانیت کا ذکر کیا ہے وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ
الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ اور ہم نے آپ کی طرف کتاب میں سے جو وحی کی ہے
وہ برحق ہے یعنی اللہ نے قرآن کی حقانیت و صداقت پر ہر تصدیق ثبت
کر دی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہ یہ کتاب مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
لینے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اُن میں پیدا کی گئی غرابیوں کی بھی
نشاندہی کرتی ہے۔ فَرَمَا إِنْ أَلَّفْتُ بَعْدَ ذَلِكَ كَيْدًا لِّتُكْفِرَ بِهِ
اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھتا ہے اور ہر شخص کا عقیدہ اور عمل اُس
کی نگاہ میں ہے۔ وہ ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دے گا۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا
 فِيهِمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ
 وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يُاذِنُ اللَّهُ ذَلِكَ
 هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ③ جَنَّتٌ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا
 يُحَلُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا
 وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ④ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ
 الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ
 شَكُورٌ ⑤ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ
 فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا
 فِيهَا كُفُورٌ ⑥ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ
 لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فِيمَوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
 مِنْ عَذَابِهَا كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ⑦
 وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا
 نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ
 نَعْمَرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْ

النَّذِيرُ ۚ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ﴿۴۴﴾

ترجمہ:- پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے منع کیا اپنے بندوں میں سے، پس بعض ان میں زیادتی کرنے والے ہیں اپنی جان پر، اور اُن میں سے بعض میاں رو ہیں، اور بعض اُن میں سے سبقت کرنے والے ہیں عبادتوں کے ساتھ اللہ کے حکم سے۔ یہ بڑی فضیلت کی بات ہے ﴿۴۴﴾ باغات رہنے کے داخل ہوں گے اُن میں، پہنانے جائیں گے ان کو کنگن سونے کے اور ہار موتیوں کے، اور لباس ان کا ریشم کا ہوگا ﴿۴۵﴾ اور وہ کہیں گے: سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے دور کر دیا ہم سے غم۔ بلیک ہمارا پروردگار بہت بخشش کرنے والا اور قدردان ہے ﴿۴۶﴾ وہ جس نے اتارا ہے ہمیں ٹھہرنے کی جگہ میں اپنے فضل سے، نہیں پہنچتی اس میں ہم کو کوئی مشقت، اور نہیں پہنچتی اس میں ہم کو کوئی تھکاوٹ ﴿۴۷﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا، اُن کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ فیصلہ کیا جائے گا اُن پر کہ وہ مر جائیں اور نہ تخفیف کی جائے گی ان سے اُس (دوزخ) کے عذاب سے۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکر گزار کو ﴿۴۸﴾ اور وہ چلائیں گے اُس کے اندر اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار! نکال دے ہم کو کہ ہم عمل کریں اچھا سوائے اس کے جو ہم پہلے عمل کیا کرتے تھے۔ (اللہ فرمائے گا) کیا ہم نے تمہیں عمر نہیں دی تھی کہ نصیحت

پکڑے اس کے اندر جو نصیحت پکڑنا چاہتا ہے۔ اور آیا
تھکے پاس ڈھسنا نہ والا۔ اب چکھو، پس نہیں ہے
ظالموں کے لیے کوئی مددگار (۳۵)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی مختلف اقسام کو توجہ کے دلائل
کے طور پر پیش کیا۔ پھر فرمایا کہ خشیتِ الہی علم اور سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں میں
پائی جاتی ہے، اس کے بعد اللہ نے اہل ایمان کی بعض صفات بیان فرمائیں کہ
وہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عطا
کردہ روزی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ
نفع بخش ستھارت کرتے ہیں۔ پھر قرآن کے بارے میں اللہ نے فرمایا
کہ یہ برحق ہے، پہلی کتابوں کی مصدق ہے اور انسانوں کی ہدایت کے لیے
اس کتاب میں بڑا سامان ہے، خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی
طرح باخبر ہے۔

کتاب میں اور صحیفے پہلے نبیوں پر بھی نازل ہوئے اور پھر آخر میں اللہ نے
قرآن پاک جیسی عظیم المرتبت کتاب نازل فرمائی جس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔
ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا
پھر ہم نے اس کتاب یعنی قرآن کا وارث ان کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں
میں سے منتخب فرمایا۔ اللہ نے اس آخری امت کو تمام سابقہ اہم پر فضیلت
بخشی اور اس کو آخری کتاب کا وارث بنایا۔ اس کتاب کی نشر و اشاعت، تعلیم
اور اس پر عمل کرنا اسی امت کی ذمہ داری ٹھہری۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اہل کتاب
کو کورات کا وارث بنایا مگر انہوں نے یہ امانت پورے طریقے سے ادا نہ کی۔
جس کی وجہ سے کتاب میں تغیر و تبدل پیدا ہوا اور اب یہ اس آخری امت کی
آزمائش ہے کہ وہ اس امانت کا بار احسن طریقے سے اٹھائیں۔
فرمایا جس طرح اللہ کی تخلیق مختلف ہے، انسان، جانور، کیڑے، ہکڑے،

پہلے، آج، پہاڑوں وغیرہ میں بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں۔ اور کوئی ایک مخلوق بھی آپس میں یکساں نہیں ہے، اسی طرح ورثائے کتاب یعنی آخری امت کے لوگ بھی ایک جیسے نہیں ہیں۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ اُن میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی۔ اگرچہ بحیثیت مجرم وہ منتخب بندوں میں سے ہیں مگر معاصی میں بھی ملوث ہیں حتیٰ کہ کبائرسے بھی پرہیز نہیں کرتے مطلب یہ کہ ایمان لانے کے باوجود گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ اُن کی اپنی ہی جانوں پر زیادتی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّقْتَدِرٌ اور اُن میں سے بعض میانہ رو ہیں کبھی گناہ کا ارتکاب بھی کر لیا اور کبھی پھوڑ بھی دیا اور اُس کی تلافی کر لی۔ ساتھ ساتھ نیکی کے کام بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ زیادہ متقی تو نہیں لیکن گناہوں میں بھی زیادہ اٹھناک نہیں رکھتے بلکہ درمیانی چال چلتے رہتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ یا ذِی اللہ اور اُن میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت حاصل کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی توفیق سے نیکیوں کو آسیتے ہیں اور اس میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ قرآن، واجبات، سنن اور مستحبات کی ادائیگی کی کوشش کرتے ہیں اور صغیرہ کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ یہ نیکیوں میں سبقت کرنے والے لوگ ہیں۔ انہی کے متعلق فرمایا ذَٰلَکَ هُوَ الْفَضْلُ الْکَبِیْرُ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جو ان لوگوں پر ہو رہا ہے ایسے لوگوں کی جزا کے متعلق فرمایا جَزَاءُ عَذِّیْنَ یَدْخُلُوْنَہَا پہننے کے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے۔ یعنی وہ لوگ بہشت میں داخل ہوں گے یَحْكُوْنَ فِیْہَا مِنْ اَسْوَدٍ مِّنْ ذَہَبٍ وَلَوْ لَوَّاجِلًا انہیں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے وَلِبَاسُہُمْ فِیْہَا خِزْیٰی اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔ دنیا میں تو اللہ نے مردوں کے لیے سونا اور ریشم حرام قرار دیا ہے مگر جب یہ جنت میں پہنیں گے تو وہاں

اہل جنت
کے لیے
انعامات

جس کے بعد کسی دوسری جگہ نہیں جائے گا۔ تو جنتی لوگ اللہ کی تعریف بیان کریں گے جس نے انہیں اس آخری مقام میں ٹھکانا دیا۔ اور یہ ایسا عمدہ ٹھکانا ہے لَا يَمَسُّهَا فِيهَا فَسَبٌ جس میں ہمیں کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچتی وَلَا يَغْشَاهَا فِيهَا لُغُوبٌ اور نہ کوئی مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔

جنتی لوگ ان سہولتوں کا ذکر کریں گے جو انہیں جنت میں پہنچ کر حاصل ہوں گی۔ دراصل نصب اور لغوب دونوں ہم معنی الفاظ ہیں اور معنی تھکاوٹ ہی ہے۔ البتہ بعض فرماتے ہیں کہ نصب اس تھکاوٹ کو کہتے ہیں جو کسی کو کام کاج کے دوران ہو جاتی ہے اور لغوب وہ تھکاوٹ ہے جو کام کرنے کے بعد لاحق ہوتی ہے۔ بہشت میں پہنچ کر تو کوئی کام ہی نہیں کرنا پڑے گا، نہ مشقت اٹھانی پڑے گی لہذا کسی قسم کی تھکاوٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بعض حضرات نصب کا معنی جسمانی تھکاوٹ اور لغوب کا معنی نفسانی تھکاوٹ بھی کرتے ہیں مطلب یہی ہے کہ وہاں پہنچ کر کسی قسم کی تھکاوٹ نہیں ہوگی۔ جنتی لوگ نہایت آرام و سکون کی زندگی بسر کریں گے۔

آگے اللہ نے کفار کی تعذبات کا ذکر بھی کیا ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ اور جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ ان کے لیے جہنم کی آگ ہوگی لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا ان کے متعلق موت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جائے گا۔ قرآن پاک میں کئی مقامات پر جہنم کی اس حالت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہاں ان کو نہ موت آئے گی اور نہ زندگی ہوگی، وہ اس قدر کرناک حالت میں ہوں گے۔ سُحَّةَ الْأَعْلَىٰ میں ہے کہ دوزخ میں پہنچ کر ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (آیت - ۱۳) اسی طرح سورہ طہ میں ہے کہ مجرم کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (آیت - ۴۴) نہ تو موت وارد ہوگی کہ جہنم کی منز سے چھٹکارا حاصل ہو جائے

اہل جہنم کے لیے سزا

اور نہ راحت حاصل ہوگی۔ جو کہ زندگی کی علامت ہے۔ فرمایا وَلَا يَخْفَفُ عَنْهُمْ قَيْنَ عَذَابِهَا اُنْ کے لیے دوزخ کے عذاب میں کوئی تخفیف بھی نہیں ہوگی بلکہ عذاب مسلسل ہوتا ہے گا۔ فرمایا كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُوْرٍ ہم اسی طرح ناشکر گزار کو بدلہ دیتے ہیں، اُن کی سزا جہنم کا داخلہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ جنسی لوگ عذاب کی تکلیف سے وَلَهُمْ قِصَطٌ مِّنْ حُورٍ فِيْهَا اس میں جلاؤں گے اور بار بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کریں گے۔ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا فَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال لے، اب ہم اچھا عمل کریں گے۔ اُس کی بجائے جو پہلی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ ترمذی شریفین کی روایت میں آتا ہے کہ کافر لوگ چلا چلا کر ہزار برس تک دوزخ سے نکلنے کی درخواست کریں گے اس کے بعد جواب آئے گا۔ اِخْسَعُواْ رُءُوسَکُمْ لَہٗ وَ لَا تَکَلِّمُوْاْ (المؤمنون ۱۰۸) تم پر اسی جہنم میں بھٹکا رہو۔ اب کلام نہ کرو، میں تمہیں جواب دینے کے لیے بھی تیار نہیں۔ الغرض! جہنم والوں کی پیچ و پکار ہوتی ہے گی مگر اُن کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں ہوگی۔

عمر کا
استعمال

بالآخر اللہ تعالیٰ جواب دے گا اَوَلَمْ نَعْمَرْکُمْ کَیْہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی مَا یَتَذَكَّرُ فِیْہِ مِنْ شَیْءٍ قَدْ کُنْتُمْ لَہٗ شَکْرًا نصیحت پکڑنا چاہیے، پکڑے تمہیں دنیا میں پورا پورا موقع دیا گیا تھا۔ اللہ نے اپنے پیغمبر اور مبلغین بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں۔ مگر تم نے اس موقع کو ضائع کر دیا اور کوئی نصیحت حاصل نہ کی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ میری امت کے لوگوں کی اکثر عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہیں۔ اس سے آگے قلیل آدمی ہی جائیں گے، اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس شخص کو

اللہ تعالیٰ اتنی زندگی عطا کرے، اس کے بعد اُس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا
اللہ فرمائے گا۔ میں نے تمہیں اتنی لمبی مہلت دی مگر تم میری ایمان سے محروم
ہے، اور نیکی کے کام نہ کر پائے، لہذا اب اس کا بدلہ مکھڑا

منہ پرین کی
آہ

غرضیکہ اللہ فرمائے گا۔ میں نے تمہیں اتنی عمر دی وَجَّيْكُمْ السَّاعِيْنَ
اور تمہارے پاس ڈر سناتے دئے بھی آئے۔ اللہ کے تمام انبیاء نذیر ہوئے ہیں۔
خود حضور علیہ السلام کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَ
نَذِيرٌ (المائدہ-۱۹) تحقیق تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈر سناتے والا آ
چکا ہے۔ اپنی فکر کر لو، قیامت آنے والی ہے اور محاسبہ اعمال لازمی ہوگا۔
اور پھر جنت یا دوزخ میں دائمی ٹھکانا ہوگا۔ امام ابو بکر جقباس فرماتے ہیں کہ خود
حضور علیہ السلام کی فائست مبارکہ بھی نذیر ہے، اللہ کے قائم کردہ تمام دلائل توحید
بھی نذیر ہیں۔ انبیاء کے وعدے بھی نذیر ہیں۔ انسان کو پیش آنے والے تمام
تغیرات، بچپن، جوانی، پڑھاپا، صحت، بیماری، فقر، غنی اور دیگر حوادثِ زمانہ
سب انسانوں کے لیے بمنزلہ نذیر کے ہیں کہ ان میں غور و فکر کر کے اپنی عاقبت کے
لیے بہتر وسائل پیدا کرے۔

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب انسان کے جسم میں ایک بال سفید ہو
جا آئے تو وہ دوسرے بال سے کہتا ہے کہ تیار ہو باؤ، موت کا وقت قریب
آگیا ہے، گویا بالوں کی سفیدی بھی نذیر ہے۔ کسی شاعر نے بھی کہا ہے ۔

وَقَابِلَةٌ تَخْضَبُ يَا حَبِيبِي
وَسَوْدٌ شَعْرٌ وَجْهَكَ يَا عَيْبِي

محبوب نے اپنے محبوب سے کہا کہ لے پیارے! اپنے بالوں کو رنگ لو، یعنی اپنے چہرے
کے بالوں کو عیس جیسی اعلیٰ خوشبیر کے ساتھ سیاہ کر لو۔ اس پر اُس شخص نے جواب دیا

قُلْتُ لَهَا الْمَشِيبُ نَذِيرٌ عُمَرَى
وَكُنتُ مُسَوِّدًا وَجْهَ النَّذِيرِ

بڑھاپا میری زندگی کا نذیر ہے، لہذا میں اس نذیر کے چہرے کو سیاہ کرنے کیلئے
نیا نہیں ہوں۔

اسی طرح ابن حطان شاعر نے بھی کہا ہے۔

فَاعْمَلْ فَإِنَّكَ مَنَعَتِي بَوَاحِدَةٍ

حسب اللیب بھلا شیب من نای

عمل کرتے چلے جاؤ کیونکہ ایک دین ہی آواز آنے کی کہ اُس کا ختم ہو گیا محکمہ
آدمی کے لیے موت کی خبر دینے والی بالوں کی سفیدی ہی کافی ہے۔ اسی لیے
بعض روایات اور آثار میں آتا ہے کہ انسان کی بیماری اس کے لیے موت کی ڈاک
کی مانند ہے۔ اللہ فرمائے گا، میں تمہاری طرف موت کی ڈاک بھی بھیجا رہا ہوں۔ مگر تم
نے اُس سے کوئی عبرت حاصل نہ کی۔ بعض روایات میں رائے کا لفظ آتا ہے۔
رائے قافلے کے اُس آگے چلنے والے دستہ کو کہتے ہیں جو گھاس، پانی وغیرہ
کی تلاش پر مامور ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ تمام عوامل موت کی خبر دے رہے تھے،
مگر تم نے اس کے لیے تیاری نہ کی۔
شیخ سعدی کا قول ہے۔

خیرے گن لے فلاں و غنیمت شمار عمر

زاں پیشتر کہ باگم برآید فلاں زمانہ

اے شخص عمر کو غنیمت جان کر نیک عمل کرے پیشتر اس کے کہ اُدھر سے
آواز آئے کہ آج فلاں شخص ختم ہو گیا یعنی اس کی موت واقع ہو گئی۔
فرمایا، اگر اتنے نذیر بھیجنے کے باوجود تم نے اپنی حالت کو درست نہیں کیا

فَذُوقُوا تَرَابَ اِیْنِی کھاٹی کا منہ چکھ لو۔ اللہ تعالیٰ سزا میں مبتلا کر دے گا فہمًا
 لِلظَّالِمِیْنَ مِنْ نَصِیْبِیْسِ ظلم کرنے والوں کے لیے کوئی مددگار
 نہیں ہوگا، آج ان کا قبیلہ، بلوچی، سمیت، سفارشی غرضیکہ کوئی بھی عذاب الہی
 سے نہیں بچا سکے گا۔

ومن یقنت ۲۲

سورہ دہم ۱۰

فناطر ۲۵

آیت ۲۸ تا ۴۱

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ
 عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ (۳۸) هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ
 خَلْقًا فِي الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ،
 وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا
 مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ۝ (۳۹)
 قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ
 دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ
 أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ ۚ أَمْ آتَيْنَاهُمْ
 كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَعِدُ
 الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ۝ (۴۰) إِنَّ
 اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ
 زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهِ
 إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝ (۴۱)

ترجمہ :- بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے پرتیبہ
 چیزیں آسمانوں اور زمین کی ۔ بے شک وہ خوب جانتا ہے
 سینوں کے راز ۝ (۳۸) وہی ذات ہے جس نے بنایا تم کو

طبیعت زمین میں۔ پس جس نے کفر اختیار کیا، پس اسی پر اس کے کفر کا وبال پڑا۔ اور نہیں زیادہ کرتا کافروں کے لیے اُن کا کفر اُن کے پروردگار کے پاس مگر ناراضی۔ اور نہیں زیادہ کرتا کفر کرنے والوں کے لیے اُن کا کفر مگر نقصان (۳۹) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، بتلاؤ تمہارے وہ شریک جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھلاؤ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں۔ یا اُن کے لیے کوئی شراکت ہے آسمانوں میں، یا ہم نے اُن کو کوئی کتاب دی ہے، اور وہ کھلی دلیل پر ہیں اس سے نہیں بلکہ نہیں وعدہ کرتے ظالم لوگ بعض بعض کے ساتھ مگر فریب کا (۴۰) بے شک اللہ تعالیٰ روکتا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اس بات سے کہ وہ ٹل جائیں۔ اور اگر وہ ٹل جائیں تو نہیں روک سکتا اُن دونوں کو کوئی بھی اس کے سوا۔ بے شک وہ بردبار اور بخشش کرنے والا ہے (۴۱)

گزشتہ درس میں انداز کا مضمون ذکر ہوا تھا۔ قرآن کے در ثاوتین قسم کے آدمی ہیں۔ بعض وہ ہیں جو صفائے کبار کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ تیرا گروہ وہ ہے جو مصلحتوں میں سبقت کرتا ہے۔ یہ سارے گروہ اہل اسلام اور حاملین قرآن ہیں۔ پھر اللہ نے نیکی کرنے والوں کے انعامات کا ذکر کیا، اور کفر کرنے والوں کے عذاب اور اُن کی پیچ و پکار کو بیان کیا۔ اللہ فرمائیگا کہ تمہیں دنیا میں کتنی عمر تک مہلت دی تھی۔ اس مہلت کے دوران تمہارے پاس اللہ کے نبی بھی آئے جو تمہیں ڈر ساتے رہے، اللہ کی وحدانیت کے دلائل بھی تمہیں آگاہ کرتے رہے۔ انسانی زندگی کے تغیرات خود نذیر ہیں۔ ان

بطایات

کا بڑھاپا سے یاد دلاتا ہے کہ زندگی کا باقی حصہ مختصر قرار دیا گیا ہے، اب بھی سمجھ جاؤ، مگر تم نے ان چیزوں سے نصیحت حاصل نہ کی، اب پیچھے چلنے کا کچھ فائدہ نہیں، اپنے عقیدے اور عمل کا مزہ چکھو۔ اب ظالموں کو کسی طرف سے مدد نہیں آئے گی۔

علم الغیب
ذات

اب سورۃ کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات اور جزائے عمل ہی کا ذکر کیا ہے۔ ساتھ ساتھ توحید کے عقلی دلائل بھی بیان کیے ہیں۔ قرآن کی صداقت کو ماننے والے اور انکار کرنے والوں کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّ اللَّهَ عَلِيمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بے شک اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کی مخفی چیزوں کو جاننے والا ہے۔ رَأْسُهُ عَلَى كُرْسِيِّهِ بذات الصمد و بے شک سینوں کے رازوں کو بھی وہ خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی نیت، ارادے، استعداد اور صلاحیت تک کو جانتا ہے۔ اسی بنا پر گذشتہ درس میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے فَذُوقُوا فَلَمَّا أَصْبَحُوا نَظَرْنَا إِلَى الْمُكْفِرِينَ وَكَانُوا كَالْهَبِ اب عذاب کا مزہ چکھو۔ آج کے دین ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ اس دن کافر لوگ کہیں گے رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذَا عَمَلِ صَالِحًا (آیت - ۳۷) پھر وہ گارہیں اس عذاب سے نکال دے۔ ہم اچھے عمل کریں گے۔ مگر اللہ چونکہ ان کی نیت اور ارادے سے واقف ہے، وہ کہے گا وَلَوْ رَدُّوْا لَعَادُوا لَمَّا نَهَوْنَاهُ (الانعام - ۲۸) اگر بالفرض ہم ان کو دنیا میں واپس لوٹا بھی دیں تو یہ پلٹ کر وہی کام کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ علیم کل اور تمام مخفی باتوں کو جاننے والا ہے، لہذا وہ ہر انسان کے ساتھ اس کی نیت، ارادے اور عمل کے مطابق ہی سلوک کرتا ہے۔

خلافتِ امینی

ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔ اللہ نے اپنا

یہ انعام یاد دلا کر شکر گزار ہی کا مطالبہ کیا ہے۔ مگر اکثر لوگ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے۔ خلافت عام بھی ہے اور خاص بھی۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق فرشتوں کو خطاب کر کے فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرہ - ۳۰) میں زمین میں خلیفہ یعنی نائب یا قائم مقام بنانے والا ہوں۔ یہ خلافت خاص تھی۔ اور خلافت عام یہ ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے خلیفہ، جانشین یا قائم مقام ہیں۔ پہلے بادشاہوں کی جگہ موجودہ حکمران خلیفہ ہیں۔ پہلے زمینداروں اور کاشتکاروں کے جانشین موجودہ زمیندار یا کاشتکار ہیں۔ مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ جَعَلْنَاکُمْ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ (البقرہ - ۳۰) میں ہے کہ اللہ نے تمہیں پہلوں کا خلیفہ منتخب کیا ہے۔ اب خطہ ارضی تمہاری سپرداری میں ہے۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اور اُس کے احکام کو بھی زمین میں جاری کرو۔ اللہ کی مخلوق کو جہالت سے نکالو۔ اُن سے ظلم و زیادتی کو رفع کرو، اُن کو عدل و انصاف کا درس دو، زمین کو شرف و فساد کی بجائے امن و سکون کا گہوارہ بناؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَلَا تَفْسِدُوا فِی الْاَرْضِۚ بَعْدَ اِصْلَاحِہَا (الاعراف - ۵۶) زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس خلافت کے ذریعے تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے قَیْنُظُنْ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ (حدیث) وہ ظاہر کر دے گا کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ مگر عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے کہ جب کسی فرد یا قوم یا جماعت کو اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو پھر شرک و گنہاری کی بجائے ناشکری ہی کے مرتکب ہوتے ہیں، اور اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے زمین کی اکثر آبادی تو کفر اور شرک میں مبتلا ہے۔ آج کے زمانہ میں بھی دنیا کی کل آبادی کے چار حصے کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں اور صرف پانچواں حصہ

دین و ایمان سے قدسے تعلق رکھتا ہے۔ بہر حال نیابت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اس کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے مگر اکثر لوگ ناشکر گزار ہی ہیں۔

ناشکر گزاری
کا انجام

ارشاد ہوتا ہے كَفَرْنَا فَعَلَيْكُمْ كُفْرُنا جس نے کفرانِ نعمت کیا یعنی ناشکر گزاری کی تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا، اللہ کا کیا جائے گا؟ چاہیے تو یہ تھا کہ لوگ اللہ کی آیات، اس کی صفات اور دلائلِ قدرت میں غور و فکر کر کے اس کی توحید کو تسلیم کرتے، عدل و انصاف قائم کرتے، اللہ کی زمین میں اصلاح کرتے اور اس طرح اللہ کی نعمت کا شکر یہ ادا کرتے مگر اس کی بجائے انہوں نے کفر و شرک کا راستہ اختیار کر کے کفرانِ نعمت کا ثبوت دیا جو خود ان کے حق میں بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ - ۲۸۶) انسان نے جو نیکی کما لی ہے وہ اس کے لیے کار آمد ہے اور جو برائی کی ہے، اس کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اس میں کسی دوسرے کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ سورۃ المدثر میں ارشاد خداوندی ہے كُلُّ نَفْسٍ لِّمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (آیت - ۳۸) ہر انسان اپنی کمائی میں پھنسا ہوا ہے۔ قیامت ملے دن اس کا قدم نہیں اٹھ سکے گا۔ جب تک ایک ایک عمل کا محاسبہ نہیں ہو جائے گا۔

فرمایا جس نے ناشکر گزاری کی تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا هَمًّا مَّقْتَرًا اور ناشکر گزروں کی ناشکر گزاری ان کے پروردگار کے ہاں نہیں زیادتی کرتی مگر ناراضگی کو۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے کفرانِ نعمت سے ناراض ہی ہوتا ہے۔ جس مقدار میں ناشکر گزاری ہوتی ہے اسی قدر اللہ کی ناراضگی اور سزا بڑھتی ہے۔ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا اور ناشکر گزروں کی ناشکر گزاری ان کے لیے نقصان ہی کا باعث بنتی ہے، الیا کرنے سے کسی فائدہ کی امید نہیں کی جا سکتی۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے وَلَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ اِلَّا خَسَارًا

آیت - ۸۲ ظلم کرنے والوں کو بھی نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ نقصان ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے اور اس کی وجہ سے نہ تو دنیا کی زندگی درست ہو سکتی ہے اور نہ دوزخ اور آخرت میں بہتر مقام حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ زندگی بھی خراب ہو جاتی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ناشکر گنہگاری خدا کی ناراضگی اور نقصان کا باعث ہے۔

شرک کی تردید

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ لِّیْ سَمِیْعٌ اَوْ اِنِّیْ لَکُمْ اِنْ لَّکُمْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰهِ فَتَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادًا بَلٰوْاْ تَدْعُوْنَ وہ شرک جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، یعنی جن کو نذر و نیاز پیش کر کے ان کی حاجات طلب کرتے ہو، اُرُوْخِیْ مَاذَا خَلَقْنَا مِنَ الْاَرْضِ مِنْ اَشْیَآءٍ وہ جو کچھ انہوں نے زمین میں پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں یہ عقلی دلیل پیش کی ہے کہ تم جن معبودانِ باطلہ کو اپنی حاجت بڑی یا مشکل کٹائی یا سفارش کے لیے پکارتے ہو اور کہتے ہو کہ اللہ نے ان پر الوہیت کی چادر ڈال رکھی ہے کیا انہوں نے آج تک زمین میں کوئی چیز تخلیق کی ہے اگر کی ہے تو مجھے دکھاؤ تاکہ تمہارے شرک کا جواز پیدا ہو سکے۔ اور اگر انہوں نے کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی تو تم ان سے کیا چاہتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ سارا اختیار اللہ کے پاس ہے، اُس نے اپنا اختیار کسی مخلوق کو نہیں دیا، تمام معاملات کی تدبیر وہ خود کرتا ہے، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ یَدْبِرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ (السجدة - ۵) آسمان کی بندگیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر وہ خود کرتا ہے اور اس معاملہ میں اُس نے کسی کو اختیار نہیں دیا۔

مخبر سائیں کو! اختیار مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت اسیلے کرتے ہیں کہ وہ ہماری حاجات پوری کرتے ہیں۔ عیسائی مسیح علیہ السلام کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا نے ان کو اختیار دے رکھا ہے۔ قبر پرست لوگ قبروں پر چادریں چڑھاتے اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں تاکہ اصحابِ قبور

اپنے اختیار سے ان کی جگہ بنادیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ مجبوث ہے۔
اللہ کے سوا نہ کوئی کسی کو کچھ دے سکتا ہے اور نہ کسی سے کچھ روک سکتا ہے۔ بلکہ
سارے کے سارے اللہ کے عاجز بندے ہیں، کسی میں الوہیت یا اختیار والی کوئی بات
نہیں۔ اللہ نے قرآن پاک میں اس عقیدے کی بار بار نفی کی ہے۔ ہر چیز کا خالق،
مالک اور مدبر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ بلا شرکت غیرے ہر ایک کی حاکم و مالک
اور مشکل کشا کی کرتا ہے۔ لہذا اللہ بھی وہی ہے۔

فرمایا مجھے دکھاؤ تمہارے خود ساختہ معبودوں نے زمین میں کون سی چیز تخلیق
کی ہے، کوئی انسان درخت، پتھر، جانور، نباتات، امانج، پھل ان میں سے
کچھ تو پیدا کیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے۔ اللہ نے
سورۃ عبس میں فرمایا ہے کہ انسان نے اپنے کھانے میں غور کر کے دیکھے کہ ہواؤں
کو کس نے چلایا، بادلوں کو اڑا کر کون لے گیا، بارش کس نے برساتی شجر
شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا رَآیْتَ (۲۶) پھر زمین کو بھرا کر پھل، پھول اور
امانج کس نے اگایا جسے تم بھی کھاتے ہو اور تمہارے جانور بھی اپنی غذائی ضرورت
پوری کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ کے
کسی نے زمین میں کوئی چیز پیدا کی ہے۔ اچھا اگر انہوں نے زمین میں کچھ پیدا
پیدا کیا اَمَّا لَکُمْ شِرْکٌ فِی السَّمٰوٰتِ تو کیا آسمانوں کی تخلیق میں
ان کی کوئی شراکت ہے؟ آسمانوں کا کوئی حصہ آیا کوئی آسمانی کتبہ ہی معبودان باطلہ
کا پیدا کردہ ہو، ان سورج، چاند، زہرہ، مریخ وغیرہ میں ان کا کوئی حصہ ہو؟ اگر یہ
بھی نہیں ہے تو پھر تمہیں ان کی پرستش کا کیا حق پہنچتا ہے؟

فرمایا اگر زمین و آسمان میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے تو یہی بتلاؤ:
اَمَّا اَتَيْنٰهُمْ کِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَیِّنٰتٍ مِّنْهُ یَا ہم نے انہیں کوئی
کتاب عطا کی ہے اور وہ اس کے کھلی دلیل پر ہیں۔ دوسری جگہ ہے فِیْہِ
تَذٰرِیُّوْنَ جس کو تم بڑے بڑے پڑھاتے ہو اور اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ

ان خود ساختہ معبودوں کو کوئی اختیار ہے اور انہیں پکار کر ان سے حاجت براری کی جاسکتی ہے۔ اس چیز کا بھی کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُورًا کہ یہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ محض فریب کاری کا وعدہ ہی کرتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ کتاب کی صورت میں کوئی نقلی دلیل بلکہ محض جھوٹی باتوں کے ذریعے پراپیگنڈہ ہے جو کہ فریب کاری کے سوا کچھ نہیں۔

شفاعت کا
غلط تصور

بعض مشرک کہتے ہیں کہ ہمارے یہ معبود خود تو کوئی کام نہیں کرتے البتہ سفارش کر کے اللہ کے ہاں سے کام بنوائیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا بیان اللہ نے قرآن میں نقل کیا ہے جو کہتے ہیں لَهُمْ لَآءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس - ۱۸) یہ تو اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ ان کی سفارش اللہ تعالیٰ رد نہیں کرتا لہذا ہماری بگڑی بنوائیتے ہیں۔ چنانچہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی (الزمر - ۲۳) ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا قرب دلا دیتے ہیں۔ یہ سب دھوکے اور فریب کی باتیں ہیں۔ اللہ کے حکم کے بغیر سفارش بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ لہذا کافروں اور مشرکوں کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ سارا تصرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے سوا کوئی قدرت کا مالک نہیں، مخلوق ہونے میں سب برابر ہیں اور سب کے سب اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہذا انسانوں، جنوں اور ملائکہ میں الوہیت کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی۔ ان سے قیامت والے دن پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے میرے بندوں کو شرک پر آمادہ کیا تھا۔ تو وہ صاف جواب دیں گے سُبْحٰنَكَ مولا کریم! تیری ذات پاک ہے، بھلا ہم کسی کو شرک کی دعوت کیسے دے سکتے تھے؟ عیسیٰ علیہ السلام بھی کہیں گے کہ مولا کریم! میں نے تو اپنی قوم کو یہی تعلیم دی تھی اِنْ اَعْبَدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ (المائدہ - ۱۱۷) کہ اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے الغرض

فرمایا ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ دھوکے اور فریب کی بات کرتے ہیں۔
کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی کار ساز ہے۔

نظام کائنات
کا احکام

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ تامہ کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے۔ ارشاد
ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ مُخْسِتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْ تَزُولَا بَے شک
اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامتا ہے کہ وہ ٹل جائیں۔ وَلَٰكِنْ زَالَتَا
اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ اور اگر یہ آسمان و زمین اپنی
جگہ سے ٹل جائیں تو ان کو کوئی تھامنے والا نہیں ہے، سورج، چاند، زمین اور
دیگر گرتے فضا میں معلق ہیں۔ اللہ نے ہر ایک کا مدار مقرر کر رکھا ہے سو قیاس
میں ہے كُلُّ شَيْءٍ فِيْ قَلْبِ يَّسْبَحُوْنَ (آیت - ۴۰) سب کے سب اپنے
اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔ اللہ نے ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے
سے ٹکراتے نہیں۔ کسی گرتے کا مدار چھوٹا ہے اور وہ جلدی اپنا چکر پورا کر لیتا ہے
اور کسی کا مدار لمبا ہے اور وہ اس کے مطابق زیادہ وقت لیتا ہے۔ کوئی کرہ چوبیس
گھنٹے میں اپنے مدار کے گرد چکر لگاتا ہے، کوئی ایک ماہ میں، کوئی بیس سال
میں اور کوئی ہزاروں سال میں۔ سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اور
کائنات کا یہ نظام چل رہا ہے، فلکیات والے بتاتے ہیں کہ سورج زمین کی
نسبت تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے مگر بہت دور ہونے کی وجہ سے اس قدر چھوٹا نظر آتا ہے
یہ زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے، اسی طرح زمین سے نزدیک
ترین کرہ چاند اڑھائی لاکھ میل کی مسافت پر ہے۔ شعریٰ سیارہ جس کے متعلق
قرآن پاک میں آتا ہے وَ اِنَّ هٗوَ رَبُّ الشَّعْرٰی (النجم - ۴۹) یعنی شعریٰ
سیارے کا رب بھی وہی ہے، یہ سیارہ سورج سے بیس گنا بڑا ہے۔ ہر گرتے
کا وزن ہے اور یہ حکمتِ خداوندی کے مطابق جب تک اُس کو منظور ہے چلتے
رہیں گے۔ پھر جب مقررہ وقت آبلے گا تو یہ سارا نظام درجہ بدرجہ ہوجائے گا
اور نیا نظام قائم ہوگا۔ اللہ نے وقوعِ قیامت کی مختلف نشانیاں بیان فرمائی ہیں

کہیں فرمایا اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (التکویر - ۱) جب سورج گھنا جائے گا۔ سورۃ زلزال میں فرمایا اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا (آیت - ۱) جب زمین کو خوب ہلا دیا جائے گا۔ اُس کے ذرات بکھر جائیں گے اور پاڑ دھنی ہوئی اُون کی طرح اڑنے لگیں گے، سارے بے نور ہو جائیں گے اور سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا۔ تو پھر عالم بالا کا نظام قائم ہو گا۔

فرمایا اِنَّهُ كَانَ حَلِيْمًا عَفُوًّا رَبِّكَ شَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی بڑا ہی بردبار اور بخشش کرنے والا ہے۔ وہ انسان کی کوتاہیوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ ہمت دیتا رہتا ہے۔ پھر جب مقررہ وقت آ جاتا ہے تو مجرم کو پکڑ لیتا ہے اور جب کوئی مجرم اس کے دروازے پر آکر تائب ہو جاتا ہے تو پھر اُس کی حمت و بخشش بھی بڑی وسیع ہے اور وہ معاف کر دیتا ہے۔ اگر اس کی بخشش اور معافی نہ ہوتی تو لوگوں کے کفر، شرک اور معاصی کی وجہ سے دنیا یکدم ویران ہو جاتی۔ یہ خدا تعالیٰ کی رحمت و بخشش کی وجہ سے ہی کائنات کا نظام قائم ہے وہ اپنے وقت پر عمل و انصاف کے بارے میں تقاضے پورے کر کے دکھا دیگا۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ
نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ
فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُم إِلَّا نُفُورًا ③٢
إِسْتَكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرُ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيقُ
الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنْظُرُونَ
إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ
اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَكِنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ③٣
أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا
أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ
مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمُوتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ
إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ③٤ وَلَوْ يُوَاخِذُ اللَّهُ
النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظُهُرِهَا
مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ
مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ③٥

ترجیح دے گا اور قسمیں اٹھائیں ان لوگوں نے اللہ کے نام کی پختہ قسمیں کہ اگر آئے گا اُن کے پاس کوئی ڈر سنانے والا تو البتہ ہوں گے وہ کسی بھی دوسری امت سے زیادہ راہ پانے والے۔ پس جب آیا اُن کے پاس ڈر سنانے والا تو نہ زیادہ کیا اُن کے لیے مگر بدکنا ﴿۴۲﴾ مگر کرتے ہوئے زمین میں اور بری تدبیر اور نہیں گھیرتی بری تدبیر مگر انہی لوگوں کو جو تدبیر کفندہ ہوتے ہیں۔ پس نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر پہلے لوگوں کے دستور کا پس ہرگز نہ پائے گا تو اللہ کے دستور میں تبدیلی اور ہرگز نہ پائے گا اللہ کے دستور میں مل جانا ﴿۴۳﴾ کیا نہیں چلے یہ لوگ زمین میں پس دیکھ لیں کیا ہوا انجام اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے گزرے ہیں اور تھے وہ ان سے زیادہ قوت والے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ اُس کو کوئی چیز عاجز کر دے آسمانوں میں اور نہ زمین میں، بیشک وہ سب کچھ جانتے والا اور قدرت رکھتا ہے ﴿۴۴﴾ اور اگر مواخذہ کرے اللہ تعالیٰ لوگوں سے اُس کے بدلے جو انہوں نے کیا تو نہ چھوڑے زمین کی پشت پر کوئی چلنے پھرنے والا جاندار۔ لیکن وہ ہدایت دیتا ہے اُن کو ایک مقررہ وقت تک، پس جب آجائے گا اُن کے پاس اُن کا مقررہ وقت، پس بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ خوب دیکھنے والا ہے ﴿۴۵﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کچھ عقلی دلائل پیش کیے تھے اور شرک کی تردید فرمائی تھی۔ فرمایا وہ اللہ کی ذات ہی ہے جس نے

ربط آیات

آسمان و زمین کو اپنی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کے ساتھ تمام رکھا ہے اور اگر وہ ان دونوں کو اپنی جگہ سے ہٹانا چاہے تو کوئی دوسرا اُن کو تھامنے والا نہیں اللہ تعالیٰ علیم و غفور ہے، وہ انسانوں پر فوری گرفت نہیں کرنا بلکہ مصلحت دیتا ہے مگر لوگ اس مصلحت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے مزید سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت مقررہ پر اللہ کی گرفت آجاتی ہے اور نافرمانوں کو پھینک دیتا ہے۔

مشرکین کو
کاغذ لکھ

اب آج کی پہلی آیت میں مشرکین مکہ کے باطل زعم کا خصوصی رد کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَأَنفَسُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَعْيُنِكُمْ یہ لوگ اللہ کے نام کی پختہ قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ لَإِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مِّنْ لَّبِ كُؤُنٍ اُھڈی مِّنْ اِحْدَى الْاُمُورِ کہ اگر اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا آگیا۔ تو وہ کسی بھی دوسری امت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ مشرکین مکہ یہود و نصاریٰ کے متعلق سنتے تھے کہ اللہ نے اُن پر پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں، مگر انہوں نے نبیوں کی مخالفت ہی کی اور ہدایت قبول نہ کی، تو یہ لوگ وعدہ کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی نبی آگیا تو ہم اُس کی کھاتھ، اطاعت کریں گے۔ اس کا ساتھ دیں گے اور اس کی لائی ہوئی ہدایت کو مستبول کریں گے، مگر اللہ نے فرمایا فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ جب اُن کے پاس ڈرانے والا اللہ کا آخری نبی آگیا تو اس پر ایمان لانے کی بجائے مَا رَأَوْا هُمْ إِلَّا نَفُورًا اُن کی نفرت میں ہی اضافہ ہوا۔ وہ نبی کی اطاعت ترک کر کے اُس کے دشمن ہو گئے اور اللہ کے رسول کے متعلق اُن کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء سے جس قدر نفرت کی، انہوں نے اُن سے بھی زیادہ خباثت کا اظہار کیا۔ اُس کے خلاف طرح طرح کے منصوبے بنائے حتیٰ کہ قتل تک کے درپے ہوئے اور یہ اس وجہ سے اَسْتَكْبَرُوا فِي الْاَرْضِ کہ وہ زمین میں غرور و تکبر کرنے لگے تھے۔ اُن لوگوں کو اپنی سیادت و قیادت

پر گھنٹہ تھا اور وہ کسی دوست کو اس چہرہ پر ہٹ میں شریک کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم کر لیا تو پھر ہماری سیادت ختم ہو جائے گی۔

مکبر ایک روحانی بیماری ہے جو اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگ حق کو تسلیم نہیں کرتے اور جیسے ہانے سے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ لوگ دنیاوی حیثیت کو نبوت پر ترجیح دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کیا نبی ہے جس کے پاس نہ مال و دولت، نہ زمین و باغات، نہ کوئی اور نہ تو کر چاکر، بھلا اس ناوار آدمی کو ہم کیسے نبی تسلیم کر لیں وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقُرْآنِ عَظِيمٍ (التخرف - ۳۱) یہ قرآن مکے اور طائف کی عظیم بہتوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل ہوا۔ کیا نبوت و رسالت کے لیے ابوطالب کا قیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟

اللہ کے نبی کے خلاف مشرکین کی نفرت ایک تو عرصہ و عجز کی بنا پر تھی اور دوسرا وہ کفر الشیعی و بدعتی تدبیر کی وجہ سے تھی۔ ان کی بدعتی تدبیر یہ تھی کہ نبی علیہ السلام کو معاذ اللہ ختم کر دیا جائے تاکہ ان کا لایا ہوا دین میں دم توڑ جائے اور آگے نہ بڑھ سکے مگر اللہ نے فرمایا وَلَا يَحْزَنُوا الْمَكْرَ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَسْوَءِ بَرٍّ تَدْبِيرِ نَحْنُ نَحْمِلُ الْوِزْرَ (مکہ)۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کے پیروں کے دشمن کو ناکام بنا دیں تو اللہ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی کے خلاف بدعتی تدبیر سوچتا ہے اس کا وبال خود اسی پر پڑتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ برائی کرنے والا خود ہی اس میں پھنس جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے مَنْ حَقَّرَ بَشْرًا لَّا خَيْرَ فِيهِ وَقَعَ فِيهِ جُحِيمٌ (بھائی کے لیے

مشرکین کی
بدعتی تدبیر

گزشتہ کھوہ آئوہ خود اس میں گرتا ہے۔ بعض روایات میں مُنْکِبًا کا لفظ بھی آتا ہے یعنی اونہ سے منہ گرتا ہے۔ فارسی کا مقولہ بھی ہے ”چاہ کن را چاہ در پیش“ جو کسی کے لیے بُرائی سوچتا ہے، وہ خود ہی اس کا شکار ہو جاتا ہے۔

تین لازمی
وقوعات

غزوہ خندق کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے اہل ایمان نے حضور علیہ السلام کی قیادت میں بنو قریظہ پر چڑھائی کی کہ ان کو مغلوب کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دفاعی معاہدہ کرنے کے باوجود شہر کی گلی کی گلی لہذا ان کی سرکوبی ضروری تھی۔ جب وہ مغلوب ہو گئے تو انہوں نے حضرت سعد بن معاذ کو اپنا فیصلہ مقرر کیا جنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کی سزا یہ ہے کہ ان کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو لڑائی غلام بنایا جائے۔ یہ فیصلہ حضور علیہ السلام نے بھی پسند فرمایا اور کہا کہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے۔ الغرض اس فیصلے پر عمل درآمد کرتے ہوئے بنو قریظہ کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس وقت کعبہ ایک بچے تھے جو قتل ہونے سے بچ گئے اور بعد میں اسلام قبول کر لیا اور بڑا علم حاصل کیا اور مفسر قرآن شمار ہونے لگے۔ ان کے بیٹے محمد ابن کعب بھی عظیم مفسر قرآن ہو گئے ان کا قول ہے کہ تین چیزوں کا انجام ضرور واقع ہو کر رہتا ہے فرماتے ہیں کہ پہلی چیز وہی ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کے لیے بری تدبیر سوچتا ہے وہ خود اس کا شکار بنتا ہے اور دوسری چیز وہ ہے جو قرآن کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ یَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بُغِيَ عَلَيْكَ أَنْفُسُكُمْ (یونس ۲۳) اے لوگو! تمہاری سرکشی خود تمہارے ہی نفسوں کے خلاف پڑے گی۔ قوانین الہی اور حدود شرعی کو توڑنا ہی سرکشی ہے اور دنیا میں اکثر و بیشتر ایسے لوگوں کو سزا مل کر رہتی ہے۔ اور فرمایا تیسری چیز عہد شکنی ہے کہ اس کا نتیجہ بھی ضرور ظاہر ہوتا ہے فَمَنْ ثَكُثَ فَإِنَّمَا يَنْتَكُثُ عَلَىٰ

فَقُسِبَ (الفتح۔ ۱۰) جو کوئی عہد کو توڑتا ہے تو اس کا وبال بھی اسی پر پڑتا ہے اور وہ بھی ذلیل و خوار ہو کر رہتا ہے جیسا کہ بنو قریظہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔

سابقہ لوگوں کے نقش قدم پر

فرمایا، پہلے تو یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم اسے پاس کوئی نذیر آنا تو ہم دوسروں سے بڑھ کر اس کی اطاعت کرتے مگر جب اللہ کا نبی بطور نذیر آگیا تو اس کے خلاف تدبیریں سوچنے لگے۔ فرمایا فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ کیا یہ لوگ پہلے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں۔ پہلے لوگوں نے بھی انبیاء کے خلاف بغاوت کی، مصلحین اور مصلحین کے خلاف سازشیں کیں نہ خدا کی گرفت میں آئے۔ اگر یہ بھی انہی لوگوں کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں تو جان لیں فَلَنْ يَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا کہ تم نہیں پاؤ گے اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا اور تم اللہ کے دستور کو ٹٹلتے ہوئے بھی نہیں پاؤ گے، مطلب یہ کہ اللہ کا دستور تو یہ ہے کہ جب کوئی قوم بغاوت پر اتر آتی ہے تو پھر وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتی۔ تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے۔ اسی طرح اگر تم بھی سرخس سے باز نہ آئے تو اللہ کا دستور محض تمہاری خاطر تو تبدیل نہیں ہوگا۔ اگر تم بھی الیا کرو گے تو عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔ دنیا کی عداوتوں میں بعض اوقات رشوت یا سفارش کی بناء پر مجرم کی سزا کو ٹال دیا جاتا ہے یا اس میں تخفیف کر دی جاتی ہے مگر خدا تعالیٰ کے قانون میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ مجرم کو مہلت تو دے دیتا ہے مگر سزا دیے بغیر چھوڑتا نہیں۔ آخر میں اللہ نے بطور نصیحت اور تنبیہ فرمایا ہے أَوَلَمْ يَكِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وہ قوت میں ان سے بھی زیادہ تھے۔ پرانی قوموں کے حالات پڑھیں اور ان کے آثار دیکھیں تو پتہ چل جائے گا کہ ان کی سرکشی کا کیا انجام ہوا۔ مصر کے فرعون، ابل کے آشوری اور

کلہائی، ناد اور خود بڑے بڑے طاقتور اور ملک و خزانوں کے مالک تھے
 یرمان میں سکندر جیسے فاتح عالم بھی ہوئے ہیں پھیلی سورقہ میں گزر چکا ہے کہ
 عرب والوں کو تو سابقہ اقوام کا عشر عشر بھی نہیں ملا یہ کس بات پر اترتا ہے میں اور
 کس غرور میں مبتلا ہیں، اگر وہ اتنے طاقتور اور جاہ و شہرت کے مالک اپنی سرکشی کی
 کی وجہ سے نابود ہو گئے، تو یہ کس باغ کی مولیٰ ہیں کہ ہمیشہ قائم رہیں گے، جب
 اللہ کی گرفت آئیگی تو صفحہ ہستی سے حروف غلط کی طرح مٹا دیے جائیں گے۔

فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اس کے راستے میں
 کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں ہو سکتی وَمَا كَانَ لِلَّهِ لِيُدْجِرَهُ مِنْ شَيْءٍ
 فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ آسمان زمین
 کی کوئی چیز اسے عاجز کر دے اور وہ اپنے ارادے اور شہادت کو پایہ تکمیل تک
 نہ پہنچا سکے۔ قَالَ لَّهُ يَحْكُمُ شَيْءٌ عَلَيْهِ (البقرہ - ۲۸۲) اللہ تعالیٰ ہر شے
 کا علم رکھتا ہے، وہ ذرہ ذرہ کر جانتا ہے قَالَ لَّهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرہ - ۲۸۲)
 اور وہ ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے، لہذا اس کے ارادے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔
 چنانچہ جب وہ کسی قوم کو پکڑنے پر آتا ہے تو پھر کوئی بھی مدد خواہ وہ آسمان کے
 کنادوں یا زمین کے کسی گوشے میں ہو، اللہ کی شہادت کے راستے میں رکاوٹ
 نہیں بن سکتی، بلکہ کام ہو کر رہتا ہے۔ فرمایا اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا (شک
 اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اور ہر چیز اسی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ
 جب چاہے کام سرکشوں کو پکڑ لے گا۔

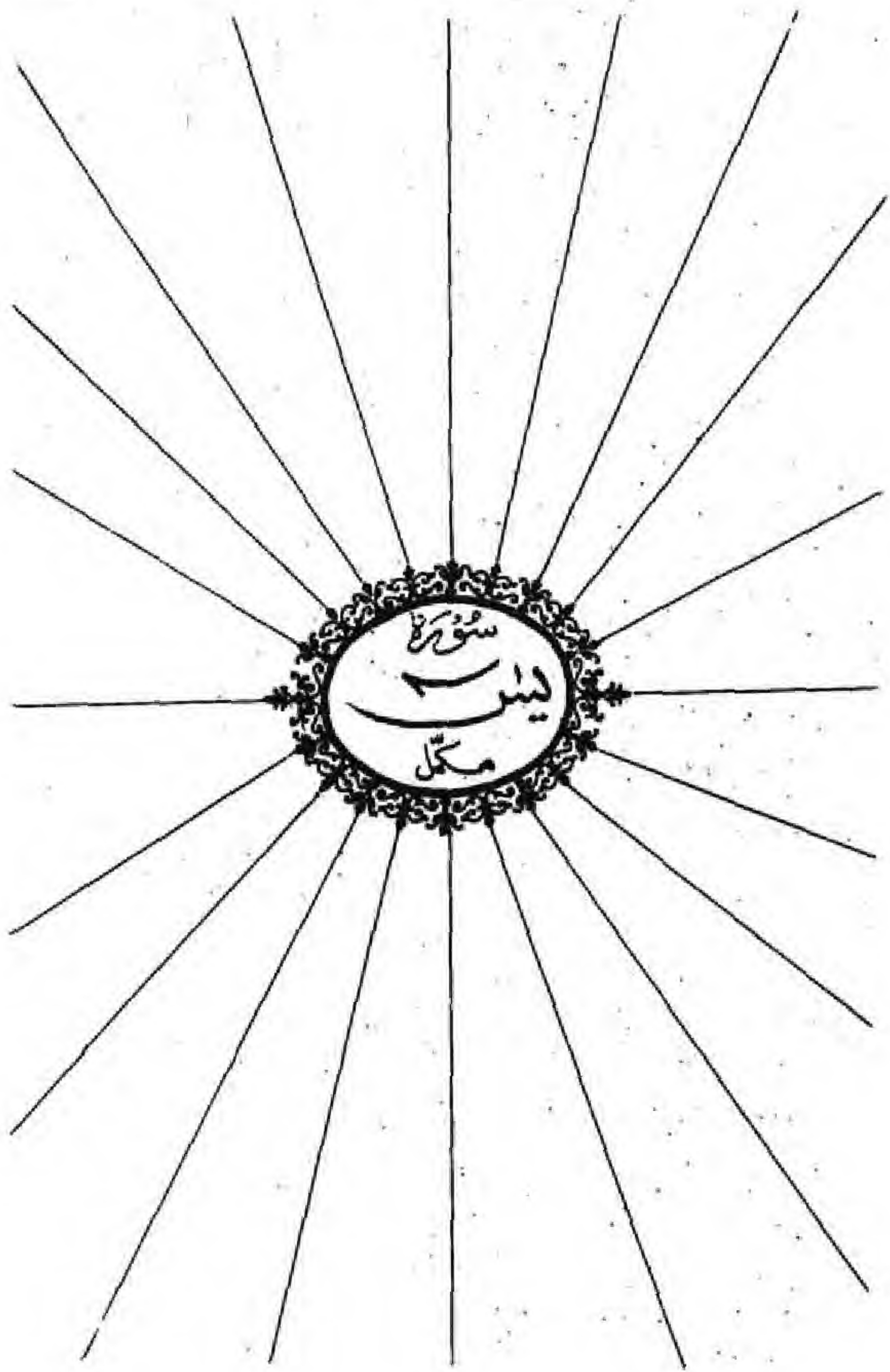
اللہ تعالیٰ
 کی طرف
 سے مہلت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا ہے وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ
 بِمَا كَسَبُوْا اَ لَ اللّٰهُ تَعَالٰی لوگوں سے ان کی کار کھردگی کے متعلق مڑاؤ نہ کرے
 مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهِمْ مِنْ دَابَّةٍ تَرُزِمٰنٍ پر چلنے پھرنے والے
 کسی جاندار کو نہ چھوڑے۔ ہر جاندار سے کوئی نہ کوئی غلطی تو ضرور ہو جاتی ہے۔
 جب کہ انسان تو بے تماشائے مغرور اور مفتون ہیں معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اور اُن کی اکثریت کفر اور شرک کا ارتکاب کرتی ہے۔ تو فرمایا اگر ان کی گرفتوں کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اُن سے مواخذہ کرنا چاہے تو کوئی بھی جاندار بچ نہ سکے اور سب پکڑے جائیں۔ وَلَیْسَ لَکُمْ یَوْمَئِذٍ نَّفْسٌ اَوْ اَجَلٌ مُّجْتَسِبٌ مِّمَّا کُنتُمْ تَعْمَلُونَ انہیں مقررہ وقت تک مہلت دیا رہتا ہے۔ یہ اُس کا دستور ہے اُس نے ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اس سے آگے دیکھے نہیں ہوتا۔ جس طرح انسان کی زندگی کے ایام مقرر ہیں اسی طرح بحیثیت مجموعی پورے جہان کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ مہلت پوری ہو جائے گی تو سارا نظام ختم ہو جائے گا اور پھر نیا نظام قائم ہوگا۔ اور انسانی زندگی کا محاسبہ شروع ہو جائے گا۔ دنیا میں جب انسانوں کی سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک خاص وقت تک تحصیل دیتا رہتا ہے۔ پھر جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے۔ تو اللہ کی گرفت سیلاب کی طرح یکدم وارد ہو جاتی ہے اور پھر کوئی عذر نہیں سنا جاتا۔ یہ تو دنیا کا ادنیٰ عذاب ہوتا ہے۔ آخرت کا بڑا عذاب تو آگے ہے۔ اللہ نے اعلان فرمایا ہے وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْاُولٰٓئِیْ دُونَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ (السجدة-۲۱) بڑے عذاب سے پہلے ہم انہیں دنیا کا کم تر عذاب بھی چکاتے ہیں تاکہ وہ حقیقت کی طرف لوٹ آئیں۔ اس کے باوجود بعض لوگ دنیا کی زندگی میں نیچے بھی پہنچتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سزا اُن سے مل جاتی ہے، بلکہ وَأَمْلِیْ لَہُمْ طَرِیْقًا لَّیْسَ بِہِمْ فِتْنٰی (القلم ۴) انہیں مہلت دی جاتی ہے اور میری تدبیر بڑی مضبوط ہے جو خطا نہیں جاتی۔

فرمایا فَإِذَا جَاءَ اَجَلُہُمْ حُبَّ اُنْ کا مقررہ وقت آجائے گا۔

فَإِنِ اللّٰہُ كَانَ یُعِیْبَہُمْ بَصِیْرًا اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اپنے بندوں کے حالات کو دیکھ رہا ہے ہر چیز کا علم ہے اور ہر شخص کے عقائد و اعمال کے مطابق ہی اُس کے ساتھ سلوک کرے گا۔ اُن اُن کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔



سُورَةُ يَسٍ مَكِّيَّةٌ هِيَ ثَلَاثُ وَخَمْسُونَ آيَةً وَخَمْسُ رُكُوعَاتٍ
سورة یس مکی ہے۔ اس کی تراسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرنا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو رحیم مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

يَس ۱ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۲ إِنَّكَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِينَ ۳ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۴
تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۵ لِتُنذِرَ قَوْمًا
مَّا أُنْذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۶ لَقَدْ
حَقَّ الْقَوْلُ عَلَى أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا
يُؤْمِنُونَ ۷

ترجمہ :- یس ۱ قسم ہے حکمت والے قرآن کی ۲
بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں سے ہیں ۳ سیدھے راستے
پر ہیں ۴ (قرآن) اتارا ہوا ہے کمال قدرت رکھنے والے
اور نہایت مہربان خدا کی طرف سے ۵ تاکہ آپ ڈرائیں
اُس قوم کو کہ نہیں ڈرائے گئے اُن کے اباؤ اجداد، پس
وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ۶ البتہ تحقیق ثابت
ہو گئی ہے یہ بات اُن کی اکثریت پر، پس وہ نہیں

ایمان لائیں گے ﴿۷﴾

نام اور
کراخت

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ یٰسّ ہے جو کہ اس کے ابتدائی لفظ سے
ماخوذ ہے، اس کا دوسرا نام سورۃ الممتحۃ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ سورۃ دنیا و آخرت
کی بہتری پر مشتمل ہے۔ مفسرین اس کا تیسرا نام واقعہ بیان کرتے ہیں کہ یہ برائی کو دور کرنے
والی سورۃ ہے۔ اس کا ایک نام قاضیہ بھی ہے کیونکہ اس کی تلاوت ان فی حاجات
کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ یہ سارے نام امام بیضاوی نے اپنی تفسیر میں بیان کیے ہیں۔

مضامین سورۃ

یہ سورۃ مکی دور کے وسطی زمانہ میں سورۃ جن کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی تراویح
آیات اور پانچ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ سات سو انتیس کلمات اور تین ہزار حروف پر مشتمل ہے
دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی چار بنیادی عقائد نہایت شہر و
بط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ ابتدا میں قرآن پاک کی خانیق اور صداقت کا
ذکر ہے اور ساتھ رسالت کا بیان ہے۔ اس ضمن میں بہت سے تاریخی واقعات
بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ توحید خداوندی کا ذکر بڑے کمال طریقے سے کیا گیا ہے۔ اور
ساتھ ساتھ پورے طریقے سے مشرکین کا رد ہے۔ اس سورۃ میں پورے دلائل کے
ساتھ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود اور کار ساز نہیں۔ مخلوق میں
سے انسان ہوں یا جن یا ملائکہ، اولیاء ہوں یا اصفیاء، شمس و قمر ہوں یا دریا اور پہاڑ
سب کے سب اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ عالم الغیب اور علیم کل
ہے۔ اس بات کو بڑے اچھے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح وقوع قیامت
اور محاسبہ اعمال کا ذکر بھی انسانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے۔ یہ
چاروں مضامین آگے چل کر سورۃ الواقعہ میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ وہاں پر چھوٹی چھوٹی
آیتوں میں مجازات (جزائے عمل) کا پہلو غالب ہے مگر یہاں پر تمام مضامین یکساں طور
پر دو سر عنوانات کے تحت بیان کیے گئے ہیں۔

۱۔ سورۃ مہجہ ۲۴ و قمری ۱۵۱ ۲۔ السراج المنیر ۳۲۵
۳۔ السراج المنیر ۳۲۵ ۴۔ بیضاوی ۲۶۶ (فیاض)

احادیث میں اس سورۃ مبارکہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے اِنَّ لِّبَعْلِ شَيْءٍ قَلْبٌ وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يَنْسُ بِرَجُلٍ کا ایک دل ہوتا ہے۔ اور قرآن پاک کا دل سورۃ یس ہے۔ انسانی قلب کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ یہ جسم کا ایک ایسا عضو ہے کہ اگر یہ درست ہے تو سارا جسم درست ہے اور اگر یہی عضو بگڑا ہو تو سارا جسم فاسد ہوتا ہے مگر یہ جسم کی درستگی کا مدار قلب کی درستگی پر ہے۔

سورۃ بقرہ کو اونٹ کی کوفان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کوفان اونٹ کا بلند ترین حصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۃ بقرہ بھی قرآن کا بلند ترین حصہ ہے اور یہاں سورۃ یس کو قرآن کا دل اس لیے کہا گیا ہے کہ ایمان دل میں ہوتا ہے عقیدے سے تعلق رکھنے والے جذبات اور محبت، نفرت، خوش اخلاقی، بد اخلاقی، ایمان، کفر، شرک، انفاق وغیرہ کا تعلق دل سے ہے۔ گویا نجات اور فلاح کا مدار صحیح ایمان پر ہے۔ اگر قلب میں ایمان صحیح ہوگا۔ ترانہ ان کے حالات اس دنیا میں بھی درست ہوں گے اور آخرت میں بھی فوز و فلاح نصیب ہوگی۔ اور اگر ایمان میں ہی خرابی ہے تو کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔ غرضیکہ اللہ کی وحدانیت اور رسالت پر یقین، الشکر کی کتاب پر ایمان، محشر نشر کے واقعات پر یقین، سب اس سورۃ میں مذکور ہیں، اس لیے اس سورۃ کو قرآن کا قلب کہا گیا ہے، گویا کہ اس سورۃ میں کامیابی کے تمام اصول بیان کر دیے گئے ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کی فضیلت میں مفسرین کرام مسند ابویعلیٰ کے حوالے سے یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مَنْ قَرَأَ فِيْ كَيْدَلَةٍ اَصْبَحَ مَغْفُوْرًا لَّهٗ جو شخص رات کے وقت سورۃ یس کی تلاوت

۱۰ قرطبی ۱۵، حقائق ۱۱۹، و جمل ۱۰۵، و غازی ۲

۱۰ قرطبی ۱۵، حقائق ۱۱۹، و جمل ۱۰۵ (فیاض)

۱۰

کرے گا، اس کو صبح کے وقت خدا تعالیٰ کی جانب سے بخشش و مغفرت کا پورا ملے گا، مسند احمد میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی آتا ہے جسے امام نسائی نے عمل الیوم والیل میں نقل کیا ہے کہ سورۃ یس قرآن کا دل ہے لا یقرءھا رجل یموت یموت اللہ والدار الذخیرۃ الا غفر لہ جو شخص اس سورۃ کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے گھر کی تلاش کے لیے پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بخش دے گا۔ فرمایا اقرءوہا علی موتاکم تم اسے اپنے قریب المرگ لوگوں کے پاس پڑھا کرو تاکہ انہیں صحیح ایمان نصیب ہو۔ اس سورۃ میں ایمان کے تمام اصول بیان کر دیے گئے ہیں۔

مند بزار کے حوالے سے مفسرین کرام یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لَوَدِدْتُ اَنَّهَا فِي كُلِّ قَلْبِ اِنْسَانٍ مِّنْ اُمَّتِيْ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ یہ سورۃ میری امت کے ہر شخص کے دل میں ہو، یعنی ہر شخص کو اسے حفظ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے صاحب تفسیر حنفی لکھتے ہیں کہ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ سورۃ یس پڑھنے سے اللہ تعالیٰ آدمہ منحتی کر دے کہ شیتے ہیں، اور موت کے وقت یہ سورۃ پڑھنے سے روح آسانی سے نکلتی ہے اور ایمان بھی نصیب ہوتا ہے۔ مفسر حنفی نے یہ بھی لکھتے ہیں کہ زندگی کی مہمات یعنی عام اہم مواقع پر اس سورۃ کی تلاوت اکبر کا حکم رکھتی ہے یس حروف مقطعات میں سے ہے۔ مفسرین کرام نے ان حروف کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ بعض یس کو اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ کی شمار کرتے ہیں۔ اگر یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو پھر کسی شخص کا نام یس نہیں

حروف
یس

۱۔ مندا احمد ص ۵۷۶ و عمل الیوم والیل ص ۵۷۶ قرطبی ص ۱۶۱ و خازن ص ۱۶۱ و جبل ص ۵۱۱

۲۔ درمنثور ص ۲۵۶ و ابن کثیر ص ۵۶۳ ۳۔ حنفی ص ۱۱۹

۴۔ حنفی ص ۱۱۹ ۵۔ طبری ص ۱۲۸ و ابن کثیر ص ۵۶۳ و زاد المیر ص ۳ (فیاض)

رکھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مختلفہ میں سے ہے اور ایسے اسماء کا اطلاق مخلوق پر نہیں ہو سکتا بلکہ
 ہی دیگر اسماء زمان، خالق اور اللہ وغیرہ ہیں جو کسی انسان کے نام نہیں ہو سکتے۔ البتہ
 بعض اسمائے ربانی ایسے بھی ہیں جو کسی حد تک مخلوق کے لیے بھی استعمال کیے
 جا سکتے ہیں مثلاً رحیم، کریم، مالک، عالم، رؤف وغیرہ۔ اور اگر ایسے کو اللہ
 کے اسمائے مختلفہ میں شمار نہ کیا جائے تو پھر اس کا اطلاق کسی آدمی پر بھی ہو سکتا ہے
 مگر اس کے معنی کو ملحوظ رکھنا ہو گا کہ جب اس نام کو خدا تعالیٰ کے لیے استعمال
 کیا جائے تو اس کا اطلاق اس طرح ہو گا۔ جس طرح اسکا شان کے لائق ہے۔
 اور اگر اس کا اطلاق کسی انسان پر کیا جائے تو اس کی مناسبت انسان کی حالت
 کے ساتھ ہو گی۔ مثلاً رؤف کا نام اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کے لیے استعمال
 ہوتا ہے مگر دونوں جگہ مفہوم مختلف ہو گا۔ جب صفتِ رأفت کو خدا تعالیٰ کی
 طرف منسوب کیا جائے گا، تو معنی یہ ہو گا کہ خدا تعالیٰ مہربانی اور فیضان فرماتا ہے۔ اور
 جب یہ لفظ کسی انسان کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ تو دلوں پر رأفت سے
 مراد دردِ دل اور شفقت ہو گی جو کسی کی خستہ حالت دیکھ کر انسان کے دل میں پیدا ہوتی
 ہے اور پھر ایسا شخص ضرورت مند کی حاجت براری بھی کرتا ہے۔ دل میں درد پیدا
 ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا تعلق مادیت سے
 ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات تمام مادی تصورات سے پاک ہے۔
 بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ایسے سورۃ کا نام ہے۔ اور بعض کہتے ہیں
 کہ یہ حضور علیہ السلام کا نام مبارک ہے، بالکل اسی طرح جس طرح طہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم کا نام ہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ یا اوسین دو حروف کا مرکب ہے

۱۔ روح البیان ص ۲۶۲ وکشاف ص ۳۳ و زاد المیر ص ۳ و صفوۃ التفسیر ص ۵
 ۲۔ زاد المیر ص ۳ و فتح القدیر ص ۲۵ و مدارک ص ۲ و الاتقان ص ۳ و البحر المحیط ص ۲۲۳
 ۳۔ غازی ص ۶ و تفسیر المرائی ص ۱۴۵ و البحر المحیط ص ۲۲۳ و معالم التنزیل ص ۲ (فیاض)

اور اس کا معنی ہے "اے انسان" عرب کے مشہور قبیلہ بنی طی کے ہاں اس لفظ کا
یہی معنی لیا جاتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ معنی حبشہ کی زبان میں لیا جاتا ہے، مگر یا
یہ انسان سے خطاب کیا گیا ہے۔ بعض نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کیا اشارہ یوم شباق
یعنی اُس دن کی طرف ہے جب اللہ نے بنی آدم کی تمام ارواح سے عہد لیا تھا
فرماتے ہیں کہ اس کا اشارہ راز کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا راز۔
بعض یہ بھی فرماتے ہیں ایسے حضور علیہ السلام کی طرف خطاب ہے، اور
معنی یہ ہے یا سید البشر یعنی اے بنی نوح انسان کے سردار۔ حدیث میں آتا ہے
کہ حضور علیہ السلام نے خود فرمایا اَنَا سَيِّدُ الْبَشَرِ - اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ
یعنی میں تمام نسل انسانی کا سردار ہوں، فرمایا یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا بلکہ یہ تو
میرے اللہ کی مہربانی ہے کہ اُس نے مجھے اس منصب پر فائز فرمایا ہے۔ قیامت
والے دن جب تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے تو حضور علیہ السلام کی قیادت
عامہ کا ظہور اس وقت ہوگا اور ساری مخلوق جانے گی کہ آپ واقعی سید البشر
سید الشہکین اور سید ولد آدم ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ ایسے کے تینوں حروف
ی اسی اور ن میں شمول ہوتی ہیں اور اس سے مراد ایک خاص قسم کا نور ہے، جو
کائنات میں سرایت کر رہا ہے۔ اس نور کا نزول قرآن پاک اور اس سورۃ مبارکہ کے
ذریعے ہو رہا ہے اور اسی نور سے کائنات کی ہدایت اور رہنمائی کا پروگرام سننے
آ رہا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ کا آغاز حروف مقطعات سے کیا ہے

۱۔ تفسیر الثعالبی ج ۳ و درمنثور ص ۲۵۸ ج ۵ ۲۔

۳۔ خازن ج ۱ و نظری ج ۱ والا تکان ج ۳ و فتح القدر ج ۲

(فیاض)

۵

۶

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور اس کے معانی کی طرف میں نے اشارہ کر دیا ہے۔ ویسے جلالین نے بزرگ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے بارے میں زیادہ سلاستی والا پہلو یہی ہے کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِمْ بِذٰلِكَ اَمَّا وَصَدَقْنَا اللّٰهُ تَعَالٰی ہی بہتر جانتا ہے کہ ان حروف سے کیا مراد ہے۔ اس سے جو بھی مراد ہے ہمارا اُنس پر ایمان ہے لہذا ان حروف کے معانی میں زیادہ کر یہ نہیں کرنی چاہیے۔

قرآن پاک کی حقانیت
سورۃ نبا کا مضمون قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت سے شروع کیا گیا ہے آگے رسالت کے بیان میں تاریخ رسالت کے کئی واقعات آئیں گے اور ساتھ ساتھ محاسبہ اعمال کا ذکر ہوگا۔ تو ارشاد ہوتا ہے وَالْقُرْآنُ الْحَکِیْمُ قسم ہے حکمت والے قرآن کی، یعنی قرآن پاک کا پروگرام قطعی اور یقینی ہے اور اس میں شک و تردد والی کوئی بات نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی خلاف واقعات ہے۔ یہ حکیم ہے کہ اس کی ہر بات مبنی بر حکمت ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو وحی الہی کے ذریعے نازل ہوا اور یہ کلام انسانی ذرائع علم سے بلند تر ہے حکیم سے مراد مستحکم بھی ہو سکتا ہے یعنی قسم ہے مستحکم اور پکے قرآن پاک کی۔ اس کی ہر بات پختہ ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں فرمایا کہ یہ ایسی کتاب ہے لَا رَیْبَ فِیْہِ جس میں کسی قسم کا شک اور تردد نہیں کیا جاسکتا۔

تصدیق رسالت
اگلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور رسول کی رسالت کی تصدیق کی ہے اور اس کے بعد پھر قرآن پاک کے نزول اور مقصد نزول کا ذکر ہوگا ارشاد ہوتا ہے اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ بے شک آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ گزشتہ سورۃ میں گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ حضور علیہ السلام کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس معاملہ میں طرح طرح کے شکوک و شبہات کا

اظهار کرتے تھے۔ چونکہ مشرک لوگ انکارِ رسالت میں شدید تھے تو اللہ نے
 یہاں پر تصدیقِ رسالت بھی اُسی قدر سخت طریقے سے قسم اٹھا کر کی یعنی قسم ہے
 حکمت والے یا مستحکم قرآن کی کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ اور
 سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ہیں۔ آپ خاتم النبیین ہیں، سید ولد آدم ہیں، ان کا
 کامل ہیں اور تمام انبیاء کے بھی نبی ہیں۔ ساتھ یہ بھی فرمایا عَلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ
 آپ اللہ کے قائم کردہ بالکل سیدھے راستے پر ہیں۔ آپ اُمی شامراہ پر چلے گئے
 ہیں جو عنقریب القدس اور اللہ کی رحمت کے مقام تک جاتی ہے۔ آپ کا قول فعل
 عمل اور عقیدہ سب کچھ صحیح ہے۔ آپ بالکل صراطِ مستقیم پر ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا
 کہ آپ تو بلاشبہ صراطِ مستقیم پر ہیں۔

— اور ساتھ ساتھ قَدْ اَنۡتَ لَکَہُمۡ دِیۡنٌ اِلٰہِ صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ (الشعۃ)
 اور دوسروں کی بھی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں تاکہ وہ بھی منزلِ مقصود
 تک پہنچ جائیں۔

مقصودِ نزولِ قرآن

اللہ نے ابتدائی آیت میں جس قرآن حکیم کی قسم اٹھا کر حضور علیہ السلام کی رست
 کی گواہی دی تھی، اُس قرآن کے متعلق فرمایا تَسۡتَیۡلُ الْعِزِّ الْمَرۡجَیۡمَ، یہ
 غالب اور از حد مہربان خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اگر اُس کی مہربانی شامل
 حال نہ ہوتی تو انسان ہدایت الہی سے محروم رہتے۔ اللہ نے یہ قرآن نازل فرما کر بڑا
 احسان فرمایا۔ سورۃ ابراہیم کی ابتدا میں نزولِ قرآن کی غایت یہ بیان کی گئی ہے
 لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَیۡمَ النُّوۡرِ (آیت ۱) تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں
 سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔ لوگ اخلاقی، روحانی، مادی غرضیکہ ہر قسم کے
 اندھیروں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہیں گمراہی کے اندھیروں میں تو کہیں لود و لعب
 کے اندھیروں میں پھنسے ہوئے ہیں لوگوں نے اس وقت مادیت کا کلور و فارم سونگنا
 رکھا ہے۔ مرنے کے بعد یہ نشہ اتر جانے کا تو بہتر چلے گا کہ ہم دنیا میں کیا کرتے رہے ہیں۔
 اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کے نزول کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے لِنُنۡذِرَ

قَوْمًا مَّا اَنْذِرْ اَبَاؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ تاکہ آپ ان لوگوں کو
 ڈرا دیں جن کے اباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا، اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت
 امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے بنی اسماعیل مراد ہیں کہ اس قوم میں قریباً
 دو ہزار سال تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ بنی اسرائیل میں تو پہلے در پہلے نبی
 آتے رہے مگر بنی اسماعیل میں آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوا۔ بنی اسماعیل کے
 ہزاروں خاندان اور آگے ہزاروں شاخیں تھیں۔ یہ وسیع سلسلہ نسب ہے، جو
 عرب میں اور عرب سے باہر خراسان کے پرے کناروں تک پھیلا ہوا تھا، مگر قریب
 زمانے میں ان کے پاس کوئی ڈر نہ کرنے والا نہیں آیا تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ اے اللہ
 کے آخری نبی! آپ ان لوگوں کو ڈرا دیں جن کے پاس زمانہ قریب میں کوئی ڈرانے
 والا نہیں آیا، ساتھ یہ بھی فرمایا لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰی اَكْثَرِهِمْ کہ ان
 میں سے اکثر پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کہ آپ کی تمام
 ترسائی کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کی اکثریت کفر و شرک میں ہی
 مبتلا رہیگی۔ چنانچہ ان کے خلاف بڑی جنگیں لڑی گئیں، ہر طریقے سے سمجھانے کی
 کوشش کی گئی مگر یہ لوگ نابود تو ہو گئے مگر ایمان نہیں لائے۔ اب اگلی آیات
 میں اللہ نے ہدایت اور گمراہی کی حکمت اور فلسفہ بیان فرمایا ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ
 فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ۝۸ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ
 سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ
 لَا يُبْصِرُونَ ۝۹ وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ
 أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۱۰ إِنَّمَا تُنذِرُ
 مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبُ
 فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ۝۱۱ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي
 الْمَوْتَى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلُّ
 شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝۱۲

ترجمہ :- بے شک ہم نے کریمے ہیں اُن کی گردنوں
 میں طوق، پس وہ مٹھوڑیوں کیسے (اٹھتے ہوئے ہیں)
 پس اُن کے سر اوپر کو اٹھ رہے ہیں ۝۸ اور بنائی
 ہے ہم نے اُن کے سامنے رکاوٹ اور اُن کے پیچھے
 بھی رکاوٹ۔ پس ہم نے اُن کو ڈھانپ دیا ہے،
 اوپر سے، پس وہ نہیں دیکھتے ۝۹ اور برابر ہے اُن پر
 کہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان مستبرل
 نہیں کریں گے ۝۱۰ بے شک آپ اس کو مارتے
 ہیں جو پھڑکی کرتا ہے نصیحت کی اور ڈرتا ہے رحمان

سے بغیر دیکھے۔ پس آپ خوشخبری دے دیں اس کو بخشش اور عزت والے اجر کی ⑪ بیشک ہم زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور دیکھتے ہیں وہ جو آگے بھیجا اور ان کے نشانات بھی۔ اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے ایک گھلی کتاب میں ⑫

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حثیت اور صداقت کا ذکر کیا اور پھر ساتھ نبوت و رسالت کی تصدیق کی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔ پھر اللہ نے قرآن حکیم کے نزول کی غایت یہ بیان کی تاکہ آپ اپنے اولین مخاطبین مشرکین مکہ کو ڈرا دیں جن کے آباؤ اجداد کے پاس قریبی زمانہ میں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ مگر ساتھ یہ بھی بتلادیا کہ آپ کی تمام تر مسماعی کے باوجود ان لوگوں کی اکثریت ایمان سے محروم ہے گی۔

گھلے کے طوق

اب آج کی آیات میں ایمان نہ لانے والوں کی حالت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور خوفِ خدا رکھنے والوں کے بعض اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے جزائے عمل کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّا جَعَلْنَا فِيكَ أَعْيُنًا قَوِّمًا أَغْلَظَ أَعْيُنًا قَوِّمًا ہم نے نہانے والوں کے گھلے میں طوق ڈال دیے ہیں۔ فَهِیَ إِلَى الْأَذْقَانِ اور یہ ان کی ٹھوڑیوں تک اٹھے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے فَهُمْ تَمَقَّقُونَ ان کے سر اُپر کر اٹھ رہے ہیں۔

لامتقون میں ہتھ کڑی، پاؤں میں بیڑیاں اور گھلے میں طوق ہونا سزا کی علامت ہے یعنی یہ شخص مجرم ہے جس کو سزا دی جا رہی ہے اور یہاں جس طوق کا ذکر کیا گیا ہے وہ اتنا بڑا اور بھاری ہے کہ جب گھلے میں پہنایا گیا ہے تو ٹھوڑی تک بھر گیا ہے جس کی وجہ سے اس کا سر اگلی طرف سے اُپر کر اٹھ گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ خواب میں ہتھ کڑی یا بیڑی پہننا اچھائی کی علامت ہے اور اس

کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دین میں پختہ ہے۔ البتہ اگر خواب میں کوئی دیکھے کہ اس نے جگے میں طوق پہن رکھا ہے تو یہ سنت ذلت کی نشانی ہے۔

آگے پیچھے
دیواریں

ایمان سے محروم بہنے والے لوگوں کی دوسری سختی اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَجَعَلْنَا مِنْ أَكْبَرِ آيَاتِهِمْ سَدًّا ہم نے ان کے آگے بھی دیوار کی رکاوٹ کھڑی کر دی ہے وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا اور ان کے پیچھے بھی ایسی ہی رکاوٹ ہے فَأَعْيَضْنَاهُمْ ہم نے ان کو اوپر سے ڈھانپ دیا ہے۔ فَهُمْ لَا يَبْصُرُونَ لہذا وہ نہیں دیکھ سکتے۔ ظاہر ہے کہ جس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں رکاوٹ کھڑی کر دی جائے اور اوپر سے بھی کوئی خیمہ وغیرہ ڈال کر ڈھانپ دیا جائے تو اسے کسی طرف سے کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ اللہ نے مافراںوں اور گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کی یہ مثال بیان کی ہے کہ وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوٹیاں مارتے پھر رہے ہیں اور انہیں کہیں سے بھی راستہ نظر نہیں آتا جس پر چل کر وہ منزل مقصود تک پہنچ سکیں اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ سرگرداں پھرتے رہتے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا وَسَوَاءٌ يَكْفُرُونَ أَمْ يَزُكُّهُمْ أَمْ لَكُمْ تَنْذِيرُ لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ آپ کی طرف سے ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ایسے لوگوں کے گلے میں غلط نظریات اور باطل رسوم کے طوق پڑے ہوئے ہیں، انسانی خواہشات نے ان کو اگلی طرف سے روک رکھا ہے اور پیچھے سے مادی عیش و عشرت کی رکاوٹ ہے، لہذا انہیں اصل منزل کی طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

شاہ ولی اللہ
کا فلسفہ

امام شاہ ولی محدث دہلوی کی اصطلاح میں یہ لوگ حجاب طبع اور حجاب حکم میں مبتلا ہیں۔ حجاب طبع سے مراد مادی ضروریات کا حجاب ہے اگر یا یہ لوگ اچھا کھانے، اچھا پہننے، اچھی رہائش، اچھی سواری کی فکر میں ہی مبتلا رہتے ہیں شاہ صاحب کے بقول یہ لوگ مادیت کے گارے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ سامنے خواہشات کی دیوار ہے اور پیچھے مادیت کا گارا ہے۔ جب انسان مادیت کے غول سے باہر نکلتا ہے

تو رسوم کی دلدل میں پھنس جاتا ہے جسے حجابِ رسم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر وہ اپنے خاندان، برادری، علاقائی اور ملکی رسم و رواج کی طرف دیکھتا ہے کہ دوسرے لوگ کیا کر رہے ہیں تاکہ وہ بھی بلا سوچے سمجھے انہی کے پیچھے چلنا شروع کر دے چنانچہ جس طرح دوسرے لوگ شان و شوکت کے اظہار والے مکان بناتے ہیں۔ وہ بھی بنانا لگتا ہے۔ جس طرح کی دھوم دھام سے وہ شادیاں کرتے ہیں۔ یہ بھی ان کی نقالی کرتا ہے۔ جس طرح وہ عرس مناتے، قرالی کراتے، قبروں کو ہنختہ بناتے، اوپر غلات چڑھاتے اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی کرنے لگتا ہے۔ موت کی رسوم میں بھی شخص اپنی قوم اور برادری کے نقش قدم پر چلتا ہوا حیثیت سے بڑھ کر کام کر جاتا ہے، امیر لوگ تو اپنی دولت کے بل بوتے پر پیدائش، شادی اور اموات کو دھوم دھام سے مناتے ہیں مگر ایک غریب آدمی بھی ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔ یہ حجابِ طبع اور حجابِ رسم کا طوق ہے جو اس کے گلے میں پڑا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے اس کا سر اُپر کو اٹھا ہوا ہے، آگے اور پیچھے نفسانی خواہشات اور مادی عیش و عشرت کی دیواریں کھڑی ہیں جو اسے حقیقت ایمان سے واقف نہیں ہونے دیتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی پوری زندگی انہی چکروں میں ختم ہو جاتی ہے مگر اُسے توجیدِ خالص سے شناسائی نہیں ہوتی۔

سنت
اور اس کا
جواب

ان آیات سے بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی کسی انسان کے گلے میں طوق ڈال دیا ہے، اُس کے آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر کے اُپر سے بھی ڈھانپ دیا ہے تو پھر اُس سے صراطِ مستقیم پر چلنے کی اُمید کس طرح کی جاسکتی ہے۔ اور اُسے مکلف کیوں کر ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتداء ہی میں کسی شخص کے راستے میں مذکورہ رکاوٹیں کھڑی نہیں کر دیتا بلکہ پہلے ہدایت کے جملہ اسباب مہیا کر کے اور ہدایت اور گمراہی کے اصول واضح کر کے اُسے اختیار دیتا ہے۔ کہ وہ ہدایت اور گمراہی میں سے جو ناراہ چاہے اختیار کرے۔ امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے انسان کی ہدایت کے تمام

اسباب مہیا کر دیے ہیں جن میں سے اولین سبب عقل جبراً جو ہر کامل ہے، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو بلا کر فرمایا کہ میں تیری وجہ سے ہی ملواؤں گا اور تیری وجہ سے ہی گرفت کروں گا، عقل بہت بڑی نعمت ہے جس کے ذریعے انسان غور و فکر کر کے اچھائی اور برائی میں امتیاز کرتا ہے، نیکی اور بدی کی پہچان کرتا ہے، سین بلوغت کو پہنچنے پر انسان کی عقل بھی کامل ہو جاتی ہے لہذا اس وقت تکلف بن جاتا ہے اور اپنے عقیدے اور عمل کا جواب دہ ہو جاتا ہے۔ اس پر قانون کی پابندی لازم ہو جاتی ہے اور خلافت درزی پر مامور ہو جاتا ہے۔

عقل کے بعد ہدایت کے دو سگر اسباب میں عقل کے خدام سماعت، بصرہ، سوجھنا، سونا اور ذائقہ وغیرہ حواس ہیں جو جملہ معلومات جمع کر کے عقل کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر عقل ان کے درمیان فیصلہ کرتی ہے کہ کس چیز کو اختیار کرنا ہے اور کس کو چھوڑ دینا ہے۔ اسی طرح حواس باطنہ بھی اسباب ہدایت میں سے ہیں۔ اللہ نے انسان کو قوت و ہمد، خیال، حس، شہرہ، قوت متفکرہ وغیرہ عطا کی ہیں جن کو برے کار لا کر انسان اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکتا ہے۔ ان اسباب کے علاوہ اللہ نے انسان کو جسم اور صحت عطا فرمائی ہے۔ اپنے پیغمبر بھیجے اور کتابیں نازل کی ہیں۔ گویا ہدایت کے سامان مہیا کرنے کے بعد منہرایا۔

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفَرْ (الکہف - ۲۹)

جس کا بھی چاہے ایمان قبول کرے اور جس کا بھی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے اللہ تعالیٰ یہ اختیار سلب نہیں کرتا بلکہ فرماتا ہے مَا تَوْكَلْ وَفَضَّلْهُ جَهَنَّمَ وَسَاءَ مَثْوً

مَقْصِدُ الْقَارِ (۱۱۵) عیدھر کرئی جاا چاہتا ہے اوصہری کی توفیق دے دیا ہے پھر جب کوئی غلط راستہ اختیار کرتا ہے، کفر، شرک اور معاصی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اسے جہنم تک پہنچاتا ہے جو کہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ اسی

یہ ایمان کو اپنے ارادے اور اختیار سے قبول کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص نے اضطرابی حالت میں ایمان کی تصدیق کر دی تو وہ معتبر نہیں ہوگی، بلکہ ایمان کی تصدیق وہ قابل قبول ہوگی جو ارادے اور اختیار سے کی جائے گی۔ ان تمام تر اسباب ہدایت کے باوجود جب کوئی شخص اپنے اختیار سے ہدایت کا راستہ قبول نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے گلے میں طوق ڈال دیتا ہے، آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر دیتا ہے، اور اوپر سے بھی ڈھانپ دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر بھٹکتا پھرتا رہے اور اسے راستہ نہیں ملتا۔

سیدھا راستہ تو ان لوگوں کو نظر آئے گا جن میں طلب ہوگی اور وہ اس کے لیے کوشش بھی کریں گے۔ اللہ کا فرمان ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۶۹) جو ہمارے راستے کی تلاش میں محنت کرتے ہیں ہم ان کے لیے ہدایت کا راستہ ضرور واضح کر دیتے ہیں۔ اور یہ راستہ اسی صورت میں ملے گا کہ سابقہ شرک اور معاصی کو ترک کر دے۔ اپنی سابقہ کوتاہیوں پر تائب ہو جائے۔ جب ایسا ہوگا تو پھر عقل، حواس، کما ہیں اور ہنر سب کارآمد ہوں گے اور اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی توفیق عطا کر دے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا اِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ آبَ كَا ثِرَانَا ان لوگوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے جو نصیحت کی پیروی کرتے ہیں۔ جو شخص نصیحت کو اچھا ہی نہیں سمجھتا اس کے لیے نصیحت کا رگہ نہیں ہو سکتی اور پھر نصیحت اُس شخص کے لیے بھی کارآمد ہوگی وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَهُدًى لِّرَحْمٰنٍ سَعِدَ (بن دیکھے ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی نے نہیں دیکھا، نہ جنت فوزخ کو دیکھا ہے، نہ فرشتوں کو دیکھا ہے اور نہ بعد میں آنے والوں نے اپنے انبیاء کو دیکھا ہے۔ یہ ایمان بالغیب ہی تر ہے۔ ہمارا اس پر بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور وہ ہمارا محاسب بھی کرے گا۔ ایسے ہی شخص کے لیے آپ کی نصیحت مفید ہوگی فرمایا فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيمٍ

صراطِ مستقیم

ایسے شخص کے لیے بخشش اور عزت والے اجر کی خوشخبری سنادیں۔ اللہ تعالیٰ
چھوٹی سمیٹی کرنا یہاں معاف فرماتے گا۔ اور ساتھ عزت والا بدلہ بھی عطا فرمائے گا۔
اور وہ بندہ کامیاب ہو جائے گا۔

حضرت اعلیٰ
کی منزل

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور جزائے عمل کا ذکر فرمایا ہے
إِنَّا كُنْزُ نَحْنُ نَحْنُ الْمَوْتِ بِشَاكٍ هَمُّ مَرْدُوں كُو زنده كوریں گے تاكر ان كا حساب
كتاب لے كر جزائے عمل كا فیصلہ كر سکیں۔ اور اس كا نام کیلے وَ نَكْتُبُ مَكَا
قَدْ مَوَّاهِمُ نَكْتُهُ بَیْنُ جَوَ كَچھ انہوں نے اس زندگی كے دوران اگلی زندگی كے
لیے آگے بھیجا۔ وَأَشَارَهُمْ اور ان كے نشانات بھی لکھتے ہیں تاكر حساب
كتاب كے وقت ہم ان كو ان كا سارا اعمال نامہ دكھا سکیں۔ اگرچہ كھنے كی
ضرورت نہیں كیونكر اللہ تعالیٰ تو علیم كل ہے اور وہ ازل سے لے كر اب تك
كی چیزوں كو بغیر كھنے بھی جانتا ہے مگر اس نے كھنے كا ایک ضابطہ مقرر كر
دیا ہے جن كو دیکھ كر ان كی اپنے كردہ اعمال كو پہچان لیں گے۔ اس مقصد كے
لیے اللہ نے نجران اور محافظ قریشے مقرر كیے ہوئے ہیں جو ہر انسان كے ہر
عمل كو محفوظ كر رہے ہیں اور اپنے رجسٹروں میں درج كر رہے ہیں۔

آثار كی
توضیح

آگے بھیجے جانے والے تروہ نيك یا بد اعمال ہیں جو انسان دنیا میں كھاتے
ہیں اور آثار سے مراد وہ نشانات ہیں جو انسان اپنے پیچھے اس دنیا میں چھوڑ جاتے
ہیں پیچھے رہ جانے والوں میں آثار الطاعت بھی ہیں اور آثار معصیت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام كا ارشاد مبارك ہے كہ ہر شخص دنیا میں كوئی اچھی چیز چھوڑ جاتا ہے اس كا اجر
اس كو مرنے كے بعد بھی ملتا رہتا ہے اور جو كوئی بُری رسم چھوڑ جاتا ہے تو اس پر عمل
كرنے والوں كا ایک ایک گناہ اس شخص كو بھی ملتا رہتا ہے۔ حضور علیہ السلام كا ارشاد
ہے كہ جب كوئی شخص اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس كا اعمال نامہ بند كر دیا جاتا

ہے۔ البتہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی برابر ملتا رہتا ہے۔ فرمایا ایک صدقہ جاریہ ہے کہ آدمی رفاہ عامہ کا کوئی کام کر گیا ہے کوئی مسجد یا مدرسہ یا سرائے بنا گیا ہے یا کنواں لگوا گیا ہے تو اس کا ثواب اُسے پہنچتا ہے گا۔ دوسری چیز نافع علم ہے۔ تقریر و تحریر کی صورت میں علم پھیل گیا ہے، قرآن و سنت کی ترویج ہے یا احکام دین کی تشریحات ہیں، تو جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کا ثواب جاری و کزادہ کر بھی جاتا ہے گا۔ سنر یا تیسری چیز نیک آثار میں داخل ہیں جن کے متعلق یہاں فرمایا ہے کہ ہم ان کو بھی لکھتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بنی سکنہ کے لوگ مسجد نبوی سے کچھ فاصلے پر رہتے تھے، مسجد کے قریب کچھ مکانات خالی ہوئے تو ان لوگوں نے وہاں مفتعل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا، تاکہ مسجد سے قریب ہو جائیں۔ حضور علیہ السلام کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر وہیں بٹھو رہو کیونکہ تم جتنے قدم چل کر مسجد میں آتے ہو وہ لکھے جاتے ہیں۔ جب تک دور سے آتے رہو گے تو زیادہ قدم لکھے جاتے رہیں گے، لہذا تمہارا فائدہ دور رہنے میں ہی ہے۔ حدیث کے الفاظ میں دِیَارَکُمْ تُکْتَبُ اَنْدَارُکُمْ تم اپنے محلے میں لکھے رہو کہ تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں غرضیکہ قدموں کے نشانات کو بھی حضور علیہ السلام نے آثار میں شمار کیا ہے، کسی بھی نیک کام کے لیے انسان چل کر جائے تو اس کے نقوش لمبے قدم کا حساب رکھا جاتا ہے اور اُسے اجر ملتا ہے۔

فَرَمَا وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ

انسان کی ہر چیز کو کھلی کتاب میں شمار کر دیا ہے جو کہ اللہ کے علم کا نمونہ اور محفوظ
 ہے۔ یہ سارا اعمال نامہ قیامت والے دن ہر شے کیا جانے گا اور پھر اس کے مطابق
 جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ مَآذُجَاءَهَا
 الْمُرْسَلُونَ ۝۱۳ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اشْنِيفَ
 فَكَذَّبُوهُمَا فَعَمَزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمُ
 مُّرْسَلُونَ ۝۱۴ قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا
 وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْتُمْ بِالْآ
 تِكْذِبُونَ ۝۱۵ قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ
 لَمُرْسَلُونَ ۝۱۶ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ
 الْمُبِينُ ۝۱۷ قَالُوا إِنَّا تَطِيرُنَا بَكُمْ لَيْنَ لَمْ
 تَنْهَوْا لَنْزِجْمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُم مِّنَا عَذَابٌ
 أَلِيمٌ ۝۱۸ قَالُوا طَائِرُكُم مَّعَكُمْ أَإِنِّ ذُكِّرْتُم
 بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۝۱۹

ترجمہ :- اور بیان کریں آپ ان کے سامنے مثال بتی
 والوں کی جب کہ آئے ان کے پاس بھیجے ہوئے ۱۳
 جب کہ ہم نے بھیجا ان کی طرف دو کو ، پھر ان
 دونوں کو انہوں نے جھٹلایا۔ پھر ہم نے قوت دی
 ایک تیسرے کے ساتھ تو انہوں نے کہا بیشک
 ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں ۱۴ کہا ان لوگوں

نے نہیں ہو تم مگر انسان ہمارے جیسے، اور نہیں اتارا۔
 خدا نے رحمان کے کسی چیز کو، نہیں ہو تم مگر جھوٹ
 بولتے (۱۵) کہا انہوں نے کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے
 کہ بیشک ہم تمہاری طرف البتہ بھیجے ہوئے ہیں (۱۶)
 اور نہیں ہے ہمارے ذمے مگر کھول کر پیغام
 پہنچا دینا (۱۷) وہ کہنے لگے، بیشک ہم تمہاری
 وجہ سے شکون لیتے ہیں۔ اگر تم باز نہیں آؤ گے
 تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے، اور
 پہنچے گا تم کو ہماری طرف سے دردناک عذاب (۱۸)
 کہا انہوں نے تمہارا شکون تمہارے ساتھ ہی ہے
 اس وجہ سے کہ تم کو نصیحت کی گئی ہے، نہیں
 بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو (۱۹)

سورۃ کی ابتداء میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا بیان ہوا، پھر
 رسالت کا ذکر ہوا۔ اللہ نے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اکثر لوگ
 حجاب طبع یا حجاب رسم میں مبتلا رہ کر ہی زندگی ختم کر لیتے ہیں اور عمر بھر نہ تودہ الیا
 کے معاملے میں غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی اسے قبول کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے
 فرمایا کہ مردوں کو زندہ کرنا ہمارا کام ہے، ہم مقررہ وقت پر انہیں دوبارہ زندہ
 کریں گے، ان کے تمام اعمال اور ان کی ہر ہر نقل و حرکت ہمارے پاس لکھی ہوئی
 ہے جو انہیں نئی زندگی دینے پر پیش کر دی جائے گی اور پھر اس اعمال نامے کی
 بنیاد پر ان سے حساب کتاب لیا جائے گا۔ اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔

سورۃ ہذا کی آیت ۲۰ میں رسالت کا بیان گزرا چکا ہے اِنَّكَ لَمِّنَ
 الْمُرْسَلِينَ آپ اللہ کے سچے رسولوں میں سے ہیں۔ اب اسی رسالت
 ہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

بستی میں
 مرسلین کی آمد

اور آپ کے صحابہ کو تسلی دی ہے کہ اگر کفار مکہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کو ایذا میں پہنچاتے ہیں تو یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، بلکہ اللہ کے ہر نبی کے ساتھ لوگوں نے ایسا ہی سلوک کیا۔ اللہ نے ایک بستی کا ذکر کیا وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ اسے بغیر آپ ان لوگوں کے سامنے ایک بستی والوں کی مثال بیان کر دیں إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ جب کہ اس بستی میں اللہ کے پیغمبر ہوئے گئے۔

مفسرین کی حیثیت کے بارے میں مفسرین کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ تین شخص اللہ کے پیغمبر ہوئے تھے۔ پہلے اللہ نے ان میں سے دو کو اس بستی میں بھیجا اور پھر ان دو کی تائید کے لیے تیسرے کو بھی بھیجا۔ مفسرین ان کے نام صادق، صدوق اور شکوم بیان کرتے ہیں۔ تاہم اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ تین اشخاص اللہ کے براہ راست نبی نہیں تھے بلکہ بالواسطہ طور پر ہیثمی علیہ السلام کے پیغمبر ہوئے ان کے حواری تھے، جو تبلیغ دین کے لیے اس بستی میں بھیجے گئے تھے۔ مفسرین کا پہلا گروہ کہتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت علی علیہ السلام کی بعثت سے قبل کا ہے جب کہ دوسرا گروہ اسے علی علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ بتاتا ہے۔

یہاں پر قرآن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا اطلاق چھوٹی بستیوں پر بھی ہوتا ہے اور مکہ ان طائف جیسے بڑے شہروں پر بھی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس بستی کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ اس سے الطائیفہ کی بستی مراد ہے جو شام میں واقع ہے اور مشہور

۱۔ تفسیر طبری ص ۱۵۶ و البحر المحیط ص ۳۲۶ ج ۷

۲۔ قرطبی ص ۱۳۰ و معالم التنزیل ص ۲۰۱ و منطری ص ۱۵۲ ج ۲۲

۳۔ معالم التنزیل ص ۲۰۱ و البرسود ص ۲۴۹ و مدارک مصنف و طبری ص ۱۵۴ ج ۲۲

۴۔ بیضاوی ص ۲۴۴ و قرطبی ص ۱۳۰ و البرسود ص ۲۴۹ و کبیر ص ۵۱ و مدارک مصنف و طبری ص ۱۵۵ و خازن ص ۲۲۲ (لیاض)

معروف بستی ہے۔ یہ بستی ابتداً سکندر اعظم کے زمانے میں آباد ہوئی تھی۔ اُس زمانے میں شام اور مصر وغیرہ سلطنتِ روم میں شامل تھے اور یہاں پر اُن کے گورنر رہتے تھے۔ سکندر رومی کے بعد جب یہ بستی ویران ہو گئی تو پھر انٹوکس نامی گورنر یا بادشاہ نے اسے دوبارہ تعمیر کیا، بہر حال اس بستی میں عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تین مبلغین آئے۔ اُن کی تبلیغ سے کچھ لوگ ایمان بھی لے آئے چنانچہ ایسے ہی ایک مؤمن شخص کا ذکر آگے آرہا ہے وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَكُونُ دَآئِمًا (۲۰) اس شخص نے مسلمانوں کی تائید کی تھی جن کی پاداش میں اُسے قتل کر دیا گیا اور اللہ نے اُسے بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

اہل بستی کی طرف سے تکذیب

بہر حال اسی واقعہ کے متعلق فرمایا اِذْ اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا جَب كَرِهْنَا اِسْتَبْرَأْ مِنْ رَبِّكَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ (طہ - ۲۱) اور اُسے میرے کام میں شریک کر دے۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اردن علیہ السلام کو بھی نبوت و رسالت عطا کی اور موسیٰ علیہ السلام کا معاون بنا دیا۔ بہر حال اللہ کے مسلمان یا عیسیٰ کے فرستادہ انطاکیہ کی بستی میں پہنچے، فَقَالُوا اِنَّا اِلَيْكُمْ مُّسْلِمُونَ تو کہنے لگے کہ تم تمہاری طرف سے بھیجے ہوئے ہیں اور تمہیں اللہ کا پیغام سنانے کے لیے آئے ہیں۔ اس کے جواب میں اہل بستی نے کہا قَالُوا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کہ نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے انسان، تمہیں کون سے نیرنگاب کے پر لگے ہوئے ہیں جو نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ انبیاء کی بشریت قبول حق میں ہمیشہ سے مانع رہی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُؤْمِنُوْا اِذْ جَاءَهُمُ الْهُدٰى اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَبْعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔

آیت ۹۴) جب بھی لوگوں کے پاس اللہ کے نبی ہدایت لے کر آئے تو انہوں نے یہی کہہ کر انکار کر دیا کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ وہ یہ بھی کہتے تھے مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْسُحُ فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان) کہ یہ کیا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ نبی تو کوئی برتر مخلوق میں سے ہونا چاہیے تھا جو نہ کھاتا نہ پیتا اور نہ بازار میں سودا سلف خریدتا۔

منکرین رسالت کا ایک اعتراض تو یہ تھا کہ نبی انسان نہیں ہونا چاہیے، اور دوسرے کہ اگر انسانوں میں سے اللہ نے رسول مقرر کرنا ہے تو پھر کسی بڑے آدمی کو بنایا ہوتا۔ بشر کہیں مکہ بھی ہی کہتے تھے کہ ہم اس نادار آدمی کو نبی کیسے مان لیں جس کے پاس نہ مال و دولت، نہ کوٹھی اور بنگلہ، نہ نوکر نہ چاکر اور نہ فوج اور لہ لیس، نہ زمین نہ باغات۔ کہتے تھے لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرَّيْتَيْنِ عَظِيمٍ (التخرف - ۳۱) یہ قرآن مکے اور طائف، کی بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ منصب نبوت رسالت کے لیے کیا ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟ اور لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا تھا کہ ہم پاگل ہیں جو ایک انسان کا اتباع کریں؟ یہ شخص ہمارا جانا پہچانا ہے اور ہمارا داماد ہے، بھلا اس میں نبوت والی کون سی خصوصیت ہے جو اسے نبی تسلیم کر لیں؟ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بشر کہیں کے لیے نبوت کو تسلیم کرنے میں ہمیشہ حجاب بشریت مانع رہا ہے۔ اللہ نے اپنے نبیوں میں جو صلاحیت، استعداد، کمال اور نیکی و دلچسپی کی تھی، مشرک لوگ اس کو نہ پہچان سکے لہذا انکار کر دیا۔ شرف نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کو وڑوں انسانوں میں سے کسی کو عطا کرتا ہے۔ اُس پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور وہ بلند ترین ہستی ہوتی ہے۔ نبوت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہے۔

بہر حال بستی والوں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا اور کہنے لگے وَمَا
 أَنْزَلَ إِلَهُكُمُ مِنْ شَيْءٍ خِذْهُ الرَّحْمَانُ نَافِلًا لِّمَنْ يَشَاءُ
 غلط ہے کہ خدا نے تم پر وحی نازل کی ہے اور اس نے اپنی وعدہ نیت کو تسلیم کرنے کا
 حکم دیا ہے۔ اِنْ أَنْتُمْ إِلَّا كَذِبُونَ نہیں ہو تم مگر جھوٹ بولتے۔

مسلین کا
 کام

اس کے جواب میں علی علیہ السلام کے حواریوں یا اللہ کے نبیوں نے کہا قَالُوا
 رَبَّنَا يَعْلَمُ إِنْآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ہمارے پروردگار جانتا ہے کہ بیشک ہم
 تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس معاملہ میں اللہ کی گواہی پیش کی کہ
 ہم فرستادہ ہیں اور ہم جھوٹ نہیں بولتے، جس قدر شدت سے وہ لوگ انکار و نبت
 کرتے تھے اتنی ہی شدت سے مسلین نے جواب بھی دیا کہ ہم ضرور تمہاری طرف
 بھیجے ہوئے ہیں وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ اور ہماری ذمہ داری صرف
 اتنی ہے کہ ہم اللہ کا پیغام کھول کر پہنچا دیں۔ اس کے بعد یہ تمہاری ذمہ داری ہے
 کہ تم اس دعوت کو قبول کر لے ہو یا نہیں۔ کسی کو پتہ نہ کہ زبردستی ایمان میں داخل کرنا
 ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ ہم تو صرف پیغامِ الہی پہنچاتے ہیں لِيَقُولُوا عِبَادُوا
 اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ (اعراف - ۸۵) اے میری قوم کے لوگو! اللہ
 اللہ کی عبادت کرو، اُس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، قیامت برحق ہے
 نبوت و رسالت درست ہے۔ ایمان لانا مذہبِ نجات ہے۔ نیکی کرنے پر انسان کو
 درجات ملتے ہیں اور تکذیب پر سزا ملتی ہے۔ غرضیکہ ہمارا کام تو خدا کا پیغام
 کھول کر سننا دینا ہے، آگے ماننا یا نہ ماننا یہ تمہاری مرضی ہے۔

اہل بستی کا
 برا شگون

آگے سے لوگوں نے جواب دیا۔ قَالُوا إِنْآ قَطِئُوا فَبِأَبِ كَمْ
 کہنے لگے ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں اور تمہاری وجہ سے برا شگون لیتے ہیں۔ تم
 حبیب سے ہماری بستی میں آئے ہو بارش رک گئی ہے اور قحط پیدا ہو گیا ہے۔ نیز
 گھر گھر میں تم نے اختلافات ڈال دیے ہیں۔ اور لڑائی بھڑائی شروع ہو گئی ہے۔ المذبح
 اور پانی کی قلت پیدا ہو گئی ہے، تم ایسے منحوس آئے ہو۔

اصل میں تطیر کا معنی پرندے کو اڑا کر اس سے شگون لینا ہے۔ بشرکین عرب میں یہ دستور عام تھا کہ جب کسی اہم کام کے ارادے سے نکلنا ہوتا تو کسی پرندے کو اڑاتے اگر وہ دائیں طرف کراڑتا تو جان لیتے کہ اُن کا یہ سفر مبارک ہے اور جس کام کے لیے جاسے ہیں وہ ہو جائے گا، برخلاف اس کے کہ اگر پرندہ اڑ کر بائیں طرف کوجاتا تو سمجھتے کہ حالات اُن کے حق میں نہیں، لہذا وہ اس کام کا ارادہ ترک کر دیتے۔

ہندوؤں میں بھی اس قسم کا زعم پایا جاتا ہے۔ صبح صبح گھر سے باہر کسی کام کے لیے نکلے، اگر کالا کتا سامنے آگیا یا کالی بلی نے راستہ کاٹ دیا تو اس سے بُرا شگون لیا کہ یہ کام نہیں ہوگا۔ اگر کہیں کو یا اٹھ بیٹھا دیکھ لیا تو اسے ویرانی اور بربادی پر محمول کیا۔ اگر گھر سے نکلنے وقت عورت سامنے آگئی تو اسے بھی کام کی تکمیل میں منحوس تصور کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایسے شگون کے متعلق فرمایا الطَّيْرَةُ مِنَ الشَّرِّ کہ شگون لینا شرک کی ایک قسم ہے۔ آپ دعا فرمایا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَلَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ اے پروردگار! خیر تیری ہی خیر ہے اور شگون تیرا ہی شگون ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اس قسم کا شگون شیطانی و ہم ہوتا ہے اور اہل ایمان کو دل میں ایسا خیال نہیں لانا چاہیئے۔ ہر چیز کا اختیار اللہ کے پاس ہے، اور شگون والا خیال باطل ہے۔

فال بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ کوئی قرآن سے فال نکالتا ہے، اور کوئی دیوان حافظ سے، کوئی ہیرا پنچھ کی کتاب کو فال کے لیے استعمال کرتا ہے حالانکہ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فال کے بارے میں صرف اس قدر فرمایا ہے کہ اگر کوئی اچھا لفظ من کہ دل خوش ہو جائے تو اتنا درست ہے باقی سب شرک ہے۔ بہر حال بستی والوں نے کہا کہ تم ہمارے شہر میں ایسے

اہل بستی
کی دہلی

مخوس آئے ہو کہ ہم طرح طرح کے مصائب میں پھنس گئے ہیں۔
پھر انہوں نے یہ دیکھی بھی رہی کہ لَا تَنْتَهُمُوا لَنْ جَنَّتْكُمْ
اگر تم اپنی اس تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں پھنسا دیا کروں کہہ کر دیں گے۔
وَلَيَسْئَلَنَّكُمْ فَيَسْأَلُ عَذَابَ الْيُسْرِ اور اپنی طرف سے تمہیں سخت دردناک سزا
دیے گا۔ رجیم واقعی سخت ترین اور عبرتناک سزا ہے، جو اللہ نے محض زانی اور زانیہ
کے لیے مقرر کی ہے، حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بعض واقعات میں مجرموں کو
یہ سزا دی گئی اور انہیں سیر عام سنگسار کیا گیا۔ بعض سابقہ نافرمان قوموں کو بھی سنگساری
کی سزا دی گئی، چنانچہ لوط علیہ السلام کی بستی کو الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش
بھی کی گئی۔ اللہ نے فرمایا ہے مُسَوِّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ (ہود-۸۳) ہر پتھر
پر اللہ نے نام لکھ دیا تھا کہ یہ فلاں کے سر پہ لگے گا اور یہ فلاں نابھار کا بیڑا غرق
کرے گا۔ بہر حال اہل بستی نے کہا کہ ہم تمہاری آمد سے بڑا شگون لیتے ہیں اور
اگر تم اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا۔

مرسلین کا
جواب

اس پر مرسلین نے یہ جواب دیا قَالَ لَوْ اَطَاعْتُمْ كُفَرْتُمْ کہ تمہارا شگون
اور خواہش تمہارے ہی سر پہ ہے، تمہارے اعمال بد کی وجہ سے ہی تم پر
خوست چھائی ہوئی ہے اور تم قحط اور لڑائی جھگڑے میں مبتلا ہو۔ یہ خواہش
ہماری پیغام رسانی کی وجہ سے نہیں بلکہ تمہارے کفر و شرک کا نتیجہ ہے۔ آپ
ذکر کرتے کیا یہ باتیں تم اس لیے کہتے ہو کہ ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں، کیا
ہم اپنا فرض منصبی ترک کر دیں؟ نہیں بلکہ خواہش تو تمہاری شامت اعمال کا
نتیجہ ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِخُونَ حد سے بڑھے والے تم ہی لوگ ہو
تمہارا قول فعل، اخلاق، عقیدہ سب کچھ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

اس کے بعد لوگوں نے اللہ کے نبیوں یا عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغین کے
ساتھ بڑی سختی کی۔ آگے اس مرد مومن کا ذکر بھی آرہا ہے جو مرسلین کی حمایت میں آیا
تھا۔ لوگوں نے اس کی جان لو لے لی مگر اللہ نے اسے بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

يسرى
آيت ٢٠ ٢٢٦

وما الى
رسر چهارم ٢٣

الجزء الثالث والعشرون ٢٣

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ قَالَ
يُقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ②٠ اتَّبِعُوا مَنْ لَا
يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ②١ وَمَالِيَ
لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ②٢
أَتَأْخُذُ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا إِنْ يُرِدْنِ الرَّحْمَنُ
بِضَرٍّ لَا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا
يُنْقِذُونِ ②٣ إِنْ أَرَادَنِيَ كِتَابٌ ضَلُّي ②٤ إِنْ
أَمَرْتُ بِرَبِّكُمْ فَأَسْمَعُونِ ②٥ قِيلَ ادْخُلِ
الْجَنَّةَ ②٦ قَالَ يَلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ②٧
بِمَا غَفَرْتُ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ②٨
وَمَا أَنْزَلْنَاهُ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ
مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ②٩ إِنْ
كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ
خَامِدُونَ ③٠ يُحْسِرَةُ عَلَى الْعِبَادَةِ مَا يَأْتِيهِمْ
مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ③١

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ
 أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾ وَإِنْ كُلُّ لُتَّى
 جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٣٢﴾

۱- (۳۱)

تو جہاں سے اور آیا شر کے پرے کنارے سے ایک
 شخص دوڑتا ہوا، کہنے لگا اے میری قوم کے لوگ !
 پیروی کرو مجھے ہوؤں کی ﴿۳۰﴾ تابعداری کرو اُن کی جرنیں
 مانگتے تم سے بدلہ اور وہ ہدایت کے راستہ پر
 ہیں ﴿۳۱﴾ اور کیا ہے مجھے کہ میں نہ عبادت کروں اُس
 ذات کی جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف
 تم پھیرے جاؤ گے ﴿۳۲﴾ کیا بناؤں میں اللہ کے سوا
 دوسروں کو معبود ؟ اگر خدا کے رحمان چاہے نقصان پہنچانا
 تو اُن کی سفارش مجھے کچھ کام نہیں آسکتی، اور نہ وہ چھڑا
 سکتے ہیں ﴿۳۳﴾ اس وقت تو کہیں البتہ گمراہی میں ہو
 جاؤں گا ﴿۳۴﴾ تحقیق میں ایمان لایا ہوں تمہارے پروردگار
 پر، پس سنو ﴿۳۵﴾ کہا گیا اس شخص سے کہ داخل ہو جاؤ
 جنت میں۔ اس نے کہا، کاش میری قوم کے لوگ
 جانتے ﴿۳۶﴾ اس چیز کو کہ بخانا ہے مجھے میرے پروردگار
 نے، اور بنایا ہے مجھے عزت والوں میں سے ﴿۳۷﴾
 اور تمہیں اتار ہم نے اس کی قوم پر اُس کے بعد کوئی
 لشکر آسمان سے اور نہ ہی تھے ہم اتارنے والے ﴿۳۸﴾
 اور نہیں تھی مگر ایک بیج، پس اچانک وہ سب
 بجھنے والے ہو گئے ﴿۳۹﴾ افسوس ہے بندوں پر نہیں

آ اُن کے پاس کوئی رسول مگر وہ اُس کے ساتھ بٹھا کرتے ہیں (۳۰) کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم نے اُن سے پہلے کتنی جماعتیں ہلاک کر دی تھیں۔ بے شک وہ اُن کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے (۳۱) اور نہیں ہے کوئی مگر تمام کے تمام ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے (۳۲)

مکی سورتوں کے چار بنیادی عقائد میں سے اس رکوع میں رسالت کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔ گزشتہ درس میں انطاکیہ کی بستی کا ذکر ہوا کہ اُس میں اللہ کے پیغمبر ہونے نبی یا علیہ السلام کے فرستادہ مبلغین دین اسلام کی تبلیغ کے لیے آئے تو اہل بستی۔ ان کی تکذیب کی۔ پسو کی کرنے اور ایذا پہنچانے کے علاوہ اُن کو طعن بھی کیا کہ تمہاری آمد کی وجہ سے ہم پر سخت چھا گئی ہے ہمارے علاقے میں خشک سالی پیدا ہو گئی ہے اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا ہے۔ رسولوں نے جواب دیا کہ یہ ناسبار کی ہماری وجہ سے نہیں ہے بلکہ تم خود ہی حد سے بڑھتے ہو۔ جس کی سزا تمہیں مل رہی ہے

موسلین نے اپنی تبلیغ جاری رکھی جس کی وجہ سے اہل بستی مشتعل ہو گئے اور وہ ان کے قتل کے منصوبے بنانے لگے۔ شہر کی دوسری طرف ایک اہل ایمان آدمی رہتا ہے جس کا نام حبیب بن جابر تھا۔ تفسیری اور تاریخی روایات میں آتا ہے کہ پہلے تو یہ شخص بہت تراش تھا۔ پھر اُس نے موسلین کی کرامت دیکھی تو اللہ نے اسے ایمان لانے کی توفیق دے دی اور وہ ایمان لے آیا۔ جب اہل بستی موسلین کو ایذا پہنچاتے تو اس شخص کو بڑی کوفت ہوتی۔ جب اُسے پتہ چلا کہ یہ لوگ اُن مبلغین یا رسولوں کو قتل کرنے کے درپے ہیں تو اس سے رٹ نہ گیا اور اس نے اس معاملہ میں اپنا فرض ادا

ایک مؤمن کی غیر خواہی

کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی بات کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدْيَنَةِ رَجُلٌ يَسْعَى شہر کے پرے کراے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے اپنی قوم کو سمجھانے کی کوشش کی کہنے لگا قَالَ يٰ قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ اے میری قوم کے لوگو! ان فرستادہ شخصیات کی پیروی کرو۔ یہ تمہیں غلط راستے سے ہٹا کر اصحیح راستے پر لانا چاہتے ہیں، کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی روشنی میں لانا چاہتے ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کر رہے ہیں تاکہ تم آخرت کے دائمی عذاب سے بچ جاؤ۔ اس شخص نے یہ بھی کہا اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا تم ان کا اتباع کرو جو تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے۔ وہ تمہاری خیر خواہی میں مخلص ہیں۔ وہ تمہاری بے لوث خدمت کر رہے ہیں، لہذا ان کی بات مان لو کیونکہ وَهُمْ مُّهْتَدُونَ خود بھی ہدایت یافتہ ہیں اور تمہیں بھی ہدایت کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں۔

توحید پر
استقامت

پھر اس شخص نے توحید پر اپنی استقامت کا اس طرح اظہار کیا - وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدَ الَّذِي فَطَرَنِي اور کیا ہے مجھے کہ میں اُس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ یہاں اُس مومن آدمی نے اللہ کی صفت فَطَر کا ذکر کیا ہے یعنی وہ اللہ جس نے مجھے ہستی بخشی ہے۔ میں ضرور اُسی کی عبادت کروں گا کیونکہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ پھر ساتھ ساتھ اپنے مخاطبین کو تنبیہ بھی کی وَأَلَيْهِ تَرْجَعُونَ تم سب اُسی خدائے وحدہ لا شریک کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ سرنے کے بعد تم کو اُسی کے سامنے حاضر ہو کر اپنے عبادت و اعمال کی جوابدہی کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح میں خالص اُسی کی عبادت کرتا ہوں۔ اسی طرح تم بھی کفر اور شرک کو چھوڑ کر صرف خدائے وحدہ لا شریک کے بندے بن جاؤ۔

اس کے بعد اُس شخص نے شرک کی تردید اس انداز میں کی عَاتِذٌ

مِنْ دُونِهِ إِلَهَةٌ كَيْفَ كَيْفَ أَسْأَلُكُمْ فِيهِ لَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَوْامِرِي وَلَا تَعْلُوا دِيَارَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَسَبَّحُوا لِلَّهِ فِي الْبُحْرِ وَالْبَرِّ وَالْأَسْوَاقِ بِالْحَمْدِ

میں دُونِہِ اِلَہۃ کیا میں اُس ایک خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنالوں؟
 اِن معبودانِ باطلہ کی حالت تو یہ ہے اِنْ یُنِیْ دِنَ الرَّحْمٰنِ بَضْرًا کہ اگر خدا نے رحمان
 کسی تکلیف میں مبتلا کرنا چاہے لَا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا تو ان
 معبودوں کی سفارش مجھے کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ یہ تو بے اختیار اور عاجز
 ہستیاں ہیں وَلَا یُنْقِذُوْنَ اور نہ ہی یہ مجھے کسی مصیبت سے نجات دلا سکتے
 ہیں۔ کسی میں اتنی طاقت نہیں کہ خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دور کر سکے۔ اگر
 میں ایسی ہستیوں کی عبادت کروں گا تو یہ تو حماقت والی بات ہوگی۔ ایسی صورت
 میں اِذَا لَفِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ بلاشبہ میں کھلی گمراہی میں جا پڑوں گا
 اس سے زیادہ کون سی گمراہی ہوگی کہ انسان خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں سے
 حاجت روائی اور مشکل کشائی کو اتنا پھرے ان کی نذر و نیاز نہ لے اور اُن کی ایسی
 تعظیم کرے جو اللہ وحدہ لا شریک کے لیے مختص ہے۔ غرضیکہ اُس مرد مومن
 نے عقلی انداز میں لوگوں کو توحید کے اثبات اور شرک کے رد کی بات بتلائی۔
 پھر کہنے لگا اِذَا لَفِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ تو تمھارے پروردگار پر ایمان
 لایا ہوں۔ پہلے اللہ کی صفات بطور ذکر کیا تھا۔ اب ربوبیت کی بات کی۔ گویا
 پیدا کرنے والا بھی وہی اور ہر چیز کو تدریج حد کمال تک پہنچانے والی ذات بھی وہی
 ہے۔ میں اسی خداوندِ قدس پر ایمان لایا ہوں جو ان صفات کا حامل ہے۔
 فَاسْمَعُوْنَ تم بھی اس بات کو اچھی طرح سن لو۔ میں یہ بات چھپ کر نہیں کر
 رہا ہوں بلکہ علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں خود خدا نے رحمان پر ایمان لا چکا ہوں اور
 تمھیں بھی یہی دعوت دیتا ہوں کہ ان خود ساختہ معبودوں کو چھوڑ کر ان سرسلین
 کے رب پر ایمان لے آؤ۔ اسی میں تمھاری نجات ہے۔

وہ ناہنجار قوم اس مرد مومن کی نصیحت پر تو کیا عمل کرتی، وہ اس
 شخص کے بھی اسی طرح مخالف ہو گئے۔ جس طرح وہ سرسلین کے مخالف تھے
 بلکہ اس شخص کے ساتھ اُن سے بھی زیادہ ضد اور عناد کا مظاہرہ کرنے لگے

مومن آدمی
 کا قتل

چنانچہ انہوں نے اُس ایماندار شخص کو قتل کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ قوم نے اُس شخص کو پاؤں کے نیچے اس قدر روندنا کہ اُس بچا رہے کی انتہیں پیٹ سے باہر نکل آئیں اور وہ شدید ہو گیا۔ مفسر وہب کا بیان ہے کہ جب وہ ظالم اس اہل ایمان کو ایذا میں ملے ہے تھے تو وہ ان کے حق میں ہدایت کی دعائیں کر رہا تھا۔ یہ شخص بڑا ہی نیک اور عبادت گزار تھا۔ کہتے ہیں کہ دن بھر جو کچھ کھا کر لاتا شام کو اُسے دو حصوں میں تقسیم کر دیتا۔ ایک حصہ بال بچوں کے حوالہ کرتا اور دوسرا حصہ محتاجوں میں تقسیم کر دیتا۔

امست محمدیہ میں بھی ملتی ہیں۔ مسیلہ کذاب نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور پھر اس کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ بھی پیش آیا۔ اس داعی نبوت کی گرفت میں کسی طرح دو ایماندار آدمی آ گئے جن میں ایک کا نام حبیب ابن زید تھا۔ مسیلہ کذاب نے اس سے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اس نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ مسیلہ کذاب بھی اللہ کا رسول ہے تو وہ شخص کہنے لگا کہ تمہاری یہ بات مجھے سناٹی ہی نہیں دیتی۔ مسیلہ نے اُس سے اپنے حق میں گواہی لینے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا مگر وہ یہی کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی تو دیا ہوں مگر دوسری بات میری سماعت میں ہی نہیں آتی۔ اس پر مسیلہ سخت طیش آ گیا۔ اور اُس نے اس مرد مومن کا ایک ایک عضو کاٹ کر اُس کو ہلاک کر دیا مگر وہ شخص اپنے ایمان پر پکارا۔

اسی طرح طائف میں قبیلہ ثقیف کے سردار حضرت عمرو بن مسعودؓ ثقیفی

۱۔ تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۸

۲۔ ابن کثیر ص ۵۶۸ دس عالم التنزیل ص ۲۰۴

۳۔ طبری ص ۱۵۹ و ابن کثیر ص ۵۶۹ (فیاض)

حضور علیہ السلام کے صحابی ہیں۔ آپ نے ان کے متعلق فرمایا کہ ان کی شکل و مشابہت حضرت یسوع ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ جب یہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے تو عرض کیا، حضور! مجھے اجازت دیں کہ میں واپس اپنے قبیلے میں جا کر ان کو بیخ اسلام کروں۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ تمہاری مخالفت کریں گے، تو وہ کہنے لگا کہ میں اپنی قوم کا سر در ہوں وہ میرا بڑا احترام کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب میں سو رہا ہوتا ہوں تو کوئی آدمی مجھے جگانے کی جرأت نہیں کرتا۔ بہر حال وہ صحابی آپؐ سے اجازت سے کہ قوم کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ لات و منات اور عزری کو چھوڑ کر حضور علیہ السلام کی رسالت کو تسلیم کر لو اور اللہ وعدہ لا شریک پر ایمان لے آؤ۔ اتنی بات سنی کہ قوم دشمن ہو گئی حتیٰ کہ جب آپ نماز کے لیے اذان دیتے وقت شہادت کے کلمات ادا کرتے تھے تو ایک بد بخت نے تیرا کہہ ہلاک کر دیا۔ یہ بھی حبیب نجدؐ کے ساتھ ملتا جلتا واقعہ ہے۔

ان آیات میں اس سرور مومن کی ہلاکت کا ذکر تو نہیں کیا گیا بلکہ جن کی طرف سے قوم کو وعظ کرنے کے ذکر کے بعد فرمایا قِيلَ اَدْخِلِ الْجَنَّةَ اِسْثَخْصَ سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ظاہر ہے کہ جنت کا داخلہ تو موت کے بعد ہی ممکن ہے جنت میں داخلے کی دو صورتیں ہیں۔ قیامت کے بعد مشر و نشر اور حساب کتاب ہونے کے بعد تو جنت کا داخلہ بالکل قابل فہم ہے۔ البتہ مرنے کے فوراً بعد جنت میں داخلہ بھی اس لحاظ سے قابل فہم ہے کہ انسان عالم برزخ میں تو پہنچ ہی جاتا ہے اور وہاں بھی ابتدائی سوال و جواب کے بعد اس کے لیے یا تو جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے اور اسے راحت محسوس ہونے لگتی ہے یا اگر وہ کفر، شرک یا معاصی کا مرتکب ہے تو اسے دوزخ کی تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے تو بہر حال جنت سے مراد برزخ میں جنت کا احساس بھی ہو سکتا ہے۔

مومن آدمی
کی حریت

اس شخص کی سرنے کے بعد بھی یہی حسرت تھی قَالَ يَلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ
 کاش کہ میری قوم کو علم ہو جاتا بِمَا عَصَوْا لِيَ لَا يَكُنَّ لِيَ فِتْنًا کہ میرے پروردگار نے مجھے
 بخش دیا ہے وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرِمِينَ اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل
 کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے نزدیک عزت والے وہی لوگ ہیں جن کو اللہ
 نے جنت کا ٹکٹ دیدیا ہے اور وہ کامیاب ہو گئے ہیں، کہنے لگا، کاش
 میری قوم کے لوگوں کو میری کامیابی کا پتہ چلتا تو وہ ایسی ظالمانہ حرکتیں نہ کرتے اور کھڑے
 اور شرک کی بجائے توحید کو اختیار کر لیتے۔ الغرض! اس اللہ کے بندے نے عالم برزخ
 میں بھی قوم کے ساتھ خیر خواہی کا اظہار ہی کیا۔

ظالم قوم
 کی ہلاکت

آگے اللہ تعالیٰ نے اس ظالم قوم کی ہلاکت کا حال بیان کیا ہے۔ ارشاد
 ہوتا ہے وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنْ بُعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ
 السَّمَاءِ ہم نے اس ظالم قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا جو انہیں ہلاک کر آؤ
 مَّا مَثْرَلِيْنٌ اور نہ ہی ہم ایسا کوئی لشکر اتارنے والے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اس
 نافرمان قوم کی ہلاکت کے لیے کسی فوج کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ اس کام کے لیے اِنْ
 كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاجِدَةً اِیسا چیخ ہی کافی تھی جو ہم نے بھیج دی فَادَّاهُمُ
 غَاصِقٌ وَّنَاسٍ اِیسا کہ وہ بچنے والے ہو گئے یعنی وہ اسی طرح صغی ستی سے
 طیار میٹ ہو گئے جس طرح دیکھتے ہوئے کہ ٹرل پر پانی ڈال دیا جائے تو وہ بچھ جاتے
 ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ نے ایک فرشتے کو بھیجا۔ جس نے شہر کے دروازے
 پر ہاتھ رکھ کر ایسی چیخ ماری کہ سب اہل بستی کے دل پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے
 اُگے فرمایا یَحْسِرَةُ عَلَى الْعِبَادِ بندوں کی حالت پر افسوس ہے مَا یَا تِیْهِمْ
 مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہِ یَسْتَهْزِءُوْنَ کہ جب بھی ان کے پاس اللہ
 کا کوئی رسول آیا۔ انہوں نے اس کے ساتھ ٹھٹھا ہی کیا۔ انہوں نے اللہ کے نبیوں

کی دعوت پر نہ زور کیا اور نہ انہیں تسلیم کیا۔

اگلی آیت میں مدسے سخن نازل قرآن کے زمانے کے مشرکین کی طرف ہوتا ہے
اور سچی بات ہر زمانے کے لوگوں کے لیے بھی باعث عبرت ہے۔ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمُ
آهْلُكُنَّا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے
کتنی جماعتوں کو ہلاک کیا أَلَمْ يَكُنْ لَهُمُ الْآيَاتُ مِن قَبْلُ وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے، وہ تباہ و برباد ہو گئے، اس دنیا سے ختم ہو گئے۔
اب وہ کہاں واپس آئیں گے فَرَأَوْا قُرْآنَ كَلِّ لَمَّا جِئَ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ
اور نہیں کوئی مگر سب کے غیب ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے، ہر شخص
کو ہمارے سامنے پیش ہوتا ہے۔ وہاں سب کے متعلق جزا اور سزا کے
فیصلے ہوں گے اور مجرم نجات نہیں ملیں گے۔ یہ ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ کفر و شرک
کو چھوڑ کر ایمان قبول کر لو، ورنہ تمہارا حشر بھی پہلی قوموں سے مختلف نہیں ہو گا۔

وَاٰیَةٌ لَهُمُ الْاَرْضُ الْمَيِّتَةُۙ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا
 مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝۳۳ وَجَعَلْنَا
 فِيْهَا جَبَلًا مِّنْ نَّخْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا
 فِيْهَا مِّنَ الْعُيُوْنِ ۝۳۴ لِّیَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهِ�ْ
 وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْۙ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ ۝۳۵
 سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا
 تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا
 یَعْلَمُوْنَ ۝۳۶ وَاٰیَةٌ لَهُمُ اللَّیْلُۙ نَسْلَخُ مِنْهُ
 النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُظْلِمُوْنَ ۝۳۷ وَالشَّمْسُ
 تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّۙ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ
 الْعَلِیْمِ ۝۳۸ وَالْقَمَرَ قَدَرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی
 عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝۳۹ لَا الشَّمْسُ
 یَنْبَغِیْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّیْلُ
 سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝۴۰

ترجمہ: ان رگوں کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے

جسے ہم نے زندہ کر دیا اور نکالا اُس سے ناز

پس اس سے وہ کھاتے ہیں (۳۳) اور بنائے ہم نے اس
 میں باغات کھجوروں اور انگوروں کے ، اور چلائے ہم نے
 اس میں چشے (۳۴) تاکہ یہ کھائیں اُس کے پھل سے ۔ اور
 نہیں بنایا اُسے ان کے لمبھوں نے ۔ کیا یہ لوگ شکر
 ادا نہیں کرتے ؟ (۳۵) پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا
 کیے جوڑے سب کے سب جن کو زمین اگاتی ہے ، اور
 خود ان میں سے اور ان چیزوں میں سے جن کو یہ نہیں
 جانتے (۳۶) اور رات بھی ان کے لیے نشانی ہے ، ہم
 کھینچ لیتے ہیں اس کو دن سے ۔ پس اچانک یہ اندھیر
 میں گر جاتے ہیں (۳۷) اور سورج چلتا ہے اپنے مستقر
 کے لیے ۔ یہ ہے اندازہ ٹھہرایا ہوا زبردست اور علم والے
 پروردگار کا (۳۸) اور چاند کہ ہم نے مقدر کیا ہے اُس
 کو مختلف منزلوں میں یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ہنسی
 کی طرح ہو جاوے (۳۹) نہ تو سورج چاند کو پاسکتا
 ہے در نہ رات سبقت کرنے والی ہے دن سے ۔ اور یہ
 سب اپنے اپنے مدار کے اندر تیر رہے ہیں (۴۰)

سالت کے مسئلہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کا حال بیان کیا کہ اُن
 کے پاس تین رسول آئے تاکہ اُن کو توحید کی دعوت دیں مگر اُن اہل بستی نے اُن
 رسولوں کو مبالغہ کرنے پر آمادہ کیا ۔ یہ لوگ کی حقیقت کہ اُن کے قتل کے درپے ہوئے
 ان سرسبزین کی تائید پر مشتمل تھے ۔ کہنے پر لے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا ، اور
 قوم کو سمجھایا کہ ان رسولوں کی دعوتی نمرتے ہوئے شرک سے تائب ہو جاؤ ، اور
 توحید خداوندی کو اختیار کرو ، جو بستی والے اس سرد مہوین کے بھی خلاف ہو گئے ۔
 اور اُسے قتل کر ڈالا ۔ پھر ان یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خوفناک چیخ کی صورت

یہ آیات

میں غداہ آیا جس سے مارے لہجے ہلاک ہو گئے۔ فہم اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی اور توحید کا اثبات پیش کیا۔ جزائے عمل کا بیان بھی ہوا۔ اللہ نے فرمایا کہ جب بھی کسی قوم کے پاس اللہ کا نبی آیا تو قوم نے اس کے ساتھ ٹھٹھا ہی کیا اور اس کی دھوکہ کھکھڑا دیا، بشرک لوگ نبی آخر الزمان کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے بہت سی قوموں کو اسی جرم کی پاداش میں ہلاک کیا۔ ان سب کو ایک دین ہمارے روبرو حاضر ہونا ہے جب ان کے عقائد و اعمال کے متعلق حتمی فیصلے ہوں گے۔

زمین کی
روئیدگی

اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض دلائل بیان فرمائے ہیں جن سے وقوع قیامت اور توحید کا اثبات سمجھ میں آسکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَتَأْتُوا اللَّهَ بَعْتًا بَعْثًا مِّنْ دُونِهِ ان لوگوں کے لیے مردہ زمین بھی بطور ایک نشانی کے ہے أَحْيَيْتُهَا جِسْمًا جس کو ہم نے زندہ کیا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا پھر اس سے اناج نکالا یعنی دانے پیدا کیے فَمِنْهُ يُأْكُلُونَ پس یہ لوگ اسی اناج کو اپنی خوراک بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی روئیدگی کا بہت سے مقامات پر ذکر کیا ہے کہ آسمان کی طرف سے پانی برسا کہ ہم نے زمین کو روئیدگی بخشی اور پھر اس سے پھل پھول، اناج، سبزہ آد چارہ پیدا کیا۔

یہ آیت توحید خداوندی کی دلیل ہے کہ آسمان کی طرف سے جہاں اور جس قدر چاہے پانی برسا کہ مردہ زمین کو زندہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اس میں کسی دوسری ذات کو کوئی دخل نہیں ہے۔ اور یہی آیت وقوع قیامت کی دلیل اس طرح ملتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ قیامت والے دن تمام مردوں کو بھی زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا۔ بزرگان دین یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ خشک زمین کو تر و نازہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ اپنی مہربانی کے ساتھ مردہ دلوں یعنی گمراہ

دلوں کو نورِ ہدایت، ایمان اور توحید کی توفیق بخش کر اُن میں روحانی زندگی پیدا کرتا ہے جب اُس میں اطاعت کا بیج پڑ جاتا ہے تو اسے روحانی غذا بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

فرمایا ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر کے اُس میں سے اناج اُگایا۔ اس کے علاوہ
 وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ ۖ هُمْ فِيهَا مِنْ ثَمَرٍ
 کھجوروں اور انگوروں کے باغ اُگائے۔ وَفَجَسْنَا فِيهَا مِنْ الثَّمَرَاتِ ۚ وَآبَىٰ ضَرْبًا
 کے لیے زمین میں چٹنے بھی جاری کر دیے۔ دریاؤں، نہروں اور چشموں کے پانی سے
 جانداروں کی پینے اور دھونے کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور یہی پانی کھیتی باڑی
 کے کام آتا ہے جس سے تمام جانداروں کی غذائی ضروریات پوری ہوتی ہیں جس
 طرح زمین میں پانی بھنے سے خوبصورت باغات پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح
 ذوق و شوق کے ساتھ ذکرِ الہی کرنے والوں کے دلوں میں حکمت و دانائی کے چٹنے
 جاری ہوتے ہیں اور انسانوں کے دلوں میں باغ و بار پیدا ہوتے ہیں۔

فرمایا اناج اور باغات پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے لِيَاْكُلُوا مِنْ
 ثَمَرِهِ ۚ تاکہ انسان اور جانور اُن کا پھل کھائیں جو کہ اُن کی زندگی کی بقا کے لیے
 ضروری ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تبارک اور حکمتِ بالغہ کا فیضان ہے
 وَكَذَٰلِكَ مَصَٰعِدُہٗٓ اٰیٰتٍ لِّہُمْ اِنْ لُّوْا لَکُمْ مِنْ شَیْءٍ مِّنْہٗ لَکُمْ مِنْہٗ لَکُمْ مِنْہٗ لَکُمْ
 یہ خود سوچیں کہ کیا بارش برسا کہ دریا، نہریں اور چشمے انہوں نے جاری کیے ہیں؟ کیا
 پھل، پھول، اناج اور سبزہ انہوں نے پیدا کیا ہے، کیا کھجوروں اور انگوروں کی پیداوار
 ان کا کارنامہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ ہے۔ جب
 یہ بات ہے تو اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر کیوں نہیں ادا
 کرتے؟ انسانوں کا فرض تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتوں کو استعمال کرنے کے
 بعد اس کا شکر بھی ادا کرتے مگر اللہ نے فرمایا کہ اس کے شکر گزار بندے بہت
 کم ہیں، اور اکثر لوگ ان نعمتوں کا کفران ہی کرتے ہیں۔

اگلی آیت میں اللہ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی ہے۔

جڑوں کی
 پیدائش

سُبْحَانَ الذِّعْبِ خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا پاك كے وہ ذات جس نے پیدائش
جوڑے سب کے سب۔ ان میں سے بعض جوڑے وہ ہیں مِمَّا تَخْتَلِفُ
الْأَرْضُ جنہیں زمین اُگاتی ہے زمین سے لگنے والی چیزوں میں اناج، پھل، پھول، درخت
پودے اور دیگر نباتات ہیں۔ اللہ نے ہر ایک کے جوڑے بنائے ہیں جن سے ان
کی نسل آگے چلتی ہے۔ ہر درخت، پودے اور مہرے کے نر و مادہ ہوتے ہیں جو کہ بار بار
ہو کر جانداروں کے لیے خوراک مہیا کرتے ہیں۔ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ اور خود ان
کی جانداروں میں بھی جوڑے پیدائش کے ہیں۔ اللہ کی مخلوق انسانوں، جنوں، چرندوں،
پرندوں وغیرہ سب کو اللہ نے جوڑے جوڑے پیدائش کیا ہے اور پھر نر و مادہ کے ملاپ
سے ان کی نسل آگے چلائی ہے۔ اگر جوڑوں کی بجائے صرف نر یا صرف مادہ ہوتے
تو بچائے نسل ممکن نہ ہوتی۔ اور فرمایا ہم نے ان چیزوں کے بھی جوڑے بنائے۔
فَعَسَا لَا تَعْلَمُونَ کہن کو یہ انان جانتے ہی نہیں۔ اللہ کی کتنی ہی مخلوق
ہے جو زمین کی پشت پر ہمارے سامنے چلتی پھرتی ہے اور لاتعداد مخلوق ایسی بھی
ہے جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور ہم اُسے جانتے تک نہیں زمین کی تہوں
اور سمندروں کی گہرائیوں میں بسنے والے کتنے کیڑے مکوڑے ہیں جن کے نام تک سے
ہم واقف نہیں۔ اللہ نے ان کو بھی جوڑوں کی شکل میں پیدائش کے بقائے نسل کا
انتظام کر دیا ہے تو فرمایا ہم نے زمین میں ہر چیز کے جوڑے پیدائش کیے۔

ان معروف جوڑوں کے علاوہ بعض غیر مرئی جوڑے بھی اللہ نے بنائے ہیں
نیکی اور بدی، معروف اور منکر، اذمیر اور اجالا سب جوڑے ہی تو ہیں۔ ہر چیز اپنی
صند سے پہچانی جاتی ہے۔ چنانچہ نیکی کی پہچان بدی سے اور روشنی کی پہچان اندھیرے
کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جس طرح اللہ نے
ان سب چیزوں کو پہلی دفعہ پیدائش کیا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ
بھی زندہ کرے گا۔ وہ ذات خداوندی ہر عجیب، نقص اور شرک سے پاک ہے
سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ (الطہ - ۴۳) اللہ تعالیٰ ہر کمزوری

سے منزہ ہے، وہ ذات ان تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے۔

آگے اللہ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی ہے وَآيَةٌ لَهُمْ
الَّيْلُ رَاتٍ بھی ان لوگوں کے لیے بطور ایک نشانِ قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی
قدرتِ کاملہ سے رات اور دن کا ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ جب انسان دن بھر
کی مشقت سے تھک جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ رات کو لے آتے ہیں تاکہ وہ اس
دوران میں آرام کر کے اپنی تحلیل شدہ قوی بحال کر سکیں۔ چنانچہ جب لوگ آرام کرنا
چاہتے ہیں تو فرمایا فَسَلِّحْ مِنْهُ النَّهَارَ تو ہم اس رات کو دن سے
کھینچ لیتے ہیں۔ جب دن کے بعد رات چھا جاتی ہے فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ
تو چاہے لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کا نظام
خاص تناسب کے ساتھ قائم کر رکھا ہے۔ سورة الفرقان میں ہے وَهُوَ الَّذِي
جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً (آیت - ۶۲) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے
رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا بنایا ہے۔ اللہ کے شکر گزار بندے دونوں
اوقات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر کوئی دن کے وقت غلطی ہو جاتی ہے۔ تو
رات کو معافی مانگ لیتے ہیں، اور اگر رات میں کوئی کوتاہی ہوئی تو اس کی تلافی
دن کے وقت کر لیتے ہیں۔ الغرض! رات اور دن اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں
سے ہیں۔ جن میں غور و فکر کر کے انسان اللہ کی وحدانیت کو پہچان سکتے ہیں۔

سورج اور
چاند کی
گردش

جس طرح رات اور دن کا نہایت سوزوں نظام قائم ہے، اسی طرح فرمایا،
وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا اور سورج بھی اپنے مستقر یعنی ٹھکانے ہوئے
راستے پر چل رہا ہے۔ اگر مستقر سے مراد مستقرِ زمانی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ سورج اپنے
مقررہ وقت تک محوِ سفر ہے اور قیامت کو اپنے مستقر پر پہنچ کر ختم ہو جائے گا۔ اللہ
کافران ہے إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (التکویر - ۱) جب سورج بے نور
کر دیا جائے گا، یہ اس وقت تک اپنی رفتار سے چلتا ہے گا۔ اور اگر مستقر سے
مراد مستقرِ مکانی ہو تو معنی یہ ہوگا کہ سورج اپنے مدار میں مقررہ رفتار سے سفر کر رہا ہے

حضرت علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سورج اپنی منزل کی طرف چلتا رہتا ہے اور ہر رات عرش
عظیم کے نیچے بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز ہوتا ہے، اور اپنی رفتار کو جاری رکھنے
کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملتی ہے اور وہ اپنی
منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے، پھر ایک دن آئے گا کہ حسب معمول سورج
اللہ تعالیٰ سے اپنے سفر کے تسلسل کی اجازت طلب کرے گا تو حکم ہوگا کہ اپنی حرکت کو
معکوس کر دو، چنانچہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ اور دوپہر تک کا وقت
ہو جائے گا۔ لوگوں میں دہشت پیدا ہو جائے گی، وہ خوف کے مارے ایمان کا استرار
کھریں گے۔ مگر اس وقت کا ایمان لانا قسبِ بول نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی کوئی
نیکی قبول ہوگی۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جب سورج اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب
کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی رفتار روک کر ہی آیا کہہ تا ہوگا۔ جس کی وجہ سے اس کے
معمول میں فرق آنا لازمی ہے مگر ایسا نہیں ہوتا اور آج تک سورج کی رفتار میں سیکنڈ
کے ہزارویں حصے کے برابر بھی فرق نہیں آیا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے جواب
میں مفسرین کلام بیان کرتے ہیں کہ سورج کی سجدہ ریزی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی
شخص خواب میں کئی ایک امور انجام دیتا ہے مگر جسم میں اس کے دل کی حرکت اور اس کے
ساقہ زندگی کا تعلق برابر قائم رہتا ہے اور اس میں سرورِ فرق نہیں آتا۔ اسی طرح سورج
بھی اپنے کام میں خلل ڈالے بغیر اللہ تعالیٰ کو ہر رات سجدہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ
مولانا محمد قاسم نانوتوی اور بعض دیگر صاحب علم و حکمت حضرات فرماتے ہیں کہ سورج اپنے
سفر کے دوران ہر لمحہ سفر کے تسلسل کی اجازت طلب کرتا ہے اور بغیر اجازت ایک
انچ بھی آگے نہیں بڑھتا۔ فرماتے ہیں کہ اسی اجازت طلبی کا نام ہی سجدہ ہے جس کا ذکر

۱۔ ابن کثیر ص ۵۷۳ و محالہ التنزیل ص ۲۰۳ ج ۳ و قرطبی ص ۱۵ ج ۱۵

(فیاض)

۲۔ روح المعانی ص ۲۳۷ ج ۲

مذکورہ حدیث میں آیا ہے۔

فلکی نظام

پرانے یونانی ماہرین فلکیات سات سیارے سورج، چاند، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل اور عطارد دریافت کئے تھے، مگر موجودہ زمانے کے سائنسدانوں نے دوسرے سیارے پتھروں اور انوس بھی دریافت کر لیے ہیں جس سے ان کی تعداد بڑھ کر نو ہو گئی ہے۔ ان سب کا تعلق نظام شمسی سے ہے اور یہ سارا نظام کہکشاں کا ایک حصہ ہے۔ باریک باریک ستاروں سے مل کر بننے والی شکر کی کہکشاں کہلاتی ہیں۔ ہر کہکشاں میں کروڑوں بلکہ لاکھوں ستارے ہوتے ہیں اور پورا نظام شمسی کسی ایک کہکشاں کا جزو ہے۔ اس نظام میں سب سے بڑا سیارہ سورج ہے اور باقی سارے سیارے اس کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ ہماری زمین سے تو اس نظام کا صرف ایک ہی چاند نظر آتا ہے مگر حقیقت میں سورج کے گرد اکتیس چاند گھومتے ہیں۔ زمین سے قریب ترین سیارہ چاند ہے جو یہاں سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے۔ اگر ان دونوں کا درمیانی فاصلہ اس سے زیادہ ہوتا تو وہ فوائد حاصل نہ ہو سکتے جو اس وقت ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر چاند اور زمین کا درمیانی فاصلہ صرف پچاس ہزار میل ہوتا تو سمندر سے پانی کی اتنی لہریں اٹھتیں کہ پوری زمین کا کاروبار درہم برہم ہو جاتا کیونکہ اس وقت سمندروں میں جو مد و جزر پیدا ہو رہا ہے۔ وہ چاند کی دو لاکھ چالیس ہزار میل کی دوری کے اثرات سے پیدا ہو رہا ہے۔ اگر یہ فاصلہ کم ہو جائے تو چاند کے سمندر پر اثرات کی مقدار بڑھ جائے گی اور پانی پورے کرہ ارض پر پھیل جائے گا۔

ہماری یہ زمین ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کر رہی ہے۔ جس کی وجہ سے رات دن اور مختلف موسم پیدا ہوتے ہیں۔ یہ موزوں ترین رفتار ہے کہ زمین پر رہنے والے جانداروں کے مناسب حال ہے۔ اگر یہی رفتار دس ہزار میل فی گھنٹہ ہو جائے تو دن اور رات صرف سو سو گھنٹے کے رہ جائیں۔ اور ان حالات میں زمین کے باشندوں کا استقرار ختم ہو کر رہ جائے اور وہ کوئی کام نہ کر سکیں۔ اس کے برخلاف اگر زمین کی رفتار صرف ایک سو میل فی گھنٹہ تک کم

ہو جائے تو ایک سو بیس گھنٹے کا دن اور اتنی لمبی ہی رات ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اتنا لمبا عرصہ سورج کی تپش سے زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا۔ اور رات اتنی لمبی ہوتی کہ جانداروں کو بخند کر کے رکھ دیتی اور زندگی کا سارا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے زمین اور دیگر سیاروں کی رفتار اس طریقے پر مقرر کی ہے جو جانداروں کی زندگی کے لیے موزوں ترین ہے۔

فضائیں نظر آنے والے ستاروں کی تعداد اربوں اور کھربوں تک ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مدار میں مقررہ رفتار سے چل رہے ہیں۔ اس زمین پر تو ٹریفک میں ذرا سی بے قاعدگی ہو جائے تو بے شمار گاڑیاں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں۔ مگر ستاروں اور سیاروں کا اتنا بہترین نظام اللہ نے قائم کیا ہے کہ ہر ستارہ اور سیارہ چل رہا ہے مگر آج تک کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ جب تک اللہ کو منظور ہے۔ یہ نظام چلتا رہے گا اور جب وہ چاہے گا اس کو ختم کر کے عالم بالا کا نظام لے آئے گا۔

فرمایا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَدِيمِ یہ غالب اور علم والے خدا کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے جس کے مطابق یہ سارا نظام کام کر رہا ہے۔ فرمایا وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ سورج کی طرح ہم نے چاند کی بھی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں حتیٰ کہ وہ چلتے چلتے پرانی ٹہنی کی طرح دبلا پتلا ہو جاتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے پورا چاند ہو جاتا ہے اور اس کے بعد پھر گھٹتے گھٹتے باریک سی شاخ کے مانند ہو جاتا ہے۔ فرمایا سورج اور چاند کا یہ نظام اس طریقے سے مقرر کیا گیا ہے لَا الشَّمْسُ يَكْبَتُ لَهَا أَنْ تَدْرِكَ الْقَمَرَ کہ سورج چاند کو نہیں پہنچ سکتا وَلَا الْيَلُّ سَابِقُ النَّهَارِ اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے بلکہ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں چل رہا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ

بطریقہ سائنس کا یہ نظریہ غلط ہے کہ چاند دو گھر آسمان پر ہے، اور سورج چوتھے آسمان پر، بلکہ یہ سارے سارے آسمانوں سے نیچے فضا میں تیر رہے ہیں۔ یہاں پر فلک سے مراد آسمان نہیں بلکہ مدار مراد ہے جس میں یہ سارے گہر و مش کمرہ ہیں۔

وَايَةُ لَهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِّ
 الْمَشْحُونِ ④١ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا
 يَرْكَبُونَ ④٢ وَاِنْ نَّشَاءُ نَغْرِقْهُمْ فَلَاصِرِيخٌ
 لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ④٣ اِلَّا رَحْمَةً
 مِنَّا وَمَتَاعًا اِلَىٰ حِينٍ ④٤ وَاِذَا قِيلَ
 لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ اَيْدِيكُمْ وَمَا
 خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ④٥ وَمَا تَأْتِيهِمْ
 مِنْ اٰيَةٍ مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوا عَنْهَا
 مُعْرِضِينَ ④٦ وَاِذَا قِيلَ لَهُمُ انْفِقُوا مِمَّا
 رَزَقَكُمْ اللّٰهُ ۖ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ
 اٰمَنُوْا اَنْطَعِمُ مِنْ لَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ اَطَعَمَهُ ۖ
 اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ④٧ وَيَقُولُوْنَ
 مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④٨
 مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ
 وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ④٩ فَلَا يَسْتَطِيعُوْنَ

تَوَصِيَّةٌ وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ ۱۔ اور ایک ثانی ان کے لیے یہ ہے کہ بیشک ہم نے اٹھایا ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں ﴿۴۱﴾ اور ہم نے پیدا کیں ان کے لیے اس جیسی چیزیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں ﴿۴۲﴾ اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں، پس کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہ ہو، اور نہ ہی یہ پھیلنے جائیں ﴿۴۳﴾ مگر صہبائی ہے ہماری طرف سے، اور فائدہ اٹھانے کا سامان ایک وقت تک ﴿۴۴﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بچو اس چیز سے جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۴۵﴾ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی ثانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر اس سے اعراض کر لے والے ہوتے ہیں ﴿۴۶﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خرقہ کرو اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی ہے تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے، کیا ہم کھلائیں اس کو کہ اگر اللہ چاہتا تو اسے خود کھلاتا، نہیں ہو تم مگر کھلی گمراہی میں ﴿۴۷﴾ اور کہتے ہیں کب ہو گا، یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ﴿۴۸﴾ نہیں انتظار کرتے یہ مگر ایک ہی چیز کا جو پکڑ لے گی ان کو اور یہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے ﴿۴۹﴾ پس نہ طاقت رکھیں گے یہ وصیت کرنے کی، اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آسکیں گے ﴿۵۰﴾

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں کا ذکر کیا۔ انہی نشانیوں سے وقوع قیامت پر بھی دلیل قائم ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ اللہ کی وحدانیت بھی سمجھ میں آتی ہے۔ تمام نشانیوں کو پیدا کرنے والا صرف اللہ وحدہ لا شریک ہی ہے۔ اللہ نے سورج اور چاند کا ذکر کیا۔ ہر چیز کے جنم و مرگ بنانے کا ذکر کیا۔ جن میں انسان، جانور اور نباتات وغیرہ سب شامل ہیں اور یہ ساری نشانیاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔

کشتی بطور
نشان قدرت

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ نے کشتی کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر متعارف کرایا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاٰیٰتُہٗ لَہُمْ اور ان کے لیے ایک نشانی یہ بھی ہے اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَہُمۡ فِی الْفُلِّ الْمَشْحُوۡنِ کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اس کشتی سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے جو آپسے اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں بنائی وَاصْنَعِ الْفُلَّ بِاٰمِلِنَا وَوَحٰیۡنَا (ہود - ۳۷) ہمارے حکم اور ہماری وحی کے کشتی بناؤ۔ چنانچہ اللہ کے حکم کے مطابق نوح علیہ السلام نے بہت بڑی تین منزلیں کشتی تیار کی جس میں انسان اور جانور سوار ہوئے اور اس طرح یہ کشتی بھر گئی جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ ذریت کا لفظ عربی زبان میں اولاد یا نسل کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لفظ ذریت اصدا میں ہے اور اس کا معنی اولاد بھی ہے اور آبادی اور بھی۔ اگر دوسرا معنی لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کے آبادی کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ یہ معنی بھی درست ہے کہ اس وقت زمین پر آباد تمام لوگ انہی کشتی والوں کی اولاد ہیں، اور موجودہ نسل انسانی کے آبادی اور وہی کشتی والے لوگ ہیں۔ کشتی نوح اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے کہ اسی کے ذریعے اُس نے نسل انسانی کا انتظام کیا۔

فرمایا ایک کرہم کے کشتی بنائی وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ
اور ہم نے ان کے لیے اس جیسی دیگر چیزیں بھی تخلیق کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔
کشتی اور دیگر سواری کی چیزوں کی تخلیق کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اگرچہ
بظاہر ہر مصنوع انسانی ہاتھوں کی تیار کردہ ہے، مگر فی الحقیقت یہ اللہ تعالیٰ ہی
کا فعل ہے جس نے انسان کو عقل، فہم اور غور و فکر کی صلاحیت بخشی اور پھر ہر مصنوع کی
صنعت کے لیے وسائل مہیا کیے ہیں۔ اس کی مثال سورۃ النحل میں بھی ملتی ہے۔
جہاں اللہ نے گھوڑے، اگدھے اور چمچ جیسی سواریوں کا ذکر کر کے فرمایا يَخْلُقُ
مَا لَا تَعْلَمُونَ (آیت ۸) اللہ تعالیٰ ایسی ایسی سواریاں پیدا کرتا ہے۔ یا
آئندہ زمانے میں کرے گا جنہیں تم نہیں جانتے۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ
ذریعہ نقل و حمل کی ابتداء جس کشتی سے ہوئی، وہ کشتی ترقی کر چکی ہے۔ پہلے عام کشتیاں
سمندروں اور دریاؤں میں چلتی تھیں، پھر بادبانی کشتیاں معرض وجود میں آئیں۔ پھر
بجائے چلنے والے سیڑ بننے اور آج تیل سے چلنے والے لاکھوں ٹن وزنی
جہاز سمندر کی سطح پر رواں دواں ہیں۔ انہی جہازوں کی بدولت ہزاروں مسافر اور
لاکھوں ٹن وزنی سامان ایک ملک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ یہی
نہیں بلکہ جنگی نقطہ نظر سے طیارہ بردار جہاز تک معرض وجود میں آچکے ہیں جن پر سینکڑوں
طیارے اتر سکتے اور پرواز کر سکتے ہیں۔ سمندر کی تہ میں چلنے والی آبدوزیں بھی بنائی
جا چکی ہیں بلکہ اب تو یہ ایٹمی طاقت سے چلنے لگی ہیں۔ یہ سب کچھ کشتی کی ترقی یافتہ
صورتمیں ہیں جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔

سمندروں کے علاوہ خشکی پر چلنے والی لاتعداد سواریاں بھی ایجاد ہو چکی ہیں۔ ان میں گاڑوں
سے کھینچی جانے والی سواریوں کے علاوہ خود کار سائیکل، موٹر سائیکل، ریل کار، ٹرک، ٹریک
اور بکتر بند گاڑیاں ہیں جو اس وقت انسانی استعمال میں ہیں۔ ہوا میں اڑنے والے
ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر ہیں۔ جو ہم فضا میں بلند ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ یہ نقل و حمل کے
ذرائع میں سے تیز ترین ذریعہ ہیں اور ان کی وجہ سے پوری دنیا سمٹ کر رہ گئی ہے۔

علاوہ ازیں اب تو زمین کی فضائی حدود سے پار وہ سنگریسوں تک کے پیلے پروازیں ہو رہی ہیں۔ بڑے بڑے راکٹوں اور فضائی کاروں کی مدد سے انسان چاند تک پہنچ چکے ہیں اور آگے مرتجع تک پہنچنے کے پروگرام بن رہے ہیں۔ غرضیکہ گزشتہ ایک صدی میں دیگر ضروریات زندگی کی طرح ذرائع نقل و حمل میں بھی بے تحاشا ترقی ہوئی ہے۔ یہ سب کچھ لوحِ علیہ السلام کی اولین کشتی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں۔

زمین پر پڑھتی ہوئی ٹریفک اور اس سے خارج ہونے والے دھواں اور اسی طرح کارخانوں کی چیمبوں سے نکلنے والے زہریلے مادہ نے ماحول کی آلودگی کا نیا مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ ابھی دو سال کی بات ہے کہ بھوپال کی ایک فیکٹری میں گیس کا مسئلہ پھٹنے سے ہزاروں آدمی مٹا کر ہو گئے اور سینکڑوں کی تعداد میں موت کی آغوش میں چلے گئے، روس میں ایٹمی تابکاری کے احسار ج سے سینکڑوں آدمی ہلاک ہو گئے۔ اسی وجہ سے اب سائنس دان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ماحول میں آلودگی پیدا کرنے والی صنعت کو زمین سے اٹھا کر فضا میں قائم کر دیا جائے۔ تاکہ لوگ کیمیائی مادوں کے نقصان سے بچ سکیں۔ بہر حال یہ ساری سوچیاں اللہ کی قدرت کے منہ سے ہونے ہیں جن کی طرف اس آیت میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

حفاظتِ مریح
مریتِ خداوند

فَرَمَاوَانِ نَشَأَ لَفْزِ قَهْرٍ اِگر ہم چاہیں تو کشتیوں اور جہازوں کے سواروں کو پانی میں غرق کر دیں۔ دنیا میں آئے دن عز قابی کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ چھوٹی کشتیوں کے علاوہ بعض بڑے بڑے جہاز بھی کسی حادثہ کا شکار ہو کر ڈوب جاتے ہیں۔ کبھی کسی چٹان سے کوئی جہاز ٹکرائے تو کبھی دو جہاز آپس میں ٹکرا گئے۔ بعض اوقات آگ لگ جاتی ہے اور کشتی یا جہاز ڈوب جاتا ہے۔ فسر بیا اگر ہم کسی کو غرق کرنا چاہیں فَلَا حِصْرَ عَلَیْهِمْ لَیْسَ لَہُمْ تَوَانٌ کی فریاد کر پینے والا کوئی نہ ہو۔ وَلَا ہُمْ یَنْفَعُ ذُوْنٌ اور نہ ہی وہ چھڑائے جاسکیں، بھلا اللہ کی مشیت کے بغیر کون کسی کی مدد کر سکتا ہے اور مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے؟ اس سے ترجیح کا مسئلہ بھی سمجھ میں آتا ہے۔ تم مصیبت کے وقت لاکھ کسی دیوی دیوتا،

کسی جن افرشتے، زندہ یا مردہ انسان کو پکارو، کوئی بھی تمہیں موت کے منہ سے نہیں بچا سکتا۔ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا ہماری مہربانی کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا۔ جب ہم کسی کو بچانا چاہتے ہیں تو پھر اُس کے لیے مافوق الاسباب سامان بھی مہیا کر دیتے ہیں۔ فَرَأَىٰ ذَٰلِكَ صَاعِدَ الْمَلٰٓئِكَةِ پھر ہم ایک مقررہ وقت تک فائدہ اٹھانے کی ہمت دے دیتے ہیں۔ اللہ نے ہر مخلوق کو ایک مقررہ وقت تک زندگی عطا کی ہے جس کے دوران وہ اس دنیا کی نعمتوں سے مستفید ہوتی رہتی ہے۔ پھر جب وہ وقت آجاتا ہے تو تمام اسباب دھڑکے دھڑکے رہ جاتے ہیں اور انسان ختم ہو جاتا ہے۔ بہر حال ہر جاندار کی زندگی اللہ کی رحمت کی محتاج ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ڈرو اُن چیز سے مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ جو تمہارے آگے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے آگے سے مراد یہ ہے کہ تمہاری موت آنے والی ہے۔ پھر قیامت برپا ہوگی، اور حشر کا میدان قائم ہوگا۔ پھر وہاں حساب کتاب کی منزل آئے گی اور ہر ایک کے متعلق فیصلے ہوں گے اس سائے عمل سے ڈر جاؤ اور آنے والے وقت کے لیے تیاری کر لو۔ نتیجہ یہ رہ جانے والی دنیا ہے، یہاں پر جو اعمال چھوڑے ہیں اُن کو بھی دھیان میں لاؤ کہ اس دنیا میں رہ کر کیا کرتے رہے اور پھر سوچو کہ ان عبادت و اعمال کا کیا نتیجہ نکلے والا ہے۔ اگر پیچھے بڑے اعمال چھوڑے ہیں تو ظاہر ہے کہ آخرت میں ان کا وبال بھی پڑے گا، لہذا اب وقت ہے، کہ آنے والے وقت سے ڈر جاؤ۔

لوگوں کی اکثریت پر افسوس ہے کہ وہ نہ تو نشانات قدرت میں غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی نجات کے لیے کوئی حیلہ کرتے ہیں۔ بلکہ فرمایا وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيٰتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ اور نہیں آئی ان کے پاس کوئی نشانی اُن کے پروردگار کی نشانیوں میں سے مگر وہ اس

جز اہل
کا منزل

کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ جو بھی کوئی دلیل، معجزہ یا حکم اللہ کی طرف سے آتا ہے یہ اس میں غور و فکر کرنے کی بجائے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے ان نشانیوں میں توحید و رسالت کی بات ہوتی ہے یا وقرع قیامت اور محاسبہ اعمال کی نشاندہی ہوتی ہے مگر یہی چیزیں ان کے مزاج کے خلاف پڑتی ہیں، لہذا یہ ان سے کبھی کترا جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کی غفلت کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

الغافق فی
سبیل اللہ

اللہ نے ان ناہنجاروں کی ایک ریختیت بھی بیان فرمائی ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ أَوْ رَجِبْ أُنْ سَعَا مَا تَعْبَهُ كَمَا كَانُوا عَمَلًا لَّهُمْ عَطَا كَرَهُ رَوْزِي مِیْن سَعَرْ كَرَد۔ یعنی غریبوں، محتاجوں، یتیموں اور یتیموں کا حق ادا کر دے قَالَ الْغَیْثُ كَفَرُوا بِاللَّذِیْنَ اٰمَنُوا تَوَكَّرُوْكَ لَوْكَ اٰیَانِ الْوَلِیْنَ سَعَا مِیْن اٰنْطِعَمُ مَن لَوِیْشَاءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهُ كِیَا مِیْن اِیْے شخص کو کھلائیں جس کو اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو محتاج رکھا ہی پسند کیا ہے۔ تو ہم ان پر خرچ کر کے اللہ کی مشاء کے خلاف کام کیوں کریں؟ مشرکین مکہ بھی یہی فلسفہ بیان کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رض جب محتاجوں کی اعانت کرتے تو بڑے بڑے کافر اور مشرک کہتے کہ تم ان محتاجوں پر کیوں خرچ کرتے ہو؟ آپ جواب دیتے کہ میرے مال میں اللہ نے ان کا حق بھی رکھا ہے، لہذا میں خرچ کرتا رہوں گا۔ وَالَّذِیْنَ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مِّنْ مَّالٍ لِّسَاۤءِلٍ وَّالْمَحْصُوْمِ (المعارج - ۲۴-۲۵) اللہ نے نیک لوگوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ انہیں اپنے مالوں میں سائلین اور محتاجوں کے حقوق معلوم ہیں لہذا وہ ان پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔ کہتے تھے اِنْ اَنْتُمْ لَا اَفِیْ صَلٰلٍ مِّنْ بَیْنِیْ وَتُمْ تَصْرَحْ تُمْرٰی مِیْن ہُو۔ جو اپنا مال ان ناداروں پر خرچ کرتے ہو جنہیں اللہ بھوکا رکھنا چاہتا ہے۔

تقریر رزق
کی حکمت

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں رزق کی تقسیم ایک خاص حکمت کے تحت کرتا ہے، کسی کو کم دیتا ہے، کسی کو مناسب مال اور کسی کو ضرورت سے زیادہ البستر

وہ کسی کو بالواسطہ عطا کرتا ہے اور کسی کو بلاواسطہ۔ اغنیاء کو بلاواسطہ ملے کر حکم دیتا ہے کہ اس میں سے محتاجوں کی خدمت بھی کرو۔ اب امیر آدمی کے مال میں سے زکوٰۃ عداقت کی صورت میں جو غریب آدمی کو پہنچے وہ بلاواسطہ ہو گیا، اور ہے یہ بھی اللہ ہی کی عطا۔ البستہ مال میں کمی بیشی میں اللہ کی حکمت یہ ہے کہ وہ مال ملے کر بھی آزماتا ہے اور اس سے محروم کر کے بھی آزمائش میں ڈالتا ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ہے۔ وَنَبِّیُّکُمْ بِالْمَشْرِ وَالْغَنِیِّ فِثْنَةً (آیت ۳۵) ہم تمہیں برائی اور بھلائی ہر دو طریقوں سے آزماتے ہیں۔ وہ اغنیاء کو مال ملے کر آزماتا ہے کہ وہ اس کے حقوق کس حد تک پورے کرتے ہیں۔ اور غرباء کو محروم کر کے آزماتا ہے کہ وہ کس حد تک صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کیا وہ رزقِ حلال کی تلاش میں نکلتے ہیں یا چھ دی، ڈاکہ اور دھوکہ دہی کا پیشہ اختیار کرتے ہیں بعض لوگوں کو امیر اور بعض لوگوں کو غریب بنانے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مخلوق کی معیشت کا دار و مدار اسی قسم کی تقسیم پر ہے اگر سب کے سب امیر ہی ہوتے تو پھر مزدوری کون کرتا، کاشتکاری کون کرتا اور کارخانے کیسے چلتے اسی طرح اگر سب کے سب رے راجہ ہی ہوتے تو وہ اپنی احتیاج کس سے پوری کرتے؟ اس طرح بھی تمدن کا نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اللہ نے کسی کو کارخانے دار اور کسی کو مزدور بنادیا، کسی کو زمین کا مالک اور کسی کو کسان بنادیا، اور اس طرح دنیا کے تمدن کی گاڑی چل رہی ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کے الفاظ لفظ و شرکین کا نظریہ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے بندوں پر واضح کرنا چاہتا ہے کہ تم کیسی گمراہی کی باتیں کر رہے ہو، حقیقت میں رازق تو ہر مخلوق کا اللہ تعالیٰ ہی ہے اُس نے روزی رسانی کے مختلف ذرائع مقرر کر رکھے ہیں جن کے واسطے سے وہ ہر ایک کو اُس کے حصے کا رزق پہنچا رہا ہے۔ تم اس کی حکمت کو نہیں جانتے۔

بعض لوگ ازراہ تعصب اور عناد کہتے تھے وَلَيَقُولُنَّ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ
 اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بلاؤ کہ وقوع قیامت
 اور محاسبہ اعمال کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی حماقت کی وجہ سے
 اس قسم کے سوال کر رہے ہیں۔ جب ہمارا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا، تو
 ان کو گھڑی بھر بھی مہلت نہیں ملے گی۔ فَسَرَّيَا مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً
وَّاحِدَةً یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر ایک ہی چیخ کا قائل ہیں کہ هَمُّ حَبْرٍ
 کو پھٹے گی وَهُمْ يَخِيفَتُهُمْ اُس حالت میں کہ یہ آپس میں جھگڑا کر
 رہے ہونگے فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دلائل میں غور و فکر کرنے کی بجائے تعصب
 اور عناد کی بنا پر غرور و تجبر والی بات کر رہے ہیں لہذا یعنی سوال کرتے ہیں۔ جب ہماری
 گرفت آئے گی، تو پھر کسی بے چارے لشکر کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ ان کے
 لیے ایک چیخ ہی کافی ہے جو ان کا کام تمام کر دے گی۔ گزشتہ آیات میں
 حبیبِ نجات کا واقعہ بھی بیان ہو چکا ہے اِنْ كُنْتُمْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً
 فَاِذَا هُمْ خَجِدُونَ (آیت ۲۹) فرشتے نے ایک ہی چیخ
 ماری تو وہ نافرمان اس طرح میا میٹ ہو گئے جس طرح جلتے ہوئے کوئلے پانی
 ڈالنے سے بجھ جاتے ہیں۔

فرمایا جب خدا تعالیٰ کی گرفت آتی ہے تو پھر کسی کو سنبھلنے کا موقع نہیں
 مَتَا فَلَآ يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً پھر نہ تو وہ کوئی وصیت ہی کر سکتے
 ہیں کہ میرے بعد منڈاں کا م اس طرح کر لیں یا میرے مال کو اس طرح صرف
 کرنا بلکہ اتنا تو موقع نہیں ملتا وَلَآ اِلٰهَ اٰهْلِيْهِمْ يَنْجِيْهِمْ
 اور نہ ہی وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آ سکتے ہیں کہ ان سے کوئی بات ہی کر لیں
 کوئی شخص بازار میں ہو یا مکان میں، کھیرت میں ہو یا کارخانے میں دفتر میں ہو یا سفر کر
 رہا ہو جہاں کہیں بھی ہوتا ہے، اللہ کی گرفت وہیں آجاتی ہے۔ اور انہیں ذرہ بھر
 بھی مہلت نہیں ملتی۔ فرمایا قیامت کے متعلق پوچھ کر کیا یہ لوگ ایسے اچانک وقت کا
 انتظار کر رہے ہیں؟۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ
 إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا يٰوَيْلَنَا
 مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا كُنَّا هَذَا مَا وَعَدَ
 الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ إِنْ كَانَتْ
 إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا
 مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا
 وَلَا يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾
 إِنْ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ
 فَاكِهِونَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي
 ظِلِّ عَلَى الْأَرْآئِكِ مُتَكِئُونَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيهَا
 فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدْعُونَ ﴿٥٧﴾ سَلَامٌ قَوْلًا
 مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا
 الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾

ترجمہ :- اور پھونکا جائے گا صور میں ، پس اچانک وہ
 لوگ قبروں سے اٹھ کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑیں
 گے ﴿۵۱﴾ کہیں گے ، افسوس ہمارا ، کس نے اٹھایا ، ہمیں

ہماری خراب گاہوں سے یہ وہ چیز ہے جو وعدہ لیا ہے
خدا نے رحمان نے اور سچ کہا ہے اس کے رسولوں نے (۵۲)
نہیں ہے مگر ایک ہی پیچ اچانک وہ سب کے سب
ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے (۵۳) پس آج نہیں
ظلم کیا جائے گا کسی نفس پر کچھ بھی ۔ اور نہیں بدلہ
دیا جائے گا تم کو مگر وہ جو تم عمل کرتے تھے (۵۴) بیشک
جنت والے لوگ آج کے دن مشغول ہیں ہمیں گے ، اور آپس
میں باتیں کر رہے ہونگے (۵۵) وہ اور ان کی بیویاں سایوں
میں تختوں پر تکیے لگانے والے ہوں گے (۵۶) ان کے
لیے ان میں پھل ہوں گے اور ان کے لیے ہر وہ چیز
ہوگی جو وہ طلب کریں گے (۵۷) اور سلام ہوگا ، ایک
بات رب رحم کی طرف سے (۵۸) اور رحیم ہوگا انکے
ہو جاؤ آج کے دن اے گنہگارو! (۵۹)

ربط آیات

اپنی آیات قدرت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی
خدمت بیان فرمائی اور یہ بھی کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اگے پیش آنے والے حالات
کے لیے کچھ تیاری کر لو ، اور جو اعمال پیچھے چھوڑ آئے ہو ان کے متعلق بھی غور و فکر کرو
تاکہ تم پر رحم کیا جائے تو یہ لوگ نشانات قدرت دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے بلکہ
الٹا اعتراض کرنے لگتے ہیں ۔ پھر اللہ نے ان میں سے مالداروں کی حالت کا ذکر
بھی کیا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے غریب اور مساکین
پر بھی خرچ کرو تو کہتے ہیں کہ جن کو خود خدا تعالیٰ بھوکا رکھنا چاہتا ہے یعنی ان کو مایوس
بنایا ہے ، بھلا ہم ان کی اعانت کریں ۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ تو نہایت ہی گمراہی
کی بات ہے ، بلاشبہ ہر جاندار کا روزی رسال اللہ تعالیٰ ہی ہے ، مگر یہ اس
کا طریق کار ہے کہ کسی کو بالواسطہ روزی پہنچاتا ہے اور کسی کو بلاواسطہ وہ ان محتاجوں

کو مالداروں کے واسطے سے روزی پہنچانا چاہتا ہے مگر یہ عیلے بنانے سے ان کا حق ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ نیز اللہ نے یہ فرمایا کہ وہ ہر ایک کی آزمائش کرتا ہے کسی کو مال و دولت دے کہ آزماتا ہے اور کسی کو محروم رکھ کر آزمائش میں ڈالتا ہے۔ پھر اللہ نے قیامت کا ذکر بھی کیا کہ کافر لوگ اس کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر واقعی قیامت آنے والی ہے اور محاسبہ اعمال ہونے والا ہے تو وہ قیامت آگے کیوں نہیں جاتی۔ اللہ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ قیامت بھی اپنے مقررہ وقت پر ہی آئیگی۔ جب وہ وارد ہو جائیگی تو پھر کسی کو ایک گھڑی بھر بھی ملت نہیں ملے گی۔ نہ کوئی شخص نہ تو کوئی وصیت کر سکے گا اور نہ ہی اپنے گھروالوں کے پاس لوٹ سکے گا کہ ان کے ساتھ کوئی بات چیت ہی کر لے۔ بلکہ جس مقام پر بھی ہوگا وہیں اس کو ختم کر دیا جائے گا۔

وقوع قیامت
اور بعثت

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور لوگوں کی بعثت کے متعلق بعض حالات ذکر کیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَنُفِخُ فِي الصُّورِ اور صور میں پھونکا جائے گا۔ وقوع قیامت کا غل صور پھونکنے سے ہوگا۔ اللہ کا ایک فرشتہ منہ میں سینک کی شکل کا ایک جگل تھامے کھڑا ہے اور منتظر ہے کہ کب اللہ کا حکم ہو تو وہ اس صور میں پھونک دے گا۔ جب یہ صور پھونکا جائے گا تو اس سے سارے جاندار ہلاک ہو جائیں گے۔ قرآن پاک میں موجود ہے کہ صور دو دفعہ پھونکا جائے گا اور دونوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائیگا تو ہر چیز فنا ہو جائیگی، پھر پچیس سال کے بعد جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور میدانِ حشر میں اپنے رب کے حضور پیش ہو جائیں گے۔ اس مقام پر اسی دو صور پھونکنے کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ

الْحَبَّ كَيْفَ يَنْفِلُونَ تَرَامِيكَ سَبَّ لَوْ كَقَبْرٍ مِنْ سَمْعٍ كَرِهُنَا
 رب کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے، جس طرف سے آواز آ رہی ہوگی۔ اُس
 طرف دوڑتے چلے جائیں گے۔ سورۃ المعارج میں ہے کہ اس تیزی کے ساتھ
 دوڑیں گے کَاَنَّهُمْ إِلَىٰ نَصِيبٍ يُوقِفُضُونَ (آیت ۴۳) جیسے شکاری
 شکار کے جال کی طرف یا تیر اپنے نشانے کی طرف تیزی سے جاتا ہے۔ اُس وقت
 مادی مخلوق سخت پریشانی میں مبتلا ہوگی۔ قرآن میں اس کی تفصیلات موجود ہیں کہ سخت
 دھوپ، اُس کی تپش، لوگوں کا عظیم اجتماع اور بھوک پیاس کی شدت ہوگی اور لوگ سخت
 گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے۔

اللہ اُس وقت قَالُوا يٰوَيْلَنَا مَرَّ بُعْثَانَا مِنْ مَّرْقَدِنَا
 کہیں نہ! اے افسوس! ہماری خواب گاہوں سے ہمیں کس نے اٹھا دیا۔ مرقہ
 لیٹنے یا آرام کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ صور پھونکے جانے کے بعد جب لوگ اپنا تک
 اٹھ کھڑے ہوں گے تو وہ اُسے اپنے آرام میں خلل تصور کریں گے۔ یہاں پر یہ اشکال
 درود ہوتا ہے کہ قبر کی زندگی تو بزخی زندگی ہے جس میں ہر ایک دہ کہ جزا اور سزا کا احساس
 بھی ہوتا رہتا ہے مگر آیت زیر در اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگ مکمل آرام کی حالت
 میں ہوں گے اور وہ صور میں پھونکنے سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ سرنے کے بعد بزخ
 کی جزا یا سزا کی استقرانی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ چیز اہل سنت و جماعت
 کے عقیدے میں داخل ہے۔ یہ جزا یا سزا معمولی نوعیت کی اور عارضی ہوگی جب کہ حقیقی
 جزا یا سزا سید الان حشر میں جنائے عمل کا فیصلہ ہونے کے بعد شروع ہوگی، مفسرین کرام
 اس اشکال کو دو طریقے سے رفع کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ فرماتے ہیں کہ پہلے صور
 پھونکے جانے کے بعد دو سے صورت تک چالیس سال کے عرصہ میں کوئی نواب
 یا عذاب نہیں ہوگا۔ گویا اس دوران سزا موقوف ہے گی۔ پھر جب لوگ دوبارہ اٹھیں

گے تو محسوس کریں گے کہ وہ تو آرام سے سوئے ہوئے تھے، یہ کس نے جگا کر ان کے آرام میں خلل ڈالا۔

مفسرین کہتے ہیں اس کی دوسری توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ بزرخ کی سزا تو معمولی نوعیت کی ہوگی، پھر جب وہ دوبارہ اٹھ کر حشر کی تلخی کو دیکھیں گے تو وہ بزرخ کی سزا کو معمولی جانیں گے، گویا انہیں کوئی سزا ملی ہی نہیں تھی لہذا وہ کہیں گے کہ ہمیں خواب گاہوں سے کس نے جگا دیا۔ ہم تو آرام سے سوئے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُسْلِمُونَ یہی وہ چیز ہے جس کا وعدہ خدا نے کیا تھا اور جس کے حقائق خدا کے رسولوں نے سچ فرمایا تھا کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جب تم سب قبروں سے دوبارہ اٹھائے جاؤ گے، پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی۔ اور ہر ایک کو اپنے اپنے کیے کا بدلہ چکنا چٹے گا۔ پھر کیا ہوگا؟ إِنْ كُنْتُمْ إِلَّا صَفِيفَةٌ وَّاحِدَةٌ ایک ہی آواز آئے گی فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ پس اچانک سب کے سب ہمارے پاس حاضر کر دیے جائیں گے صور پھونکنے کی دیر ہے کہ ہر شخص بھاگ بھاگ اللہ کے سامنے پیش ہوگا پھر ہر عمل کا حساب ہوگا اور جزا یا سزا کے فیصلے ہوں گے۔ کوئی تنفس ادھر ادھر بھاگ نہیں سکے گا۔ دنیا میں تو ملزم روپوش یا مغرور بھی ہو جاتے ہیں مگر وہاں کوئی ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکے گا جب تک کہ اس کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

فرمایا فَالْيَوْمَ لَا تَصْلَحُ نَفْسٌ شَيْئًا اس دن کسی جان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں ہوگی، بلکہ ہر فرد کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ اس دن کسی کی ذرہ برابر بھی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی کسی بُرائی کی چھوٹ ہوگی بلکہ سب کو مکمل جزا یا سزا مل کر رہے گی۔ وَلَا تَجْزُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

جزا کا عمل

اور تمہیں صرف تمہارے کردہ اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

اگے نیکو کاروں کی جزا کے متعلق فرمایا اِنَّ اَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَاكْمَلُوْنَ پھر جن خوش قسمتوں کے حق میں جنت کا فیصلہ ہوگا۔ وہ مشغول ہوں گے اور آپس میں خوشی خوشی باتیں کریں گے، انہیں ہر قسم کا عیش و نشاط حاصل ہوگا، اور تمام ناگوار اور ناپسندیدہ چیزیں ان سے ہٹا لی جائیں گی۔ پھر ان کو نہ کوئی جسمانی لذت پہنچے گی اور نہ روحانی گرفت ہوگی۔ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلٰی الْاَرَابِلِ هُمْ يَكُونُ وہ اور ان کی بیویاں تختوں پر ٹیک لگائے سایوں میں بیٹھے ہوں گے۔ اریکے کا معنی، تخت، پتنگ، پہنچ یا آج کی اصطلاح میں صوفہ سیٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جنتی لوگ جنت میں نہایت آرام و سکون کے ساتھ اپنی پسند کی اعلیٰ جگہوں پر بیٹھیں گے۔ بڑا خوشگوار ماحول ہوگا اور وہ آپس میں خوشی خوشی باتیں کریں گے۔ انہیں ہر قسم کی تفریح میسر ہوگی۔ اور کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

لَهُمْ فِيْهَا مَا كَفَتْ وَاٰلُ اُنْ کے لیے مختلف الانواع پھیل ہوں گے، جن کو وہ استعمال کریں گے۔ وَلَهُمْ مَا يَدْعُوْنَ اور اس کے علاوہ انہیں ہر وہ چیز حاصل ہوگی جس کا مطالبہ کریں گے۔ ان کی خواہشات اور مطالبات بھی نہایت پاکیزہ قسم کے ہوں گے۔ اور کوئی کمزور اور ردی خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی۔ بہر حال انہیں منہ مانگی مراد ملے گی ان کو ظاہری اور جسمانی لذتوں کے علاوہ ہر قسم کی نفسانی اور روحانی آسائش بھی حاصل ہوگی۔ سورۃ حم سجدہ میں ہے۔ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهُنَّ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدْعُوْنَ رآیت ۱۳۱۔ وَاٰلُ ہر وہ چیز ملے گی جس کو دل چاہے گا اور ہر وہ چیز جس کا مطالبہ کیا جائے گا۔

پہرہ درگاہ
کا سلام

اِنْ اَدٰی نَعْمَتُوْنَ کے علاوہ فرمایا سَلَامٌ سلاستی ہوگی فَتَقُولُ مَرْنِ رَبِّ الرَّحِيْمِ یہ پہرہ درگاہ کی طرف سے قول ہوگا جو کہ نہایت ہی مہربان ہے

اللہ فرمائے گا کہ اے جنت والو! میری طرف سے تمہیں ہمیشہ کے لیے سلامتی نصیب ہو۔ سورۃ النحل میں فرشتوں کے سلام کا ذکر بھی آتا ہے۔ جب فرشتے نیک لوگوں کی روح قبض کرتے ہیں یَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (آیت ۳۲) تو کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو۔ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ان اعمال کے بدلے میں جو تم انجام دیا کرتے تھے۔ پھر جنتی آپس میں بھی ایک دوسرے کے لیے سلامتی کی دعائیں کریں گے، سورۃ یونس میں ہے دَعُوا لَهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَنَحْمَدُكَ فِيهَا سَلَامٌ (آیت ۱۰) جب جنتی جنت کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے سبحان اللہ اور وہاں ان کی آپس میں دعا السلام علیکم ہوگی۔ لیکن جنت والوں کو سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہوگی کہ اللہ فرمائے گا۔ میرے بندو! میری طرف سے تم پر ہمیشہ کے لیے سلامتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنتیو! اُحِلَّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أُسْحَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا میں اپنی رضا اور خوشنودی تم پر اتارتا ہوں۔ اس کے بعد تم پر کبھی ناراض نہیں ہونگا ہمیشہ خوش ہی رہو گا۔ یہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہوگی۔

پھر حکم ہوگا وَامْتَأَنُوا الْيَوْمَ أَنْتُمْ الْمُجْرِمُونَ اے گنہگارو! شرک، کفر، بدعات، اور معاصی کا ارتکاب کرنے والو اپنی صفِ علیحدہ بنا لو۔ دنیا میں تو نیک و بد سب ملے جلتے تھے مگر آج تم علیحدہ ہو جاؤ کہ تمہارا راستہ نیکو کاروں سے الگ ہے اور تمہارا ٹھکانا بھی مختلف ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے محاسبہ کرے گا۔ یہ نہایت مشکل گھڑی اور پریشانی کا عالم ہوگا۔ اور مجرموں کے لیے بڑی کٹھن منزل ہوگی۔

مجرموں کی
علحدگی

وَمَالِ ٢٣

سُرُشْم ٨

يُنَبِّ ٢٦

آيَت ٢٠ ٦٨٢

أَلَمْ آعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَبْنَئِ أَدَمَ إِلَّا تَعْبُدُوا
 الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ⑥٠ وَأَنْ
 اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ⑥١ وَلَقَدْ
 أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا
 تَفْقَهُونَ ⑥٢ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ
 تُوعَدُونَ ⑥٣ إِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ
 تَكْفُرُونَ ⑥٤ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ
 وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ
 بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ⑥٥ وَلَوْ نَشَاءُ
 لَطَمَسْنَا عَلَى أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ
 فَأَنْى يُبْصِرُونَ ⑥٦ وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ
 عَلَى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا
 وَلَا يَرْجِعُونَ ⑥٧ وَمَنْ نَعْمَرَهُ نُنَكِّسْهُ فِي
 الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ⑥٨

توجہ نہ کیا میں نے تم کو نہیں کہہ رکھا تھا اے بنی آدم! کہ نہ عبادت کرنا شیطان کی، بیشک وہ تمہارا کٹلا دشمن ہے (۶۰) اور یہ کہ تم صرف میری عبادت کرنا، یہی سیدھی راہ ہے (۶۱) اور البتہ تحقیق گمراہ کیا تم میں سے بہت سی مخلوق کو، کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے (۶۲) یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (۶۳) داخل ہو جاؤ اس میں آج کے دن اس کے بدلے میں جو تم کفر کیا کرتے تھے (۶۴) آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے مونوں پر اور کلام کریں گے ہمارے سامنے ان کے ہاتھ، اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں جو کچھ وہ سمجھتے تھے (۶۵) اور اگر ہم چاہیں تو مٹا دیں ان کی آنکھوں کو، پس وہ دھڑکیں گے راستے کی طرف، پھر کہاں دیکھ سکیں گے؟ (۶۶) اور اگر ہم چاہیں تو مسخ کر دیں ان کی شکلوں کو ان کے ٹھکانے پر ہی پس نہ طاقت رکھیں وہ چلنے کی اور نہ واپس لوٹ سکیں (۶۷) اور جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اس کو اٹا کر دیتے ہیں پیدائش میں، کیا یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے؟ (۶۸)

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا رد اور روز محشر کا کچھ حال بیان فرمایا تھا۔ جب صور نانی پھونکا جائے گا تو لوگ اپنی قبروں سے حاب کاب کے لیے نکلیں گے۔ پھر ہر ایک کا محاسبہ ہوگا۔ ہر شخص کیلئے اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق جزا یا سزا کا فیصلہ ہوگا اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ پھر جن لوگوں کے لیے جنت کا فیصلہ ہوگا، وہ نہایت ہی آرام و راحت میں ہوں گے اور انہیں ان کی ہر مطلوب چیز

رابطہ آیات

صیا کی جائے گی۔ اس کے علاوہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے سلام ہوگا۔ بر خلاف
اس کے اس روز مجرموں اور گنہگاروں کو حکم ہوگا کہ تم الگ ہو جاؤ اور اپنی علیحدہ صف
بنالو۔ پھر ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

شیطان کی
اطاعت

مجرموں کی علیحدہ صف بندی کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرمائیے
كَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ
عبد نہیں یا تمہاری تعین تھیں یہ بات نہیں سمجھائی تھی اَلَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ
کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ کیونکہ اِنَّكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ
وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد پوری اولاد آدم
سے یہ کہہ دیا تھا کہ شیطان سے خبردار رہنا اور اس کے چھانے میں نہ آنا۔ یہ تمہیں
ورغلائے گا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے
اللہ نے خصوصی طور پر فرمایا تھا فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِٰلِجْنَتِكَ
فَلَا يُخْرِجَنَّكَ مَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ (طہ - ۱۱۷) ہم سے ۱۰

آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ یہ کہیں تمہیں جنت سے نکلوانے ،
پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ پھر ساری اولاد آدم کو اللہ نے اپنے انبیاء کے ذریعے
خبردار کر دیا کہ شیطان سے بچتے رہنا، اِنَّكُمْ لِرَاٰی عَدُوِّكُمْ فَانظُرُوْا
مِنْ حَيْثُ لَا تَرَیْهِمْ (الاعراف - ۲۷) وہ اور اس کا قبیضہ تمہیں
ایسی جگہ سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ غیر مرئی مخلوق
ہے وہ چھپ کر رہ کر رہا ہے، لہٰذا اس کے ہکا بکا میں نہ آنا۔ پھر شیطان نے
بھی روز اول سے قسم کھا رکھی ہے کہ میں تیرے صراطِ مستقیم پر بیٹھوں گا۔ ثُمَّ
لَا يَتَذَكَّرُ اُولَٰئِكَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُوْنَ
وَعَنْ اٰیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ (الاعراف - ۱۷) میں
تیرے بندوں کے آگے سے بھی آؤں گا اور تجھے سے بھی، دائیں سے بھی آؤں گا،
اور بائیں طرف سے بھی اور پھر ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ پھر دنیا کی

طرف سے آکر بھی ان کو گمراہ کر دیں گا، دین کی طرف سے بھی اور خواہشات کے راستے سے بھی۔ اسی لیے اللہ نے ہمارے لیے ایک شیطانی تمہارے دشمن ہے، لہذا اس سے بچ کر رہنا۔

مرطبتیں

اللہ نے فرمایا ایک تو میں نے تمہیں شیطان کے اغوا سے خبردار کیا تھا اور دوسری بات یہ کہ تمہیں وَإِنْ أَعْبُدْكُمْ وَلِحِمْ صِرَاطِ میری ہی عبادت کرنا، اور شیطان کی عبادت نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ تمہیں جہنم میں پہنچائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ يَذْعُو إِلَىٰ حُزْبِهِ لِيَكُونُوا مِن أَصْحَابِ السَّعِيرِ (فاطر: ۶) وہ اپنے گروہ کو بلارہا ہے تاکہ سب کو ساتھ لے کر جہنم میں جائے، وہ اپنی جماعت کو بڑھانا چاہتا ہے تاکہ جہنم میں اس کے — ساتھی زیادہ سے زیادہ ہوں۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں آگاہ کر دیا تھا کہ شیطان کی دشمنی سے بچتے رہنا، اور عبادت صرف میری کرنا هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ یہی سیدھا راستہ ہے اسی پر چل کر تم دائمی نجات پا سکتے ہو۔ اگر اس راستے سے ہٹا دے گا تو پھر تمہارا ٹھکانا جہنم ہو گا۔

شیطان کا اغوا

آگے اللہ نے شیطان کے اغوا سے مزید خبردار کیا ہے وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا تحقیق اس شیطان نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو بہکا رکھا ہے۔ جِبِلًّا کا معنی مخلوق ہے اس کا تلفظ جَبَلًا اور جَبَلًا بھی آتا ہے فرمایا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے کہ اس کو اپنا دشمن سمجھتے ہوئے اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ یہ کافر اور مشرک سب شیطان کے راستے پر چل رہے ہیں۔ آج بھی دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے چار ارب لوگ شیطان کے پجاری ہیں جب کہ مشکل پانچواں حصہ توحید کو مانتا ہے جب جِبِلًّا کے عمل کی منزل آئے گی تو شیطان کہے گا ان پجاریوں سے کہا جائے گا۔ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اللہ کے راستے کو چھوڑ کر شیطان کے

غلاں غلط مقام پہ گیا تھا۔ اُس وقت گنہگار آدمی حیرت میں مبتلا ہو جائے گا کہ خود اُس کے اعضاء و جوارح ہی اُس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ پھر وہ جسم کے اعضاء سے مخاطب ہو کر کہے گا۔ کہ میں نے تمہیں ہی سزا سے بچانے کے لیے جرم ۱۵۰۰ کیا تھا مگر اب میں نے خود ہی یہ سزا فاش کر دیا ہے۔ اب تمہارے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسانوں کے اعمال کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے سہل طور پر کر رکھی ہے، اور اس کا ہر قول اور فعل اُس کے اعمال میں درج ہو رہا ہے۔ یہ اعمال نامہ موت کے وقت انسان کے گھٹے میں لٹکا دیا جاتا ہے اور قیامت والے دن متعلقہ شخص کے سامنے پیش کر کے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اِقْرَأْ کِتَابَکَ ذِکْرَیْ بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا رَّبِّیْ اِسْرَءِیْل (۱۳) یہ تیرا اعمال نامہ ہے جسے خود ہی پڑھ لو۔ حساب کتاب کے لیے آج کے دن یہی تذکرہ کافی ہے۔ چنانچہ خواہ دنیا میں کوئی شخص پڑھا لکھا تھا یا ان پڑھا، اپنا اعمال نامہ خود پڑھ سکے گا۔ اُس وقت انسان خیال کرے گا کہ میرے اعمال تو میرے اعضاء کے ساتھ چمپے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ہاتھ اور پاؤں بھی گواہی دیں گے جیسا کہ میں نے بیان کر دیا۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس خطہ زمین پر انسان نے کوئی اچھا یا بُرا کام کیا جو کا زمین کا وہ ٹکڑا بھی اس کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے گا۔ وہاں کے ارد گرد کی چیزیں بھی شہادت دیں گی۔ چنانچہ اذان والی حدیث میں آیا ہے کہ اذان کہنے والے شخص کے حق میں اُس کے دائیں بائیں سے تمام شجر و حجر گواہی دیں گے، اسی طرح حج کا تلبیہ پکارنے والے کے حق میں زمین کے آخری حصے تک کی تمام چیزیں گواہی دیں گی کہ مولا کریم! اس شخص نے تیرا نام احترام کے ساتھ

دیگر اثبات
کی گواہی

بلند کیا تھا۔

سورة السجدة میں آتا ہے حَتَّىٰ اِذَا مَا جَاءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾

جب مجرم لوگ اُس مقام پہ آجائیں گے تو انکے کان آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی۔ اُس کام کے متعلق جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم ہمارے خلاف کیسے گواہی دیتی ہو، اور آج یہ قوت گواہی تمہیں کہاں سے حاصل ہو گئی تو وہ جواب دیں گی قَالُوْا اَنْطَقْنَا اللّٰهُ الَّذِیْ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ وَاَلِیْسَ بِتَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ کہ ہمیں اُس اللہ نے قوت گواہی عطا کی ہے جس نے ہر چیز کو یہ قوت بخشی ہے۔ یہ وہی ذات ہے جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور پھر تم اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔ بہر حال فرمایا کہ قیامت والے دن انکار کرنے والوں کے مونوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے اعضاء و جوارح بول کر ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے سزا دے۔ وَلَوْ نَشَاءُ لَقُطَعْنَا عَنْکَ اَعْيُنُهُمْ اَوَّحُنَّ لَکَ وَاَنْتَ لَا تَسْمَعُ ﴿۲۲﴾ تو نافرمانوں کی آنکھیں ہی ضائع کر دیں قَا سَتُبْقُوا الصِّرَاطَ فَاَنْتَ لَا یُبْصِرُوْنَ پھر وہ راستے کی طرف درڑھا جاہیں گے مگر انہیں کچھ نظر نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسا کہنے پر بھی قادر ہے۔ جب لوط علیہ السلام کی قوم پر سزا کا وقت آیا تو فرشتے کو حکم ہوا کہ اپنا پر ہلاؤ۔ جب ایسا کیا قَطَعْنَا اَعْيُنَهُمْ (القمر - ۳۷) تو ہم نے انکی کی آنکھیں ہی ضائع کر دیں، وہ سب اندھے ہو گئے، یہاں بھی فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو مجبوروں کو اندھا کر دیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلٰی مَکَانَ تَوْبَتِهِمْ اور اگر ہم چاہیں تو ان کے ٹھکانوں پر ہی ان کی شکلیں مسخ کر دیں ایسے واقعات پہلے بھی پیش آتے رہے ہیں۔ اللہ نے کئی نافرمان قوموں اور جماعتوں کی شکلیں بگاڑ کر بندر اور خنزیر بنا دیے۔ سورة المائدہ میں اہل کتاب کے متعلق فرمایا

خدا کی طرف سے
ممکنہ سزا

وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِدَّةَ وَالْحَنَازِيْمَ (آیت ۶۰) کہ اُن کو بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

فرمایا ہم اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ یہ لوگ جہاں بھی کھڑے یا بیٹھے ہوں وہیں ان کی شکلیں مسخ کر دیں۔ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ پھر نہ وہ آگے چلنے کی طاقت رکھیں اور نہ واپس گھر جاسکیں۔ انہیں اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ اگلی منزل تک پہنچ جائیں یا گھر والوں کو ہی بتا سکیں کہ ہم جتنا عذاب ہو چکے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے متعلق بائبل کا بیان ہے کہ اللہ نے اُسے پتھر کی شکل میں مسخ کر دیا تھا۔ اسی طرح اساف اور نامر مردوزن نے خانہ کعبہ میں زنا کا ارتکاب کیا تو اللہ نے اُن کو پتھر بنا دیا اور وہ کافی عرصہ تک صفا اور اور مردہ پر عبرت کے لیے پڑے رہے۔ بعد میں شیطان نے لوگوں کے دلوں میں دوسرے انداز کی کہ اُن کی پرستش شروع کر دی۔ بہر حال فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو اُن کی شکلیں مسخ کر دیں۔ کیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ خدا قادر مطلق ہے۔

فرمایا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے وَمَنْ نَعْبُدُهُمْ مُنْجِسُهُ فِي الْخَلْقِ جَسَدٌ كَمَا زَادَ عَمْرُؤُا مَرْتَةً ہوتے ہیں اُن کو پیدائش میں الٹ کر دیتے ہیں۔ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ کیا یہ لوگ اس بات میں غور و فکر نہیں کرتے؟ ابتداء میں انسان بچہ ہوتا ہے۔ پھر جوان ہوتا ہے، طاقت آتی ہے مگر جب بڑھاپے کا دور شروع ہوتا ہے تو تمام اعضا، آہستہ آہستہ مضہل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی بات کے متعلق فرمایا ہے کہ جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں۔ اُسے پھر پیدائش کی حالت میں الٹ دیتے ہیں۔ سورۃ روم میں اللہ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعِفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً (آیت ۵۴)

اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد قوت عطا کی۔ پھر قوت کے بعد دوبارہ کمزوری اور بڑھاپا طاری کر دیا۔ یہ حالات

بڑھاپے کی
حالت

لوگوں کے لیے نشانِ عبرت ہیں اگر انسان اپنی چیزوں میں غور کرے تو کفر، شرک اور مباحی
 کا ارتکاب نہ کرے مگر مراد آبادی نے بھی کہا ہے ۔
 رخصت ہوئی شباب کے مہراہ زندگی
 کہنے کی بات ہے کہ جتنے جارم بھل میں
 بہر حال اللہ نے زندگی کے مختلف مراحل کو اپنی قدرت کی نشانی بیان فرمایا ہے ۔
 اگر لوگ پھر بھی اُس کی توحید کو تسلیم نہ کریں تو وہ سزا دینے پر بھی قادر ہے ۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ﴿٦٩﴾ لِيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧٠﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُحْضَرُونَ ﴿٧٥﴾ فَلَا يَخْزِيكَ قَوْلُهُمْ إِنَّآ نَعْلَمُ مَا يُبْسَرُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾

ترجمہ یہ اور نہیں سکھایا ہم نے اس (پیغمبر) کو شعر کہنا، اور نہ ہی لائق ہے اس کے کہ یہ نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور قرآن کھول کر بیان کرنے والا ﴿۶۹﴾ تاکہ ڈر جائے اس کو جو جان رکھتا ہے، اور ثابت ہو جائے

بات کفر کرنے والوں پر ﴿۷۰﴾ کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ بیشک ہم نے پیدا کیا ہے اُن کے لیے جو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے موسیٰیوں کو۔ اور وہ ان کے مالک ہیں ﴿۷۱﴾ اور ہم نے آبیح کر دیا ہے اُن کو اُن کے لیے۔ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر اُن کی سواری ہے، اور بعض وہ ہیں جن سے وہ کھاتے ہیں ﴿۷۲﴾ اور اُن کے لیے ان موسیٰیوں میں بہت سے فائدے ہیں، اور پینے کے گھاٹ ہیں۔ کیا یہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے؟ ﴿۷۳﴾ اور بنالیے ہیں انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود تاکہ وہ ان کی مدد کریں ﴿۷۴﴾ وہ طاقت نہیں رکھتے اُن کی مدد کی، اور یہ اُن کے لیے لشکر ہو گا جو (پکڑ کر) حاضر کیے جائیں گے ﴿۷۵﴾ پس نہ غم میں ڈالے آپ کو اُن کی بات۔ بیشک ہم جانتے ہیں جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں ﴿۷۶﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ نے میدانِ حشر کے کچھ واقعات بیان فرمائے قیامت والے دن گمراہ لوگ اپنے بُرے اعمال و افعال اور بُرے عقائد سے انکار کریں گے تو اُن کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور اُن کے ہاتھ اور پاؤں بول کر اُن کے خلاف گواہی دیں گے اور اُن کے کبر و قوت ثابت ہو جائیں گے۔ اب آخر سورۃ میں اللہ نے توحید و قرآنی کی حقانیت اور جزائے عمل کا مسئلہ بیان فرمایا، اور مثنیٰ رسالت کا ذکر بھی آگیا ہے۔ الغرض سورۃ کے اس آخری حصے میں چاروں بنیادی مسائل کو اختصار کے ساتھ دہرایا جا رہا ہے۔

شعر گوئی کی نعتی

کافر اور شرک لوگ قرآن پاک کو اللہ کا کلام تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اُسے شاعری، کہانت یا سحر سے تعبیر کرتے تھے کبھی کہتے کہ یہ افسانہ کہنوت

کے دعویدار نے اسے افتر کیا ہے یعنی خود بنا کر لے آیا ہے اور پھر اُسے خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے کلام شاعر ہونے کی

مؤثر انداز میں تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ اور ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر گوئی سکھائی ہی نہیں۔ بھلا جس کو کسی کام کی تربیت ہی نہ ہو وہ کیسے اُس کام کو انجام دے گا۔ حقیقت یہ ہے وَمَا يَنْبَغِي لَهُ کہ شعر و شاعری تو ہمارے نبی کے شایانِ شان ہی نہیں ہے، بھلا وہ اپنی طرف سے کس طرح شعر بنا کر پیش کر دے گا۔ فرمایا یہ قرآن کریم اشعار کا مجموعہ نہیں۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ بَلَدٍ يَكْفُرُ بِمَا يَكْفُرُ تو سرسری صحبت کی بات ہے وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ اور کھول کر بیان کرنے والا قرآن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شاعری کی بنیاد تو وہم اور تخیل پر ہوتی ہے۔ اللہ نے سورۃ الشعراء میں فرمایا ہے وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ (آیت ۲۲۴) کہ شعراء کے پیچھے گننے والے اکثر گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَكْفُرُونَ (آیت - ۲۲۵) کیا تم نے دیکھا نہیں کہ شاعر کس طرح ہر وادی میں خیالی کھوڑے دوڑاتے ہیں۔ کسی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں اور اگر کسی کی مذمت کی ہے تو فحش گوئی تک پہنچ گئے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کسی شعر میں جس قدر جھوٹ ہوگا اور خیالی پلاؤ پکایا گیا ہوگا، اسی قدر وہ پسندیدہ ہوگا اور اُس پر واہ واہ کے ڈونگرے برساتے جائیں گے۔

پیچ در شعر و در فن او

چو اکذب ادست احسن او

شعر جتنا جھوٹا ہوگا، اتنا ہی مزیدار ہوگا لہذا اس فن میں زیادہ دلچسپی نہ لے یہی وجہ ہے شعر و شاعری نبوت و رسالت کے منافی ہے۔

شعر گوئی
میں استثنیٰ

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ہر زبان میں شعر و شاعری ہوتی رہی ہے۔ مگر اکثر و بیشتر لوگ غلط کار، جھوٹے اور خیالی ہوتے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ تاہم استثنیٰ نیاں بھی ہے۔ خود سورۃ الشعراء میں موجود ہے کہ ان شعراء کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے **إِلَّا الَّذِينَ أَصْنَوْا وَاَعْمَلُوا الصَّالِحَاتِ** (آیت ۲۲۷) مگر بعض ایسا نادر شاعر اچھا کلام بھی کہتے ہیں جس سے لوگوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ شاعری بذاتِ خود تو بڑی چیز نہیں مگر اس کا جھوٹ اور مبالغہ آرائی اس کو بڑا بنا دیتی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شعر و شاعری بھی ایک کلام ہے اس کا اچھا حصہ اچھا ہے اور بُرا حصہ بُرا ہے۔ تاہم اس میں برائی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے جس کی سب سے بڑی وجہ شعراء کی دروغ گوئی اور قول و فعل کا تضاد ہوتا ہے **أَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ** (الشعراء ۲۲۶) شاعر لوگ زبان سے بڑی باتیں کرتے ہیں مگر عمل میں صفر ہوتے ہیں۔

تاہم دنیا میں اچھے شاعر بھی ہوئے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے اپنے زمانہ مبارک کے مشہور شاعر حسان بن ثابتؓ اپنے اشعار کے ذریعے اسلام کا دفاع کیا کرتے تھے۔ جب کفار اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف شعر گوئی کرتے تھے تو حضور علیہ السلام حضرت حسانؓ کو جواب دینے کے لیے کہتے۔ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت حسانؓ سے فرمایا کہ ان کافروں کو جواب دو جبریل امین تمھارے نوبہ ہوں گے، اسی طرح مولانا رومؒ کی مثنوی میں بڑی کام کی باتیں ہیں۔ ہمارے قومی شاعر ڈاکٹر محمد اقبالؒ کا کلام بھی بہت اچھا ہے۔ انہوں نے قوم و ملت کے ضمیر کو قہقہہ ڈالا ہے۔ اسی طرح شیخ سعدیؒ کی گلستان اور بوستان کے تراجم دنیا بھر کی زبانوں میں

ہو چکے ہیں۔ ان میں بڑے تجربے اور نصیحت کی باتیں ہیں۔ یہ کتابیں دینی مدرسوں میں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

کسی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فسطیہ دریافت کیا، کیا حضور علیہ السلام کبھی بطور مثال کسی شعر کا ذکر بھی فرماتے تھے؟ فرمایا ہاں! بعض اوقات ایک آدھ شعر یا مصرعہ اپنی زبان سے ادا فرماتے تھے۔ مثلاً آپ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار پڑھ لیا کرتے تھے۔

لَوْ لَا اللَّهُ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت سے نہ نوازتا تو نہ صدقہ کر سکتے نہ نماز ادا کر پاتے۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت کے ایک شاعر کا شعر بھی آپ بعض دفعہ زبان پر لے آتے تھے۔

وَيَاثِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تَزِدْ
سَتَبْدِي لَكَ الْيَا مَرْمَاكَتَ جَاهِلًا

زمانہ تیرے سامنے وہ باتیں ظاہر کر دے گا جس سے تو ناواقف ہے، اور تیرے پاس خبریں وہ لوگ لائیں گے جنہیں تو نے کوئی توشہ نہیں دیا ہوگا۔) زمانہ جاہلیت میں کوئی خبر معلوم کرنے کے لیے بڑا اہتمام کرنا پڑتا تھا۔ اس کام کے لیے کوئی آدمی بھیجا پڑتا، اُس کے لیے سواری کا انتظام کرنا ہوتا اور اُسے زادراہ کے علاوہ کچھ دیگر معاوضہ بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔ مگر آج مادی ترقی کے زمانہ میں دنیا بھر کی خبریں مختصر میٹھے بلا معاوضہ حاصل ہو جاتی ہیں۔ یہی مطلب ہے کہ بغیر توشے کے خبریں معلوم ہو جایا کرہیں گی۔ اس شعر میں خود پیغمبر علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ کی

طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ کا نبی دنیا اور آخرت کی ساری خبریں بلا معاوضہ تم کو پہنچائے گا۔ بہر حال حضور علیہ السلام کسی شاعر کا اچھا شعر تو زبان پر لے آتے تھے مگر خود شعر نہیں کہتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے شعر گوئی کا علم اپنے نبی کو سکھایا ہی نہیں اور نہ ہی یہ منصب نبوت کے شایان شان ہے۔ اس کے برخلاف آپ جو کلام پیش کرتے ہیں۔ وہ سراسر نصیحت پر مشتمل ہے۔ آپ حقیقت کے ترجمان ہیں اور آپ کی بعثت کا ایک مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے روشناس کرنا بھی ہے۔

قرآن متقابل
اشعار

چنانچہ شعر و شاعری کے برخلاف پیغمبر اسلام نے اللہ کا کلام قرآن پاک پیش کیا اور اس کو پڑھ کر جو لوگ تباہ ہوئے انہوں نے دنیا میں کاروائی نہ کیا۔ انہام دیے شعر و شاعری تو نذر دل قرآن کے زمانہ میں باہم عروج پر تھی مگر اس کا ماحصل کیا تھا کسی کی تعریف کے بل باندھ دیے تو کسی کی جھوٹ دی۔ الفاظ کے تانے بانے میں حقائق کو مسخ کیا اور جھوٹ کو سچ بنانے کی کوشش کی۔ اس سے دنیا میں کوئی انقلاب تو نہیں آگیا تھا بلکہ لوگ مزید لہو و لعب میں پڑ گئے۔ قرآن نے آکر زندگی کا مکمل پروگرام پیش کیا، فلاح کے اصول، اجتماعیت کا طرہ، نظم حکومت، تجارت کے اصول، سفر و حضر اور صلح و جنگ کے قوانین بدلے، بد اخلاقی کی بجائے اخلاق حسنہ دیے، بُرائی کو بجائے نیکی کو رائج کیا، دنیا کی بجائے آخرت کی طرف رخ پھیرا غرضیکہ زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی فرمائی۔ تو ایسے اعلیٰ اقدار کے حامل قرآن پاک کو شعر و شاعری جیسے جھوٹے اور مبالغہ آمیز کلام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ یہ قرآن شعر و شاعری نہیں بلکہ سراسر نصیحت اور کھول کر بیان کرنے والا کلام ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے

لِيُنْذِرَ مَنِ كَانَ حَيًّا نَاكِهًا يَوْمَ يَكُونُ النُّجُومُ كَالْمُحْتَبِقِ
تو مومن کافر مشرک، منافق سب ہیں مگر شاہ عبد القادر فرماتے ہیں کہ زندہ

لے موضع القرآن ص ۵۲ (فیاض)

کا مطلب یہ ہے کہ جس میں جان ہے یعنی وہ اپنے فائدے کے لیے نیکی کا اثر قبول کر سکتا ہے جو شخص نصیحت کا اثر ہی قبول نہیں کرتا اُس کو ڈرانا کچھ مفید نہیں ہو سکتا جیسے سورۃ البقرہ کی ابتداء میں کافروں کے متعلق فرمایا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (آیت - ۶) ایسے لوگوں کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برباد ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بہر حال زندہ سے مراد وہ قوم، جماعت یا فرد ہے جس میں نیکی کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے فرمایا وَ يَحِقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ اور تاکہ یہ بات کافروں پر ثابت ہو جائے۔ اللہ نے کفار پر اتمام حجت کے لیے اس کتاب قرآن پاک کو نازل فرمایا ہے تاکہ کوئی شخص کل کو یہ نہ کہہ سکے کہ میرے پاس تو کوئی کتاب نہیں آئی، نہ کسی سمجھانے والے نے سمجھایا اور کسی نبی، رسول یا اُس کے نائب نے ڈرایا ان دو آیات میں قرآن پاک کی حقانیت و صداقت اور حضور نبی کریم علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی گواہی بھی آگئی۔

موتیوں
کی پیدائش

آگے اللہ نے اپنی قدرت کے کچھ دلائل بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ كِيَا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُن کے لیے پیدا کیے ہیں مِثْمَاعِلَتْ اَيْدِيْنَا جن کو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی تخلیق کا ذکر ہو رہا ہے اس میں انسانی ہاتھوں کا دخل نہیں بلکہ اللہ کی قدرت کا کام ہے اگر اس کو دست قدرت بھی مانیں تو اس سے مراد ایسے ہاتھ نہیں جیسے ہمارے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے وہ ہاتھ مراد ہیں جو اُس کی شان کے لائق ہیں۔ اللہ کے ہاتھوں کا ذکر بعض دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے۔ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ (المائدہ - ۶۴) اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ حدیبیہ کے واقعہ میں جب صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو اللہ نے فرمایا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح - ۱۰) اُن کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ تھا۔ غرضیکہ اللہ نے ہاتھوں کی نسبت اپنی طرف

کی ہے مگر یہ انسانی لہجہ کی طرح دائیں بائیں نہیں بلکہ جیسا اس کی شان کے لائق ہیں تو فرمایا
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جن کو ہمارے لہجوں نے بنایا اور وہ کیا چیز ہے انعاماً
وہ موشی ہیں جن کے ساتھ تمہیں شب و روز واسطہ پڑتا ہے اور وہ تمہاری خدمت
پر مامور ہیں۔

فرمایا یہ موشی پیدا تو ہمارے دست قدرت نے کیے فَهَمْ لَهَا
مِلْكُوْنَ مگر ان کے مالک یہ لوگ ہیں۔ ہم نے حق ملکیت ان کو دے دیا ہے
حقیقت یہ ہے کہ پیدا کرنے والا بھی خدا تعالیٰ اور حقیقی مالک بھی وہی ہے کیونکہ
مالک وہی ہو سکتا ہے جو کسی چیز کا خالق ہو مگر اس نے اپنی سرانی سے ان کا
عارضی مالک ان لوگوں کو بنا دیا ہے کہ وہ جس طرح چاہیں ان سے خدمت لیں اور اگر
در حقیقت مالک ہر شے خدا است

ایں امانت چند روزے نذر ما است

اس حقیقت کو قرآن پاک میں جگہ جگہ واضح کیا گیا ہے اَللّٰهُ مَافِ السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِی الْاَرْضِ (البقرہ ۲۸۴) ارض و سما کی ہر چیز اللہ ہی کے لیے ہے
یعنی ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

آج کل سرمایہ داروں اور محنت کشوں کے درمیان یہ بحث چل رہی ہے کہ
اصل چیز سرمایہ ہے یا محنت۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے لوگ بضد ہیں کہ اصل
چیز سرمایہ ہے۔ سرمایہ ہو گا تو محنت کے مواقع پیدا ہوں گے لہذا سرمایہ مقدم ہے
دوسری طرف سوشلزم اور کمیونزم والے کہتے ہیں کہ سرمایہ محنت سے پیدا ہوتا ہے
اگر محنت ہی نہیں ہے تو سرمایہ کہاں سے آئے گا۔ لہذا وہ مزدوروں کے حقوق
کو مقدم سمجھتے ہیں۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ کسی چیز کا مالک نہ سرمایہ دار ہے اور
نہ محنت کش بلکہ مالک حقیقی خدا تعالیٰ کی ذات ہے جو ہر چیز کا خالق ہے۔
انسانی ملکیت عارضی ہے اور اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اللہ نے آزمائش کے لیے
ملکیت ان کو عطا کی ہے۔ ان سے پہلے بھی وہی مالک تھا اور ان کے بعد

بھی وہی مالک ہو گا۔ لہذا اس کے مقرر کردہ ضابطے کے مطابق عمل کرنا چاہیے تاکہ دنیا میں امن قائم رہے۔

فرمایا ہم نے موشی پیدا کر کے انسانوں کی ملکیت میں دے دیئے وَذَلَّلْنَاهَا کھمڑ اور پھر ان موشیوں کو انسانوں کے تابع کر دیا۔ ہاتھی، اونٹ، گھوڑا، گائے، بھینس کتے بڑے بڑے جانور ہیں۔ جو انسانوں سے بھیدوں گنا زیادہ طاقتور ہیں۔ مگر اللہ نے ان کے طبائع میں یہ بات ڈال دی ہے کہ تمہیں انسان کی خدمت کرنا ہے۔ چنانچہ وہ اتنے طاقتور ہونے کے باوجود انسان کے اشارے پر چلتے ہیں اور ہر وہ کام کرتے ہیں جو انسان کو مطلوب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا فَمِنْهُمْ رُكُوعٌ بَعْضُ اِنْ مِنْ سَعَى وَاَنْتَ مِنْ سَعَى سَوَارِیْ كَالْکَامِیْتِے ہیں۔ وہ شہکایا کُنُوْنَ اور ان میں سے بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔ دیکھ لیں گدھا، خچر، گھوڑا، اونٹ وغیرہ سوارِی کا کام دیتے ہیں اور گائے، بھینس، بکری کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

فرمایا وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ اِنْ جَانُورُوں میں انسانوں کے لیے دیگر فوائد بھی ہیں۔ ان کے مال، کھال، ہڈیاں، چربی، گھئی، سینک اور چمڑا تک انسانی ضروریات کا حصہ ہیں۔ جانوروں کا گوشت بھی ضائع نہیں جاتا۔ اس کو سکھا کر ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی کھال استعمال میں لائی جاتی ہے اب تو توانائی پیدا کرنے کے لیے گوبر کے پلانٹ بھی لگ رہے ہیں وَمَشَارِبُ اور جانور انسانوں کے لیے پینے کے گھاٹ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قصوں میں وَاذَرَدَدَ پیدا کر دیا ہے جو انسانی خوراک کا ایک اہم حصہ ہے فرمایا اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ اتنے فوائد حاصل کرنے کے باوجود بھی کیا یہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے؟ امام بیہقیؒ اور امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث بیان

موشی بطور
خدام

قَوْلُهُمْ اِنْ كُنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
 وَمَا يُعْلِنُوْنَ اِمْ هَمْ خُوب جَانْتِ هِي جِي چيز كُيَه چھپاتے هِي ادر جس كو ظاهر
 كرتے هِي۔ همارے علم سے اِنْ كِي كوئي چيز پوشيد هئيس، اِمْ اِنْ كِي نيت اور
 ارادے سے هِي واقف هِي اور ظاهري حرڪات كو هِي ديكھ هے هِي۔ اِنْ كِي خفيہ منصوبہ
 بندياں هِي همارے سامنے هِي اور اِنْ كے لفاق كو اِمْ جانتے هِي۔ نافرمانوں نے پہلے
 انبيار كے ساتھ هِي ايسا هِي سلوك كيا، اِمْ غم نہ كرس جكه اپنا كام جاري ركھيس، اِمْ خود اِنْ
 سے نيٲ ليس گئے۔

لَمْ يَرِ الْإِنْسَانَ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ
 فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ﴿۸۰﴾ وَضَرَبَ لَنَا
 مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي
 الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۸۱﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي
 أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ
 عَلِيمٌ ﴿۸۲﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ
 الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿۸۳﴾
 أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
 بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ
 وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿۸۴﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا
 أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۸۵﴾
 فَسُبْحَنَ الَّذِي فِي يَدَيْهِ مَلَكَوْتُ كُلِّ
 شَيْءٍ وَوَالِيَهُ تُرْجَعُونَ ﴿۸۶﴾

۵۵۳۲

ترجمہ :- کیا نہیں دیکھتا انسان کہ بیشک ہم نے پیدا
 کیا ہے اُس کو ایک قطرہ آب سے ۔ پس اپنا
 وہ بڑا جھگڑنے والا ہے ﴿۸۰﴾ اور وہ بیان کرتا ہے

ہمارے بے مثالیں، اور بھول جا ہے اپنی پیدائش کو۔ کتنا ہے
 کون زندہ کرے گا ٹہریوں کو علائحہ وہ برسیہ ہو چکی
 ہوں گی (۷۸) آپ کہہ دیجئے، زندہ کرے گا اُن کو وہ
 جس نے پیدا کیا ہے اُن کو پہلی مرتبہ۔ اور وہ ہر پیدائش
 کو خوب جاننے والا ہے (۷۹) وہ جس نے بنائی ہے
 تمہارے لیے ہنر درخت سے آگ۔ پس اچانک تم اس
 سے سلگاتے ہو (۸۰) کیا نہیں ہے وہ ذات جس نے
 پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو، قادر اس پر کہ پیدا کر
 دے اُن جیسے۔ کیوں نہیں۔ وہ تو بہت بڑا پیدا کرنے
 والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (۸۱) بیشک اُس
 کا حکم جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کے بارے میں
 ترکہا ہے اس کو ہو جا، پس وہ چیز ہو جاتی
 ہے (۸۲) پس پاک ہے وہ ذات جس کے دست
 قدرت میں ہے حکومت ہر چیز کی اور اسی کی طرف
 تم لوٹنے جاؤ گے (۸۳)

گزشتہ درس میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر
 ہوا۔ پھر اللہ نے ترمیم کے عقلی دلائل دیے جن میں غمزدگی کے انسان اللہ
 کی وحدانیت اور اس کی قدرت کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہی دلائل وقوع قیامت کے
 لیے بھی کافی ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کو تسلی دی کہ آپ کفار و مشرکین کی بیسودہ باتوں سے غمگین نہ ہوں، ہم اُن کے
 ظاہر و باطن کو جانتے ہیں اور ان کے عقاید و اعمال کا ضرور بدلہ دیں گے۔ اب
 آج کے درس میں بھی اللہ نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت پر دلائل پیش
 کیے ہیں اور ساتھ ساتھ مشرکین کا رد فرمایا ہے۔

رابطہ آیات

انسان کی
پیدائش

ارشاد ہوتا ہے اَوَلَمْ يَرِ الْكَافِرُ اَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ
کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اُسے ایک قطرہ آب سے پیدا کیا۔ نطفہ شفاف پانی
کر سکتے ہیں اور اس سے مراد انسان کا مادہ تولید ہے جو انسان کی پیدائش کا ذریعہ
ہوتا ہے۔ سورۃ سجدہ میں فرمایا ہے ثُمَّ جَعَلْنَا نَسَبَكَ مِنْ مَّاءٍ
مَّهِينٍ (آیت ۸۰) ہم نے انسان کی تخلیق کٹھن سے کی اور پھر اُس کی نسل کو حقیر
پانی سے چلایا جو پیشاب کی طرح ناپاک ہے اور اگر کسی کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو دھو کر
بغیر بارہ نہیں ہوتا۔ سورۃ الطارق میں ہے فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ
انسان غور کرے کہ اُسے کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ ذَافِقٍ
اُسے اچھلنے والے پانی سے تخلیق کیا گیا ہے۔ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ
وَالثَّانِي جہینے اور پیل کی ٹہریوں کے درمیان سے خارج ہوتا ہے مطلب
یہ کہ اگر انسان اپنی پیدائش میں ہی غور کرے تو اُس کا تمام غرور و تکبر ختم ہو جائے
اور وہ اللہ کے معاملات میں محبت بازی نہ کرے۔

دوبارہ زندگی
پر جھگڑا

فرمایا کہ ہم نے تو انسان کو ایک حقیر قطرہ آب سے پیدا کیا فَاِذَا هُوَ
نَحْسِبُهُ مُبْتَلٰی مَکْرَاجًا نَّکَرًا وہ بڑا عجیب لڑکھا ہوا ہے۔ اُسے تو اپنی پیدائش کو دیکھ
کہ ہی وحدانیت کا قائل ہو جانا چاہیئے تھا مگر وہ وقور قیامت اور دلائل قدرت
کے انکار میں طرح طرح کی محبت بازی کرتا ہے وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا
اور ہمارے سامنے طرح طرح کی مثالیں بیان کرتا ہے وَفِيَّ خَلْقَهُ اور
اپنی تخلیق کو قبول جاتا ہے کہ وہ کس نے کین ذرائع سے کی۔ فرمایا انسان ایسا ناقبت
اندریش ہے کہ وہ دوبارہ زندگی کے متعلق یہ دلیل پیش کرتا ہے قَالَ مَنْ
يُّعْطِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ اور کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو کون دوبارہ زندہ کرے گا
جب کہ یہ بھر بھری ہو جائیں گی۔ بعض مشرکین بوسیدہ ہڈیوں کو ہاتھ سے
سٹل کر کہتے تھے کہ کیا یہ ہڈیاں دوبارہ زندگی سے آشنا ہوں گی جو چہرہ چہرہ
ہو کر خاک میں مل جاتی ہیں؟ سورۃ سجدہ میں اللہ نے مشرکین کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

وَقَالُوا ۖ اِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ عَمَّا نَافِىْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ
 (آیت - ۱۰) کیا جب ہم گل سڑ کر مٹی میں لٹ جائیں گے تو پھر دوبارہ پیدائش میں
 ظاہر ہوں گے؟ سورۃ النزعۃ میں بھی ہے عَرَاۤذَا كُنَّا عِظَامًا
 یَحْنَدُ (آیت - ۱۱) جب ہماری ہڈیاں بھر بھری ہو جائیں گی تو کیا ہمیں دوبارہ
 حیات نصیب ہوگی؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اللہ نے انسان کو قوت گمائی
 بخشی ہے مگر وہ اسی قوت کو برائے کار لاکر اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے اور اُس
 کی توحید کا اقرار کرنے کی بجائے اُس کے معاملات میں جھگڑا کرتا ہے۔

اللہ نے فرمایا اے پیغمبر! قُلْ اَپْ اِنْ سَے کہہ دیں کہ تم ان بوسیدہ ہڈیوں
 میں حیات کے عود کرنے کے لیے یہ خیال کرتے ہو، مگر یاد رکھو! یَحْیِیْہَا
 الَّذِیْ اَنْشَاَہَا اَوَّلَ مَرَّةٍ اِنْ کُنتُمْہِی زَہْدَہ کرے گا جس نے انہیں پہلی دفعہ
 پیدا کیا تھا جب کہ ان کا کوئی مادہ بھی موجود نہ تھا اب جب کہ ایک چیر وجود میں آچکی ہے اور
 تم تسلیم کرتے ہو کہ اللہ نے قطرۂ آب کو خون میں تبدیل کیا پھر اس کا گوشت بنایا، اس میں ہڈیاں پیدا کیں اور
 ان کے اوپر گوشت چڑھایا اور پھر پورے جسم کی حفاظت کے لیے اُس کے اوپر
 کھال پیدا کی۔ اس کا ہر عضو نہایت سوزوں طریقے سے اپنی اپنی جگہ پر فٹ کیا
 اور فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین: ۴)
 ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں تخلیق کیا۔ تو فرمایا کہ جس خدا نے سب
 کچھ پہلی مرتبہ کیا، کیا وہ اس کا اعادہ کرنے پر قادر نہیں؟ حقیقت یہ ہے وَکَلَّہَا
 بِحِلِّ خَلْقٍ عَلَیْہِ کہ وہ ہر پیدائش کو خوب جانتا ہے، اس کے علم سے
 کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

اللہ نے یہی بات ایک مثال کے ذریعے بھی سمجھائی ہے اَلَّذِیْ
 جَعَلَ لَکُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا اَللّٰہُ الَّذِیْ ذَاہِہ
 جس نے تمھارے لیے سبز درختوں سے آگ پیدا فرمادی۔ مطلب یہ ہے کہ ہر
 بھرے درخت ہوتے ہیں جن کے تنے، شاخوں اور پتوں میں کافی مقدار میں

درختوں سے
 آگ کی
 مثال

طرقت ہوتی ہے مگر یہ درخت خشک ہو کر جلانے کے کام آتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ سبز درخت سے سرود متضاد چیزیں ہیں۔ عرب میں دو قسم کے درخت ہوتے تھے، ایک کا نام سرخ اور دوسرے کا عفار تھا۔ ان دونوں درختوں کی ٹکڑیوں کو آپس میں رگڑنے سے بالکل اُسی طرح آگ نکلتی تھی جس طرح چتھاق کے دو پتھر رگڑنے سے آگ نکلتی ہے یا گھڑے کے ٹم پتھروں سے ٹکرانے سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سبز درختوں سے آگ پیدا کرکتا ہے وہ بوسیدہ ٹہریوں میں حیات بھی پیدا کر سکتا ہے۔ جب سبز درختوں سے آگ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے فَإِذَا أَنْتُمْ مَوْتٌ تَوَقَّعُودًا تو اچانک تم اس سے ملگتے ہو اور یہی آگ کھانا پکانے کے لیے استعمال میں لاتے ہو۔

مصر کے جدید علوم کے ماہر مفسر قرآن طنطاویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ نے درخت کے سبزیوں کو عجیب حکمت کے تحت تخلیق کیا ہے۔ سورج کی روشنی کے دوران درختوں کے پتے — آکسیجن جیسی زندگی بخش گیس اپنے اندر جذب کرتے رہتے ہیں۔ ہر سانس کے ذریعے انسانی جسم میں یہی آکسیجن جاتی ہے جس سے اس کا خون صاف ہوتا رہتا ہے اور اس کی زندگی قائم رہتی ہے۔ اگر یہی سانس تھوڑی دیر کے لیے رُک جائے تو انسانی زندگی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی مریض سخت لاغر ہو جاتا ہے اور وہ معمول کے مطابق سانس لینے کی قوت بھی نہیں رکھتا تو پھر اس کے جسم میں مصنوعی طریقے سے سلنڈر کے ذریعے آکسیجن پہنچائی جاتی ہے۔ بہر حال درخت دن کے وقت آکسیجن اپنے پتوں کے ذریعے اندر کھینچتے ہیں اور رات کو کاربن ڈی آکسائیڈ جیسی دہری گیس باہر نکالتے ہیں، اسی لیے تجربہ کار لوگ رات کو درختوں کے نیچے سونے سے منع کرتے ہیں۔

آکسیجن ایک تیز گیس ہے جس میں آتشیں مادہ بھی پایا جاتا ہے اور آکسیجن کے بغیر آگ بھی نہیں جل سکتی، تو گویا اللہ نے درختوں میں آکسیجن کا ذخیرہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ آگ بجڑ لیتے ہیں۔ اسی طرح پانی میں بھی دو گیسیں پائی جاتی ہیں یعنی آکسیجن اور ہائیڈروجن۔ گویا قدرت نے پانی میں بھی آگ کا مادہ رکھا ہے۔ تو اللہ نے درخت کی مثال بیان فرمائی ہے اور اپنی قدرت کا شاہکار ذکر کیا ہے کہ وہ سبز درختوں سے آگ پیدا کر سکتا ہے تو کیا بوسیدہ ٹہریوں میں دوبارہ زندگی نہیں لاسکتا؟۔ ضرور لاسکتا ہے اور وہ ایسا کر کے ہے گا۔

آسمان و
زمین کی
مثال

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا بیان اس انداز میں کیا ہے۔
أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَدِيْرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ کیا آسمان و زمین کو پیدا کرنے والی ذات ان جیسے اور پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ خدا نے تو آسمان، زمین اور پہاڑوں جیسی بڑی بڑی چیزیں پیدا کر دی ہیں تو وہ ان لوگوں جیسی شکل و صورت والے دو سکر لوگ کیوں نہیں پیدا کر سکتا۔ کسی چیز کو پہلی دفعہ پیدا کرنا تو ذرا مشکل ہوتا ہے جب کہ پہلے سے اُس کا نمونہ بھی موجود نہ ہو، مگر جب ایک انسان کو پیدا کر دیا اور پھر اس نے بچپاس سال عمر بھی گزاری ہو تو اس کا دوبارہ پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ تم ہر روز مٹا ہوا کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مختلف رنگ و نسل کے لوگ پیدا کر رہا ہے، نباتات، حیوانات اور حشرات کو پیدا کرتا رہے، لہذا وہ انہی لوگوں کو انہی اجسام اور انہی شکل و صورت کے ساتھ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی یقیناً قادر ہے۔ فرمایا بَلٰی کیوں نہیں وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ وہ تو سب سے بڑا پیدا کرنے والا اور علیم ہے اس کے لیے یہ کام کون سا مشکل ہے۔ علیم سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ انسانی جسم میں پائے جانے والے تمام عناصر کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، لہذا وہ ان سب کو دوبارہ جمع کر کے انسان کو اپنے سامنے لاکھڑا کرے گا۔ قیامت کا انکار تو بیوقوفی کی بات ہے، البتہ کوئی یہ کہے کہ

اللہ تعالیٰ ابھی قیامت برپا کیوں نہیں کر دیتا اور پھر لوگوں کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر دیتا تو یہ اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے۔ اُس نے ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ہر فرد کی زندگی کا ایک وقت مقرر ہے اور اسی طرح ساری کائنات کے لیے بحیثیت مجموعی بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ آئے گا۔ تو یہ سارا نظام تبدیل کر کے نیا نظام قائم کیا جائے گا۔ پھر حساب کتاب ہوگا اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ اُس وقت تمام انسان دوبارہ اپنی اجسام کے ساتھ اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔

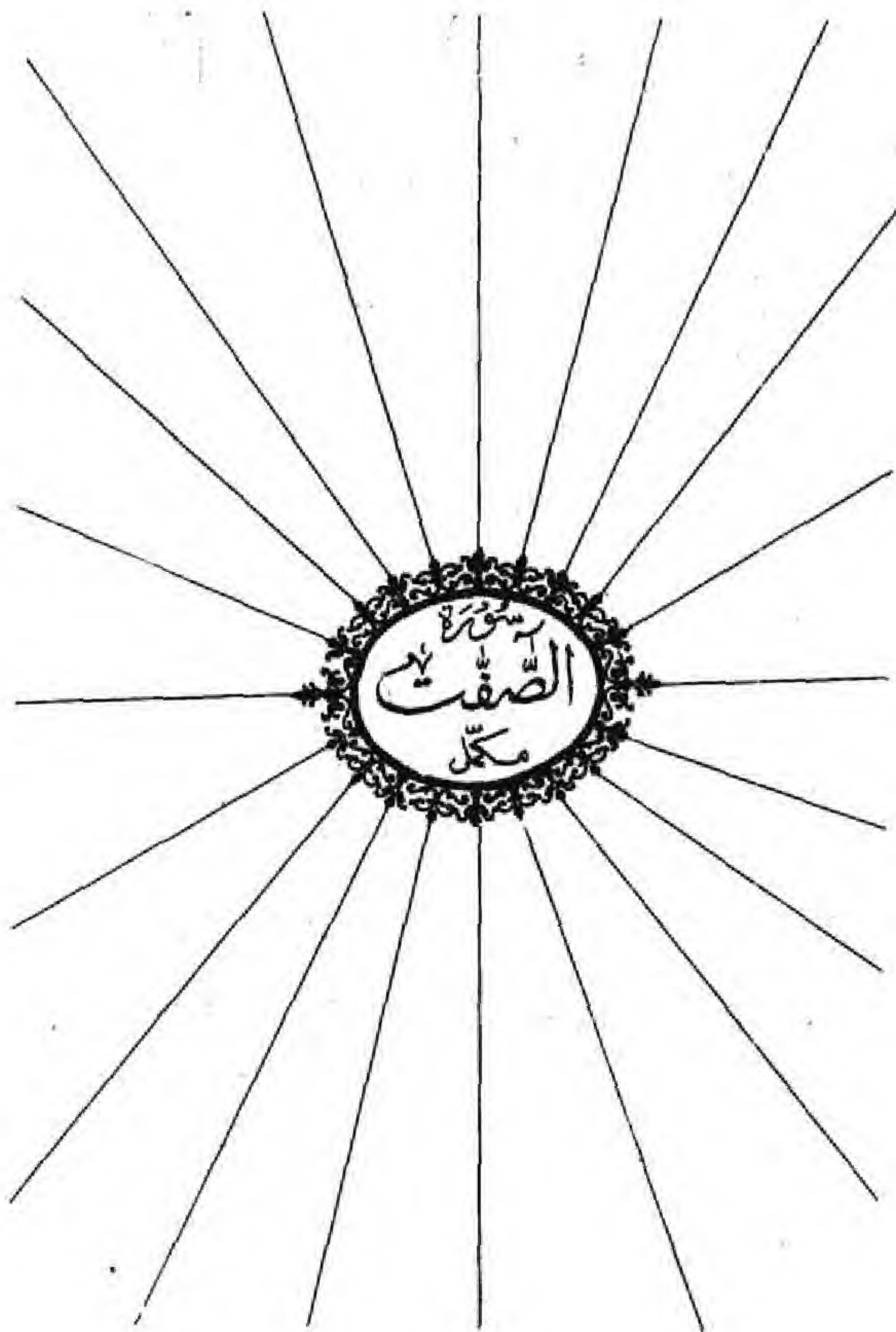
فرمایا، اللہ تعالیٰ قدرتِ تامہ کا مالک ہے إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے یعنی کسی کام کو انجام دینے کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے هَبْ جَاءَ كُنْ پس وہ چیز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس وقت جس شکل و صورت میں وصف اور جس مرتبے کی چیز تخلیق کرنا چاہتا ہے وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے، پھر تاخیر نہیں ہوتی۔

پھر آخر میں فرمایا فَسُبْحَنَّ الَّذِي فِي يَدَيْهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اقتدار ہے۔ ملکوت ملک کا سہاگہ ہے اور مطلب ہے مکمل اقتدار، اختیار یا بادشاہی۔ تو ہر چیز کا اقتدار اسی ذات کے پاس ہے، جو ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ اور ہر اس شرکے سے منزہ ہے جس کو شرک لوگ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وَالَّذِينَ تَرَى جَعُونَ اور تم سب اُنہی کی طرف لوٹنے جاؤ گے۔ گویا تمام امور کی انتہا بھی اللہ ہی کی طرف ہے پہلے سورۃ فاطر کی ابتدا میں بھی گنہگار چلے وَلِلَّهِ تُسَبِّحُ الْمُسَوِّمُونَ (آیت - ۴) تمام کام لوٹ کر اُنہی اللہ کی طرف ہی جاتے ہیں۔ انسانوں کو بھی اُنہی عدالت میں سنبھانا ہے۔ جہاں محاسبہ ہوگا۔ اور اگر ایمان اور توحید کو اختیار نہ کیا تو سخت گرفت آئے گی کیونکہ کوئی چیز اللہ کے دستِ قدرت سے باہر نہیں ہے، وہ ہر عیب

اللہ تعالیٰ
کی قدرت
کاملہ

اور نقص سے پاک ہے۔

سورۃ کے آخری حصہ میں اس کا خلاصہ دہرہ آگیا ہے۔ قرآن پاک کی
حقانیت و صداقت، توحید اور وقوع قیامت کے دلائل اور رسالت کا کچھ حصہ
بھی ضمناً آگیا ہے۔



وہالم ۲۳

درس اول ۱

الصَّفَاتِ ۳۷

آیت ۱۰۶۱

سُورَةُ الصَّفَاتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتُ وَاثْنَتَانِ وَثَمَانُونَ آيَةً وَخَمْسُ كُوفَاتٍ

سُورَةُ صَفَاتِ مکی ہے۔ اس کی ایک سو بیاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

وَالصَّفَاتِ صَفًا ① فَالزَّجَرَاتِ زَجْرًا ②
 فَالتَّحْلِيلِ ذِكْرًا ③ إِنَّ إِلَهَكُمْ لَوَاحِدٌ ④
 رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
 وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ⑤ إِنَّا زَيْنَا السَّمَاءِ النَّيَّا
 بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ ⑥ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ
 شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ⑦ لَا يَتَمَعُّونَ إِلَى الْمَلَكِ
 الْأَعْلَى وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ⑧
 دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ⑨ الْآمَنُ
 خَطِفَ الْخَطْفَةِ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ
 ثَاقِبٌ ⑩

ترجمہ :- قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار

بنا کر ① اور ڈانٹ پلانے والوں کی جھڑک کر ②

اور تلاوت کرنے والوں کی ذکر ③ بیشک تمہارا معبود

ایک ہی معبود ہے (۳) جو پودہ درگاہ ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ، اور پودہ درگاہ ہے مشرقوں کا (۵) بے شک ، ہم نے مزین کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کی رونق سے (۶) اور ان کے ذریعے حفاظت کی جاتی ہے ہر سرکش شیطان سے (۷) نہیں سن سکتے یہ ملا اعلیٰ کی بات کو ، اور پھیکے جاتے ہیں وہ ہر جانب سے (۸) دھکیلے ہوئے ، اور ان کے لیے عذاب ہے ہمیشہ کے لیے (۹) ہاں ! مگر جس نے ایک یا کسی بات کو اچھا ، پس اُس کے پیچھے لگتا ہے چلتا ہوا شہاب (۱۰)

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الصافات ہے جو کہ اس کے پہلے لفظ سے ماخوذ ہے ۔ یہ سورۃ مکی دور میں سورۃ انعام کے بعد نازل ہوئی ۔ یہ مکی زندگی کا درمیانی عرصہ ہے ۔ اس سورۃ کی ایک سو بیاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں اور یہ سورۃ آٹھ سو ساٹھ الفاظ اور تین ہزار آٹھ سو انیس حروف پر مشتمل ہے ۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد توحید و رسالت ، معاد اور قرآن پاک کی صداقت و حقانیت کا ہی ذکر ہے ، تاہم توحید کا بیان سب سے زیادہ ہے ۔ اس سورۃ میں بعض ایسے دلائل قدرت بیان کیے گئے ہیں ، جو دلائل توحید اور دلائل قیامت بھی ہیں ۔ رسالت کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام ، ابراہیم علیہ السلام ، موسیٰ علیہ السلام ، اسیس علیہ السلام اور یونس علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے مذکورہ مضامین کے علاوہ بعض ضمنی مضامین بھی آگئے ہیں ۔ فرشتوں کا خاص طور پر تذکرہ ہے ۔ عرب کے مشرک فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے اور بعض انہیں جہود سمجھتے تھے ، ہر زمانے میں مشرک لوگ فرشتوں

سے غائبانہ امداد طلب کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ کی ابتدا میں جو قسم اٹھائی گئی ہے اس کے مصداق بھی فرشتے ہیں۔ اللہ نے فرشتوں کی اطاعت و فرمانبرداری کا ذکر بھی کیا ہے کہ وہ تو خود اللہ کے حکم کے تابع ہیں، پھر تم ان کو کس طرح معبود سمجھتے ہو؟ اس سورۃ کی ابتدا قسم سے ہوتی ہے وَالصَّفَّاتِ مَقَامًا فَمِنْ هَٰذَا قِطَارٌ قطار ہو کر صف باندھنے والوں کی۔ اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لیے ہر وقت صف بستہ منتظر رہتے ہیں۔ یہی بات سورۃ کے آخر میں بھی آئے گی۔ وہاں اللہ نے فرشتوں کی زبان سے کھلایا ہے وَآنَا لِلْعِزِّ الْعَظِيمِ قُوَّةٌ (آیت ۱۶۵) ہم تو ہر وقت صف باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ تاکہ اللہ کا حکم سن کر اس کی تعمیل کریں۔ غرضیکہ اللہ کے فرشتے اس کے حضور صف بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے عبادت الہی کے لیے صف بستہ بہتے ہیں۔ اسی طرح صف بندی سے مراد اہل ایمان ان لوگوں کی صفت بھی مراد ہو سکتی ہے ان کو بھی اعلیٰ ترین عبادت نماز کے لیے صف بندی کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

فرشتوں کی صف بندی

اہل ایمان سے صف بندی دو مقامات پر مطلوب ہے، ایک نماز کے لیے اور دوسرے میدان جنگ میں جہاد کے لیے۔ سورۃ الصف میں جہاد کے لیے یہی صف بندی کی ترغیب دی گئی ہے إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُعَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُذِبْنَ قُرْصُونَ (آیت ۴) اللہ تعالیٰ اس کے راستے (جہاد) میں سیدہ چلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بندی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے لَا تَصْفُّوْنَ كَمَا تَصْفُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا لوگ! تم نماز کے لیے اس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے

صف بندی کی اہمیت

پور دھار کے ہاں صفت بندی کرتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا، حضور! فرشتے کس طرح صفت بندی کرتے ہیں؟ فرمایا یُتَمَوَّنَ الصُّفُوفَ الْأُولَى وَتَبْرَأُونَ فِي الصَّفِّ کہ وہ پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صفت میں ہل کر کھڑے ہوتے ہیں، یعنی درمیان میں غلا نہیں چھوڑتے۔ بعض روایات کے الفاظ ہیں وَلَا يَنْدَوْنَ فُرُجَاتِ الشَّيْطَانِ کہ وہ شیطان کے لیے سنے نہیں چھوڑتے نمازیوں کے درمیان جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا۔ اسی قدر شیطان کی آمد و رفت بھی زیادہ ہوگی، اور وہ نماز میں مغل ہوگا۔ نماز کے لیے صفوں کا تاکید حکم ایک ہے پہلی صفت میں بالغ اور عمر رسیدہ لوگ کھڑے ہوں، اس کے بعد بچوں کی صفت ہو اور پھر آخر میں عورتیں صفت بنائیں۔ حضور علیہ السلام نماز کے لیے خود صفوں کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا فرمایا کرتے تھے كَأَنَّمَا يُسَوِّي بَهَا الْفِدَاحِ رِمْسُ الْمُسْلِمِ اگر ایک صفت سے تیر سیدھا کیا جائے گا۔ اس طرح جب حضور علیہ السلام جہاد کے لیے صفت بندی کرتے تو اس میں بھی کوئی رخنہ نہیں چھوڑتے تھے۔

صفت کے لفظ سے نظم و ضبط اور باقاعدگی کی تعلیم ملتی ہے ہر کام پر طریقے کے ساتھ انجام دینا چاہیے۔ بدلتی الشریعہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں۔ چنانچہ بتعلیمی دنیا کے نظام میں بھی خرابی کا باعث بنتی ہے۔ بہر حال صفت بندی ہماری امت کی خصوصیت ہے۔ دیگر خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ اللہ نے ساری زمین کو امت محمدیہ کے لیے مسجد قرار دیا ہے اور طہارت کے لیے مٹی کو پاک قرار دیا ہے جس سے تیمم روا ہے۔

پہلے فرشتوں یا انسانوں کی صفت بندی کی قسم اٹھائی پھر فرمایا۔

زجر کی ضرورت

فَالْتَّجَلَّتْ ذِكْرًا قَسْمٌ هُوَ زَجْرٌ كَرِهَ وَالْوَلُّوْنَ يَعْنِي دُرَانْٹ پلانے والوں
 کی جو جھڑک کر ڈانٹ پلاتے ہیں۔ اس زجر کے دو مصداق ہو سکتے ہیں۔ فرشتے
 یا تو شیاطین کو ڈانٹ پلاتے ہیں اور ان کو جھٹکاتے ہیں تاکہ وہ اُپر جا کر عالم بالا
 کی بات نہ سن سکیں۔ اور یا بادلوں کو زجر کرتے ہیں۔ ترمذی شریعت کی روایت
 میں آتا ہے کہ فرشتے بادلوں کو کورے مارتے ہیں۔ اور ہر بارش پر سانا مقصود
 ہوتا ہے، اُدھر لٹک کر لے جاتے ہیں۔ زجر سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ مجرموں
 کو گناہ سے باز رکھنے کے لیے ان کو ڈانٹ پلائی جائے۔ مفسرین کرام کلمہ بیان کرتے ہیں
 کہ برائی سے منع کرنے کے لیے ڈانٹ اور ست ہے۔ نیک انسان ہمیشہ اپنے نفس
 کو برائی سے ڈانٹ پلاتے ہیں تاکہ وہ کسی معصیت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس
 طرح میدانِ مہاد میں کافروں کو ڈانٹ ڈھپٹ کی جاتی ہے۔ یہ تمام مواقع زجر میں داخل
 ہیں اور اس آیت کا مصداق بنتے ہیں۔

ذکرِ الہی

آگے فرمایا فَالْتَّجَلَّتْ ذِكْرًا قَسْمٌ هُوَ زَجْرٌ کی تلاوت کرنے والوں
 کی۔ اس سے مراد یا تو اللہ کے فرشتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کی تلاوت کرتے
 ہیں یعنی اُس طرف ہمہ تن گوش رہتے ہیں، اور یا اس سے انسان بھی مراد ہو سکتے ہیں
 جو ذکرِ الہی میں مصروف رہتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں ذکر کی بڑی فضیلت آئی
 ہے۔ مثلاً سورۃ الحجۃ میں وَادْكُمُ وَاللّٰهُ كَثِيْرًا لِّمَا لَكُمْ تَفْلِحُوْنَ (آیت - ۱۰)
 اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔ تاکہ تمہیں کامیابی نصیب ہو۔ سورۃ العنکبوت
 میں ہے وَلَذِكْرِ اللّٰهِ اَكْبَرُ (آیت ۲۵) یقیناً جو اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر
 ہے ہماری شریعت کی روایت میں حدیث قدسی کے الفاظ ہیں اَنَا مَعَ عَبْدِيْ
 اِذَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَنَّنْتُ بِمَا سَفَتَاہُ جب میرا بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس

۱۔ ترمذی شریعت ص

۲۔ منظر ہی میں ۵۱ روح المعانی ص ۶۳ ۳۔ بخاری ص (فیاض)

کے لیے اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ صحیحین کی حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ میرا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے یقین کے مطابق ہے جب وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرے تو میں بھی اُس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر دوسروں کے سامنے کرے تو میں ان سے بہتر بندوں کی جماعت یعنی فرشتوں کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں۔

بہر حال ذکر دو طرح سے ہوتا ہے۔ اگر زبان سے کلام پاک پڑھا جائے، دوسرا شریعت پڑھا جائے یا دیگر وظائف کئے جائیں تو یہ انسان کے اپنے فائدے کے لیے ہوتا ہے جس سے اُسے اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرشتے بھی اپنے پیغمبر و کار کا ذکر اُس کی رضا اور خوشنودی کے لیے کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دوسروں کو تعلیم دینے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے تاکہ یہ سلسلہ آگے چلتا رہے۔ اس سے پڑھنے اور پڑھانے والے دونوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

وہایت
کی گواہی

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تین قسمیں اٹھا کر یہی تاکید فرمائی ان اَللّٰهُمَّ لَوْ اَحَدٌ
بَشَكَ تَحَارَ مَعْبُودًا ایک ہی معبود ہے۔ ہر نیک انسان، جن اور فرشتے صرف
خَدْلُے وَهْدًا لَا شَرِيكَ ہی کی عبادت کرتا ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر انسانوں، جنوں
یا فرشتوں کو معبود بنانا تو بڑی بے وقوفی کی بات ہے۔ وہ تو خود اس فکر میں
ہوتے ہیں کہ کسی طریقے سے اللہ ہم سے راضی ہو جائے اور ہم سے کوئی نافرمانی کی
بات سرزد نہ ہو جائے۔ اُن کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اللہ کے ہر حکم کی تعمیل
اُس کے منشاء کے مطابق ٹھیک طریقے سے ہو۔ فرشتے بھی اللہ کی اطاعت
میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ پھر اپنی کو معبود بنانا کہاں کی عقلندی ہے ؟
لہذا مشرکین کو کسی طرح بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خد کے علاوہ کسی دوسری ہستی
کو معبود مان کر اُس کی عبادت کریں یا اُس کی دعاؤں دیں یا اُس کے سامنے نذر و نیاز
پیش کریں، حالانکہ معبود برحق تو ایک ہی ہے جو سب جہانوں کا خالق، مالک

متصرف اور مربی ہے۔ بہر حال فرشتے صفِ اہل کھڑے ہوں یا انسان سب
سکون سے دیتے ہیں کہ معبود حقیقی صرف ایک ہی ہے۔

رب المشرق

اور وہ کون ہے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے رب
کا معنی پرورش کرنے والا یعنی ہر چیز کی اس طرح نشوونما کرنا کہ وہ بتدریج حدِ کمال
تک پہنچ جائے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ، انسانوں، جانوروں نباتات اور جمادات
سب کا پروردگار ہے اور اس کام میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ہر چیز کی
پرورش، نگرانی اور حفاظت اسی کے ذمہ ہے۔

وَرَبُّ الْمَشْرِقِ اَوَّلُ مَشْرِقٍ کا رب بھی وہی ہے۔ سورۃ الرحمن
میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (آیت ۱۰۰) بھی آیا ہے
یعنی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب بھی وہی ہے۔ اس کے علاوہ رَبُّ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (المعارج: ۴۰) بھی آیا ہے کہ تمام مشرقوں اور مغربوں کا
وہی پروردگار ہے۔ غرضیکہ مشرق اور مغرب، واحد، تثنیہ اور جمع تینوں صیغوں میں
استعمال ہوئے ہیں۔ جہاں واحد کا صیغہ ہے وہاں پر عام فہم معنی ہے کہ مشرق
اور مغرب کا پروردگار اللہ ہے۔ جہاں تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے وہاں مطلب
یہ ہے کہ سردی اور گرمی ہر دو موسموں کے مشرق اور مغرب کا رب اللہ ہے۔
ظاہر ہے کہ گرمی کے موسم میں سورج اور جب سے طلوع اور دوسری جبکہ غروب
ہوتا ہے، جب کہ موسم سرما میں اس کا مشرق و مغرب قدرے مختلف ہوتے ہیں
اسی طرح جمع کا صیغہ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر حقیقت ہر دن
سورج کا مشرق و مغرب مختلف ہوتا ہے۔ چونکہ ہر روز کچھ نہ کچھ فرق پڑتا رہتا
ہے لہذا ان تمام مشرق و مغارب کو جمع کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ البتہ اس
مقام میں صرف مشرق کا لفظ آیا ہے اور مغارب نہیں لایا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ
مشرق ذکر کرنے سے مغرب خود بخود ذہن میں آجاتا ہے کہ جس سورج نے طلوع ہونا

ہے، وہ مغرب بھی ہوگا۔ لہذا یہاں پر مغرب کا ذکر نہیں کیا گیا۔ تو فرمایا مشرق و مغرب کا رب بھی اللہ وعدہ لا شرک لہ ہی ہے۔

آسمان دنیا
کی زینت

آگے ارشاد ہوتا ہے اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمِثْقَاتِ الْكَوَاكِبِ
بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کے ساتھ زینت بخشی ہے۔ اللہ اور
پیغمبر کے رسول کے حکم کے مطابق آسمان تو سات ہیں مگر ہمیں صرف ایک ہی نظر
آتا ہے جسے آسمان دنیا کا نام دیا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اس آسمان پر ستارے
بکھیر کر اس کو خوشنما بنا دیا ہے رات کے وقت چاند اور ستارے نظر آتے ہیں۔ ان
کو ستاروں ستاروں کے مختلف ساثر اور مختلف رنگ ہیں۔ کوئی سفیدی مائل
اور کوئی سرخی مائل، کوئی نیلیوں اور کوئی زردی مائل ہیں۔ اللہ نے ان میں ایسی چمک
پیدا کر دی ہے جیسے قندیلیں روشن ہوں۔ فرمایا ستارے ایک تو آسمان دنیا کی
زینت ہیں اور ان کا دوسرا کام یہ ہے وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ
مَّارِدٍ کہ یہ ہر سرکش شیطان سے حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ یہ شیطان اُپر جا کر
فرشتوں کی گفتگو سننے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے کان میں کوئی اکاؤنٹ کا
بات پر گئی تو وہ اگر اپنے کانوں کو بتاتے جو اس میں سوچوٹ ملا کر اپنے سائلوں کو
بتاتے اور اس طرح ان کا کام چلتا رہتا۔ جب قرآن پاک کا نزول شروع ہوا تو شیطان
کا آسمان پر داخلہ بند ہو گیا۔ چنانچہ اللہ کے فرشتے ان کو اُپر جانے سے روکتے ہیں۔
اسی بات کے متعلق فرمایا لَا يَسْمَعُونَ الْكَلِمَ الْمَلَأَ إِلَّا عَلَىٰ انْهِي سَمِعَ
وہ اُپر والے فرشتوں کی ہامت کی باتیں وَيَقْذِفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُخْرًا
مگر یہ کہ پھینکے جاتے ہیں وہ ہر جانب سے، دھکیلے ہوئے۔ جدھر بھی کوئی شیطان جانے
کی کوشش کرتا ہے، فرشتے اُسے دھکیل کر پیچھے ہٹاتے ہیں۔ اور ان کا طریقہ یہ ہے
جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے کہ ان پر شاب پھینکے جاتے ہیں جس کی وجہ سے کوئی
مرجھا ہے اور کوئی زخمی ہو جاتا ہے اور اس طرح وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّوَاصِفٌ
ان کے لیے دائمی عذاب ہوتا ہے۔ شباطین خود خدا کے نافرمان ہیں اور دوسروں

کر بھی نافرمانی پر آمادہ کرتے ہیں۔ انسانوں کے دلوں میں بڑے دوسرے ڈالتے ہیں۔
لہذا انہیں ہمیشہ مار پڑتی رہتی ہے۔

فَرَا إِلَى الْآمِسِّ خَطَفَ الْخَطْفَةَ پھر شیاطین میں سے کسی نے اُد پر جا
کر رہ گئے کے باوجود فرشتوں سے کوئی بات اچک لی، اُس نے کوئی بات سن
لی فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ چلتا ہوا شہاب گگ جاتا ہے

اور وہ پیچھے جاتا ہے۔ شیاطین لی یہ کوشش جاری ہے اور آئندہ بھی جاری ہے
گی تاکہ وہ انسانوں کو حتیٰ الاسکان گمراہ کر سکیں۔ تاہم شہاب شام بھی ان کا پیچھا کر کے
ان کو بھگاتے رہیں گے۔ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ کوہ ہیا کسی پہاڑ کو سر کرنے کے لیے
کتنی محنت اور کوشش کرتے ہیں۔ اکثر ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب بھی ہو
جاتے ہیں۔ دنیا کی بلند ترین چوٹی مونٹ ایورسٹ کو سر کرنے میں ڈیڑھ سو سال صرف
ہوئے تھے اور تب جا کہ اس میں کامیابی ہوئی تھی۔ اس طرح شیاطین بھی اُد پر جا کہ
معلومات حاصل کرتے رہتے تھے اور اس کوشش میں وہ مرتے بھی رہتے ہیں۔
مگر ان کے جانشین بھی جاری رکھتے ہیں اور پٹتے رہتے ہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا
أَنَا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ ① بَلْ عَجَدْتَ
وَيَسْخَرُونَ ② وَإِذَا ذُكِرُوا لَا يَذْكُرُونَ ③
وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخَرُونَ ④ وَقَالُوا إِن هَذَا
إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ⑤ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَا
عِظَامًا إنا لمبعوثون ⑥ أَوَابَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ⑦
قُلْ نَفْسٍ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ⑧ فَإِنَّمَا هِيَ
زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ⑨
وَقَالُوا لَوْ يَكُنَا هَذَا يَوْمَ الدِّينِ ⑩ هَذَا
يَوْمَ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ⑪
أَحْشَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا
يَعْبُدُونَ ⑫ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى
صِرَاطِ الْجَحِيمِ ⑬ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ
مَسْئُولُونَ ⑭ مَا لَكُمْ لَا تَنْصَرُونَ ⑮ بَلْ
هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَلَمُونَ ⑯ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ
عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ⑰ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ

تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۖ (۲۸) قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا
 مُؤْمِنِينَ ۖ (۲۹) وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ
 سُلْطٰنٍۭۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۖ (۳۰) فَحَقَّ
 عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا اِنَّآ لَذٰلِقُوْنَ ۖ (۳۱) فَاَغْوَيْنٰكُمْ
 اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ۖ (۳۲) فَلَا نَهْمُ يَوْمَئِذٍۭ فِي
 الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۖ (۳۳) اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ
 بِالْمُجْرِمِيْنَ ۖ (۳۴) لَّيْسَ لَهُمْ كَاثِرٌۭۙ اِذَا قِيلَ لَهُمْ
 لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۖ (۳۵)

ترجمہ ۱۔ پس آپ ان سے پوچھیں کہ کیا یہ زیادہ
 سخت ہیں بنانے میں یا وہ جن کو ہم نے پیدا کیا ہے
 بے شک ہم نے ان کو پیدا کیا ہے چکنے والی مٹی
 سے (۱۱) بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں اور یہ ٹھٹھا کہتے
 ہیں (۱۲) اور جب ان کو یاد دلایا جائے تو نصیحت
 نہیں پکڑتے (۱۳) اور جب یہ دیکھتے ہیں کوئی نسانی
 تو ہنسی اڑاتے ہیں (۱۴) اور کہتے ہیں، نہیں ہے یہ
 مگر کھٹا جادو (۱۵) کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہو جائیں
 گے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے (۱۶)
 کیا ہمارے آباؤ اجداد بھی جو پہلے گزر چکے ہیں (۱۷)
 آپ کہہ دیجئے ہاں، اور تم ذلیل ہو گے (۱۸) اور بیشک
 وہ ایک ہی ٹرانٹ ہوگی، پس اچانک وہ دیکھ رہے

ہوں گے (۱۹) اور کہیں گے وہ لمبے ہماری خرابی
یہ تر جزا کا دین ہے (۲۰) میں یہ فیصلے کا دین ہے
جس کو تم جھٹلاتے تھے (۲۱) (حکم ہو گا) اکٹھا کر دو
ان کو جنہوں نے ظلم کیا، اور ان کے جوڑوں کو، اور
جن کی وہ پوجا کرتے تھے (۲۲) اللہ کے سوا، پس
چلاؤ ان کو جہنم کے راستے کی طرف (۲۳) اور کھڑا
کرد ان کو، بیشک ان سے پوچھا جائے گا (۲۴) کیا ہوا
ہے، تم کو، ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے (۲۵)
بلکہ وہ آج کے دن (ایک دوسرے کو) پکڑنے والے
ہوں گے (۲۶) اور متوجہ ہوں گے بعض ان میں سے
بعض پہ اور پوچھیں گے (۲۷) کہیں گے، تحقیق تم آئے
تھے ہمارے پاس دہشتی طرف سے (۲۸) وہ کہیں گے
بلکہ نہیں تھے تم ایمان لانے والے (۲۹) اور نہیں تھا
ہمارے لیے تم پر کوئی غلبہ، بلکہ تم خود سرکشی کہنے
والے تھے (۳۰) پس ثابت ہو گئی ہے ہم پر بات
ہمارے پورے دھار کی، بیشک ہم چکھنے والے ہیں عذاب
کا مزا (۳۱) پھر ہم نے گمراہ کیا تمہیں کیونکہ بیشک
ہم بھی گمراہ تھے (۳۲) پس یہ لوگ اس دن عذاب
میں شریک ہوں گے (۳۳) ہم اسی طرح کرتے ہیں
مجرموں کے ساتھ (۳۴) بیشک یہ لوگ کہ جب ان
کے سامنے کہا جاتا تھا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَوَكَّبُوا
کرتے تھے (۳۵)

بطائت

اس سورۃ کی ابتدا میں صف بندی کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا گیا اور

جن کو قسم اٹھا کر خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا گیا۔ ملائکہ کی صف بندی یا انسانوں کی نماز اور جبار کے لیے صف بندی خود اللہ کی توحید پر دلالت کرتی ہے۔ جب تمام ملائکہ اور انبیاء اور صلحاء امت اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں تو پھر شرک لوگ غیروں کو معبود مان کر ان کی نذر دنیا کیوں پیش کرتے ہیں اور ان سے حاجت باری کی کیسے توقع رکھتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، مالک، امری اور متصرف ہے لہذا معبود حقیقی بھی وہی ہے ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فاستفتہمو ذرا آپ ان سے پوچھیں کہ یہ لوگ کس بنا پر اکٹر دکھائے ہیں اور قیامت کا انکار کرتے ہیں اھم اشد خلقا امر من خلقک کیا یہ پیدائش میں زیادہ دشوار ہیں یا وہ چیزیں جن کو ہم نے پیدا کیا ہے۔ یہ انسان جیسی چھوٹی سی چیز کی دوبارہ تخلیق محال سمجھتے ہیں حالانکہ رب السموات والارض وما بینہما (آیت ۵۰) یعنی آسمانوں اور زمین جیسی بڑی بڑی چیزوں کے خالق و مالک اور مدبر بھی ہم ہیں۔ مشرکین اور منکرین قادیان سے استغفار یہ ہے کہ کیا زمین و آسمان اور ان کے درمیان واسطے تمام کرموں کی تخلیق مشکل ہے یا تمھاری۔ مطلب یہ ہے کہ جو قادر مطلق اتنی بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کر سکتا ہے، وہ تمہیں دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتا۔ فرمایا تمھارا تو مادہ تخلیق بھی زیادہ بخت نہیں۔ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِنْ طِیْنٍ لَّازِیْپٍ ہم نے بنی نوع انسان کے جامعہ حضرت آدم علیہ السلام کو چکنے والی سٹی سے پیدا کیا اور پھر آگے نسل انسانی کو قطرہ آب سے چلایا۔ بجلائے کون سا کام ہے جس کا تم انکار کر رہے ہو، فرمایا بکل یجبت بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں ان لوگوں کی حماقت پر کہ انسان کی تخلیق کو محال تصور کرتے ہیں مگر اللہ کی حاکم یہ ہے وَکَسَخَّرُوْنَ کہ یہ آپ کی باتوں کا تسخیر اڑا ہے ہیں کہ یہ شخص کیسی عجیب و غریب باتیں کر رہا ہے۔

تخلیق انسانی
بطل دلیل

منکرین کی
محبت بازی

فرمایا حقیقت یہ ہے وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ جب
ان کو نصیحت کی جاتی ہے اور سکھایا جاتا ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے، اس
زندگی کا حایب کتاب آگے چل کر دیا پڑے گا۔ تمام مردے دوبارہ زندہ
ہوں گے اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے تو یہ لوگ قطعاً نصیحت نہیں
پکڑتے۔ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً اور جب یہ لوگ کوئی نشانی دیکھتے ہیں پیغمبر علیہ السلام
کے ہاتھ پر معجزہ دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شوق القہر اور دوسرے معجزات
ظاہر فرمائے۔ تو ایسی چیزیں دیکھ کر يَسْتَعْجِلُونَ ہنسی مذاق کرنے لگتے ہیں
ایمان نہیں لاتے۔ وَقَالُوا لَنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ اور کہتے ہیں
نہیں ہے مگر گھلا جاؤ۔ دوسری جگہ فرمایا کہ معجزہ دیکھ کر یہ لوگ کہتے ہیں إِنْ هَذَا
لَسِحْرٌ مُبِينٌ (رینس ۲۰) یہ تو گھلا جاؤ گھر ہے۔ یہ نبوت کا دعویدار شخص کہتا
ہے کہ یہ نشانی اللہ نے ظاہر کی ہے حالانکہ اس قسم کی چیزیں عام جاؤ گھر پیش کرتے
کہتے ہیں، یہ کرنسی انوکھی بات ہے۔

فرمایا یہ اتنے بد مذاق لوگ ہیں جو کہتے ہیں وَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا
کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے، گوشت گل سڑ جائے گا اور مٹی میں رل
مل جائے گا اور صرف بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں گی عَلَىٰ أَنْ نَعْبُدُهُمْ تو کیا
دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ أَوْ أَبَاؤُنَا وَالْأَوَّلُونَ اور کیا پہلے گزے ہوئے
ہمارے آباؤ اجداد بھی دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے؟ کہتے تھے یہ بات
ہماری عقل میں نہیں آتی کہ جب ہمارے ذرات مٹی میں منتشر ہو جائیں گے، تو وہ
پھر جمع ہو کر ہماری زندگی کا باعث بن جائیں گے۔

اللہ نے جواباً فرمایا قُلْ لِّمَنِ يُعْزِمُ! آپ ان سے کہہ دیں قُلْ لِّمَنِ
يُعْزِمُ وَأَنْتُمْ ذَاكِرُونَ تم بھی اور تمہارے آباؤ اجداد سب اولین اور
آخرین دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور تم اس انکار کی وجہ سے ذلیل ہو کر رہو گے
فرمایا جب قیامت کا دین آئے گا فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ
تو ایک ہی ڈانٹ آئے گی یعنی ایک ہی دفعہ جھل نبکے گا فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ

اور وہ سب دیکھ رہے ہوں گے۔ وقوعِ قیامت کے بلکل کے ساتھ ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ذلیل و خوار ہو کر سزا کی طرف جائیں گے، اُس وقت اُن کا سارا غرور و تکبر ہوا ہو جائے گا۔ بڑے بڑے چوہدری اور رئیس کارخانہ دار، وڈیے اور جاگیردار ذلت کی حالت میں فرشتوں کے آگے چل رہے ہوں گے۔ اُس وقت اُن کو حقیقت کا پتہ چلے گا۔ اور پھر کتبِ افسوس ملے ہوئے کہیں گے وَقَالُوا لَیْسَ لَنَا نَصِیْبٌ اِیْمَیْنُ الْیَوْمِ افسوس ہمارے یہ تو بے کار دن آگیا ہے۔ اللہ کے ہی اسی دن سے ہمیں ڈرایا کرتے تھے۔ مگر ہم اس سے انکار کرتے اور نبیوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا هَذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ یَسْتَكْبِرُونَ یہی وہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی، نہ کوئی دوبارہ زندہ ہوگا نہ حساب کتاب ہوگا اور نہ جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ فرمایا دیکھ لو یہ فیصلے کا دن آچکا ہے۔ آج تمہیں پوری زندگی کے اعتقاد و اعمال کا بھگنا کرنا ہوگا اور تمہیں اس کا بدلہ مل کر رہے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا اَحْشَرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوا وَاذْكُرْهُمْ ان ظالموں اور ان کے جوڑوں کو اکٹھا کرو۔ جو زندگی بھر کفر، شرک، تجاوز، قتل، زنا، چوری، ڈاکہ، احتی تلفی اور دیگر جرائم میں ملوث رہے اُن کو اکٹھا کر لو اور اُن کی بیویاں بھی اگر شرکیہ جرم تھیں تو ان کو بھی ساتھ لالو۔ مفسرینِ کلام فرماتے ہیں کہ جوڑوں کا مطلب یہ بھی ہو سکتا کہ ہر مجرم کو اُس کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ ٹولہوں میں جمع کر لو جیسا فارسی لائے کہتے ہیں۔

”کنہ ہم جنس باہم جنس پر دوز“

سب کی علیحدہ علیحدہ قطاریں بنادو اور ساتھ ساتھ كَانُوا یَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اُن مَعْبُودِیْنَ باطلہ کو بھی اکٹھا کر لو جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کیا کرتے تھے۔ یہ مجرمین جن سہتیوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے اور جن

دوسری کی
طرف دیکھی

کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے تھے، ان کو بھی ان کے ساتھ ہی جمع کر لو۔
فَاَهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ پھر انہیں ہلک کر جہنم کے
 راستے کی طرف لے چلو۔

پھر فرمایا وَقِفُوهُمْ ان کو ذرا کھڑا کرو، روکو کیونکہ انہیں
مَنْ شَاءَ لَوْ أَنَّ سے پوچھا جائے گا۔ ان کو ذرا روکو کہ ان سے ان کی کارکردگی
 کے متعلق باز پرس ہوگی۔ سورۃ النحل میں ہے کہ اس دینی شخص سے اُس کے ہر عمل
 کے متعلق پوچھا جائے گا اور يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا
 (آیت ۱۱۱) اُس دن ہر شخص کو اپنی جوابدہی خود کرنا ہوگی۔ وہاں کسی کو وکیل مقرر نہیں کیا
 جاسکے گا اور نہ کسی کو ممتاز نامہ دینے کی اجازت ہوگی۔ ہر ایک کو بلا ترحمان اللہ کے
 حضور ہر عمل کا جواب اصالتاً دینا پڑے گا۔ اور جب تک کوئی شخص جواب نہیں
 دے گا۔ اُسے قدم تک نہیں اٹھانے دیا جائے گا۔ پھر اللہ فرمائے گا دنیا میں تو
 ایک دوسرے کے بڑے حمایتی بنے پھرتے تھے، بڑے غریب مارا کرتے تھے۔
 اور اکٹھے جینے اور مرنے کی قسمیں کھاتے تھے مَا لَكُمْ لَا تَنصَرُونَ
 تمہیں کیا ہے کہ آج ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ مگر ان کی حالت یہ ہو
 گی بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ اُس دن تو سب ایک دوسرے کو پکڑ پکڑانے
 کی کوشش کریں گے تاکہ وہ خود کسی طرح بچ جائیں اس وقت تو کہتے تھے نَحْنُ
بَجَمِيعٍ مُّنتَصِرُونَ (الفصل ۴۴) کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے، اب
 کیوں مدد نہیں کرتے بلکہ بھناتے ہو۔ اُس دن سب بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔
 اور تابع اور متبع ایک دوسرے کو ملامت کریں گے کہ تم نے ہمیں مرادیا۔

تابع اور متبع
 کا مکالمہ

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ اُن میں سے
 بعض بعض پر متوجہ ہوں گے اور پوچھیں گے إِنَّا كُنَّا نَمْنَعُ تَأْتُونَنَا
عَنِ الْيَمِينِ کہیں گے کہ تم تو ہماری دائیں طرف سے آتے تھے مطلب
 یہ کہ تم بڑی قوت کے ساتھ اپنے پر اپنی ناکا شکار ہمیں بناتے

تھے، ہمیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے تھے، کبھی لالچ دیتے اور کبھی خوفزدہ کرتے تھے، مگر آج کہ صبح جا رہے ہو اور ہماری مدد کیوں نہیں کرتے؟
قَالُوا هِ جَوَاب دِی گے بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ بلکہ تم خود ہی ایمان سے خالی تھے۔ اگر تم ایماندار ہوتے تو ہمارے بکاوے میں نہ آتے، دیکھو! وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ ہمارا تم پر کوئی زور تو نہیں تھا کہ ہم نے تمہیں زبردستی غلط راستے پر ڈال دیا ہو۔ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغٰفٰیْنَ بلکہ تم خود ہی مد سے بڑھنے والے سرکش لوگ تھے جبکہ آج تمہیں یہ درن دکھنا نصیب ہوا۔ یہ تو تابع اور متبعوٰع انسانوں کا مکالمہ ہو رہا ہے، قیامت چلے دن شیطان بھی اپنی کرتوتوں کا انکار کرے گا اور اس کے پیچھے چلنے والے نامزد ہو کر رہ جائیں گے یہ لوگ شیطان سے کہیں گے کہ تم دنیا میں ہمیں بڑے سبزاغ دکھاتے تھے، ہماری نظروں میں دنیا کی زیب و زینت اور رسم و رواج کہہ ہی مزین کر کے دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ آگے کچھ نہیں ہے، اب آج ہماری مدد کیوں نہیں کرتے؟ تو اُس وقت شیطان بھی یہی جواب دے گا وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ (ابراہیم ص ۲۲) مجھے تم پر کوئی غلبہ تو حاصل نہیں تھا کہ میں نے تمہیں زبردستی اپنے پیچھے لگالیا ہو بلکہ میں نے تمہیں ایک دعوت دی تھی جسے تم نے از خود مستبول کر لیا، لہذا آج فَكَلْتُمْ مُؤْمِنًا وَلَوْ مُؤْمِنًا اَنْفُسَكُمْ (ابراہیم ص ۲۲) آج مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو جو غلط راستے پر چل نکلے۔ تمہیں اللہ کے نبیوں اور مبلغین کی بات پر توفیق نہ آیا مگر میرے جھوٹے وعدے کو سچا مان لیا، لہذا اس ساری خرابی کے ذمہ دار تم خود ہو۔ تو یہ متبعوٰعین بھی اپنے تابعین سے کہیں گے کہ تم نے ناصحین کی نصیحت پر عمل نہ کیا بلکہ انکی خیر خواہی کو ہنسی مذاق میں اڑاتے رہے۔ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا آج ہم پر ہمارے رب کی بات سچی ہو گئی۔ اس کا اعلان تھا کہ جو کوئی میرا راستہ چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کرے گا، کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کرے گا

تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا لہذا انا کذا یقولون آج ہم اُس عذاب کا مزاحیے والے ہیں، اور تم بھی ہمارے ساتھ شامل ہو۔

پھر متبوعین اپنے تابعین کے سامنے اقرار کریں گے فَأَعْوَيْنَاكُمْ اِنَّا كُنَّا غَوِيْنٌ کہ ہم نے ہی تمہیں گمراہ کیا کیونکہ ہم خود گمراہی کے راستے پر چل رہے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی گمراہ آدمی سے گمراہی کی توقع ہی کی جاسکتی ہے وہ ہدایت کا راستہ کیسے دکھا سکتا ہے؟

عذاب میں
اشتراک

جب دونوں گمراہوں کی گمراہی ثابت ہو جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہرگا فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ کہ تابع اور متبوع، لیڈر اور پیچھے گئے والے سب مشترک طور پر عذاب کا شکار ہوں گے، اور اُن میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔ اللہ کا فرمان ہے اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ہم گنہگار لوگوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں۔ جو ہماری آیات پر ایمان نہیں لاتے۔ ہمارے نبیوں کی تکذیب کرتے ہیں اور ہماری کتابوں کو من گھڑت بتلاتے ہیں۔ وہ عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ ان مجرموں کا حال یہ ہے اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جِب اِنْ سَعَى كَمَا جَاۤءَ تَحَاۤكُمُ اللّٰهُ كَمَا كُوْنُوْا مَعْجُوْدُوْنَ نہیں ہے۔ اُس کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ مالک، نہ عالم الغیب ہے اور نہ مختار کل، نہ حاجت روا اور نہ مشکل کشا، تو یہ لوگ یَسْتَكْبِرُوْنَ تکبر کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم بڑے لیڈر، جاگیردار اور کارخانہ دار ہیں، سینکڑوں ہزاروں آدمی ہمارے ماتحت ہیں۔ اگر ہم نے ایک معبود کو تسلیم کر لیا۔ تو ہماری چودہ راہٹ کدھر جائے گی، اور لوگ ہماری پوجا کیسے کریں گے لہذا وہ کلمہ توحید کا انکار کر دیتے ہیں۔ فرعون، ہامان وغیرہ سب اسی عزم و تجبر کا شکار ہو کر ہلاک ہوئے۔ ابو جہل اور ابولہب بھی اسی ہلاک معنی میں مبتلا ہو کر جہنم داخل ہوئے۔ ابلیس بھی اپنے تجبر کی وجہ سے لاکھ بھڑائیے تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے جرموں کی نوعیت کے اعتبار سے درجہ بدرجہ عذاب میں مبتلا کرے گا۔

وَيَقُولُونَ آيَاتُنَا لَنَكْذِبَنَّ أَمْ أَكُنَّا لَشُعْرًا مَّحْجُونٍ ③٦
بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ③٧ إِنَّكُمْ
لَذَائِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ③٨ وَمَا تَجْزُونَ إِلَّا
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ③٩ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ④٠
أُولَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ④١ فَوَالِ كَيْفَ وَهُمْ
مُكْرَمُونَ ④٢ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ④٣ عَلَى
سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ④٤ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ
مِّنْ مَّعِينٍ ④٥ بَيُّضَاءَ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ ④٦ لَا
فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ④٧
وَعِنْدَهُمْ قُصِرَتُ الظُّرُفُ عَيْنٌ ④٨
كَأَنَّهُنَّ بَيضٌ مُّكْنُونٌ ④٩ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ
عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ⑤٠ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ
إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ⑤١ يَقُولُ آيَاتُكَ لِمَنِ
الْمُصَدِّقِينَ ⑤٢ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ
عِطَافًا إِنْ أَنَا لَمَدِينُونَ ⑤٣ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ
مُطَّلِعُونَ ⑤٤ فَاطْلَعَ فَرَاهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ⑤٥

۱۷

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَ لَتُرْدِيْنَ ۝۵۶ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِّیْنَ ۝۵۷ اَفَمَا نَحْنُ بِمَبِیَّتَيْنِ ۝۵۸ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُولٰٓئِ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبَيْنِ ۝۵۹ اِنَّ هٰذَا لَهٗوَ الْفَوْزِ الْعَظِيْمِ ۝۶۰ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝۶۱

ترجمہ :- اور وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم چھوڑنے والے ہو جائیں اپنے مہبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے (۵۶) نہیں بلکہ وہ لایا ہے حق کو اور اس نے تصدیق کی ہے اللہ کے رسولوں کی (۵۷) بیشک تم چکھنے والے ہو دردناک عذاب (۵۸) اور تم کو نہیں بدل دیا جائے گا مگر وہ جو تم کیا کرتے تھے (۵۹) لیکن اللہ کے مخلص بندے (۶۰) وہ ہیں جن کے لیے روزی ہے مقرر (۶۱) پھل ہوں گے اور ان کی عزت کی جائے گی (۶۲) نعمتوں کے باغوں میں (۶۳) تختوں میں آنے والے بنائے دے ہونگے (۶۴) پھرے جائیں گے اُن پر پیالے صاف شراب کے (۶۵) سفید رنگ اور لذت آموز ہوگی پینے والوں کیلئے (۶۶) نہ اُس کے اندر سرگردانی ہوگی اور نہ اُس کی وجہ سے وہ پرست ہوں گے (۶۷) اور اُن کے پاس نیچی ننکاہوں اور خوبصورت آنکھوں والی عورتیں ہوں گی (۶۸) جیسا کہ وہ اُن کے ہیں پوشیدہ ، محفوظ رکھے ہوئے (۶۹) پس متوجہ

ہوں گے بعض ان میں سے بعض کی طرف اور ایک
دوسرے پر چسپیں لے (۵۰) ایک نے اپنے والا اُن سے
کہے گا، بیشک تھا میرے لیے ایک ساتھی (۵۱) ہو کہ
تھا، کیا تو تصدیق کرنے والوں میں ہے (۵۲) کہ جب
ہم سر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور ٹہریاں، تو
کیا ہم بدلہ دیے جائیں گے (۵۳) کہے گا کیا تم جہانک
کو دیکھتے والے ہو (۵۴) پس وہ جھانکے گا اور دیکھے
گا اُس کو دوزخ کے درمیان (۵۵) اور کہے گا اللہ کی قسم
قریب تھا کہ تو مجھ کو بھی ہلاک کر دیا (۵۶) اور اگر نہ
ہوتی میرے پروردگار کی نعمت تو ہوتا میں بھی پکڑ کر
حاضر کیے ہوئے مجرموں میں (۵۷) پس کیا ہم نہیں ہیں
مرنے والے (۵۸) مگر وہی پہلی سوت، اور نہیں ہم کہ
سزا دی جائیگی (۵۹) بیشک یہ البتہ بڑی کامیابی ہے (۶۰)
اس جیسی کامیابی کے لیے پس چاہیے کہ عمل کریں عمل
کرنے والے (۶۱)

بطر آیات

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے گزشتہ آیات میں اللہ نے توحید کے
دلائل پیش کیے اور مشرکوں کا رد کیا۔ اُن کے تجرور و غرور اور قیامت کو ہونے
والے انجام کو بیان کیا۔ اللہ نے حشر میں پیش آنے والے واقعات کا بھی کچھ نقشہ کھینچا
اور آخر میں مجرموں کی سزا کا ذکر کیا کہ تابع اور متبوع سب جہنم داخل ہوں گے۔ فرمایا
ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جب ان سے توحید خداوندی کا
اقرار کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُلٹتے ہیں۔
تمام تر عقلی اور نقلی دلائل پیش کرنے کے باوجود مشرکین اپنے شرک
پر اصرار کرتے تھے۔ وَلَیَقُولُوْنَ اَرَاَیْنَا لَكَ کُفُوًا اِلٰہِنَا

شکر پر
اصر

لشاعرین تجنونی کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں ؟
 (العیاذ باللہ) شرک لوگ نبی علیہ السلام کی دعوت کو مستبول کرنے کی بجائے آپ کو
 شاعر اور مجنون کہہ کر انکار کر دیتے تھے ۔ کہتے تھے کہ اس کا دماغ چل گیا ہے ۔
 (العیاذ باللہ) اور یہ بھی کہتے تھے ۔ سورۃ ص میں ہے کہ کفار و مشرکین ذریت
 توحید کے جواب میں کہتے آجَعَلُ الْاِلٰهَةَ الْهَاءُ وَاحِدًا مِّثْلًا هٰذَا
 لَشَيْءٍ عَجَبًا (آیت - ۵) کیا ہم سب معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک ہی
 معبود پر اکتفا کریں ، یہ تو بڑی عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ کائنات کا سارا نظام صرف
 ایک ہی خدا جل جلالہ کے احکام شرک لوگ یہ بھی کہتے مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمَلٰٓئِکَ
 الْاٰخِرَةِ مِثْلًا اِنْ هٰذَا اِلَّا اخْتِلَافٌ (ص - ۷) ہم نے یہ بات
 پہلے لوگوں سے تو نہیں سنی ، یہ تو خود ساختہ بات ہے ۔ لہذا ہم اس شخص کی بات
 مننے کے لیے تیار نہیں اور اپنے معبودوں کو کسی بھی صورت میں نہیں چھوڑ سکتے ۔
 اللہ نے فرمایا کہ اُس کا نبی نہ تو شاعر ہے ، نہ مجنون اور نہ کاہن بَلْ جَاءَ
 بِالْحَقِّ بَلْکَہ وہ تو سچی بات لے کر آیا ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے ۔ وَصَدَقَ
 الْمُرْسَلِیْنَ اور اس نے اللہ کے تمام رسولوں کی تصدیق کی ہے ۔ اللہ کے
 ہر نبی اور رسول نے ہمیشہ یہی تعلیم دی ہے یُقِیْمُوا عِبَادَہُ وَاللّٰہُ مَا لَکُمْ
 مِنْ اِلٰہٍ غَیْرِہُ (الاعراف - ۷۲) اے میری قوم کے لوگو ! صرف اللہ کی
 عبادت کرو کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ۔ غرضیکہ اللہ کا رسول نہ تو شاعر
 ہے اور نہ دیوانہ بلکہ سداً نبوت کی آخری کڑی ہے اور اس سارے سلسلے کی تصدیق
 کرنے والا ہے ۔

فرمایا اگر میری بھی کفر اور شرک سے باز نہیں آؤ گے اِنَّا کُمْ لَذٰۤیْقُوْنَ
 الْعَذَابِ الْاَلَیْمِ (ترجمہ تمہیں لازماً دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہے
 اور یہ بھی یاد رکھو کہ قیامت کے دن کسی شخص کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی کہ اسے
 کسی ناکردہ گنہ کی سزا دی جائے بلکہ وَمَا تَجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

تھیں صرف اسی بات کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے ہو۔ یہ دردناک عذاب تمہاری گستاخی، بے ادبی، انکار، ترحید، تکذیب، رسل اور انکار معاد کا نتیجہ ہے۔ انسان کا ہر عمل اُس کے نفس سے پھڑکتا ہے۔ خدا نے ہر نفس میں اس کا بیج اور استعداد رکھی ہے۔ یہ عمل انسان کے نفس میں ہی پھلتا پھولتا ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی چھٹ کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ جو کہ قیامت کو ظاہر ہو جائے گا اور پھر اسی کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ ہوگا۔

فَرِیَآءِ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمَخْلُصِیْنَ اَلْبَتَّ اللّٰہ کے مخلص بندے اس عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ اور یہ وہی خوش قسمت لوگ ہیں جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں، صرف اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔ وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں۔ فرمایا اُولَیْکَ لَہُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ اے لوگوں کے لیے مقررہ روزی ہوگی اور یہ وہی انعامات ہیں جن کا ذکر اللہ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے۔ لَا مَقْطُوْعَہٗ وَّلَا مَمْنُوْعَہٗ (الواقعه - ۳۳) یہ روزی نہ تو کم ہوگی۔ اور نہ ہی اہل جنت سے روکی جائے گی۔ بلکہ اُن کو اُن کی ہر پسندیدہ چیز یا افراد میسر ہوگی۔ اور ہر چیز حسبِ ضرورت بیکارہ و عَشِیَّآ (مردیم - ۶۲) صبح شام ملے گی دلوں پر ہر چیز قرینے کے ساتھ رکھی ہوگی اور مقررہ پروگرام کے مطابق ہر چیز باعزت طریقے سے میا کی جائے گی۔

اللہ نے فرمایا فَوَاکِہٌ دلوں پر طرح طرح کے پھل ہوں۔ جنت میں بھوک پیاس تو نہیں ہوگی، البتہ یہ پھل لطف اندوزی کے لیے میا کیے جائیں گے۔ دلوں پر کھانا پینا بھی بھوک اور پیاس کے لیے نہیں بلکہ محض لطف حاصل کرنے کے لیے ہوگا۔ وَہُمْ مَّکْنُ مَّوْنٌ اور وہ باعزت ہوں گے یعنی ہر چیز مکمل باعزت طریقے سے پیش کی جائے گی اور کسی جنتی کے عزت نفس کی خلاف کوئی چیز نہیں ہوگی۔ فِیْ جَنَّاتٍ النَّعِیْمِ یہ سب چیزیں نعمتوں کے

مخلصین
کے لیے
الغایت

باغوں میں ملیں گی۔ عَلَى شُرُبٍ مُّتَقَبِّلِينَ وہ وہاں پر تختوں پر آکھٹے سامنے بیٹھنے والے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی طرف پشت نہیں ہوگی بلکہ آنا سامنا ہوگا۔ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مُّوَبَّيْنٍ ان پر صاف ستھری شراب کے پیالے پھیرے جائیں گے۔ موعین دراصل اپنے دائرے چمٹے کو کہتے ہیں۔ جو بالکل صاف شفاف ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق جنت کی پاکیزہ شراب پر کیا جاتا ہے جس کی نسرین چل رہی ہوں گی۔ جو کہ بَيْضَاءُ كَذِبَةٍ لِّلشَّرِبِ ان کی رنگت سفید ہوگی اور یہ پینے والوں کے لیے نہایت لذت آور ہوں گی۔ سورۃ محمد میں بھی جنت کی نہروں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہاں پر بغیر ٹوکے پانی کی نسرین ہوں گی۔ دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا مزہ تبدیل نہیں ہوگا شراب کی نسرین ہوں گی جو سرسبز لذت کا باعث ہوں گی اور شہد مصفا کی نسرین جاری ہوں گی۔

فرمایا اے مشروب ہوں گے لَا فِيهَا غَوْلٌ مگر اس میں کوئی سرگرائی نہیں ہوگی یعنی پی کر سر بھل نہیں ہوگا وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَعُونَ اور نہ ہی وہ ان سے بہست ہوں گے۔ اس دنیا کی شرابیں تو نشہ آور ہیں جو ان لوگوں کو بہرہ کر دیتی ہیں اور پھر بعض لوگ گالیاں بکنے لگتے ہیں اور شراب کرتے ہیں مگر جنت کی شراب کے مطلق فرمایا وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا اللہ تعالیٰ جنتیوں کو پاکیزہ شراب پلائے گا جس سے لذت و سرور تو حاصل ہوگا مگر پینے والا بہست نہیں ہوگا۔ یہاں پر يُنْزَعُونَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل نَزَفَ کنوئیں سے پانی کھینچنے کو کہتے ہیں۔ جس طرح پانی کنوئیں سے کھینچا جاتا ہے اسی طرح دنیا کی شراب شرابی کی عقل کو کھینچ باہر کرتی ہے اور آدمی بہست ہو جاتا ہے۔ بہر حال جنت میں ایسی کوئی قباحہ نہیں ہوگی۔ بلکہ پاکیزہ شراب کے جام چلیں گے جو کہ نہایت ہی پر کیف ہوں گے۔ لطف و سرور کے لیے عورت کا ہونا بھی ضروری ہے اور جنتی اس سے

خوبصورت
خوبصورت
خوبصورت

بھی محروم نہیں رہیں گے۔ فرمایا وَعَنْهُمْ قِصْرَتُ الصَّوْفِ عَيْنٌ
 اُن کے پاس ہوئی، اُنھوں والی اور نگاہیں نیچی رکھنے والی عورتیں ہوں گی۔ وہ صرف
 اپنے خاوندوں کو نگاہ اٹھا کر نیچیر گی اور اُن کی نظروں میں حسین و جمیل دکھائی دیں گے
 نگاہیں نیچی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جنہ کی حوریں نہایت ہی حیا دار ہوں گی کہ
 حیا عورت کا زیور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے کہ آپ نے مدین کے
 کنویں پر دو لڑکیوں کے جالوں کو بانی پلایا۔ پھر گھر جا کر انہوں نے اس بات کا ذکر
 اپنے باپ شعیب علیہ السلام سے کیا۔ پھر جب باپ کی اجازت سے ایک لڑکی
 موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے آئی تو قرآن کا بیان ہے فَجَاوَزَتْهُ إِحْدَاهُمَا
 تَمَشِيٌّ عَلَى اسْتِحْيَاءٍ (القصص - ۲۵) اُن دو میں سے ایک لڑکی
 نہایت حیا داری کے ساتھ چلتی ہوئی آئی۔ حیا صرف عورتوں ہی کا حصہ نہیں بلکہ مردوں
 کے لیے بھی ضروری ہے۔ سورۃ نور میں اللہ نے مردوں اور عورتوں دونوں صنفوں
 کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ہے قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوْا
 مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (آیت - ۳۰)
 وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ
 فُرُوْجَهُنَّ (آیت - ۳۱) مرد بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی
 حفاظت کریں اور عورتیں بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت
 کریں اور اپنے محرموں کے علاوہ کسی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں۔ یعنی
 غیر محرموں سے پردہ کریں۔ اسلام نے قدرتی زندگی کے سارے اصول بیان کیے
 ہیں جنہیں اپنا کہ دنیا میں امن قائم کیا جاسکتا ہے۔ مگر آج جدید دور میں پورے
 معاشرے کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ انگریزی تہذیب میں عورتوں کی عزت اس
 بات میں ہے کہ وہ غیر مردوں کے ساتھ اختلاط رکھیں، بے پردہ نکلیں، مضافے
 کریں اور گپیں ہانکیں، حقیقت میں یہ تو عورت کی تذلیل ہے جسے شمع مٹھل
 بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔

اسی بڑی تہذیب کے متعلق کچھیلی صدی کا ڈاکٹر پنسر لکھتا ہے کہ یورپ کی
پنٹالیس لاکھ کی آبادی میں سے یقیناً سب سے نہیں کہا جاسکتا۔ کہ صرف پنٹالیس افراد
بھی حلال کے ہوں گے۔ بے حیائی اس قدر عام ہے کہ حلال اور حرام کی تمیز ہاتھ پکی
ہے۔ اب عورت دفتر توں، فیکٹریوں، ہسپتالوں اور کالجوں میں مردوں کے شانہ
بشانہ چل رہی ہے، فوج، پولیس اور قضائی کمپنیوں میں موجود ہیں۔ جہاں مردوں
سے عام خلط ملط ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فلموں، ڈراموں اور ناچ گانے کے
پرڈکشنوں میں عورت کو اولیت حاصل ہے۔ ان حالات میں حیاداری کیسے
قائم رہ سکتی ہے؟ عورتوں کی غیر ضروری آزادی ترقی نہیں بلکہ تنزل کی علامت ہے
فرمایا جنت کی حوریں اس قدر خوبصورت ہوں گی کہ انھن بیض
مکھنوں گریا کہ پردے میں سے کبھی بوسے انڈے ہیں۔ عرب لوگ عام طور پر خوبصورت
عورت کو شتر مرغ کے انڈے سے تشبیہ دیتے ہیں جو کہ بالکل شفات اور اُپر سے
ڈھانپا ہوا ہو معنی پردوں کے نیچے چھپایا ہوا ہو۔ سورۃ الواقعة میں حورِ عین
کامثال الکؤلۃ المکھن (آیت ۲۳) بھی آئے ہیں یعنی بڑی بڑی آنکھوں والی
حوریں جیسے حفاظت سے رکھے ہوئے آبِ درموتی ہوں۔ مطلب یہ کہ جنت
کی حوریں نہایت ہی خوبصورت ہوں گی۔ جن کے ساتھ جنات لوگ دل بہلائیں گے
جنیوں کے بعض انعامات کا ذکر کرتے کے بعد اللہ نے فرمایا قَابِلُ
بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَاءَلُوْنَ پھر ان میں سے بعض ایک
دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے۔ جب جنت میں پہنچ گئے، تمام انعامات
مل گئے۔ پھر کچھ پرانی یادیں بھی آئیں گی جن کے متعلق جناتی آپس میں گفتگو کریں گے
قَالَ قَابِلٌ وَمَنْهُمْ اَنْ مِنْ سِیِّئِ الْاَعْمَالِ کَانَ
لِیْ قَدِیْنِ دُنِیَا مِیْرَ اَیْکَ سَاطِیْ رَفِیْقِ یَا دُوسْتَ ہوا کرتا تھا۔ جس
کے ساتھ اکثر گفت و شنید ہوتی رہتی تھی۔ یَقُوْلُ اَیْنَتْ لِمِیْرِ
الْمُصَدِّقِیْنِ وہ کہتا تھا کہ کیا تو اس بات کی تصدیق کرتا ہے یعنی حیرا

جناتی اور
دوزخی کی
ملاقات

جنت میں پہنچائے، اس کے لیے اس سے بڑی کامیابی کیا ہو سکتی ہے۔
 پھر فرمایا لَعِشِلْ هَذَا اس جیسی کامیابی حاصل کرنے کے لیے فَلْيَعْمَلِ
 الْعَمَلُونَ پس چاہیے کہ عمل کریں عمل کرنے والے مطلب یہ ہے کہ جو شخص مذکورہ
 شخص کی طرح عظیم کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ
 کے احکام کے مطابق اعمال انجام دے، کفر، شرک اور معصیت سے باز رہے۔
 بندوں کے حقوق ادا کرے، اور پھر دُعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اُسے بھی ایسی ہی
 کامیابی عطا فرمائے۔

اس مقام پر یہ نقطہ سمجھ لینا چاہیے کہ جنت کی ہر نعمت خواہ وہ پانی ہو، پھل
 ہوں یا عورت ہو قابلِ قدر ہے اور کسی بھی نعمت کو حقیر سمجھ کر ٹھکرانا نہیں چاہیے
 بعض لوگ ان مادی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں کہ صرف روحانی نعمتوں کی خواہش کرتے
 ہیں مگر لانا اشرف علیٰ تعالٰویٰ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جنت کی ہر نعمت مقصود ہے
 کیونکہ اللہ نے انہی چیزوں کو فوزِ عظیم سے تعبیر کیا ہے، لہذا یہ کہنا کہ ہمیں ان
 چیزوں کی ضرورت نہیں، کفرانِ نعمت کے زمرہ میں آتا ہے۔ ہر انسان کو ان چیزوں
 کی خواہش ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں پہنچائے اور تمام مادی اور
 روحانی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، تو فرمایا ان نعمتوں کے حصول کے لیے لوگوں کو
 سخت مشقت کرنی چاہیے اور عبادت اور ریاضت کے ذریعے اپنے مولا کو
 راضی کرنا چاہیے تاکہ انہیں یہ بہت بڑی کامیابی حاصل ہو جائے۔

قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُطِيعُونَ أَوْ زَانِعُونَ كِيَانِمْ پُنے اس ساتھی کا حال معلوم کرنا چاہتے
 ہو جو جزائے عمل کا انکار کیا کرتا تھا؟ یہ سوال خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گا یا اللہ کا
 کوئی فرشتہ کیسا کہ تم اپنے ساتھی کے حالات سے مطلع ہونا پسند کرتے ہو؟ پھر
 وہ اس بات کی خواہش کرے گا۔ قَاطِلَعُ قَزَاهُ فِی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ
 پس وہ جہانک کر دیکھے گا تو اپنے ساتھی کو دوزخ کے درمیان میں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ
 ایسا انتظام کرے گا کہ جنتی آدمی جنت میں رہتے ہوئے کھڑے رہیں۔ اور جہنمی میں
 اپنے ساتھی کو دیکھ سکے گا۔ پھر وہ دونوں آپس میں مکالمہ کریں گے۔ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ
 کِدْتُ لَتُرْوِیْنِ مَوْنِ اَدَمٰی پُنے سابقہ ساتھی سے کہے گا کہ قریب تھا کہ تم
 مجھے بھی ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتا۔ مطلب یہ کہ تم مجھے بھی کما کرتے تھے
 کہ قیامت وغیرہ کچھ نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے۔ اگر میں بھی تمہارا
 کہنے میں آکر ایمان گنوا بیٹھا تو آج تمہارے ساتھ میں جہنم میں ہوتا۔ وَلَقَوْلَا نِعْمَةُ
 رَبِّیْ لَکُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِّیْنَ اور اگر میرے رب کا فضل مجھ پر نہ ہوتا
 تو میں بھی گرفتار شدہ مجرموں میں شمار ہوتا۔ مگر اللہ نے مجھ پر کرم فرمائی کی اور مجھے
 ایمان کی دولت سے الامال کیا جس کی وجہ سے میں ترحنت کی نعمتوں میں ہوں تم
 یہاں دوزخ میں جا رہے ہو۔

بہت بڑی
 کامیابی

پھر وہ مومن آدمی اپنے انجام پر بہت خوش ہو گا اور یوں کہے گا۔ اَفَحَا
 غَنُ بِمَیْمَتِیْنِ کیا ہم نہیں ہیں مرنے والے؟ یعنی اب ہم پر موت نہیں آئے گی، اور
 اس جنت کے مقام میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ اَلَا هُوَتْثَنَّا اِلٰی وَاٰلِ
 عَمْرٍو ہی موت جو ہمیں دنیا میں ایک دفعہ آچکی ہے، اب اس کے بعد کوئی موت
 نہیں آئے گی، نہ ہماری یہ زندگی ختم ہوگی اور نہ یہ نعمتیں ہم سے چھینی جائیں گی۔
 وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِیْنَ اور نہ ہی اب ہمیں کوئی سزا دی جائے گی۔ اللہ نے
 ہمیں ہر قسم کی تکلیف اور پریشانی سے مبرا کر دیا ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَهٗوَ الْفَوْزِ
 الْعَظِیْمِ اور یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ معاف کرے

شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں (۶۵) پس بیشک یہ لوگ
البتہ کھانے پینے میں اُس سے ۔ پس بھرنے والے ہیں
اُس سے اپنے پیٹ (۶۶) پھر بیشک ان کے لیے اُس
البتہ تلاوٹ ہو گی کھوتے ہوئے پانی سے (۶۷) پھر
بے شک ان کا بے جا جہنم کی طرف ہو گا (۶۸) بیشک
انہوں نے پایا اپنے آباؤ اجداد کو گمراہ (۶۹) پس وہ اُن
کے لقمہ قدم پر دوڑ رہے ہیں (۷۰) اور البتہ تحقیق گمراہ
ہوئے ان سے پہلے بہت سے لوگ (۷۱) اور البتہ
تحقیق ہم نے بھیجے اُن میں ڈر سننے والے (۷۲)
پس دیکھو کیا ہوا انجام ڈر سننے ہوئے لوگوں کا (۷۳)
لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے (۷۴)

رہا آیات

ترجید کے بیان کے بعد جزائے عمل کے سلسلے میں اللہ نے اپنے مخلص
بندوں کا ذکر فرمایا، اور اُن کو جنت میں ملنے والے انعامات کی ایک جھلک
پیش کی ۔ اللہ نے اُن کے سکون و راحت، اُن کی بیویوں اور اُن کے
عزت کے مقام کا ذکر کیا ۔ اس عیش و آرام کی زندگی میں انہیں دنیا کے اپنے
بعض ساتھیوں کی یاد بھی آئے گی اور وہ انہیں جہنم میں پائے اُن سے بات چیت
کریں گے ۔ انعامات اللیہ کا شکر ادا کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہم پر اللہ
کا فضل نہ ہوتا تو آج ہم بھی تمہارے ساتھ جہنم میں ہوتے ۔ اللہ کی رحمت سے
ہم نے ایمان قبول کیا اور ہدایت کے راستے پر گامزن ہوئے تو اللہ نے ہمیں
راحت کے اس مقام تک پہنچایا، جہاں ہم ہمیشہ کی زندگی گزاریں گے ۔ موت
جو آتی تھی وہ دنیا میں آچکی ۔ اب ہم پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی ۔ اور نہ کوئی
مکلیف پہنچے گی ۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے جس کے لیے ہر شخص کو کوشش
اور محنت کرنی چاہیے ۔

اَذْلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ۖ ﴿۶۲﴾ اِنَّا
 جَعَلْنَهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ۖ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ
 تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۖ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهُ
 رُءُوسُ الشَّيْطٰنِ ۖ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَآكِلُوْنَ مِنْهَا
 فَمَالُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۖ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ
 عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۖ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّا
 مَرَّجَعَهُمْ لَا اِلٰى الْجَحِيْمِ ۖ ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمْ
 اَلْفَوْا اَبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ۖ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰى
 اَثَرِهِمْ يَهْدَعُوْنَ ۖ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ
 اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۖ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ
 مُّنْذِرِيْنَ ۖ ﴿۷۲﴾ فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
 الْمُنْذَرِيْنَ ۖ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِيْنَ ۖ ﴿۷۴﴾

ترجمہ ہو گیا یہ بات بہتر ہے باعتبار معانی کے یا پھر
 کا درخت ﴿۶۲﴾ بے شک ہم نے بنایا ہے اُس کو آزمائش
 ظلم کرنے والوں کے لیے ﴿۶۳﴾ تحقیق وہ ایک درخت
 ہے جو نکلتا ہے جہنم کی جڑ سے ﴿۶۴﴾ اس کے خوشے

برخلاف اہل ایمان مانتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے تو وہ آگ میں بھی درخت پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ معراج کا غیر معمولی واقعہ پیش آیا، حالانکہ کافر لوگ اس واقعہ کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے، مگر یہ حقیقت ہے۔ بہر حال تصویر کو دو وجہ سے آزمائش کا باعث بنایا گیا ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کو کھلنے میں بڑی تکلیف ہوگی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ دنیا میں اس کا انکار کر کے فتنہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اس درخت کی مزید تفصیل کے طور پر فرمایا اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ یہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے یعنی جہنم کے اندر ہی پیدا ہوتا ہے طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيْطٰنِ اس کے خوشے یا کونپیں ایسے بد نما ہیں۔ جیسا کہ شیطانوں کے سر ہوتے ہیں۔ یہ تشبیہ دو وجہ کی بنا پر ہو سکتی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شیطان کے ساتھ مناسبت اس کی بدشکلی کی وجہ سے ہے۔ اگر کوئی شخص پر آگندہ صورت ہو، بال بکھرے ہوئے ہوں تو اُسے جن بھوت کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے مولا امام ماکت میں یہ روایت آئی ہے کہ ایک شخص پر آگندہ بال اور خستہ حالت میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے اُسے تشبیہ فرمائی کہ شیطان جیسی وحشتناک شکل نہ بنایا کرو بلکہ اپنے بالوں کو درست کرو اور صفائی کا خیال رکھا کرو۔ بہر حال چونکہ شیطان بھی بد شکل ہے اور تصویر کا درخت بھی، لہذا ان کو آپس میں مناسبت ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس مقام پر شیاطین سے مراد سانپ ہیں۔ تفسیر اور سانپ کا سر تقریباً یکساں بناوٹ کا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو سانپ

لے مولا امام ماکت ص

۲ روح المعانی ج ۹۶ و خازن میٹک و مدارک ص ۲۲ ج ۳ (فیاض)

تھوہر کا
درخت

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنتوں کے انعامات اور دوزخیوں کی تعزیبات کا مقابلہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَذِلَّةَ خَيْرٍ نُّزُلًا مِّمَّا يَهْمَانِي بَهْتَرَسْ؟ مطلب یہ کہ کیا اللہ کی طرف سے ملنے والا آرام و راحت باعتبار مہمانی بہتر ہے اَمْ شَجَرَةُ الزَّقْوَمِ يَهْتَوِيهَا بَهْتَرَسْ اللہ نے کئی مقامات پر اپنے انعامات کو اہل جنت کے حق میں مہمان نوازی قرار دیا ہے مثلاً سورۃ آل عمران کے آخر میں متقین کے لیے باغات اور اُن کے سامنے بہنے والی نہروں کا ذکر کر کے فرمایا نُّزُلًا مِّنْ عِندِ اللّٰهِ (آیت ۱۹۸) یہ اللہ کے ہاں اُن کی مہمانی ہوگی۔ دوسرے مقام پر ایسے ہی تذکرہ کے بعد فرمایا نُّزُلًا مِّنْ عَفْوٍ وَرَحِيمٍ (رحمۃ سجدہ ۳۲) یہ بخشش کرنے والے اور مہربان خدا تعالیٰ کی طرف سے مہمانی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے استغناء پر اندازہ میں فرمایا ہے کہ کیا یہ مہمانی بہتر ہے یا تھوہر کا درخت؟ تم ان میں سے کس چیز کو پسند کرتے ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اُدھر تھوہر کا درخت ہے جو جنہیروں کی خوراک ہے اور جس کے متعلق سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَةُ فِي الْقُرْآنِ (آیت ۶۰) کہ یہ ملعون درخت ہے۔ تھوہر کے درخت کا ذکر سورۃ واقعہ اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے۔ تھوہر اس قدر کھڑا اور بد مزہ ہے کہ جنہیروں کے گلے میں اکھ کر رہ جائے گا۔

فرمایا اِنَّا جَعَلْنَهَا فَتْنَةً لِّلظَّالِمِيْنَ ہم نے اس درخت کو ظلم کرنے والوں یعنی کفر، شرک اور تعدی کرنے والوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ دنیا میں یہ لوگ اس درخت کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ دوزخ یعنی آگ میں کوئی درخت کیسے ہو سکتا ہے؟ کچے ذہن کے لوگ شک کرتے تھے کہ ہمیں ڈرانے و بہکانے کے لیے اس خوفناک درخت کا ذکر کیا جاتا ہے اس طرح گریا سحرین کے لیے یہی درخت آزمائش کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اس کے

کے سر کے ساتھ تہیہ دی گئی ہے۔ صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ یہودیوں نے حضور علیہ السلام پر جادو کیا تھا۔ کچھ کھجور کے پتے، ٹوٹی ہوئی کنجھی اور بالے کر ان پر سحر کیا اور انہیں مدینہ کے اطراف میں واقع ایک کنویں میں پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس کنویں کو میززی اردن کہا جاتا تھا اور اُس وقت ناقابل استعمال ہو چکا تھا۔ اُس کنویں کے کنارے پر حضور کے درخت تھے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملنے پر حضور علیہ السلام صحابہؓ کے ہمراہ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور مذکورہ پتھر کے نیچے سے سحر شدہ چیزیں برآمد کیں تو وہاں بھی رُوس الشیاطین کے الفاظ آتے ہیں گویا حضور کے پورے شیطانوں کے سروں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں یا سانپوں کے سروں کے ساتھ ان کو مشابہت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے جسے امام ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے اپنی تفسیر میں بھی نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہی آیت تلاوت فرمائی اَذْلَکَ خَیْرٌ لَّنْ لَا اَمْرٌ شَجَرَةٌ التَّقْوَمِ اور اس کے بعد سورۃ اک عمران کی یہ آیت پڑھی یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِہٖ (آیت ۱۰۲) لے لو کہ! اللہ سے ڈر جاؤ مگر ڈرنے کا حق ہے۔ پھر فرمایا وَلَوْ اَنَّ قَطْرَةَ قَطْرِیْتُ مِنَ التَّقْوَمِ فِیْ بَحَارِ الدُّنْیَا لَا فُتِدَتْ عَلٰی النَّاسِ مَعَالِشُہُمْ اگر جنہم کے حضور ہر ایک قطرہ دنیا بھر کے سمندروں میں ڈال دیا جائے تو اس کی بدبو اور ذائقہ کی وجہ سے تمام لوگوں کی معیشت برباد ہو کر رہ جائے مطلب یہ کہ حضور اس قدر کڑوا ہے اور بد مزہ ہے کہ سارے سمندروں کو بد مزہ نہ ملے اور ان سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا جاسکے۔

تھوہر کی یہ تعریف بیان کرنے کے بعد فرمایا فَذٰلَہُمْ لَا یَكُوْنُ مِنْہَا

مذکورہ
کی خبر

ہیں بھی گمراہ کیا۔ اللہ فرمائے گا کہ صرف ان کو ہی ڈبل سزا نہیں ملنی چاہیے بلکہ قصص بھی دہری سزا ملے گی۔ جس طرح تمھارے آباؤ اجداد گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا، اسی طرح تم بھی گمراہ ہوئے اور تم نے بھی آگے بہت سوں کو گمراہی کے راستے پر چلایا۔ لہذا آج اس دہری گمراہی کی دہری سزا بھگتو۔

متذہبین کی
آہ

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُّسَدِّدِينَ اور البتہ تحقیق ہم نے ان میں ڈر سنانے والے بھیجے جو ان کو بُرے انجام سے خبردار کرتے ہے وہ انہیں کفر، شرک اور معاصی سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں مگر انہوں نے ان کی ایک نہ مانی۔ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُتَكِبِرِينَ۔ پھر دیکھو کیا انجام ہوا ڈرائے ہوئے لوگوں کا۔ ان نافرمانوں میں سے کوئی گرفت الہی سے نہ بچ سکا۔ قرآن پاک میں مختلف اقوام کے جستہ جستہ حالات بیان ہوئے ہیں۔ بعض کو اللہ نے پانی میں غرق کیا، کسی کو تندرہ ہوا کی بھینٹ چڑھایا، کسی پر سخت پیچ آئی، کسی پر زلزلہ آیا اور کسی قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی، بعض نافرمان ایسے بھی تھے جن کو اہل ایمان کے ہاتھوں سے سزا دی گئی۔ اس طرح کوئی نافرمان بھی بُرے انجام سے نہ بچ سکا وَالْاَعْبَادُ لِلّٰهِ الْمُخْلِصِينَ سوائے اللہ کے منتخب اور برگزیدہ بندوں کے۔ یہ لوگ بچ گئے اور آئندہ بھی نہ پختہ رہیں گے۔ تاریخ انبیاء سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لا کر ان کا اتباع کیا، اللہ نے ان کو ہر آفت سے محفوظ رکھا۔ ایسے لوگ کافروں، مشرکوں اور نافرمانوں والی زمیں میں نہیں آئیں گے، باقی سب ہلاک ہوں گے جیسے کہ پہلے بھی ہوتے رہے ہیں۔

یہی کہتے ہیں کہ ہم تو مہی کچھ کریں گے جو کچھ ہمارے باپ دادا کرتے ہیں، ہم ان کی طریقہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں قرآن نے فرمایا اَوْ كُنْ كَانْ اَبَاءُ هُمْ لَا يَنْفَعُ لَكُمْ شَيْئًا وَلَا يَنْفَعُ دُونَ (البقرہ - ۱۷۰) اگرچہ ان کے آباؤ اجداد نہ عقل رکھتے ہوں اور نہ وہ راہ ہدایت پر ہوں یہ پھر بھی انہی کے طریقہ پر انہی کی طرح گمراہی کے گڑھے میں جا گریں گے۔ یہی اندھی تقلید ہے جسکی سختی سے تردید کی گئی ہے۔ ہاں اگر آباؤ اجداد صراطِ مستقیم پر ہوں تو پھر قرآن کے نقشِ قدم پر چلنا عین سعادت اور فخر کی بات ہے۔ اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے قید کے دوران کہا تھا وَاسْتَبَعْتُ مِثْلَهُ اَبَاؤُنِي اِبْنِ هَيْسَمٍ وَلَا يَخْلُقُ وَيَعْقُوبُ (یوسف - ۳۸) میں تو اپنے آباؤ اجداد ابراہیم، اسمعیل اور یعقوب علیہم السلام کی نکت کا اتباع کرتا ہوں۔ وہ سب اللہ کے برگزیدہ نبی تھے اور راہِ راست پر چلنے والے تھے، لہذا میں نے بھی انہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

فرمایا یہ لوگ بھی اندھی تقلید کر کے گمراہ ہوئے وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ الْاَوَّلِينَ اَلْبَتَّ تَحْتِيقِ اِنْ سے پہلے بھی زیادہ تر لوگ گمراہ ہی ہوئے۔ یہ نزولِ قرآن سے پہلے لوگوں کا ذکر ہے کہ وہ بھی اندھی تقلید میں مبتلا ہو کر گمراہی کے راستے پر ہی چلتے رہے۔ انہوں نے بھی اللہ کے پیغمبروں اور خیر خواہوں کی بات کو نہ سنا اور نہ ہی اپنی عقل سے کام لیا۔ اس بات کا احساس انہیں قیامت والے دن ہو گا۔ جب اللہ کے حضور پیشی ہوگی تو اس وقت افسوس کا اظہار کریں گے۔ کاش کہ ہم نے اللہ اور رسول کی بات مانی ہوتی تو مبتلائے عذاب نہ ہوتے۔ اس وقت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کریں گے وَقَالَ لَوَا رَبَّنَا اَنَا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُنَّا اَرْوَاقًا فَضَلُّوْنَا السَّبِيلَ (الاحزاب - ۶۷) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دنیا میں اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی جنہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا۔ ہم تو ان کا کمان کر اس مصیبت کو پہنچے، لہذا آج ان کو دُکھ عذاب دے کیونکہ ہمارے یہ بڑے خود بھی گمراہ ہونے اور

تَنْحِتُونَ ۹۵ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۹۶
 قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْحَيِّمِ ۹۷
 فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَدِينَ ۹۸

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق پکارا ہم کو روح علیہ السلام نے
 پس ہم بہت اچھی طرح اس کی دعا کر قبول کر لیا
 ہیں ۷۵ اور ہم نے نجات دی اُس کو اور اُس کے
 گھر والوں کو بڑی گھبراہٹ سے ۷۶ اور کر دیا ہم نے
 اُس کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے ۷۷ اور چھوڑا
 ہم نے اُس کے اُوپر پھپھلوں میں ۷۸ سلام ہے
 روح علیہ السلام پر جہاں والوں میں ۷۹ اسی طرح ہم بدلہ دیتے
 ہیں نیکی کرنے والوں کو ۸۰ بیشک وہ ہمارے نیک
 بندوں میں سے ہے ۸۱ پھر ہم نے غرق کیا دوسروں
 کو ۸۲ اور بیشک اُنہی کے گروہ میں سے البتہ
 ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں ۸۳ جب کہ وہ آئے اپنے
 پردہ نگار کے پاس سالم دل سے ۸۴ جب کہا اس
 نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ تم کن چیزوں کی
 عبادت کرتے ہو ۸۵ کیا اچھوٹے الٰہ بناتے ہو اے اللہ کے
 سوا دوسروں کو تم چاہتے ہو ۸۶ پس کیا گمان ہے
 تمہارا رب العالمین کے بارے میں ۸۷ پھر نگاہ کی انہوں
 نے ایک نگاہ ستاروں میں ۸۸ پس کہا انہوں نے
 کہ میں بیمار ہوں ۸۹ پس پھر گئے وہ لوگ اُن
 سے پشت پھیر کر ۹۰ پس (موقع پا کر) جاگئے وہ

وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوحًا فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿٤٥﴾
 وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ
 الْعَظِيمِ ﴿٤٦﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿٤٧﴾
 وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٤٨﴾ سَلَامٌ
 عَلَى نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿٤٩﴾ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي
 الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾
 ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخِرِينَ ﴿٥٢﴾ وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ
 لَإِبْرَاهِيمَ ﴿٥٣﴾ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٥٤﴾
 إِذْ قَالَ لِلَّهِ رَبِّهِمْ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٥٥﴾
 أَفَكَا الْهَتَّةَ دُونَ اللَّهِ مُرِيدُونَ ﴿٥٦﴾ وَمَا
 ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً
 فِي النُّجُومِ ﴿٥٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٥٩﴾ فَتَوَلَّوْا
 عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٦٠﴾ فَرَاغَ إِلَى إِلَهِهِمْ
 فَقَالَ لَا تَأْكُلُونَ ﴿٦١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿٦٢﴾
 فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿٦٣﴾ فَأَقْبَلُوا
 إِلَيْهِ يَزْفُونَ ﴿٦٤﴾ قَالَ أَعْبُدُوا مَا

کی دعا کی تفصیل نہیں ہے اور نہ ہی اس کی قبولیت کے نتیجے کا ذکر ہے۔ سورہ
 نوح میں موجود ہے رَبِّ لَا تَذَرْنَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ الْكَافِرِينَ دیکھا راہ
 (آیت - ۲۶) پھر دیکھا! رٹے زمین پر کسی ایک کافر کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اگر تو ان
 کو چھوڑ دیتا تو تیسرے بندوں کو گمراہ کر دیتے اور آگے ان کی اولاد بھی بدکار اور
 ناشکو گزار ہی ہوگی۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام
 اور اس کے ساتھ کشتی میں سوار لوگوں کو بچا لیا تم آئندہ قاتلِ بقیہ (الباقین) رہو
 (الشعراء - ۱۲۰) اور اس کے بعد باقی لوگوں کو پانی میں ڈبو دیا۔ اس مقام پر بھی
 فرمایا ہے وَجَعَلْنَاهُ وَأَهْلَكَ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ہم نے ان
 کو اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی گھبراہٹ اور بے چینی سے کھات
 دی۔ اس کی صمدت یہی تھی کہ باقی ساری نافرمان قوم کو طوفان میں غرق کر دیا۔
 یہ دراصل حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا
 مضمون بیان کیا جا رہا ہے۔ نوح علیہ السلام کی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
 کی قوم نے بھی آپ کو اور اہل ایمان کو سخت تکالیف نہنپائیں جس کی وجہ سے
 آپ سخت پریشان رہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور آپ،
 قوم کی ایذا رسانیوں کا ذکر کر کے آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ دل برداشتہ
 نہ ہوں، ہر نبی کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا مگر بالآخر اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔
 اور نافرمان قوم پر غالب فرمایا

ساری قوم کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی بقا کے ضمن میں
 فرمایا وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ہم نے نوح علیہ السلام کی
 اولاد کو ہی باقی رہنے والی بنایا۔ پوری روئے زمین کے لوگ طوفانِ نوح میں غرق ہو
 گئے اور صرف وہی محدود تعداد میں لوگ زندہ بچے تھے جو کشتی پر سوار ہو گئے
 تھے، چنانچہ نسل انسانی کا سلسلہ انہی کشتی والوں میں سے ہی آگے چلا۔ یہ بھی
 اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے کہ کشتی والوں میں سے بھی صرف نوح علیہ السلام

نسل انسانی کی
 بقا کا ذریعہ

اُن کے معبودوں کے پاس، پس کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں؟ (۹۱)
 کیا ہے کہ تم بولتے نہیں؟ (۹۲) پھر گھس گئے اُن پر
 مارتے ہوئے داہنے ہاتھ کے ساتھ (۹۳) پس متوجہ ہوئے
 لوگ اس کی طرف اور اُسے (۹۴) کہہ ،
 کیا تم عبادت کرتے ہو اُن کی جن کو تم ترستے ہو؟ (۹۵)
 حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے اور اُن چیزوں
 کو بھی جن کو تم بناتے ہو (۹۶) کہا انہوں نے بناؤ اس
 کے لیے ایک عبادت اور ڈالو اُس کو بھڑکتی ہوئی آگ
 میں (۹۷) پس ارادہ کیا انہوں نے اُس کے بارے میں
 بُری تدبیر کا پس کر دیا ہم نے اُن کو ہی پست (۹۸)

نوح علیہ السلام
 کی دعا

سورة الصافات میں زیادہ تر بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے۔ اس سے پہلے
 توحید باری تعالیٰ اور مشرکوں کا رد ہو چکا ہے۔ اب رسالت کے سلسلے میں نوح
 علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کو بے عرصہ تک ایمان اور
 توحید کی دعوت دی مگر وہ کفر و شرک پر لڑے رہے اور آپ کو ایذا میں پہنچاتے
 رہے۔ بالآخر آپ نے تنگ آکر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی پروردگار اے
 اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَاصْرِخْ (القمر - ۱۰) میں تو مغلوب ہو چکا ہوں میری
 مدد فرما اور ان لوگوں سے میرا بدلہ لے۔ چنانچہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے نوح
 علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے وَلَقَدْ نَادٰیكَ نُوْحٌ اٰتِیْہِ
 تَحِیُّیْنَ نُوْحٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے ہم کو پکارا، اواز دی فَكُنْ عَلٰی الدُّجَنِیْنَ
 پس ہم کیا خوب ہیں اُن کی دعا کو مستبول کرنے والے مطلب یہ کہ جب
 نوح علیہ السلام نے ہمیں مدد کے لیے پکارا تو ہم نے بھی اُن کی دعا قبول کرنے
 میں دیر نہیں کی۔ نوح علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ قوم کی اصلاح کی اب کوئی
 صورت باقی نہیں رہی۔ لہذا اس قوم سے انتقام لے۔ اس مقام پر نوح علیہ السلام

بے شک اپنی (روح علیہ السلام) کے گروہ میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی
 ہیں۔ آپ بھی اپنی کے خاندان سے اور اپنی کی راہ پر چلنے والے ہیں۔ وَاذْكُرْ
رَبَّكَ بِقَلْبِكَ سَلِيمًا جب آئے آپ اپنے پروردگار
 کے پاس سلیم دل لے کر۔ سلیم دل سے مراد ایسا سلامتی والا دل ہے جو ہر قسم کی
 برعقیدگی، فاسد نیت اور غیر اخلاقی اشیاء سے پاک ہو۔ بعض کہتے ہیں قلب
 سلیم وہ ہے جو شرک، کفر، نفاق، حسد، کینہ، جھوٹ اور حب مال و جاہ سے
 پاک ہو مگر توحید اور ایمان کے ساتھ لبریز ہو۔ اور تمام اخلاق حسنا میں پائے جائیں
 بعض فرماتے ہیں کہ قلب سلیم کا شرک سے پاک ہونا ضروری ہے کیونکہ اس میں
 توحید کے علاوہ شرک کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح بدعت سے
 پاک ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ بدعت سنت کے خلاف چیز ہے شہوت
 سے لبریز دل بھی قانون الہی کے خلاف ہوتے ہیں لہذا قلب کو شہوت سے
 بھی منزہ ہونا چاہیے۔ جو دل قانون الہی یعنی شریعت کے خلاف ہوگا۔ وہ
 قلب سلیم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قلب سلیم کا غفلت سے پاک ہونا بھی ضروری
 ہے کیونکہ غفلت یاد الہی کے خلاف عنصر ہے۔ اسی طرح خواہشات کا
 غلام بول بھی قلب سلیم کہلانے کا حقدار نہیں ہو سکتا کیونکہ خواہشات سے
 لبریز دل حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ غرضیکہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
 قلب سلیم لے کر اپنے پروردگار کے پاس آئے۔ قلب سلیم کا ذکر سورۃ الشعراء
 میں بھی موجود ہے۔ وہاں ابراہیم کی دعا کے الفاظ ہیں کہ مَوْلَاكَ كَرِيمٌ! قیامت
 والے دن مجھے روانہ کرنا، وہ دین کہ جب مال کچھ قائم ہو گیا اور نہ بیٹے الا

لے روح المعانی ج ۱/ ۲۳ و مدارک ج ۲/ ۲۳ و قرطبی ج ۱/ ۱۵ و طبری ج ۱/ ۶۹ و کبیر ج ۱/ ۲۶

(فیاض)

کے تین بیٹوں حام، سام اور یافت کی اولاد ہی آگے چل سکی۔ اس لحاظ سے نوح علیہ السلام کو آدمؑ والی بی بیؑ جانتے۔ ترمذی شریف اور مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا عرب نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں جبشی حام کی اولاد اور رومی یافت کی اولاد ہیں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق عرب، فارس اور روم واسے سام کی اولاد ہیں، یاجوج ماجوج ترک اور منجول یافت کی، اور قبلی اور سوطانی حام کی اولاد ہیں۔ بہر حال موجودہ پوری نسل انسانی نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔

فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں نوح علیہ السلام کا ذکر چھوڑ دیا۔ آپ کی نسل کے لوگ آپ کے بعد ہی کہیں گے سَلُّوْا عَلٰی نَوْحٍ فِي الْفَلَمَيْنِ سارے جان والوں میں نوح علیہ السلام پر سلامتی ہو۔ مختلف نسلوں کے لوگ آپ پر سلام بھیجتے ہیں کہ آپ اللہ کے نہایت ہی برگزیدہ بندے تھے جنہوں نے لیے عرصے تک خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور اس سلسلے میں بڑی تکالیف اٹھائیں۔ فرمایا اَنَا كَذَلِكُ نَجَّيَ الْمُحْسِنِينَ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ نوح علیہ السلام ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔ آپ اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ فرمایا ہم نے آپ کو اور آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کو تو بچا لیا ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْآخِرِينَ پھر دوسروں کو ہم نے پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کے حضور علیہ السلام کی تسلی کے لیے اختصار کے ساتھ یہ مضمون بیان کر دیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ وَانْ مِنْ شَيْعَتِهِ لَا تُرْهِمُهُ

لے ابن کثیر ص ۱۲ و نظری ص ۱۲ و خازن ص ۲۴ و روح المعانی ص ۹۸ (فیاض)

جھوٹی چیزوں کو معبود بنا رکھا ہے، یہ کتنا سی عقل مندی کی بات ہے؟
 اگلی آیات میں اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا واقعہ نہایت مختصر
 کے ساتھ بیان کیا۔ اس کی تفصیلات سورۃ الانبیاء میں بھی مذکور ہیں۔ آپ نے
 اپنے باپ اور قوم سے فرمایا کہ یہ کیسی سورتیاں ہیں جن پر تم مجھے پڑتے ہو یعنی ان کی
 عبادت کرتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان کی عبادت
 کرتے ہوئے پایا ہے۔ کچھ سوال و جواب کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں
 تمھارے بتوں کی ضرورت بدیر کر دیں گا جب کہ تم پشت پھیر کر جاؤ گے۔ چنانچہ ایک
 دن ایسا آیا کہ ساری قوم شہر سے باہر کوئی تہوار منانے کے لیے جا رہی تھی انہوں
 نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی شریک ہونے کی دعوت دی۔ آپ ان کے ساتھ جانا
 نہیں چاہتے تھے، چنانچہ اللہ نے اس مقام پر اُس جگہ کا ذکر کیا ہے جو آپ نے
 اس ضمن میں اختیار کیا۔ فَنظَرَ نَظْرًا فِي السُّجُودِ انہوں نے ستاروں
 کی طرف نظر ڈالی فَقَالَ اِنَّ سَقِيمٌ پس کہا کہ میں بیمار ہوں فتو لیا
عَنْهُ مَذْبُوحٌ پھر وہ لوگ آپے پشت پھیر کر چلے گئے۔ یعنی آپ کو
 تہوار میں ساتھ لے جانے پر اصرار نہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا دور صابی دور کہلاتا ہے اُس دور میں
 ستاروں کے ساتھ لوگوں کا خصوصی تعلق ہوتا تھا۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہ فرماتے
 ہیں کہ اُس دور میں متعین ہونے والی شائع میں کسی حد تک ستاروں کا بھی دخل
 رہتا تھا۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام کا حنیفی دور آیا تو ستاروں کے ساتھ تعلق
 کو سختی کے ساتھ منقطع کر دیا گیا۔ قوم ابراہیم بھی ستاروں میں کرشمہ انہی مسمی،
 لہذا انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ستاروں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے یہ
 مطلب اخذ کیا کہ آپ بھی ستاروں کی کرشمہ سازی کے قائل ہیں، لہذا وہ آپ

مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (آیت - ۸۹) البتہ وہ شخص نیک ہوائے
۴۰۔ جو اپنے اللہ کے پاس قلبِ سلیم لے کر آیا۔ الغرض! فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام
تمام قسم کی آلائشوں سے پاک دل لے کر رب العزت کے پاس آئے۔

ابراہیم علیہ السلام
کا درجہ تو

آگے اللہ نے قلبِ سلیم رکھنے والے ابراہیم علیہ السلام کے درسِ توحید کا ذکر کیا
ہے۔ آپ نے خدا تعالیٰ کا پیغامِ توحید اپنی قوم تک عقلی دلائل کے ساتھ پہنچایا۔
ارشاد ہوتا ہے اِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ يَا حَبِيبَ اِبْرَاهِيمَ
علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کن چیزوں کی عبادت کرتے
ہو؟ سورة الانعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آذر ذکر کیا گیا ہے
وَلَاذَقَالَ ابْنَاهُ يٰ اِبْرٰهِيْمُ اٰذَرَ اَتَّخِذُ اَصْنَامًا الْهٰتِهٖ
(آیت - ۷۵) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر سے کہا۔ تاریخ میں آپ کا
نام آرخ بھی آیا ہے اس بناء پر بعض کہتے ہیں کہ تاریخ باپ اور آذر چچا تھا۔ مگر
حقیقت یہ ہے کہ دونوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں۔ آذر تو قرآن نے بیان
کر دیا، اور تاریخ البتہ لقب تھا۔

بہر حال ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کو مخاطب کر کے فرمایا
کہ تم کن چیزوں کی پوجا کرتے ہو؟ اَيُّفَصَا الْهٰتِهٖ دُونَ اللّٰهِ تَوْبِدُونَ
کیا اللہ کے سوا تم جھوٹ موٹ کے بنائے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟ یہ
پتھر و حات اور لکڑی کی سورتیاں جنہیں تم اپنے ہاتھ سے گھڑتے ہو، انہی کی
پوجا کرنے لگتے ہو، تم نے سارے فرشتوں اور جنات کے نام پر بت تراش
رکھے ہیں، کیا تم ان کو اپنا معبود سمجھتے ہو۔؟ عجلایہ تو بناؤ فَمَا ظَنُّكُمْ
بِعَبَدَةِ الْغٰلِبِيْنَ تمام جہانوں کے پروردگار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے
تم اس حقیقی معبود کی تو عبادت کرتے نہیں اور اس کی بجائے ان خود ساختہ

مگر وہ خود جانتے تھے کہ ان جوں میں تو جس و حرکت ہی نہیں ہے۔ بھلا یہ کام ہت کیے کر سکتا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کو یہی سمجھانا مقصود تھا کہ جو بت نہ تو خود توڑ پھور کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے دفاع پر قادر ہیں، وہ مجبور دیکھے ہو سکتے ہیں؟

رہی تیسری بات کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کو کہا تو یہ بھی حضور ﷺ کے طور پر آپ نے تو یہ کیا تھا۔ آپ نے اپنی بیوی کو سمجھا دیا تھا کہ اگر ہم نے اپنے آپ کو میاں بیوی ظاہر کیا تو یہ ظالم بادشاہ مجھے قتل کر دے گا۔ اور تم پر تسلط قائم کرے گا۔ لہذا خیریت اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو بہن بھائی ظاہر کیا جائے۔ لیے بھی اس سرزمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے اور انعموا المؤمنون اخوة والمہجرات مومن آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ الغرض! جان بچانے کے لیے آپ نے یہ جیل اختیار کیا۔ اس قسم کے بعض واقعات خود حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آئے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت صدیق اکبرؓ سفر ہجرت پر جا رہے تھے راستے میں ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے حضرت ابوبکرؓ کے متعلق دریافت کیا میںین التجل یعنی یہ شخص کن لوگوں میں سے ہے تو آپ نے جواب دیا من النساء پانی سے۔ وہ شخص سمجھا کہ پھیلی پانی والی آبادی کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ وہاں سے ہے اسی طرح راستے میں ایک درویش شخص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پہچان لیا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے بھی تو یہ کہے انداز میں جواب دیا ہو رجل یمہدینی السبیل وہ ایک شخص ہے جو راستے میں میری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ آدمی سمجھا کہ سفر میں راستہ معلوم کرنے کے لیے گائیڈ (واقعہ کثر) کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں، حالانکہ حضرت صدیقؓ کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص مجھے ہدایت کا راستہ بتانے والا ہے۔

بہر حال جب سب لوگ توار منانے کے لیے شہر سے باہر چلے گئے۔ تو

بت کی:

کو چھوڑ کر توار منانے کے لیے چلے گئے اور ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کی نیت کرنے کا موقع میسر آگیا۔

بخاری اور ترمذی شریفین کی روایت میں آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کذب بیانی نہیں کی مگر تین مواقع پر پہلا موقع تو یہی ہے جب آپ نے کہا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ آپ بیمار نہیں تھے۔ دوسرا موقع وہ ہے۔ جب آپ نے بتوں کو پاش پاش کر دیا تو کافروں کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا **سَبَلٌ فَعَلَكَ كَبِيرُهُمْ هَذَا** (الانبیاء - ۶۳) یعنی یہ کام اس بڑے بت نے کیا ہے جس کے کندھے پر کھڑا رکھا تھا۔ حالانکہ یہ کام خود ابراہیم علیہ السلام نے انجام دیا تھا۔ اور تیسرا موقع وہ جب آپ بابل سے ہجرت کر کے اپنی بیوی سارہ کے ہمراہ مصر پہنچے۔ وہاں پر بادشاہ مصر کی بدینتی کا علم ہوا تو آپ نے اپنی بیوی کو **أُخْرَتِي** (میری بہن) کہہ دیا۔ اس قسم کا ذومعنی کلام دراصل جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ عربی زبان میں اسے **تَرَج** کہتے ہیں۔ یعنی بوقت ضرورت ایسا کلام کیا جائے جس سے محکم کی مراد کچھ اور ہو اور مخاطب اس سے کچھ اور معنی لے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا **أُخْرَتِي** سَقِیْمٌ یعنی میں بیمار ہوں حالانکہ جسمانی طور پر آپ تندرست تھے۔ دراصل ان الفاظ سے آپ کی مراد یہ تھی کہ تمہارا کفر اور شرک دیکھ کر میں ذہنی طور پر بیمار ہوں کہ مجھے کفر و شرک سے سخت تکلیف پہنچتی ہے، مگر لوگ سمجھے کہ آپ کو کوئی جسمانی عارضہ ہے جس کی وجہ سے آپ ان کے ساتھ جانے سے معذور ہیں۔ جاں تک بت شکنی کو بڑے بت کی طرف منسوب کرنے کا تعلق ہے تو اس سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد کفار کو عذر و بہانہ کے تحت توحید کی دعوت دینا تھا، آپ نے کہا تھا کہ ان کو ان کے بڑے بت نے توڑا ہے

ہیں۔ افسوس ہے تم پر بھی اور تمھارے ان معبودوں پر بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو۔
جب اُن کافروں سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو زندہ
جلائیے کا فیصلہ کر لیا۔

اس مقام پر صرف اس قدر بیان کیا گیا ہے کہ بتوں کی حالت دیکھ کر وہ لوگ
ابراہیم علیہ السلام کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ آپ کے ساتھ گفت و شنید ہوئی
تو آپ نے فرمایا قَالَ اتَّعْبِدُونَ مَا لَا يَخْتُونُ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو
جن کو خود تراشتے ہو؟ انسان کی اس قدر گڑبڑ انتہائی افسوسناک ہے کہ ایک چیز کو
خود ہی گھڑے اور پھر اُنہی کے سامنے سربسجود ہو جانے۔ یہ عورتیاں خواہ جنوں کی ہوں، یا
فرشتوں یا انسانوں کی ہوں یا ستاروں کی، کسی کو اختیار نہیں ہے جو کسی کی مشکل کشائی
اور حاجت روائی کر سکے، معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو علیم کل، قادر مطلق، خالق اور
واجب الوجود ہو۔ جب یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں، تو پھر کوئی
دوسری ہستی معبود کیسے ہو سکتی ہے؟ برصغیر میں ہندو بھی بت پرست ہیں۔ جن کے
لاکھوں اور کروڑوں معبود ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے خود اپنے مذہب کے
متعلق لکھا ہے کہ یہ اشنان، بودیاں، نشانات اور تقریبات بے معنی چیزیں ہیں
کس قدر افسوسناک بات ہے کہ ہمارے معبود جاپان اور انگلستان کی فیکٹریوں میں
تیار ہو جاتے ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں۔

غرضیکہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو بارہ کر لیا کہ تم جنوں کو خود تراش
کر ان کی عبادت کرتے ہو وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ حالانکہ
اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور اُن چیزوں کو بھی جن کو تم بناتے ہو۔ انسان
کوئی بھی کام کرے ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انسان
اللہ کے عطا کردہ اختیار اور صلاحیت کے ساتھ ہی ہر کام کرتا ہے، مگر نہ
تخلیق کی صفت تو کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی۔

دلائل کے لحاظ سے تو کافر لوگ لاجواب ہو چکے ہیں۔ کہنے لگے یہاں معبودوں
کی توہین کا مرتکب ہوا ہے جو کہتا ہے کہ ان کو کوئی اختیار نہیں اور یہ اہمیتوں کی

ابراہیم علیہ السلام
کو جلائیے کی
دشمنی

ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کی مرمت کرنے کا وہ موقع میسر آ گیا جس کی تلاش میں آپ تھے۔ فَوَاعِ الْمَلَائِكَةَ پھر آپ موقع پا کر بتوں کے پاس گئے، اُن کے سامنے نذر و نیاز کی سمٹائی، کھانا اور شربت وغیرہ رکھا ہوا تھا۔ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ آپ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا، تم کھاتے کیوں نہیں؟ بَعَلًا پَتَرَ کے وہ بے جان بت کھاتے کیا، اور جواب کیا دیتے۔ آپ نے پھر پوچھا مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ کیسے تمہیں کہ تم بولتے نہیں؟ جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ نے اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لیے فَوَاعِ عَلَيْهِمْ صُورًا يَّالِيَمِيْنَ آپ دائیں ہاتھ سے مارتے ہوئے اُن پر پل پڑے۔ آپ کے ہاتھ میں ہتھوڑا تھا جسے پوری قوت سے چلا کر بتوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ صرف بٹے بت کر چھوڑا اور اس کے ٹکڑے میں کھنکھار لگا دیا۔ پھر آپ دلوں سے چلے آئے۔

کفار کا رد عمل

جب وہ لوگ تلواریں منا کرہ واپس آئے تو بتوں کی یہ حالت دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ اس مقام پر تفصیلات نہیں ہیں صرف اس قدر ہے فَاَقْبِلُوا اِلَيْهِ يَنْفِرُوْنَ وہ لوگ آپ کے پاس گھبراہٹ کے عالم میں دوڑتے ہوئے آئے۔ سورۃ الانبیاء میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب کفار نے اپنے بتوں کو شکستہ حالت میں دیکھا تو ایک دوسرے سے پوچھا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ اُن میں سے بعض نے کہا کہ ابراہیم نامی نوجوان ان کا ذکر کیا کرتا تھا، ہو سکتا ہے کہ یہ اسی کا کام ہو، پھر ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر پوچھا گیا کہ کیا یہ کارروائی تم نے کی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو اس بڑے بت کا کام معلوم ہوتا ہے جس کے کاندھے پر کھنڈا ابھی ٹپک رہا ہے، تاہم آپ ان شکستہ بتوں سے پوچھ لیں اگر یہ بول کر بتا سکیں۔ پھر انہوں نے آپس میں میٹنگ کی اور کہنے لگے کچی بات تو یہ ہے کہ یہ بت تو بولتے ہی نہیں، یہ ہمیں کیا بتائیں گے؟ اسی موقع پر ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے ضمیر کو جھنجھوڑا اور پوچھا، کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے کسی نفع نقصان کے مالک نہیں

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ⑨٩ رَبِّ
 هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ⑩٠ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ
 حَلِيمٍ ⑩١ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَئُ
 إِلَيَّ أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا
 تَرَىٰ ⑩٢ قَالَ يَأْتِيَ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي
 إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّادِقِينَ ⑩٣ فَلَمَّا أَسْلَمَا
 وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ⑩٤ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ⑩٥
 قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي
 الْمُحْسِنِينَ ⑩٦ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ⑩٧
 وَقَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ ⑩٨ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ
 فِي الْآخِرِينَ ⑩٩ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ⑪٠ كَذَلِكَ
 نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ⑪١ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا
 الْمُؤْمِنِينَ ⑪٢ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا
 مِنَ الصَّالِحِينَ ⑪٣ وَلَبَّكُنَا عَلَيْهِ وَعَلَى
 إِسْحَاقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ
 لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ⑪٤

تراشیدہ صورتیاں ہیں۔ لہذا ابراہیم علیہ السلام کو سخت سزا ملنی چاہیے۔ قَالُوا بُنَيَانَا كُنْ لَكَ
بَنِيَانَا کئے گئے اس کے لیے ایک بہت بڑی عمارت تیار کرو، اس میں آگ جلاؤ
 اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا ایک بہت بڑے
 حصہ زمین پر دنیا کی سب سے بڑی آگ جلائی گئی پھر کئے گئے فَالْقُوَّةُ فِي الْجَحِيمِ
 اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ اس مقام پر تو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے
 تاہم سورۃ الانبیاء میں ہے قَالُوا احْرِقُوْهُ وَاذْصُرُوْا اِلَيْكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
فَاعِلِيْنَ (آیت ۶۸) اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلا دو اور اس طرح
 اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ جن کی یہ خدمت بیان کرتا ہے۔

بالآخر انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو منجھنق کے ذریعے بھڑکتی ہوئی آگ میں
 پھینک دیا مگر اللہ نے فرمایا قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰی
اِبْرٰهِيْمَ (الانبیاء - ۶۹) اے آگ! ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی
 والی ہو جا۔ سورۃ العنکبوت میں ہے فَاَنْجَلَهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ (آیت ۲۴)
 اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُس آگ سے بچالیا۔ اور کافراہی اس تدبیر میں بھی ناکام و
 نامراد ہوئے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آگ نے ابراہیم علیہ السلام کا ایک بال
 تک نہ جلا یا۔ البتہ جس رسی سے باندھ کر آپ کو آگ میں پھینکا گیا تھا، وہ رسی
 جل کر خاک ہو گئی۔ اللہ نے فرمایا فَاَزَادُوْا لَهُمْ كَيْدًا انہوں نے ایک تدبیر
 کا ارادہ کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنا چاہا مگر ہم نے انہیں ہر امتحان میں
 کامیاب کر کے فَجَعَلْنٰهُمْ اَسْفٰلِيْنَ انہی کو ذلیل و خوار اور پست
 کر دیا۔ وہ اپنے ارادے میں بُری طرح ناکام رہے۔

ظلم کرنے والے ہیں اپنے نفس پر صریح طور پر (۱۱۳)

ربط آیات

اپنے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر ہوا۔ آپ اپنے عرصے میں قوم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے رہے اور ان کو گمراہی کی باتوں سے باز رکھتے رہے مگر قوم نہ مانی بلکہ اللہ کے نبی کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں جسے اللہ نے کرپ عظیم سے تعبیر کیا ہے آخر جنگ آکر نوح علیہ السلام نے قوم کے حق میں بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے پانی میں ڈبو کر صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا۔ صرف وہی لوگ بچے جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے تھے اور پھر انہی میں سے اللہ نے نسل انسانی کو اکٹھے چلایا اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی قوم کے حالات بیان کئے آپ نے قوم کو خطاب کر کے فرمایا کہ کتنی بیوقوفی اور حماقت کی بات ہے کہ تم خود ہی اپنے ہاتھوں سے بت تراشتے ہو اور خود ہی ان کی پوجا کرنے لگتے ہو جانکھ خالق اللہ رب العالمین ہے جو تمہیں بھی پیدا کر سمجھتا اور تمہارے اعمال و اکساب کو بھی دیکھتی تخلیق کرتا ہے۔ اس کے جواب میں قوم نے فیصلہ کیا کہ ابراہیم کے لیے ایک بہت بڑا آگ کا آلاؤ تیار کرو۔ جس میں انہیں زندہ جلا دو کیونکہ یہ ہمیں ہمارے آباؤ اجداد کے مسکے سے ہٹانا چاہتا ہے۔ چنانچہ دنیا کی عظیم ترین آگ جلا کر ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں بھیج دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھ کر ان کی ساری تدبیر کو ناکام بنا دیا اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔

اس سے قبل ابراہیم علیہ السلام کو بابل میں سات برس تک قید میں رکھا گیا۔ آگ سے بچ نکلنے کے بعد آپ کو اللہ کا پیغام ملتا ہے مگر کوئی بھی ایمان نہ لایا جیسا کہ سورۃ عنکبوت میں گزر چکا ہے۔ صرف آپ کی بیوی سارہ اور بھتیجے لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے، باقی ساری قوم کافر اور شرک میں پھنسی رہی۔

بالآخر جب قوم کی طرف سے ایذا و رسانیاں حد سے بڑھ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے

ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

ترجمہ :- اور کہا (ابراہیم نے) تحقیق میں جاتا ہوں پسٹے ا
 پر درگاہ کی طرف ، وہ مجھے راہ دکھائے گا (۹۹) لے پڑ گیا
 بخش دے مجھے نیکوں میں سے (کوئی بیٹا) (۱۰۰) پس ہم نے
 بشارت دی اس کو ایک لڑکے کی جو نہایت بزرگوار
 تھا (۱۰۱) پس جب پہنچا اُس کے ساتھ لگ و دو کی عمر
 کو تر اُس نے کہا ، اے بیٹے ! بے شک میں دیکھتا ہوں خواب
 کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں ۔ دیکھو ! تم کیا خیال رکھتے ہو ۔
 کہا (بیٹے نے) اے باپ ! آپ کو ڈالیں جس چیز کا آپ
 حکم دیا جاتا ہے ۔ آپ پائیں گے مجھے ، اگر اللہ نے چاہا ،
 صبر کرنے والوں میں سے (۱۰۲) پھر جب وہ دونوں صلیب
 ہو گئے (اللہ کے حکم کے) اور گرا دیا اُس کو پشانی کے
 بل (۱۰۳) اور ہم نے اُس کو آواز دی ۔ لے ابراہیم ! (۱۰۴)
 تحقیق کرنے سے سچ کر دکھایا خواب ۔ بیشک ہم اسی طرح
 بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو (۱۰۵) بیشک یہ بات
 البتہ صریح آزمائش ہے (۱۰۶) اور ہم نے فدیہ دیا اس
 کو ذبح کرنے کے ایک عظیم جانور کا (۱۰۷) اور ہم نے
 چھوڑا اُس پر پھیلوں میں (۱۰۸) (اس بات کو) کہ سلامتی
 ہو ابراہیم پر (۱۰۹) اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے
 والوں کو (۱۱۰) بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے
 ہے (۱۱۱) اور ہم نے بشارت دی اُس کو اسحاق
 (بیٹے) کی جو کہ اللہ کا نبی اور نیکوں میں سے تھا (۱۱۲)
 اور برکت نازل کی ہم نے اس پر اور اسحاق پر ۔ اور
 اُن دونوں کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے ہیں اور کچھ

ابراہیم علیہ السلام کو بابل سے ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔ نبیوں کی زندگی میں ہجرت بھی ایک مشکل موڑ آتا ہے۔ گھر بار وطن کا دباؤ سب کچھ اللہ کی رضا کی خاطر چھوڑنا پڑتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے لیے بھی یہ وقت آپ کا تھا۔ وَقَالَ اِلٰفْ ذَا هٰذَا اِلٰفْ رَبِّيْ اٰپ نے کہا تحقیق میں اپنے پروردگار کی طرف یعنی اس کے حکم کے مطابق یہاں سے جانے والا ہوں سَيِّفُ دِيْنِ اس راستے میں وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔ میں جس ملک الملک کے حکم سے نقل مکانی کر رہا ہوں، وہ ضرور مجھے ٹھکانے پر لگائے گا۔ چنانچہ آپ کے لیے حکم ہوا کہ آپ بابل کی سرزمین کو چھوڑ کر مکہ شام اور فلسطین کی طرف چل دیں۔ آپ تعمیل حکم میں بیوی اور بچے کے ہمراہ نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے مصر پہنچے۔ پہلے تبادشاہ نے آپ کی بیوی حضرت سارہؑ کو ہتھینا چاہا مگر پھر اس نے حضرت ہاجرہؑ کو بھی آپ کے ہمراہ کر دیا۔ اور اس طرح آپ مکہ فلسطین میں آکر آباد ہو گئے۔

شادی کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۳۰ سال تھی۔ مگر طویل عرصہ تک آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اب آپ کی عمر مبارک اسی سال ہو چکی تھی تو اس وقت اپنے پروردگار کے منہ سے درخواست کی رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ الصّٰلِحِيْنَ کہ مولا کریم! مجھے نیکوں میں سے عطا کر دے۔ آپ اس وقت تک حضرت ہاجرہؑ سے نکاح کر چکے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور فرمایا فَبَشِّرْهُ بِغُلَامٍ حَلِیْمٍ ہم نے آپ کو ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔ اس بردبار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام مراد ہیں کہ آپ کی اولاد میں سے سب سے پہلے اپنی کی ولادت ہوئی۔ آپ کے دوسرے بیٹے حضرت سارہؑ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ بہر حال یہاں پر بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی بشارت کا ذکر ہے جو بڑے حوصلے اور تحمل والے تھے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ حَبِیْبٌ یٰحکم و دو کی عمر کو پہنچ گیا سنی

ابراہیم علیہ السلام
کا خواب

کام ہی نہیں گذر رہی تھی۔ اور صر سے آواز آئی وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا بُرْهَيْمُ
اللّٰهُ نَعَىٰ فَرَّيَا، ہم نے آواز دی اے ابراہیم! قَدْ صَدَّقَتِ الرُّمُومُ کرتے
 خراب کر سچا کر دکھایا۔ آپ اس آزمائش میں پہلے اترے۔ إِنَّا كُنَّا
نَحْذَرُ الْمُحْسِنِينَ ہم بھی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ابراہیم
 علیہ السلام نے تو تعمیل حکم کرتے ہوئے بیٹے کے گلے پر چھری چلا دی مگر اللہ تعالیٰ
 کو اسماعیل علیہ السلام کی جان بچا، مقصود تھی إِنذَانُ اُس نے باپ کو اُس کا بیٹا۔ صحیح
 سلامت لوٹا دیا۔

اللہ نے فرمایا إِنَّ هَذَا كَمُؤَلِّبُكَ الْمُبِينُ یہ ایک صریح
 آزمائش تھی جو ابراہیم علیہ السلام پر ڈالی گئی جس میں آپ پورا اترے۔ اور پھر اللہ
 نے یہ احسان بھی فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بھی دیدیا۔ فرمایا وَقَدْ يَتَنَّهُ
يَذْبَحْ عَظِيمًا اور ہم نے اُسے ایک عظیم جانور کے ذبح کرنے کا فدیہ دیا۔
 یہ عظیم جانور ایک مینڈھا تھا، جو اللہ نے جنت سے نازل فرمایا اور ابراہیم علیہ السلام
 کی چھری اسماعیل علیہ السلام کی پھلٹے اس مینڈھے کی گردن پر چل گئی، اُدھ ذبح ہو
 گیا اور اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ گویا مینڈھا آپ کا فدیہ بن گیا
 مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ذبح عظیم سے مراد صرف جانور کی قربانی نہیں
 اگرچہ وہ بہشت سے نازل شدہ عظیم جانور تھا۔ بلکہ اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے
 کہ ہم نے قربانی کا ایک بہت بڑا اصول قائم کر دیا ہے جو ا قیامت جاری ہے
 سکا دراصل جذبہ ایمان و اطاعت تو رہی تھا جو بیٹے کی قربانی کے لیے موعظن تھا
 مگر اللہ نے جان کے بدلہ کے طور پر اسے جانور میں منتقل کر دیا۔ لہذا انہی بہت
 کے تحت آئندہ کے لیے جانور انسانی جان کا فدیہ ہوگا۔ یہ کس تو قیامت تک
 زندہ ہے گا اور اہل ایمان ہر سال جانوروں کی قربانی کرتے رہیں گے۔

ہے ہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ شاید اسی سال یہ خواب پورا ہو گا۔ اور آپ عمرہ کی سعادت حاصل کریں گے مگر اُس سال آپ بغیر عمرہ ادا کیے مقام حدیبیہ سے واپس آ گئے اور اگلے سال جاکر عمرہ ادا کیا۔ اس طرح لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الَّتُمْ يَا بِالْحَقِّ (الفتح - ۲۷) اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دیا۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بار بار یہ خواب آ رہا تھا۔ کہ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خواب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بتلا کر اُن کی رائے لی تو سعادت مند بیٹے نے جواب دیا۔ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمِرُ ۚ بَاپ! جس کام کا آپ حکم دیا جارہا ہے اُسے کر گزرو یعنی اللہ کے حضور میری قربانی پیش کر دو۔ جہاں تک میری ذمت کا تعلق ہے میں حکیم خداوندی کی تعمیل میں کوئی پس و پیش نہیں کروں گا۔ بَلْكَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِّنَ الصَّابِرِينَ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں حکیم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوں، آپ میری گھر دن پر چھری چلا دیں۔ یہی وہ بردباری ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کے مزاج میں رکھ دی تھی۔ اللہ نے آپ کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کیا تھا، چنانچہ آپ کی تربیت بچپن سے کمال درجے کی ہو رہی تھی۔ بہر حال آپ نے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔

فَلَمَّا اسَلَمَا پھر جب دونوں باپ بیٹا مطیع ہو گئے یعنی اُن میں حکیم خداوندی کی تعمیل کا جذبہ حد درجہ بیدار ہو گیا۔ وَتَكَلَّمَا لِلْجَبِينِ اور ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بل گرا دیا تاکہ آپ کی گردن پر چھری چلا دیں۔ پیشانی کے بل لٹانے کا یہ مطلب ہے کہ بیٹے کا خوبصورت چہرہ دیکھ کر باپ کے دل میں کہیں جذبہ ترحم نہ پیدا ہو جائے اور حکیم الہی کی تعمیل میں فرق نہ آجائے۔ بہر حال جب باپ نے بیٹے کو لٹایا تو پھر گردن پر تیز چھری بھی چلا دی۔ مگر ابراہیم علیہ السلام یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ چھری اپنا

اسماعیل علیہ السلام
کو قربانی

کچھ خوفزدہ ہوئے تو فرشتوں نے تسلی دی کہ خوف نہ کھائیں، ہم تو قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ جو پاس کھڑی تھی ہنس پڑی فَبَشِّرْ نَهَا بِإِسْحَاقَ لَا وَهْمٌ وَذَكَرَ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ (آیت - ۷۱) پھر ہم نے اُس کو اسحاق اور اُن کے بیٹے (یعنی یعقوب) کی بشارت دی۔ وہ کہنے لگی، ہائے میرے کیسے بچہ ہوگا کہ میں بڑھیا ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے ہو چکے ہیں، یہ تو عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا، کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو، تم پر خدا تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہیں تمہارے خاندان پر۔ اللہ تعالیٰ علم والا بشارت عطا کرے گا۔ اور اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام اپنے پوتے یعقوب علیہ السلام کو بھی دیکھیں گے چنانچہ یہ بشارت بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی۔

یہودیوں نے اس مسئلہ کو اکھاڑ دیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس بیٹے کی قربانی دی تھی وہ اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام۔ حقیقت یہ ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تھی جو حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے اور اسحاق علیہ السلام سے سو لہ سال بڑے تھے امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں انہی سال کی عمر میں پیدا ہوئے جب کہ اسحاق علیہ السلام بغیر دعا کے پیدا ہوئے جس کی بشارت قوم لوط پر عذاب لانے والے فرشتوں نے حضرت سارہ کو دی جس نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کیونکہ اس وقت میاں بیوی دونوں بوڑھے ہو چکے تھے۔ مطلب یہ کہ قربانی کا واقعہ اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہی پیش آیا تھا۔

البتہ بالبین کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے لیے حضرت اسحاق علیہ السلام کو پیش کیا گیا تھا۔ دراصل یہ یہودیوں کے جھوٹ اور تورات

قرآنی تسلیم
اسماعیل علیہ السلام
اسحاق علیہ السلام

اس قدر ہے بعض ضمنی مسائل بھی متفرع ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانے گا تو وہ حرام ہوگی کیونکہ جبار کے علاوہ انسانی جان کو قربان کرنا سب سے پیش کرنا جائز نہیں۔ اللہ نے از خود کسی انسان کو ذبح کرنے کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور امام ابوحنیفہؒ سے یہ منقول ہے کہ بیٹے کی قربانی کی نذر ماننے والے کو جالور کی قربانی کرنی چاہیے کہ اس کی نذر یا قسم کا یہی کفارہ ہوگا۔ حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت میں آتا ہے کَفَّارَةٌ كَفَّارَةُ الْيَسَعِيِّينَ یعنی نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوتا ہے بعض لوگ نذر مان کر بچوں کو ذبح کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے جو کہ قطعی حرام ہے۔

فَرَايَا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے اس کا ذکر خیر پچھلوں میں چھڑا ہے۔ سَلَّمَ عَلَکَ اَبَا هِیْمَ سلامتی ہو ابراہیم علیہ السلام پر گدلیک تجھ ہی الْمُحْسِنِينَ ہم سب کی کرنے والوں کو اسی طرح بدلتے ہیں اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ہے شک وہ ہمارے کامل الایمان بندوں میں سے تھے۔

اسحاق علیہ السلام
کی بشارت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور بیٹے کی قربانی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَبَشِّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ اور ہم نے بشارت دی (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحاق علیہ السلام کی جو اللہ کا نبی اور نیکوں میں سے تھا۔ اس بشارت کا ذکر سورۃ ہود میں تفصیل کے ساتھ ہوا ہے قوم لوط پر عذاب لیکر آنے والے فرشتے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئی تھیں ان کے شکلوں میں آئے۔ انہوں نے مہمان سمجھ کر بیٹھا ہوا کھڑا ان کے سامنے رکھا مگر ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ سہے تھے جس کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام

۱۔ احکام القرآن للجصاص ص ۲۷۲ ج ۳

۲۔ احکام القرآن للجصاص ص ۲۷۳ ج ۳ (فیاض)

تمام عرب پیدا ہوئے اور پھر انہی میں سے اللہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
 کو پیدا فرمایا۔ دونوں خاندانوں میں نیچو کار بھی ہیں اور گنہگار بھی ان میں موقعہ بھی ہیں
 اور مشرک بھی جن کا ذکر اللہ نے قرآن پاک میں جا بجا کیا ہے۔

میں تخریف کا نتیجہ ہے۔ یہودی بہتان طراز قسم کے لوگ تھے اور جھوٹ بولنے میں ذرا بھی گریز نہیں کرتے تھے، بائبل میں لکھا ہے کہ اسرائیلیوں کی موائی کے ساتھ دشمنی تھی۔ یہودیوں نے موائی قابل کو حرامی ثابت کرنے کے لیے حضرت لوط علیہ السلام پر اتنا سبب اندھا کیا کہ انہوں نے نعرہ زبا لٹھ شراب پی کر خود اپنی بچیوں سے بدکاری کی جن کی اولاد موائی ہیں۔ بالکل اسی طرح یہودیوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ قربانی اسحاق علیہ السلام کی ہوئی تھی حالانکہ قربانی کا واقعہ تو اس وقت پیش آیا جب اسحاق علیہ السلام بھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور اسماعیل علیہ السلام اپنے باپ کے اکیلے بیٹے تھے۔ اس مقام پر بھی اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اور ذبح عظیم کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت بھی دی۔ واقعی لحاظ سے بھی قربانی کا واقعہ سنیا میں پیش آیا اور یہیں ہر سال حاجی لاکھوں کی تعداد میں قربانیاں کھتے ہیں اس کے برخلاف حضرت اسحاق علیہ السلام تو شام و فلسطین میں رہے۔ اگر قربانی کا واقعہ ان کے ساتھ پیش آتا تو اس کا مرکز بھی مکہ کی بجائے شام و فلسطین ہوتا۔ بہر حال قرآن پاک کے اسلوب سے واضح ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تھی اور یہودی اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔

خاندان
ابراہیم علیہ السلام

فرمایا ہم نے بشارت دی اسحاق علیہ السلام کی جو نیچوں میں سے نبی تھے
وَبَنَّا كَنَانًا حَلِيبًا وَكَانَ اسْتَحَقَّ اور ہم نے برکت دی اُس پر
یعنی ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام پر۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا
اور دونوں کی اولاد میں سے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت اسماعیل اور اسحاق
علیہما السلام کی اولاد میں سے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ مُحْسِنٌ وَظَلَمْنَا
لِنَفْسِهِمْ مبینہ مدلوں بے نیکیوں کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے بھی ہیں۔
اور اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے بھی۔ خاندان اسحاق میں سے آگے ہزاروں
شاخیں نکلیں جو شام و فلسطین میں پھیلیں۔ اور اسی طرح خاندان اسماعیل میں سے

إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَيْرِينَ ۝ ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرِينَ ۝
وَأَنْتُمْ كَتُمَرُونُ عَلَيْهِمْ مُصْبِحِينَ ۝
وَبِالْأَيْلِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا موسیٰ اور
ہارون علیہما السلام پر ۱۱۲ اور ہم نے ان دونوں کو نجات
دی اور ان کی قوم کو بھی بڑی تکلیف سے ۱۱۵ اور ہم
نے ان کی مدد کی، پس تمھے وہی غالب ہونے والے ۱۱۶
اور وہی ہم نے ان دونوں کو ایک واضح کتاب ۱۱۷
اور ہم نے راہنمائی کی ان دونوں کی صراطِ مستقیم کی طرف ۱۱۸
اور چھوڑا ہم نے ان کے اوپر پچھلے لوگوں میں ۱۱۹ کہ
سلام ہو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر ۱۲۰ بیشک ہم
اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ۱۲۱ بیشک تمھے
وہ دونوں ہمارے ایماں دار بندوں ہیں سے ۱۲۲ اور بیشک
ایسا علیہ السلام البتہ اللہ کے رسولوں میں سے تھے ۱۲۳
جب کہا انہوں نے اپنی قوم سے کیا تم ڈرتے نہیں؟ ۱۲۴
کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو سب سے بہتر
خالق کو ۱۲۵ اللہ جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے آباؤ اجداد
کا بھی پروردگار ۱۲۶ پس ان لوگوں نے جھٹلایا اُس
کو۔ پس بے شک وہ (عذاب میں پکڑے ہوئے) حاضر
کیے جائیں گے ۱۲۷ مگر اللہ کے مخلص بندے ۱۲۸
اور چھوڑی ہم نے ان کے اوپر پچھلے لوگوں میں دیکھ
بات، ۱۲۹ کہ سلام ہو ایسا سین پر ۱۳۰ اسی طرح ہم بدلہ

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ⑪٣ وَجَعَلْنَاهُمَا
 وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ⑪٤ وَنَصَرْنَاهُمْ
 فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ⑪٥ وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ
 الْمُسْتَبِينَ ⑪٦ وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ⑪٧
 وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْأَخْرَيْنَ ⑪٨ سَلَامٌ عَلَىٰ
 مُوسَىٰ وَهَارُونَ ⑪٩ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي
 الْمُحْسِنِينَ ⑫٠ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ⑫١
 وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ⑫٢ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ
 أَلَا تَتَّقُونَ ⑫٣ أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ
 أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ⑫٤ اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ
 آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ⑫٥ فَكَذَّبُوهُ فَأَنَّهُم
 لَمُحْضَرُونَ ⑫٦ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمَخْلُصِينَ ⑫٧
 وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْأَخْرَيْنَ ⑫٨ سَلَامٌ عَلَىٰ
 إِبْرَاهِيمَ ⑫٩ إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ⑬٠
 إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ⑬١ وَإِنَّ لُوطًا
 لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ⑬٢ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ⑬٣

کہ دوسری بیوی حضرت سارہ سے بھی بیٹے کی بشارت ملی اور اللہ نے ان کے ہاں بھی حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا عظیم المرتبت بیٹا تولد فرمایا۔ جن کی اولاد کا سلسلہ دور تک گیا اور جس میں اللہ نے ہزاروں نبی مبعوث فرمائے۔ اس واقعہ میں حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا ضمون بھی ہے کہ دیکھو اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں نے کیسی کیسی تکالیف اٹھائیں اور کتنے امتحانات سے گزرے تو پھر اللہ نے ان پر انعامات بھی بے شمار کیے۔ اب اگلی آیات چند دیگر انبیاء اور ان کو پہنچنے والی تکالیف اور پھر ان کی کامیابی کا ذکر آ رہا ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام اور آپ کے تابعین کو سمجھانا مقصود ہے کہ مخالفین کی ایذا اور سازشوں سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ بالآخر کامیابی تمھارے ہی ہتھ میں ہوگی۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تو قرآن پاک میں چھیالیس سے زیادہ مرتبہ مختلف سورتوں میں بیان ہوئے ہیں تاہم یہاں پر اختصار کے ساتھ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ان پیغمبروں اللہ کی وصایت کا پیغام پہنچانے کے لیے کن کن مشکلات کا سامنا کیا۔ مگر بالآخر اللہ نے انہی کو کامیاب بنایا۔ ارشاد ہوتا ہے وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ اور ہم نے ان دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) اور دونوں کی قوم کو بڑی اذیت سے نجات دی۔ وَفَصَّرْنَاهُمَا اور ہم نے ان کی مدد کی فَصَّكْنَا هُمَا الْغَلَبَيْنِ اور آخر کار وہی غالب آئے فرعون اور اس کی قوم کو اللہ نے بحر قلزم میں غرق کر دیا اور بنی اسرائیل آزاد ہو گئے۔

پھر فرمایا وَاتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَفِينَ اور اللہ کے دونوں پیغمبروں کو ہم نے ایک واضح کتاب بھی دی۔ اس سے مراد تو رات ہے۔ جو اصل میں تو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تاہم چونکہ دونوں پیغمبر اُسی کتاب کی تبلیغ کے پابند تھے، لہذا اللہ نے اس کتاب کو دونوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس وقت

موسیٰ اور ہارون
علیہما السلام
کا ذکر

میتے ہیں نیکی کرنے والوں کو (۱۳۱) تحقیق وہ تھے ہمارے نیک بندوں میں سے (۱۳۲) اور بیشک لوط علیہ السلام بھی البتہ اللہ کے رسولوں میں سے تھے (۱۳۳) جب کہ بچایا ہم نے اُن کو اور اُن کے گھر والوں سب کو (۱۳۴) مگر ایک بڑھیا جو دیکھے پہنے والوں میں تھی (۱۳۵) پھر ہلاک کیا ہم نے دوسروں کو (۱۳۶) اور بے شک تم (اے اہل مکہ) البتہ گزرتے ہو اُن پر صبح کے وقت (۱۳۷) اور رات کو بھی کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟ (۱۳۸)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے دونوں فرزندوں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کا ذکر فرمایا۔ یہ تینوں حضرات اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ یہ سب اصحاب کامل درجے کے ایماذرا اور اعلیٰ پیمانے کی نیکی کرنے والے تھے فَلَمَّا أَسْلَمَا کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ باپ اور بیٹا ہر وقت اطاعت خداوندی میں مصروف رہتے تھے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو مسئلہ توحید سمجھایا تو وہ مخالف ہو گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو صغیر ہوتی سے لہجہ کہنے کے منصوبے بننے لگے۔ چنانچہ تاریخ عالم کی عظیم ترین آگ جلائی گئی جس میں ابراہیم علیہ السلام کو پھینک دیا گیا۔ یہ تو اللہ کی قدرت کی نشانی اور عظیم معجزہ تھا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام اس آگ سے صحیح سلامت بچ نکلے مگر اس کے باوجود قوم کے لوگ آپ کی دعوت کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ پھر آپ نے اللہ کے حکم سے ہجرت کی اور اپنی مقررہ جگہ پر پہنچ کر بارگاہ رب العزت میں بیٹھ لیئے دعا کی جو اللہ نے قبول فرمائی۔ پھر جب بچ بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچ گیا تو اللہ نے اُس کی قربانی کا حکم دیا۔ ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے مینڈھا بھیج کر قربانی کی تکمیل کی اور اسماعیل علیہ السلام کو بچایا۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام

الْمُؤْمِنِينَ يَدْعُونَ هَمَزًا لِكَمَالِ إِيْمَانِهِمْ بِنُورٍ مِنْ نُورِهِ - پہلے حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے لیے بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اب موسیٰ اور ہرون علیہما السلام کو بھی اللہ نے کمال ایمانداروں میں شمار کیا ہے۔

ایسا علیہ السلام
کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک اور نبی حضرت ایسا علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح فرمایا **وَإِنْ إِلَیْسَ كَلِمَ الْمُسْلِمِیْنَ** اور بیشک ایسا علیہ السلام بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ معلوم ہوا کہ اللہ نے نزول وحی کے علاوہ آپ کو مستقل شریعت بھی عطا کی تھی۔ قرآن پاک میں ایسا علیہ السلام کا ذکر صرف دو مقام پر آیا ہے۔ پہلا مقام سورۃ الانعام ہے جہاں اللہ نے اٹھارہ انبیاء کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ اگر وہ بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو ان کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔ ان میں حضرت ایسا علیہ السلام کا نام بھی مذکور ہے۔ اور دوسرا مقام اس سورۃ میں ہے جہاں اللہ نے آپ کی دعوت توحید کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ آپ کی نیکی اور ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔

اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ ایسا علیہ السلام حضرت ہرون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اور ان کا زمانہ یسوع نبی کا قریبی زمانہ ہے۔ آپ شرقی اردن کے ایک مقام جلعاد میں پیدا ہوئے اس زمانے میں بعل بک بڑا مستعد شہر تھا۔ اللہ نے آپ کو اس شہر کی طرف مبعوث فرمایا تاکہ وہاں کے لوگوں کو توحید کی دعوت دیں۔ حضرت ایسا علیہ السلام کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ وہ زندہ ہیں، حالانکہ یہ روایت صحیح نہیں ہے حقیقت یہی ہے کہ آپ اپنا دگر گزار کر اپنے رب کے ہاں پہنچ چکے ہیں۔

بائبل میں بعل بک کے بادشاہ کا نام اخباب اور اس کی مشرکہ بیوی کا نام ازابیل

بعل بک
کی پہلی

۱۔ تفسیر کبیر ص ۱۶۱ و التلخیص ص ۳۸۹
۲۔ طبری ص ۹۳ و معالم التنزیل ص ۲۱۴ تا ۲۱۸ (قیاض)

بائبل کے پہلے پانچ باب تورات پر مشتمل ہیں۔ قرآن پاک کے بعد یہ دوسرے نمبر پر عظیم الشان آسمانی کتاب ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے عقائد، اخلاق، حدود و تعزیرات کے علاوہ معاشرتی احکام بھی بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کی عظمت کے پیش نظر اللہ نے سورۃ القصص میں قرآن اور تورات کے متعلق مشترکہ طور پر فرمایا: قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا (دائیت - ۴۹) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان دونوں کتابوں سے بہتر ہدایت دہندہ کوئی کتاب ہے تو لے آؤ۔ مطلب یہ کہ یہ دونوں کتابیں یعنی قرآن اور تورات سب سے زیادہ جامعیت کی حامل ہیں۔ ان کے علاوہ باقی دو آسمانی کتابیں انجیل اور زبور ہیں مگر وہ اتنی جامع نہیں ہیں ان میں زیادہ تر اخلاقی تعلیم ہے، مسائل اور تعزیرات کم ہیں۔ البتہ توحید کا اثبات اور شرک کی تردید تمام کتب سماویہ میں پائی جاتی ہے۔

پھر اللہ نے اپنے دونوں انبیاء یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق فرمایا: وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اور ہم نے دونوں کی راہِ راست کی طرف رہنمائی کی۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں صراطِ مستقیم کے راہی تھے۔ اللہ نے ان کے قول و فعل میں استقامت بخشی تھی۔ دیگر انبیاء کی طرح اللہ نے ان کو بھی صاف و کھرا اور ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھا تھا۔ ان میں کمال درجے کی عبادتِ مہینت تھی اور وہ صبر و تحمل اور بردباری کا پیکر تھے۔ نیز فرمایا: وَنَزَّلْنَا عَلَيْهُمَا فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے پچھلوں کے لیے بھی ان دونوں کے حق میں یہ بات چھوڑ دی یعنی بعد میں آنے والے لوگ بھی ان کو اچھائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں: سَلَّمَ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ سلام ہو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر۔ اللہ نے ان کو وہ مرتبہ بخشا کہ قیامت تک آنے والے لوگ ان کے لیے سلامتی اور رحمت کی دعائیں کہتے ہیں۔ فَرَايَدُكَ ذَٰلِكَ غَنَزِي الْمَحْسِنِينَ ہم انکی کرنے والوں کو اسی طرح بلاتے ہیں۔ إِنَّهُمْ مِمَّنْ عِبَادِنَا

فرمایا وہ بہترین پیدا کرنے والا اللہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے رَبُّكُمْ وَرَبُّ
 آبَائِكُمْ اَلَا اُولٰٓئِكَ مَنۡ جَوَّعًا رَّبُّكُمْ رُبُّكُمْ ہے اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد
 کا بھی اتم اس کی بجائے بعل کی پوجا کرتے ہو جب بے جان مورتی ہے اور تمہارے
 کسی کام نہیں آسکتی۔ آج بھی مشرک لوگ ویسا ہی کام کر رہے ہیں۔ وہ یہ معاملہ توں
 کے ساتھ کرتے تھے۔ آج کے مسلمانوں نے یہی معاملہ قبروں کے ساتھ شروع
 کر دیا ہے قبروں کو پختہ کیا جاتا ہے، ان پر گنبد بنائے جاتے ہیں، پھر چادریں
 چڑھتی ہیں۔ اور گل پاشی ہوتی ہے اور پھر نادان لوگ ان کو سجدے کرتے ہیں۔
 — اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ کفر، شرک اور بدعات کی باتیں ہیں
 جن میں رسومات باطلہ بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ اور شرک کے یہ اڈے بعض لوگوں
 کی معیشت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ پھر لوگ انہیں کاروباری لحاظ سے ترقی
 دیتے ہیں۔ ان کے حق میں اناسیدہ صابرہؓ پگینڈا کیا جاتا ہے۔ عرس اور میلے
 منعقد ہوتے ہیں اور اس طرح ان کا کاروبار چل نکلتا ہے۔

تو الیاس علیہ السلام نے فرمایا کیا تم بہترین پیدا کرنے والے کو چھوڑ کر بعل کی
 پوجا کرتے ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ اللہ خالقِ کُلِّ شَیْءٍ (الزمرہ-۶۲) ہر چیز کا پیدا
 کرنے والا (خالق) تو اللہ ہے مگر احسن الخالقین کے لفظ سے مترشح ہوتا ہے
 کہ کوئی اور بھی خالق نہیں جن میں سے بہترین خالق اللہ ہے۔ تو بہترین خالق
 اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ مجازی طور پر انسان بھی تو بعض چیزیں تیار کرتے ہیں۔
 مثلاً کیمٹری والوں نے بے شمار مرکبات تیار کیے ہیں اور فنرکس کے ماہرین نے
 بہت سی مشینری ایجاد کی ہے جس سے ضروریاتِ زندگی کی لاتعداد چیزیں بنائی
 جا رہی ہیں۔ بندہ اپنے عطا شدہ اختیارات کو بروئے کار لا کر کچھ پاؤں ہلاتا ہے
 جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے۔ مگر حقیقی خالق وہی
 ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ انسان کے افعال کا خالق بھی

ذکر کیا گیا ہے۔ بادشاہ اپنی بیوی کے زیرِ اثر تھا اور یہ سب لوگ بعل بت کی پوجا کرتے تھے۔ بعل کا لغوی معنی آتش ہے، آقا یا خاندن ہوتا ہے۔ مگر بعل نامی ایک نیکو کار عورت تھی جس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اُس کا بت بنا کر پوجا شروع کر دی۔ یہ بالکل اسی طرح ہوا تھا جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں دوسرا بعل یعوث، یعوق اور نسر جیسے نیک آدمیوں کا بت بنا کر لوگ اُن کی پوجا کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی بعثت کے زمانے میں لات نامی بت کی پرستش ہوتی تھی۔ یہ بھی حقیقت میں ایک نیک آدمی تھا، حاجیوں کو سستو پلایا کرتا تھا، جب مر گیا تو لوگوں نے اس کا بت بنا کر اُس کی پرستش شروع کر دی۔ اساف اور ناکر نامی مرد و زن کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا۔ یہ بد بخت خانہ کعبہ میں بکادی کے ترکے پر، کھائے تو انہوں نے سزا کے طور پر اُن کو پتھروں میں تبدیل کر دیا۔ پھر لوگوں نے اٹھا کر انہیں صفا اور مروہ پہاڑیوں پر رکھ دیا تاکہ لوگ ان سے عبرت لیں۔ مگر جب کچھ زمانہ گزر گیا تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں ایسی سوسائزہ کی کہ انہیں جہگ سمجھ کر اُن کی پوجا ہونے لگی۔ چنانچہ مشرک لوگ ان کے نام کا احرام باندھتے تھے اور کہتے تھے اَللّٰهُمَّ كُنْ لَنَا رَبًّا كُنْ لَنَا رَبًّا كُنْ لَنَا رَبًّا اساف و نائلۃ کہنے لگے۔

ایسا علیہ السلام
کی دعوتِ توحید

بہر حال ایسا علیہ السلام کی قوم بعل کی پوجا کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا بعل بک جاکر لوگوں کو توحید کی دعوت دو۔ آپ نے وہاں پر قوم کو خطاب فرمایا۔ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ جِب کہ کیا انہوں نے اپنی قوم سے اَلَا تَتَّقُونَ لوگوں! کیا تم ڈرتے نہیں؟ دیکھو تم کفر اور شرک میں مبتلا ہو۔ اَتَدْعُونَ بَعْدَ کیا تم بعل بت کو پکارتے ہو، اُس سے اپنی حاجات طلب کرتے ہو، اور اس کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے ہو وَ تَذَرُونَ اَحْسَنَ الْخَالِقِينَ اور سب سے بہتر پیدا کرنے والی ذات کو چھوڑ دیتے ہو۔ اس کی عبادت نہیں کرتے اور نہ اُس سے حاجت برداری کرتے ہو۔ یہ کتنی بیوقوفی کی بات ہے۔

الیاس علیہ السلام
کامرتجہ

اللہ نے فرمایا وَتَرْكُنَا عَلَيْكَ فِي الْآخِرِينَ ہم نے ان کا ذکر خیر
بچھلوں میں چھوڑا یعنی بعد میں آنے والے لوگ بھی کہیں گے سَلَامٌ عَلٰی اِلٰی یٰسین
سلام ہو الیاسین پر۔ اس سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہی ہیں۔ عربی قرأت میں
بعض دفعہ ایسے بھی پڑھتے ہیں جیسے طوبی سینا کر طوبی سینین (التین ۲۰)
بھی لکھا گیا ہے۔ فرمایا اِنَّا كَذَلِكْ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم نیک کرنے والوں
کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں اِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ، وہ
ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے تھے، اسی لیے اللہ نے انہیں رسالت و
نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور پھر آپ نے دیکھا کہ انہوں نے کس خلوص و
لگن کے ساتھ اپنی قوم تک دعوت توحید پہنچائی اور کس طرح مصائب کو برداشت
کیا۔ اگرچہ یہاں پر آپ کی ایذا رسانیوں کی تفصیل نہیں دی گئی تاہم یہ ایک مسلمہ امر
ہے کہ توحید کی دعوت دینے والوں کو مشکلات کی گھاٹی عبور کرنا ہی پڑتی ہے
اور جیسا کہ میں نے اشارہ کیا کہ آپ کچھ عرصہ تک روپوش رہے کیونکہ قوم آپ
کی جان کے درپے تھی۔

لوط علیہ السلام
کی دعوت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی نبوت و رسالت
کا تذکرہ فرمایا وَاِنْ لُّوطًا لِّمَنِ الْمُسْلِمِينَ اور بیشک لوط علیہ السلام
بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ انہوں نے بھی وحدانیت کی تبلیغ اور
برائیوں سے منع کرنے کی پاداش میں سخت تکالیف اٹھائیں۔ آپ کی بعثت
شرق اردن میں بارہ لاکھ سے زیادہ آبادی والی قوم کی طرف ہوئی جن کے سدوم
اور عامورہ وغیرہ چھ بڑے بڑے شہر تھے اور جن کی آبادی چار لاکھ سے زیادہ
تھی اور باقی چھوٹی بٹیاں اور دیہات تھے۔ آپ عرصہ تک اُن کو تبلیغ حق
کرتے رہے، اُن میں ہم جنسی کی نہایت ہی قبیح بیماری پیدا ہو چکی تھی جس سے
آپ منع کرتے رہے مگر قوم نہ مانی بلکہ اٹا آپ کو طرح طرح سے ایذاؤں
پہنچائیں۔ آپ کی بیٹیوں کے سوا کوئی شخص بھی ایمان نہ لایا حتیٰ کہ آپ کی بیوی

وہی ہے۔ غرضیکہ تمام انسانی ہمتوں کی بنالی ہوئی مصنوعات کو سامنے رکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ سب سے بہتر خالق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ کوئی انسان مادے کے بغیر کوئی چیز تخلیق نہیں کر سکتا اور مادہ خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ نیز جب اللہ تعالیٰ کوئی چیز پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ زمین اور آسمان کو بغیر آئے اور مادے کے تخلیق کر سکتا ہے، اور بغیر باپ کے بیٹا عطا کر سکتا ہے، مگر کوئی سائنسدان یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ ہی بہترین خالق ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ بہترین خالق وہ اللہ ہے جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے آباء و اجداد کا بھی۔ وہ ہی تمہیں بدستج مدد کمال تک پہنچاتا ہے اور تمہیں تمام ضروریات زندگی مہیا کرتا ہے۔

اس دعوتِ توحید کے جواب میں فکد جوہ قوم کے لوگوں نے الیاس علیہ السلام کو جھٹلایا۔ انہوں نے آپ کی کوئی بات نہ مانی بلکہ انا آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے حتیٰ کہ بادشاہ اپنی بیوی کے کہنے پر آپ کے قتل کے وہ پے ہوا اور تفسیری روایات کے مطابق آپ کا فی عرصہ تک رد پوش بھی ہے۔ فرمایا ان کی اس گستاخی، نافرمانی اور تکذیب کا نتیجہ یہ نکلتے گا فَلَا تَهْتَبُوا كُنُوزَ دُنْيَاكُمْ کہ قیامت طے دین وہ گرفتار کے اللہ کی عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ مگر اس کے مخلص بندے اس گرفت سے بچ جائیں گے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی دہانیت پر ایمان لے آئیں گے، ظلم و زیادتی سے باز آجائیں گے، عدل و انصاف کا دامن تھام لیں گے، وہی اللہ کے مخلص بندے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ جائیں گے۔

میں تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہو مگر باطن میں اس کے ساتھ دوستانہ ہے۔ تم اکثر کام شیطان کی خواہش کے مطابق انجام دیتے ہو۔ تمام رسم و رواج، بدعات، شرکیہ اور کفریہ عبادت اور فضول خرچی شیطان کی خواہش کی تکمیل ہی تو ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ نے ابن آدم کو خطاب کر کے فرمایا ہے اَلَمْ اَعٰهَدُ اِلَيْكُمْ لَا يَبْنِيْ اٰدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوْا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (آیت ۶۰) اے ابن آدم! کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا کہ شیطان کی پریش نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے مگر تم پھر بھی اس کے دام میں پھنس گئے۔

فرمایا، شیطان کو اپنا دشمن سمجھو اِنَّهٗ يَدْعُوْا حِزْبَهُ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ بے شک وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ سب روزخ والوں میں ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بُری جماعت بنا کر ان کو جہنم میں لے جانا چاہتا ہے۔ لہذا اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کا انجام بھی بیان کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَهٖ لَوْ كُفِرُوْا لَہُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ کفر کا انجام لازماً بُرا ہوگا۔ کفر کا معنی دین، شریعت اور توحید کا انکار ہے۔ یہ سخت جرم ہے جس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ دوسری طرف اہل ایمان کے متعلق فرمایا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے لَہُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ کَبِيْرٌ اُن کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہوگا۔ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ دوسری منزل ہے اگر ایمان کی بنیاد مستقیم ہے تو نیکی بھی مقبول ہوگی، ورنہ نہیں، نیک اعمال میں سب سے پہلے فرائض یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج آتے ہیں۔ پھر جہاد قربانی، اور صدقہ و خیرات کا نمبر ہے، انسان سے بہت سی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ ایمان اور نیک اعمال کی وجہ سے معاف فرمے گا۔ دوسرے

کفر اور ایمان کا انجام

بھی کافرو ہی رہی۔ یہ تجارت پیشہ لوگ تھے۔ یمن سے شام و فلسطین اور مصر تک جانے والی شاہراہ پر واقع تھے۔ یہاں سے قافلے ہر وقت گزرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے یہ لوگ خاصے آسودہ حال تھے۔

ارشاد ہوا کہ لوط علیہ السلام بھی ہمارے رسولوں میں سے تھے۔ اللہ نے آپ کو مستقل شریعت عطا فرمائی تھی۔ آپ نبی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے اور قوم نے آپ کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ بالآخر قوم کی تباہی کا وقت آگیا۔ اللہ نے حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کو لے کر راتوں رات بستی سے نکل جائیں کیونکہ ان پر عذاب آنے والا ہے۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور اپنی بچیوں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ اس طرح آپ اور آپ کے گھر والے تو بچ گئے اذ بحیثیتہ و اہلہ اجمعین ہم نے نجات دی آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو۔ إِلَّا سَجُورًا فِي الْغَبَرِ سولے بڑھیا کے جو پیچھے سہنے والوں میں تھے۔ یہ آپ کی بیوی تھی جو آپ کے ساتھ رات کو نہیں نکلی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ نکلی تو تھی مگر راستے سے واپس پلٹ گئی تھی۔ نورات کی روایت کے مطابق حکم یہ تھا کہ بستی سے نکل جائیں مگر پلٹ کر نہ دیکھیں مگر بیوی تھوڑی دور چلی پھر پلٹ کر بستی کی طرف دیکھا تو اللہ نے اُس کو وہیں مسخ کر دیا اور وہ پتھر بن گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ گھر میں ہی پھنسی رہی اور باقی قوم کے ساتھ عذاب کا شکار ہو گئی اللہ نے ان کی بستیوں کو الٹ دیا اور پھر اوپر سے پتھروں کی بارش بھی کی جس سے ساری قوم بلیا سیٹ ہو گئی۔ اسی چیز کے متعلق فرمایا کہ لوط علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں یعنی بچیوں کو تو ہم نے بچا لیا فَدَمَّرْنَا الْآخَرِينَ پھر دوسروں کو تھس تھس کر دیا۔ تدبیر کا معنی تہ و بالا کر دینا ہوتا ہے۔ اللہ نے کسی فرد واحد کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

آگے اہل مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے اور عبرت دلائی جا رہی ہے **وَإِنَّكُمْ لَتَعْرِضُونَ عَلَيْهِمْ مَصِيبًا** اور بیشک تم ان پر سے گزرتے ہو صبح کے وقت **وَبِالْأَيْدِ** اور ان تباہ شدہ بستیوں پر تمہارا گزراؤ رات کے وقت بھی ہوتا ہے۔ تم تجارتی سفر پر مصر، شام اور فلسطین کی طرف جاتے ہو۔ تو ان بستیوں کے کھنڈرات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہو حضور علیہ السلام کے زمانہ تک ان بستیوں کے کھنڈرات موجود تھے جنہیں مشرکین مکہ دیکھتے تھے مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے تھے۔ بحریت کو تو خدا تعالیٰ نے اس قدر برباد کر دیا کہ اُس میں اب بھی کوئی جائز چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ اللہ نے عبرت دلاتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ کر بھی تم راہِ راست پر نہیں آتے۔ انہوں نے اپنے نبی لوط علیہ السلام کی تکذیب کی۔ ان کو ایذا نہیں پہنچائیں، حق کو تسلیم نہ کیا تو ان کا کیا حشر ہوا۔ اگر تم بھی انہی کے راستے پر چلتے ہوئے نبی آخر الزمان کی مخالفت کرے گے اُن کو تکالیف پہنچاؤ گے اور ان پر ایمان نہیں لاؤ گے تو تمہارا انجام بھی قوم لوط سے مختلف نہیں ہوگا **أَفَلَا تَعْقِلُونَ** کیا تم سمجھ نہیں سکتے۔ تمہاری عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ کافروں، مشرکوں اور بدکردار لوگوں کا انجام کیا ہوتا ہے! ان کو دیکھ کر ہی نصیحت پکڑ لو تو بچ جاؤ گے وگرنہ خدا کے عذاب میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہو گے۔

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ (۱۳۹) إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ۝ (۱۴۰) فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۝ (۱۴۱) فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ۝ (۱۴۲) فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ۝ (۱۴۳) لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ (۱۴۴) فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۝ (۱۴۵) وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِئِينَ ۝ (۱۴۶) وَأَرْسَلْنَاهُ بِالْحَمْدِ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ۝ (۱۴۷) فَآمَنُوا فَمَسَّ عَنْهُمْ مِنَ الْهَمِّ ۝ (۱۴۸)

ترجمہ :- اور بیشک یونس علیہ السلام اللہ کے رسولوں میں سے ہیں ۝ (۱۳۹) جب وہ بھاگ گئے بھری ہوئی کشتی کی طرف ۝ (۱۴۰) پس قرعہ اندازی میں شریک ہوئے پس وہی تھے مغلوب ہونے والوں میں ۝ (۱۴۱) پس لقمہ بنا یا اُن کو ایک مچھلی نے اور وہ ملامت والے تھے ۝ (۱۴۲) پھر اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ تسبیح پڑھنے والوں میں ہوتے ۝ (۱۴۳) تو البتہ ٹھہرتے وہ احمس (مچھلی) کے پیٹ میں لوگوں کے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن

تک (۱۴۴) پھر ہم نے ڈال دیا اُن کو ایک چٹیل میدان میں اور وہ بیمار تھے (۱۴۵) اور اگایا ہم نے ان کے اُوپر ایک بیل دار درخت (۱۴۶) اور بھیجا ہم نے اُن کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف (۱۴۷) پس وہ ایمان لائے۔ پھر ہم نے اُن کو فائدہ پہنچایا ایک وقت تک (۱۴۸)

ربطِ آیت

پہلے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر ہوا، پھر ایاس علیہ السلام کا اور پھر لوط علیہ السلام کا۔ یہ سب اللہ کے نبی اور رسول تھے جنہوں نے ایمان اور توحید کی بات لوگوں تک پہنچائی، مگر لوگوں نے تسلیم نہ کیا بلکہ شدید مخالفت کی اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے اُن کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ نوح علیہ السلام کی دُعا کے نتیجے میں اللہ نے اُن کی قوم کو غرق کیا، موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے مخالفین بھی بحرِ قلزم میں ڈوبے۔ حضرت ایاس علیہ السلام نے قوم کو بعل کی پوجا سے منع کیا۔ وہ بھی باز نہ آئے تو اللہ نے اُن پر بھی عذاب بھیجا۔ اللہ نے حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کے گھروالوں کو بستی سے نکال کر باقی لوگوں کو نیست و نابود کر دیا۔ ان کی بستیاں اُلٹ دی گئیں اور اُوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ یہ سارے واقعات اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ عرب اور بعد میں آنے والوں کے لیے بطور عبرت ذکر کیے ہیں، اور یاد دلایا ہے کہ اگر تم بھی نافرمانی سے باز نہ آئے اور دعوتِ حق کو قبول نہ کیا تو تمہارا انجام بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

یونس علیہ السلام
کا تذکرہ

اب اسی سلسلہ رسالت کی کڑی کے طور پر حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے وَ اِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ اور یونس علیہ السلام بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ وہ صاحبِ وحی تھے اور اللہ نے ان پر صحیفہ بھی نازل فرمایا جو کہ بائبل میں صحیفہ یوناہ یا یوناف کے نام پر شامل ہے موجودہ بائبل میں پہلے پانچ باب تو رات کے ہیں اور کل انتالیس صحائف

دوسرے نبیوں کے ہیں جن میں یونسؑ نبی کا صحیفہ بھی ہے۔ آگے زبور ہے اور آخر میں چار انجیلیں ہیں۔ جس طرح عیسائیوں نے انجیل کو بگاڑ دیا ہے اسی طرح مقدس کتاب کھلانے والی تورات بھی انسانی ہاتھوں کی دست برد سے محفوظ نہیں رہی۔ یونس علیہ السلام کا اصل وطن تو شام و فلسطین تھا۔ مگر اللہ نے اُن کو عراق کے صوبہ موصل میں دریائے فرات کے کنارے واقع مشہور شہر نینوا کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ کا زمانہ مسیح علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال قبل کا ہے آپ بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جس میں اللہ نے کم و بیش چار ہزار نبی مبعوث فرمائے۔ نینوا کا شہر ایک متمدن علاقہ تھا جہاں مستقل بادشاہت تھی۔ آپ وہاں عرصہ دراز تک لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے مگر لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا۔ آخر آپ نے اللہ کے حکم سے لوگوں کو وعید سنائی کہ اگر اب بھی ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو۔

یونسؑ کی
خطائے
اجتناد

یونس علیہ السلام لوگوں کو عذاب کی وعید سناتا کہ اُس بستی سے از خود نکل گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار نہ کیا۔ جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے۔
فَقُلْ اِنَّ لِّكَ لِنَقْدَرُ عَلَیْهِ (آیت ۸۷) انہوں نے گمان کیا کہ بلا اجازت بستی چھوڑ دینے سے اُن پر اللہ کی گرفت نہیں آئے گی۔ یہ آپ کی خطائے اجتہادی تھی، مگر نہ انہیں خدا تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرنا چاہیے تھا جب حکم ہوتا اُس وقت بستی سے نکلنے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس جلد بازی کو بے صبری سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ سورۃ القلم میں حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ (آیت ۷۸) آپ اپنے پروردگار کے حکم کے لیے صبر کریں اور ٹھپلی مائل یعنی یونس علیہ السلام کی طرح نہ بن جائیں۔ بہر حال اس واقعہ میں یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ صرف اجتہادی غلطی تھی جس کی بناء پر آپ پر اللہ کی طرف

سے گرفت آگئی۔ کسی عام مومن پر تو ایسی معمولی خطا پر پکڑ نہیں ہوتی۔ مگر انبیاء علیہم السلام چونکہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ اور اُن کی تربیت تہذیب زیادہ مقصود ہوتی ہے، اس لیے اس قسم کی اجتہادی خطا پر بھی آزمائش میں ڈال دیے جاتے ہیں۔

عصمت
انبیاء

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ کے کسی نبی سے معمولی لغزش تو ہو سکتی ہے جیسے یونس علیہ السلام سے ہوئی مگر اُن کو یہ گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اُن سے گناہ نہیں سرزد ہوتا۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کوئی نبی بالعقد والاختیار گناہ کا مرتکب ہو تو دائرۂ نبوت سے ہی خارج ہو جائے گا۔ عصمت انبیاء کی شہادت خود قرآن پاک نے دی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے کَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ (یوسف - ۲۳) یوسف علیہ السلام کو زلیخا کے دلم فریب سے بچا کر فرمایا کہ ہم اسی طرح اپنے بندوں کو بُرائی اور بے حیائی سے دور رکھتے ہیں۔ اور یوسف علیہ السلام تو ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔ اللہ نے عام نبیوں کے متعلق بھی فرمایا ہے إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ (۳۶) فَلَهُمْ عِندَنَا لِمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ (۳۷) (سورۃ ص - ۳۷) ہم نے اُن کو آخرت کے گھر کی یاد جیسی خصوصیت سے ممتاز کیا ہے، اور وہ ہمارے برگزیدہ اور منتخب بندے ہوتے ہیں وہ گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ انبیاء چونکہ حقیقی گناہ سے پاک ہوتے ہیں، اس لیے معمولی لغزش پر اُن کی سزا بھی حقیقی نہیں ہوتی بلکہ اُن کو صرف جسمانی تکلیف دی جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام حقیقی گناہ اور حقیقی عقوبت

سے پاک ہوتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں۔
 ”انبیاء علیہم السلام در اقبال امیر الی بیچ وجہ تقصیر نہ کردہ اند یعنی اللہ کے نبی اللہ
 سے کسی طرح بھی کوتاہی نہیں کرتے۔ چنانچہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے
 بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یَلْغِ مَا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ مِنَ الذِّكْرِ رَبِّكَ
 قَرَأَ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ (المائدہ - ۶۷) جو کچھ آپ
 پر نازل کیا گیا ہے۔ آپ اُسے بلا کم و کاست پہنچادیں اور اگر آپ نے ذرہ بھر
 بھی کوتاہی کی تو گویا آپ نے حق رسالت ہی ادا نہیں کیا۔ اہل سنت والجماعت
 کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کی کسی لغزش کا تذکرہ بھی نہیں کرنا چاہتے جس سے ان
 کی کمزوری مترشح ہوتی ہو۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ سیافی پتی لکھتے ہیں۔ لَا يَجُوزُ
 ذِكْرُ زَلَّةٍ إِلَّا نَبِيًّا فَإِنْ زَلَّتْهُمْ تَوَجُّبُ كَمَالٍ إِلَّا نَابَتْهُ إِلَى
 اللَّهِ وَرَفَعَ دَرَجَاتِهِمْ وَمِنْ اعْتَرَضَ عَلَى أَحَدٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ
 فَقَدْ كَفَرَ أَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ کی لغزش کا ذکر کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کی لغزشیں
 کمال انابت الی اللہ اور ان کے رفع درجات کو واجب کرتی ہیں۔ اور جس شخص
 نے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک پر بھی اعتراض کیا تو اُس نے گویا کفر کیا۔
 کیونکہ لَا تَفْرِقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ (البقرہ - ۲۸۵) ہم اللہ
 کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔ صحیحین کی روایت
 میں یہ بھی آتا ہے مَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَقُولَ إِنِّي خَيْرٌ مِنْ
 يُوحَنَّا بْنِ مَتَّى کہ کسی شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کہے میں یونس
 ابن متی سے افضل ہوں۔

مولانا مودودی
کی غلطی

مسئلہ عصمتِ انبیاء کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ بعض لوگوں
 کو اس معاملہ میں غلطی ہوئی ہے۔ یہود و نصاریٰ نے تمہارا رب تک کی نسبت

انبیاء کی طرف کی ہے، تاہم ہمارے زمانے کے مفسر قرآن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی اس مسئلہ میں سخت غلطی کی ہے جس کی وجہ سے علمائے اُن کا تقاب کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا مرحوم بڑے ذہین آدمی تھے انہوں نے اپنی زندگی صحافت سے شروع کی اور وہ بہترین صحافی ثابت ہوئے۔ آپ نے انگریزی، عربی اور فارسی سے شناسائی پیدا کی اور بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں، مگر اُن کی کمزوری یہ تھی کہ اُن کا سارا علم مطالعہ کے زور پر تھا۔ باقاعدہ استادوں کے سامنے زانوئے ادب طے نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ جو شخص کتابیں، رسالے اور اخبارات پڑھ کر عالم بنا ہو وہ غلطیاں بھی کرے گا۔ تو مودودی صاحب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ انہوں نے بہت بڑی تفسیر لکھی ہے مگر اُس میں غلطیاں بھی کی ہیں۔ اس معاملہ میں علامہ اقبال کی حیثیت مختلف ہے۔ وہ عالمِ دین تو نہیں تھے بلکہ فلسفہ میں ڈاکٹر میٹ (P.H.D) کیا تھا، لہذا جہاں دینی مسائل درپیش ہوئے تو وہ علما کی طرف رجوع کرتے تھے۔ علامہ اقبال نے راہنمائی کے لیے سید سلیمان ندوی اور مولانا انور شاہ کشمیری کی طرف خطوط لکھے، مولانا معین الدین اجمیری کو مشکوک مسائل کے متعلق خطوط لکھے، انکرتے تھے کہ میں دینی مسائل میں علماء کا محتاج ہوں اور اُن کی تحقیق کو سند کا درجہ دیتا ہوں۔ آپ جمعیتہ علمائے ہند کی بات کو بھی سند مانتے تھے، باقی سیاسی اور دیگر معاملات میں اپنی صوابدید پر عمل کرتے تھے۔

بہر حال مولانا مودودی کی یونس علیہ السلام کے متعلق غلطی یہ ہے کہ آپ نے لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے اُن پر ابتلا آئی۔ یہ بات بنیادی طور پر غلط ہے کیونکہ اگر نبی فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے تو وہ تو منصبِ نبوت کا اہل ہی نہیں رہتا۔ بلا اجازت بتی سے نکل جاتا۔ حضرت یونس علیہ السلام کی اجتہاد غلطی تھی نہ کہ فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی۔

بعض لوگوں کو بعض انبیاء کی دعاؤں کے الفاظ سے بھی غلط فہمی ہوئی ہے

خود یونس علیہ السلام نے مذکورہ لغزش سرزد ہو جانے پر دعا کی تھی لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ
 سُبْحَانَكَ الْحَمْدُ لَكَ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (الانبیاء - ۸۷) اے مولا کریم! تیرے
 سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے، بے شک میں ہی ظالموں میں سے تھا۔ جب
 موسیٰ علیہ السلام کے اہل عقول ایک قبیلے کا قتل ہو گیا۔ تو انہوں نے بھی بارگاہِ رحمت
 میں یوں دعا کی تھی۔ رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی فَاغْفِرْ لِّیْ فَغْفَرَ لَهُ
 (القصص - ۱۶) پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، پس مجھے معاف کرے
 تو اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا میں بھی یہ لفظ
 آیا ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کَانَ لَکُمْ تَغْفِرُوْکُمْ وَ تَرْحَمُنَا
 لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (الاعراف - ۲۳) اے ہمارے رب!
 ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا۔ اور ہم پر
 رحم نہیں کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے۔

یہ کوئی بالقصد و ارادہ گناہ نہیں تھے بلکہ معمولی لغزشیں تھیں انبیاء نے اپنے
 منصب کے پیش نظر ان کو بھی ظلم و زیادتی سے تعبیر کیا اور اللہ تعالیٰ سے
 معافی کی درخواست کی۔ انبیاء علیہم السلام کا اپنی طرف ظلم کی نسبت کرنا مہمیزی
 معنی میں ہے۔ بپوں کی شان چونکہ بلند اور رفیع ہوتی ہے۔ اس لیے معمولی سی
 غلطی بھی بڑی نظر آتی ہے۔

بہر حال یونس علیہ السلام قوم کو وعید سن کر بتی سے نکل کھڑے ہوئے
 اور اللہ کے حکم کا انتظار نہ کیا اور پھر نبی عظیم خود اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 عدم گرفت پر محمول کیا۔ اِذْ اَبَقَ الْحَبْلُ الْفُلْکُ الْمَشْحُوْنُ جب کہ
 وہ بھاگے بھری ہوئی کشتی کی طرف۔ اباق کا معنی ہے غلام کا اپنے آقا سے بھاگ
 جانا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو غلام اپنے آقا سے بھاگ جائے اس کی نماز قبول
 نہیں ہوتی جب تک کہ وہ واپس نہ آجائے۔ بتی نے نکل کر دریا کے کنارے پہنچے
 اس وقت ایک کشتی مسافروں سے بھری کھڑی تھی۔ جو یافتہ سے تہکسیں کی طرف

کشتی میں
سواری

جا رہی تھی۔ آپ بھی اس میں سوار ہو گئے۔ قدرت خدا کی ایسی ہوئی کہ دریائے دریا میں پہنچ کر یہ کشتی ترک گئی حالانکہ دوسری کشتیاں بخوبی آجاری تھیں۔ ملاحوں نے خطرے کا اعلان کیا کہ کشتی پر بوجھ زیادہ ہے اور یہ اس حالت میں دریا کو عبور نہیں کر سکتی، لہذا اس کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ایک آدمی کو دریا میں پھینک دیا جائے۔ اگرچہ بعض مفسرین نے ایسا ہی لکھا ہے مگر یہ بات قرین قیاس نہیں کیونکہ اگر بوجھ ہلکا کرنا مقصود تھا تو پہلے آدمی کی بجائے سامان کو پھینکا جاتا مگر انہوں نے اپنے دستور کے مطابق یہی گمان کیا کہ اس کشتی میں اپنے آقا سے بھاگا ہوا کوئی غلام سوار ہو گیا ہے جس کی غرست کی وجہ سے کشتی کے ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ ایسے شخص کو دریا میں پھینک دیا جائے تاکہ باقی مسافروں کی جان بچ جائے۔ مگر یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ وہ کون سا کشتی سوار ہے جو اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہے۔

قرعہ اندازی

آخر کار اہل کشتی نے باہم مشاورت سے طے کیا کہ تمام مسافروں میں قرعہ اندازی کی جائے اور جس شخص کے نام پر قرعہ نکلے اُسے دریا برد کر دیا جائے فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ پس یونس علیہ السلام بھی قرعہ اندازی میں شریک ہوئے۔ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ پس وہی تھے مغلوب ہونے والوں میں یعنی قرعہ انہی کے نام نکلا تاکہ انہیں دریا میں پھینک دیا جائے۔ قرعہ اندازی میں یونس علیہ السلام کی شرکت کے متعلق بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آپ کی اچھی شکل و صورت دیکھ کر اہل کشتی نے آپ کو کہا کہ آپ قرعہ ڈالیں۔ بہر حال آپ نے بذات خود قرعہ اندازی کی یا دوسروں نے کی بار بار ایسا کرنے پر نام آپ ہی کا نکلا مگر گوگوں کو اعتبار نہیں آتا تھا کہ اس شکل و صورت کا نیک آدمی بھاگا ہوا غلام ہو سکتا ہے۔

البتہ یونس علیہ السلام خود سمجھ گئے کہ اپنے آقا سے بھاگے ہوئے وہی ہیں لہذا وہی مجرم ہیں اور انہیں باقی لوگوں کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان کی قربانی دے دینی چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے خود پانی میں چھلانگ لگادی یا لوگوں نے کشتی سے نیچے پھینک دیا۔ آپ دریا میں پہنچ گئے۔

مچھلی کے
پیٹ میں

خدا کی قدرت کہ جہاں آپ پانی میں کودے آگے مچھلی منہ کھولے کھڑی تھی
فَالْتَقَمَهُ الْحَوِّيُّ فَمِنْ اَسْفَلِ الْمَصْرِجِ ثُمَّ رَدَّاهُ إِلَى بَیْتِہِ بِرُحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّہِ وَهُوَ
مُضِلٌّ وَّارِثٌ اُس وقت ملاست فالسے تھے۔ یمیم کا مطلب یہ ہے کہ
وہ اپنی کارگزاری کی بناء پر ملاست زندہ پھنسے یا یہ کہ وہ اپنی لغزش پر خود اپنے
آپ کو ملاست کر رہے تھے۔ آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنا عرصہ رہے۔
اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ باللیل کی روایت میں سات دن کا ذکر
ہے اور بعض تفاسیر میں ایک دن، تین دن اور چالیس دن کا ذکر بھی آتا ہے
اللہ نے فرمایا فَتَلَوْاْ اَنَّهُ كَانَ مِنَ السَّاجِدِیْنَ پس اگر آپ
تبییح کرنے والوں میں نہ ہوتے لَیْسَتْ فَاِنْ بَطَلْنَاهُ اِلَیْ یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ
تو دوبارہ اٹھائے جانے تک یعنی قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔
بعض کہتے ہیں کہ اس سے مجازی معنی مراد ہے کہ اگر آپ تبیح نہ پڑھتے تو
قیامت سے پہلے دوبارہ اس جہان میں نہ آتے اور بعض کہتے ہیں کہ مطلب
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس مچھلی کو قیامت تک زندہ رکھتا اور آپ اس کے پیٹ
میں ہی مجوس رہتے۔ تبیح جو آپ نے پڑھی تھی وہ سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے
لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ

الحہ ہارک ص ۲۹ ج ۴

طے ابن کثیر ص ۲۱ ج ۴ و قرطبی ص ۱۲۳ ج ۱۵ عالم التنزیل ص ۲۱۸ ج ۳
(فیاض)

الہی ایتیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، بیشک میں ہی زیادتی کرنے والوں میں ہوں یعنی میں ہی قصور وار ہوں۔ جب آپ نے مچھلی کے پیٹ میں یہ تسبیح بیان کی تو اسے عرش کے ارد گرد واسے فرشتوں نے سنا اور عرض کیا ہو کریم یہ کمزور اور نحیف سی آواز کس کی آرہی ہے؟ اللہ نے فرمایا یہ میرے بندے یونس علیہ السلام کی تسبیح ہے جو اس وقت سمندر کی تہوں میں مچھلی کے پیٹ میں ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا وہی یونس علیہ السلام جس کے نیک اعمال ہر روز تیری بارگاہ میں پیش ہوتے تھے؟ فرمایا اہل۔ پھر فرشتوں نے بارگاہ رب العزت میں سفارش کی کہ مولا کریم اپنے بندے کو اس مصیبت سے نجات دے۔

ترمذی شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود ہے دَعْوَةُ الْمَكْنُوتِ دَعْوَةُ ذِي النُّونِ یعنی مصیبت زدہ آدمی کی دعا یہی یونس علیہ السلام والی دعا ہے۔ جو شخص مصیبت کے وقت یہ دعا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ضرور اُس کو قبول کرے گا اور مصیبت سے رہائی عطا کرے گا۔ مطلب یہ کہ یہ دعا صرف یونس علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہر دعا گو کی مصیبت اس دعا کی برکت سے دور کرے گا۔

یونس علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے نتیجے میں اللہ نے فرمایا فَتَبَدَّدَ بِالْعَصْرِ آخِرُ هِمِّ نَاسٍ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَمْشِي فِي الْمَدَائِنِ غَدَاً ذُو الْعُنْفِ يَأْكُلُ لَحْمَ ابْنَتِهِ وَيَتَنَزَّ فِي الْكِبَادِ

اور آپ بیمار تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مٹا رہی مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام کی ہڈیاں اور گوشت صحیح سلامت ہے البتہ اُپر کی کھال متاثر ہو کر نہایت نرم ہو گئی۔ بالکل اسی طرح جس طرح نو مولود بچے کی کھال بالکل نرم و نازک ہوتی ہے۔ آپ کی اسی حالت کو بیماری سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں بھی یونس علیہ السلام کی خاص مدد کی اور اپنی قدرت تمامہ اور

پیٹ سے
بہارگی

اور مکتب بالغہ سے وَأَنْبَتْنَا عَلَيْكَ شَجَرَةَ هِنٍّ يَنْقُطِينَ، اُن پر ایک بیل در درخت اگایا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کدو کی بیل تھی، جو آپ پر سایہ فگن ہو گئی۔ عام طور پر یہ بیل زمین پر پڑی پڑی پھلتی رہتی ہے۔ یا اگر قریب کوئی درخت وغیرہ ہو تو اس پر بھی چڑھ جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جہاں مچلی نے آپ کو اگل دیا تھا وہاں کوئی خشک درخت یا جھاڑی وغیرہ ہو جس پر بیل چڑھ گئی ہو اور آپ کے نرم و نازک جسم پر سایہ کر دیا ہو۔

ماہرین طب کہتے ہیں کہ تمام سرطوب سبزیاں انسانی حلقے کو کمزور کرتی ہیں مگر کدو میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ سرطوب ہونے کے باوجود ذہن عقل اور دماغ کو نازک بخشتی ہے۔ حضور علیہ السلام کدو کا سالن بڑے شوق سے تناول فرماتے تھے اس بیل کے پتے بڑے ٹٹے اور نازک ہوتے ہیں مگر ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر کبھی نہیں جھپٹتی۔ چنانچہ کدو کی یہ بیل یونس علیہ السلام کی نازک کھال کے لیے مزید آرام و آسائش کا ذریعہ بنی۔ پھر آپ کی خوراک کے لیے اللہ نے ایک ہرنی کو بھیج دیا جس کا دودھ آپ پی لیتے تھے۔ پھر جب آپ تندرست ہو گئے تو اللہ نے واپس اپنی بیتی کی طرف جانے کا حکم دیا اور آپ نے تعمیل حکم کی۔

جب یونس علیہ السلام اہل بیتی کو عذاب کی وعید سن کر چلے گئے تو پیچھے عذاب کے آثار نظر آنے لگے جس سے اہل بیتی سخت خوفزدہ ہوئے اور سب کے سب گھروں سے باہر میدان میں آکر توبہ استغفار اور پیچ و پکار کرنے لگے۔ انہوں نے یونس علیہ السلام کی تلاش بھی شروع کر دی تاکہ ان کو ساتھ لے کر اللہ سے معافی مانگیں بہر حال جب قوم تائب ہو گئی تو اللہ نے اُن کی توبہ قبول کر لی اور ان سے آنے والا عذاب ٹال دیا۔ پھر جب یونس علیہ السلام تندرست ہو کر اللہ کے حکم سے قوم میں واپس آئے تو لوگوں نے — خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ سورۃ یونس میں موجود ہے۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرِيَةً اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا اٰيْمَانُهَا اِلَّا قَوْمَ يُونُسَ (آیت ۹۸) یہ انسانی تاریخ کا منفرد واقعہ

بیتی میں
واپسی

فَاسْتَفْتِهِمَ الرِّبَّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ①
 أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ②
 إِلَّا أَنَّهُمْ مِّنْ أَفْكِهَمُ لَيَقُولُونَ ③ وَلَدَ اللَّهُ
 وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ④ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى
 الْبَنِينَ ⑤ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ⑥ أَفَلَا
 تَذَكَّرُونَ ⑦ أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِينٌ ⑧ فَاتُّوْا
 بِكِتَابِكُمْ إِن كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ⑨ وَجَعَلُوا
 بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ
 الْجَنَّةُ أَنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ⑩ سُبْحٰنَ اللَّهِ عَمَّا
 يُصِفُونَ ⑪ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ⑫
 فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ⑬ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ
 بِفِتْنَيْنِ ⑭ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالٍ الْجَحِيمِ ⑮
 وَمَا مَنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ⑯ وَإِنَّا
 لَنَحْنُ الصّٰفُّونَ ⑰ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ⑱

ترجمہ:- پس آپ! ان سے پوچھیں کیا تیرے پروردگار
 کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ① یا پیدا

کیا ہے ہم نے فرشتوں کو عورتیں، اور یہ دیکھتے تھے (۱۵۰) آگاہ رہو، بیشک یہ لوگ جھوٹ بنانے کی وجہ سے (یہ بات) کہتے ہیں (۱۵۱) کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔ اور بے شک یہ لوگ البتہ جھوٹے ہیں (۱۵۲) کیا چُن لیا ہے اُس نے بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلے میں؟ (۱۵۳) کیا ہو گیا ہے تمہیں، تم کیا فیصلہ کرتے ہو (۱۵۴) کیا تم غور نہیں کرتے؟ (۱۵۵) یا تمہارے لیے کوئی کھلی سند ہے (۱۵۶) پس لاؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو (۱۵۷) اور ٹھہراؤ (مشرکوں نے) اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ، اور البتہ تحقیق جانتے ہیں جن کہ وہ (پکڑے ہوئے) حاضر کیے جائیں گے (۱۵۸) پس پاک ہے اللہ کی ذات اُن باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (۱۵۹) لیکن اللہ کے مخلص بندے (وہ خدا کی گرفت سے بچ جائیں گے) (۱۶۰) پس تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو (۱۶۱) نہیں ہو تم اللہ کے سامنے کسی کو بہکانے والے (۱۶۲) مگر وہ جو کہ داخل ہونے والا ہے جہنم میں (۱۶۳) اور (فرشتے کہتے ہیں) نہیں ہے ہم میں سے کوئی بھی ایسا مگر اُس کے لیے ایک ٹھکانا ہے مقرر (۱۶۴) اور بیشک ہم البتہ صفت باندھنے والے ہیں (۱۶۵) اور بیشک ہم البتہ تسبیح پڑھنے والے ہیں (پہرہ و دگر کی) (۱۶۶)

اس رکوع کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا۔ آپ نے طویل عرصہ تک قوم کو توحید کی دعوت دی۔ مگر قوم نہ مانی۔ بالآخر یونس علیہ السلام قوم کو

عذاب کی وعید سنا کر بستی سے نکل گئے عذاب کے آثار نظر آنے لگے تو قوم تائب ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے عذاب کو مائل دیا۔ اس سے پہلے تاریخ انبیاء کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، اور حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ سب نے اپنی اپنی قوموں کو کفر اور شرک سے منع کیا، اور توحید کی دعوت دی مگر اس سلسلہ میں انہیں بڑی مشکلات کا سامنا اور بڑی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔

خدا کی اولاد
کا عقیدہ

عرب کے بعض کافر اور مشرک قبائل بنو خزاعہ اور بنو اسلم وغیرہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے۔ وہ فرشتوں کو معبود سمجھ کر اُن کی عبادت بھی کرتے اور اُن سے حاجات بھی طلب کرتے تھے۔ اس باطل عقیدے کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاسْتَفْتِهِمْ اَیْمُ یَغِیْبُ! آپ ان سے پوچھیں اَلرَّبِّکَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ کیا تیرے پروردگار کیلئے بیٹیاں ہیں، اور ان کے لیے بیٹے ہیں؟ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِکَةَ اِنَاثًا یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا وہ شہدوں اور یہ اس چیز کے چشم دید گواہ ہیں کہ ہم نے واقعی فرشتوں کو عورتوں کی صفت میں پیدا کیا ہے۔ کفار و مشرکین تو بھلا اس سوال کا کیا جواب دیتے اور فرشتوں کے صفت نازک ہونے کا کونسا ثبوت پیش کرتے، اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس مسئلہ کی وضاحت فرمادی۔ اَلَا سَنُوْا اَوْرَآکَہُمْ رَہْمٰنُہُمْ مِّنْ اَفْکِہُمْ لَیَقُوْلُوْنَ کہ یہ لوگ جھوٹی بنائی ہوئی باتیں کہتے ہیں وَلَا یَدْرُوْنَ کہ اللہ کے ہاں اولاد ہے۔ وَلَا یَدْرُوْنَ کہ کذب ہونے کے شک یہ البتہ جھوٹے ہیں۔ ان کے اس عقیدے میں کوئی صداقت نہیں بلکہ یہ صریح جھوٹ ہے۔

آگے فرمایا، دیکھو! یہ کس قدر نامعقول لوگ ہیں کہ اَصْطَفٰی الْبَنَاتِ عَلٰی

الْبَسِينِ انہوں نے خدا کے لیے بیٹیوں کی بجائے بیٹیوں کا انتخاب کیا ہے۔
 حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ یہ خود بیٹیوں کو بیٹیوں پر ترجیح دیتے ہیں ورنہ کیا
 مَا لَكُمْ تَحْتِیْہِمْ کیا ہو گیا ہے جو ایسی بیٹی باتیں کرتے ہو کَیْفَ تَحْكُمُوْنَ
 تم کیا فضول اور نامعقول فیصلہ کرتے ہو کہ اللہ کی اولاد ہے اور فرشتے اس
 کی بیٹیاں ہیں اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا تم ذرا بھی غور و فکر نہیں کرتے کہ کیا کہہ رہے ہو
 اور کس قسم کا عقیدہ بنا رکھا ہے؟ سُوْرَةُ النَّجْمِ میں اللہ نے مشرکوں
 کو خطاب کر کے فرمایا ہے اَلْکُمْ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی (۲۱) تِلْکَ
 اِذَا قِسْمَةٌ ضِیْضٰی (۲۲) کیا تمہارے لیے تر بیٹے ہیں یعنی تم تو اپنے لیے
 بیٹے پسند کرتے ہو اور بیٹیوں کو خدا کے کھاتے میں ڈال دیتے ہو۔ یہ تو بڑی بے انصافی
 کی تقسیم ہے جو تم کرتے ہو۔ تمہاری یہ تقسیم تو عقل و نقل اور فہم و فراست کے ہی
 خلاف ہے اور بالکل بعید از انصاف ہے۔

اللہ نے سمجھایا کہ خدا تعالیٰ تمہاری ان بیودہ باتوں سے پاک ہے۔ وہ تو
 بڑی قدرت اور عظمتوں کا مالک ہے۔ فرشتے خدا کی سحر و اور پاکیزہ مخلوق
 ہیں۔ اللہ نے اُن کو تذکیر و تانیث سے پاک رکھا ہے، وہ مجرور ہیں، اور ان
 کی تخلیق بھی لطیف، ارے سے ہوئی ہے۔ اگر تم نے خدا کے لیے اولاد ہی
 تجویز کرنا تھی تو پھر اس قدر گتھی اور بے ادبی کا ارتکاب تو نہ کرتے کہ اپنی
 دانست میں کمزور مخلوق کو اس کی طرف منسوب کر دیا، فرمایا، کسی پر عیب لگانے
 کے لیے بھی کچھ تو عقل و شعور سے کام لیتے۔ خدا تعالیٰ تو بیوی اور اولاد سے
 پاک ہے۔ سورۃ جن میں اَمْسُکَ دَاحِیَہُ ارْشَادِہُ مَوْجُوْدَہُ وَاَنْتَ تَعَالٰی جَدُّ
 رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا (آیت ۳) اور بیشک ہمارے
 پروردگار کی شان تو بہت رفیع اور بلند ہے، وہ نہ بیوی رکھتا ہے اور نہ اولاد
 دراصل انسان کے دل میں اولاد کی خواہش و دوجرم سے ہوتی ہے ایک
 یہ کہ اُمس کی بدولت اس کا سلسلہ نسب قائم ہے گا۔ اور دوسری یہ کہ بڑھاپے میں اولاد اس کی

خدمت کر سکے گی۔ بڑی حقیقت یہ ہے اللہ الصمد (الاخلاص - ۲۰) اللہ تعالیٰ
 قرآن چیزوں سے غنی اور بے نیاز ہے اس کو تو بھائے نسل کی ضرورت سچ اور نہ
 اس پر کبھی بڑھاپا طاری ہوگا کہ دوستی کی مدد کی ضرورت پڑے۔ پھر جلا خدا تعالیٰ
 کے لیے اولاد تجویز کرنا کس قدر حماقت کی بات ہے۔ خاص طور پر اللہ کی طرف ضعف
 نازک کی نسبت کرنا تو مزید یوقنی کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں اس بات
 کا ذکر کیا ہے **وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ** (آیت - ۵۸) عرب کا کوئی مشرک کسی مجلس
 میں بیٹھا ہوتا اور وہاں آکر اُسے کوئی خبر دیتا کہ تمہارے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے تو
 غم کے مارے اُس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ اندوہناک ہو جاتا۔ اُسے لڑکی کی
 پیدائش سے اس قدر نفرت ہوتی۔ یہ خبر سن کر وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا اور
 پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ آیا زلت برداشت کرنے کے لیے اس لڑکی کو
 زندہ بہنے دے **أَهْرِيْدُسُهُ فِي التَّرَابِ** (آیت - ۵۹) یا اُسے
 زندہ زمین میں گاڑ دے۔ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کا نظریہ یہود و نصاریٰ
 میں بھی پایا جاتا ہے۔ **وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ** وَ
قَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ (التوبہ - ۳۰) یہودی کہتے
 ہیں کہ عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام خدا
 کے بیٹے ہیں۔ فرمایا یہ محض ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ بھی پہلے کافروں کی طرح اس
 قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ ہندوؤں میں بھی دیوتا کا عقیدہ اسی نوع کا ہے ان
 کے دیویاں بھی خدا کی یہ مقدس مخلوق فرشتے میں جنہیں وہ خدا کا شریک مانتے ہیں
 بلکہ عیسائی قرآن سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔ وہ اقانیم ثلاثہ کے قائل ہو گئے
 یعنی ایک کی بجائے تین خدا ماننے لگے ہیں، باپ، بیٹا اور روح القدس۔ مسیح
 علیہ السلام کے متعلق کہا کہ آپ خدا کے بیٹے ہیں یا تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔
 اس سارے باطل عقیدہ کے متعلق اللہ نے فرمایا **أَهْرَ لَكُمْ سُلْطٰنٌ**؟

مُتَّبِعِينَ کیا اس باطل عقیدے کی تمھارے پاس کوئی کھلی سند ہے؟ فَاتُّمُوا بِكُتُبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنی کتاب لے آؤ اور دیکھاؤ کہ اس میں کیا لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے اور فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں العیاذ باللہ۔ ظاہر ہے کہ کافر و مشرکوں کے پاس کون سی دلیل ہے جو وہ پیش کرتے۔ لہذا آج تک اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے اور نہ آئندہ کبھی دے سکیں گے۔

جنات سے
رشتہ داری کا
عقیدہ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور باطل عقیدے کا ذکر فرمایا ہے۔
وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِجَاسًا اور بھڑالیہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان رشتہ جب مشرکین نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تسلیم کر لیا تو پھر سوال پیدا ہوا کہ فرشتوں کی مائیں کون ہیں جن کے لطن سے یہ بیٹیاں پیدا ہوئی ہیں؟ پھر عذر گناہ بدتر گناہ کے مصداق کفار و مشرکین نے اللہ تعالیٰ کا رشتہ جنات کے ساتھ جوڑا اور کہنے لگے کہ یہ بڑی بڑی جناتیں فرشتوں کی مائیں ہیں، گویا جنات کو خدا تعالیٰ کا سرال بنا دیا۔ العیاذ باللہ۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ کتنی غلط بات ہے جو جنوں کی طرف منسوب کی جا رہی ہے۔ جنات تو اللہ کے عجز مخلوق ہے اور وہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے بہتے ہیں۔
فَرَايَا وَقَدْ عَلِمَتْ الْجِبَّةُ اَنَّهُمْ لَمُحَضَّرُونَ اور البتہ جنات جانتے ہیں کہ وہ تو گرفتار شدہ اللہ کی عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔ اگر ذرا پس کوئی کہیں گے تو اللہ کی گرفت میں آئیں گے۔ ان کی حالت تو یہ ہے کہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے بہتے ہیں مگر ان ظالموں نے ان کی خدا تعالیٰ کے ساتھ رشتہ داری قائم کر دی۔

مہ رازی اور بعض دیگر مفسرین کہہ رہے ہیں کہ بعض زندقہ قسم کے

لوگ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس آپس میں بھائی بھائی ہیں (نعموا) اس پر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر کا خالق ہے اور ابلیس شر کا خالق۔ مجوسیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ وہ بھی خیر و شر، نور و ظلمت اور نیکی اور بدی کے دو مختلف خدا مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نیکی کا خدا یزدان ہے۔ اور بدی کا ابومن ہے۔ یہ عقیدہ پہلے ایران کے ایک شخص مانی کا وضع کردہ ہے۔ بعض بادشاہوں نے اس مذہب کے پیروکاروں کو سزا بھی دی مگر پھر بھی یہ مذہب پھیل گیا۔ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شراکت پیدا کرتا ہے، اور یہ اسی طرح باطل ہے۔ جس طرح اللہ کی ذات میں شریک ٹھہرانا۔

چوتھی صدی میں متنبی ایک مشہور عربی شاعر گزرا ہے اُس نے اس دو خداؤں کے عقیدے کی اپنے انداز میں نفی کی ہے۔ وہ کہتا ہے

وَكَمْ لَظَلَمَ اللَّيْلُ عِنْدَكَ مِنْ يَدٍ

تَحْدُثُ اِنْ الْمَانُوِيَّةُ تَكْذِبُ

مجھے تو رات کے اندھیرے میں بھی بہت سی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں مگر مانوی کہتا ہے کہ ظلمت کا خدا ہی اور ہے، حقیقت یہ کہ اس معاملہ میں مانوی جھوٹا ہے اُسکا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ظلمت محض شر پر مشتمل ہے اور اس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں مجھے تو شب و روز بے شمار نعمتیں حاصل ہو رہی ہیں، دو خداؤں کا عقیدہ خدا کی ذات میں شرک کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ تمام نیک و بد مخلوق خواہ انسان ہوں، جنات یا فرشتے سب کا خالق ایک ہی وحدہ لا شریک ہے، کوئی دوسرا خالق نہیں سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اُن غلط باتوں سے جو یہ کافر اور مشرک لوگ بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے، نہ بھائی اور نہ ہی کوئی اولاد ہے۔ یہ سب نقص اور عجیب پر دلالت کرنے والی چیزیں ہیں۔ جب کہ اللہ کی ذات ہر

ثنوی عقیدہ کی تہذیب

نقص اور عیب سے مبرا اور منزہ ہے اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے لوگ لازماً
مجہم نہیں گئے اور خدا کی عدالت میں پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے۔

مخلصین
کی جماعت

فرایا، الستریک جماعت اس گرفتِ خداوندی سے بچ جائے گی اور
وہ ہے إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ اللہ کے مخلص، منتخب اور برگزیدہ
بندے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائیں گے، وہ باعزت اللہ کی بارگاہ میں
پیش ہوں گے اور پھر انہیں نہایت تکویم کے ساتھ اللہ کے عزت کے
مقامِ جنت تک رسائی ہوگی۔ پھر اللہ نے مشرکوں سے فرمایا فَإِنَّكُمْ وَمَا
فَعَبَدُونَ پھر بے شک تم اور جن کی تم لو جا کر تے ہو خدا کے سوا مَا آتَمُّ
عَلَيْهِ بِفَعْلَتَيْنِ تم خدا تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کو بکا نہیں سکتے۔ مطلب
یہ ہے کہ تم لاکھ اپنے عقیدے کا پراپیگنڈا اور میرے بندوں کو پھیلانے کی کوشش
کرو مگر میرے مخلص بندے تمہارے دامنِ فریب میں نہیں آئیں گے۔ تمہارے
بہکاوے میں وہی آئے گا إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ جو جہنم میں
داخل ہونے والا ہے۔ تمہارا دائرہ جہنمی لوگوں پر ہی چلتا ہے۔ جو محل و شہر کو روٹے
کار نہیں لاتے اور ضد و عناد پر اڑے بہتے ہیں۔ تم انہی کو گمراہ کر کے جہنم تک
لے جا سکتے ہو۔ میرے مخلص بندے تو ہر وقت مناجات اور دعائیں کرتے
کہتے ہیں اور ہمیشہ میرے سامنے عاجزی اور انکاری کا اظہار کرتے ہیں۔ مجھ سے
اپنی حاجات طلب کرتے ہیں، لہذا وہ شیطانی داریج سے محفوظ رہتے ہیں۔
مشرکین کی بات ختم کر کے آگے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبان سے بات
کرائی ہے۔ فرشتے نہ تو خدا کی بیٹیاں ہیں اور نہ ہی وہ معبود ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ
کی مخلوق، اس کے مطیع اور عابد بندے ہیں۔ وہ کسی کی جبری سفارش بھی اللہ کے
پاس نہیں کر سکتے۔ وہ تو خود اللہ کی عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں، اور
اس کی رضا کے طالب ہوتے ہیں۔ اسی بات کو فرشتوں نے اپنی زبان سے کہا
وَمَا مَنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ اللہ نے ہم میں ہر ایک کے لیے

فرشتہ کی
معدنی

ایک مقام اور مرتبہ مقرر کیا اور ہم اس مقام سے آگے نہیں جاسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہادی جوڑیوں کی لگا دی ہے۔ ہم اسی کو ادا کرتے رہتے ہیں اور حکم خداوندی سے سب کو انحراف کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور ہم تو اس کے حکم کی تعمیل میں وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ہمیشہ صاف بستہ رہتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرشتوں کی صف بندی کو معیاری قرار دیا اور لوگوں سے فرمایا کہ تم نماز اور جہاد کے لیے فرشتوں کی طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے تو عرض کیا حضور فرشتے کس طرح صفیں بناتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہل کر کھڑے ہوتے ہیں اور درمیان میں کوئی رخہ نہیں چھوڑتے پہلے آگے صفوں کو مکمل کرتے تھے پھر پچھلی صفیں بناتے تھے صف بندی سے جامع تنظیم کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ بظنی ہرگز پسندیدہ چیز نہیں۔ اگر صف خراب ہوگی، غیر منظم اور ٹیڑھی ہوگی تو ریل اور عقیدے بھی خراب ہو جائیں گے۔ لہذا حضور علیہ السلام نے درست صف بندی کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، لوگو! جو بات میں شکتا ہوں، وہ اگر تم بھی سنتے اور جوابات میں جانتا ہوں، وہ اگر تم بھی جانتے تو یقیناً تم ہنستے تھوڑا اور روتے یا وہ فرمایا ایسی صورت میں تم دہشت میں مبتلا ہو جاتے اور بستروں پر عورتوں کے پاس لیٹ کر چھوڑ کر خشکوں اور بیا بالوں کی طرف بھاگ جاتے اور پیچھے چلائے پھرتے۔ فرمایا آسمان پر ایک بالشت بھر بھی کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اللہ کا کوئی فرشتہ اس کی عبادت و ریاضت کو کدے، بکود اور جمیع میں مصروف نہ ہو۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ فرشتوں کی عبادت و ریاضت کی وجہ سے آسمان اس طرح چمک رہا ہے۔ جس طرح نیا کجاوہ یا چمڑے کا نیا جوتا چمک رہا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے

۱۔ ابن کثیر ص ۱۶۱ و خازن ص ۱۶۱ و تفسیر ص ۱۶۱

۲۔ قرطبی ص ۱۲۵ ۳۔ خازن ص ۱۶۱ ۴۔ خازن ص ۱۶۱

۵۔ ابن کثیر ص ۱۶۱ ۶۔ (فیاض)

کہ ہماری صفیں بھی اللہ نے فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی ہیں۔ یہ آپ کی امت کی خصوصیت ہے کہ اگر ان کی صفیں درست ہوں گی تو یہ بھی فرشتوں کی صفوں کی طرح شمار ہوں گی۔ اس آخری امت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے اس کے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا ہے اور ہم لوگ زمین کے ہر پاک خطے پر عبادت کر سکتے ہیں، ہماری عبادت محض عبادت خانوں تک محدود نہیں ہے۔ اور تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے ہمارے لیے مٹی کو پاک صاف قرار دیدیا ہے۔ اگر بانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر کے طہارت حاصل کی جاسکتی ہے۔

بہر حال فرشتوں نے کہا کہ ایک تو ہم صفت بہتے ہیں۔ اور دوسرا وَإِنَّا لَخَنُّ الْمُسِيحُونَ اور بے شک ہم ہر وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر نقص، عیب، کمزوری اور شرک سے پاک ہے۔ وہ وحدہ لا شریک ہے، اس کا لوگوں کی طرف سے منسوب کی گئی کمزوری سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ہر لحاظ سے پاک اور منزہ ہے۔ جو شخص اس کی ذات یا صفات میں شریک بنائے گا وہ خود بحیثیت مجرم خدا کی بارگاہ میں گرفتار شدہ پیش کیا جائیگا۔

خدا تعالیٰ
کی تسبیح

وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ۖ ﴿١٦٧﴾ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ
الْأَوَّلِينَ ۖ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۖ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوا
بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۖ ﴿١٧٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ
كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۖ ﴿١٧١﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ
الْمَنْصُورُونَ ۖ ﴿١٧٢﴾ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۖ ﴿١٧٣﴾
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۖ ﴿١٧٤﴾ وَأَبْصِرْهُمْ
فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ۖ ﴿١٧٥﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۖ ﴿١٧٦﴾
فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ۖ ﴿١٧٧﴾
وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۖ ﴿١٧٨﴾ وَأَبْصِرْ فَسَوْفَ
يُبْصِرُونَ ۖ ﴿١٧٩﴾ سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا
يَصِفُونَ ۖ ﴿١٨٠﴾ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۖ ﴿١٨١﴾
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ ﴿١٨٢﴾

ترجمہ :- اور بے شک یہ لوگ البتہ کہتے تھے ﴿۱۶۷﴾ اگر
ہوتی ہمارے پاس نصیحت پہلے لوگوں کی ﴿۱۶۸﴾ البتہ ہوتے
ہم اللہ کے مخلص بندوں میں سے ﴿۱۶۹﴾ پس کفر کی
انہوں نے اس کے ساتھ ، پس عنقریب جان لیں گے ﴿۱۷۰﴾

اور البتہ تحقیق پہلے ہو چکی ہے ہماری بات ہمارے پیچھے
 ہوئے رسولوں کے لیے (۱۷۱) کہ بیشک اللہ وہی مدد
 دینے والا ہے (۱۷۲) اور بیشک ہمارا شکر البتہ
 وہی غالب ہو گا (۱۷۳) پس آپ رخ پھیر دیں انکی
 طرف سے ایک وقت تک (۱۷۴) اور آپ دیکھتے
 رہیں ان کو، پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے (۱۷۵) کیا یہ ہمارے
 عذاب کے ساتھ جلدی کرتے ہیں (۱۷۶) پس جب وہ اترا
 ان کے صحن میں، پس بڑی ہے جمع ڈھائے ہوئے لوگوں
 کی (۱۷۷) اور آپ رخ پھیریں ان کی طرف سے ایک
 وقت تک (۱۷۸) اور آپ دیکھتے رہیں، عنقریب
 یہ بھی دیکھ لیں گے (۱۷۹) پاک ہے تیرا پروردگار جو عزت
 کا مالک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ بیان کرتے
 ہیں (۱۸۰) سلامتی ہے اللہ کے پیچھے ہوئے رسولوں
 پر (۱۸۱) اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے
 جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (۱۸۲)

ربط آیات

گزشتہ درس کی آخری تین آیات میں فرشتوں کا کلام ذکر کیا گیا تھا کہ
 کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ٹھکانا اور حد مقرر ہے
 جس سے ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہم صفت بتا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ
 کی قیاس بیان کر رہے ہیں۔ یہی وہ فرشتے ہیں جن کو شرک لوگ خدا کی بیٹیاں کہتے
 ہیں، ان کو معبود مان کر ان سے عاجت براری کرتے ہیں۔ مگر اللہ نے
 فرمایا کہ جو مخلوق اپنے پروردگار کے سامنے عاجز و انکساری کے ساتھ صف بستہ
 کھڑی ہے اس کی قیاس و تنزیہ بیان کرتی اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے
 ہر وقت تیار ہے، اور ان میں سے ہر ایک کا ایک ٹھکانا اور حد

مقرر ہے، وہ دوسروں کی حاجت روانی اور مشکل کشائی کیسے کریگی اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور اس کی ذات و صفات میں کوئی بھی شریک نہیں، مشرک لوگ غلط عقیدہ رکھتے ہیں اور لایعنی باتیں کرتے ہیں۔

اب اللہ نے مشرکین کے ایک مہجورے ہانے کا ذکر کر کے ان کی غلط بیانی کا پردہ چاک کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُنَّ اور بیشک مشرکین مکہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے پاس تو آسمانی کتابیں موجود ہیں مگر اس کے باوجود یہ لوگ اس ہدایت سے مستفیض نہیں ہوتے بلکہ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں لَوْ أَنْ عِندَنَا ذِكْرُ أَقْوَامٍ اگر ہمارے پاس بھی پہلے لوگوں کی کوئی نصیحت ہوتی لکن عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ تو ہم اللہ کے مخلص بندوں میں ہوتے اور اہل کتاب کی طرح نافرمانی نہ کرتے پہلی آیت میں مذکور الفاظ وَإِنْ كَانُوا میں ان شرط کے لیے نہیں بلکہ یہ دراصل اس کے لیے اور مطلب یہ بنتا ہے کہ بیشک شان بر ہے کہ مشرک لوگ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی کوئی نصیحت یعنی کتاب، صحیفہ، نوشتہ یا ہدایت ہوتی تو اس پر عمل کرتے اللہ کے مستغنیب بندوں میں شمار ہوتے۔ اور اس طرح ہم عبادت و ریاضت، معرفت عمل اور اخلاق میں ترقی کرتے۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بعد عربوں میں کوئی نبی نہیں آیا اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ نازل ہوا۔ برخلاف اس کے اہل کتاب کے پاس کتابیں موجود تھیں۔ مگر ان کتابوں سے انحراف کو دیکھ کر مشرکین کہتے تھے کہ یہ برکت لوگ ہیں کہ ان کے پاس کتاب، ہدایت، اور احکام موجود ہیں مگر ان کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ اگر ہمارے پاس ایسی کوئی چیز ہوتی تو ہم ضرور اس سے مستفیض ہوتے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ جب اللہ کا آخری رسول اور اس کی آخری کتاب قرآن مجیم ان لوگوں کے پاس آگئے تو انہوں نے تسلیم کرنے کی بجائے فَكْفُرُوا بِهِ اس کا سکر سے انکار ہی کر دیا۔ اور

ہدایت یافتہ
کے لیے
مشرکین کا
غیر نیک

نصیحت کے آنے اور اس پر عمل درآمد کے جو وعدے کرتے تھے ان سے منکر گئے
 جب قرآن پیش کیا جاتا تو کہتے اِنْ هَذَا اِلَّا اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ
 (الاحقاف-۲۵) یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اس میں پرانی اقوام عادی
 نمود و خیر کے واقعات بیان کیے گئے ہیں ہمارے لیے یہ یکے سفید ہو سکتے ہیں سورۃ الانعام
 میں اللہ نے مشرکین کی اس حیل سازی کو اس انداز سے بیان کیا ہے ہم نے یہ
 مبارک کتاب اتار دی ہے، اتباع کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اور تاکہ تم یوں نہ
 کہو کہ ہم سے پہلے دو گمراہوں (سیود و نصاریٰ) پر کتاب اتاری تھی ہم ان کی
 درس و تدریس سے بے خبر تھے۔ یا پھر تم اس طرح نہ کہو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب
 نازل ہوتی تو ہم اس پر عمل کر کے لَکُنَّا اَهْدٰی مِنْهُمْ (آیت-۱۵۸)
 ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ آگے اللہ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی صورت میں تمہارے
 پاس دلیل، ہدایت اور رحمت آچکی ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ بِآيَاتِ
 اللہ (آیت-۱۵۸) اب اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ کی آیات
 کی تکذیب کرے۔ یہاں بھی فرمایا کہ جب ان کے پاس مطلوبہ ہدایت آگئی تو ان ظالموں
 نے اُس کا انکار کر دیا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ بِآيَاتِ اللہ (آیت-۱۵۸) غصہ قریب یہ لوگ جان لیں گے
 کہ ان کی حیل سازی اور تکذیب کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

انبیاء کی مدد
 کا وعدہ

دنیا میں جب بھی انبیاء علیہم السلام نے توحید کی دعوت دی لوگ خلافت ہو گئے
 اور توحید کے پروگرام کو ہر طرح سے ناکام بنانے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے
 لیے انہوں نے نہ صرف انبیاء کی تکذیب اور توہین کی بلکہ عام لوگوں کو دین کے
 قریب آنے سے روکنے کے لیے مال و دولت صرف کیا اور لوگوں کو نہ صرف
 دھکیاں دیں بلکہ عملی طور پر ان کو طرح طرح کی سزائیں بھی دیں۔ ان تمام مشکلات
 کے باوجود خدا تعالیٰ کی منشا ہمیشہ یہ رہی کہ وہ اپنے دین کو غالب بنائے گا اور اس
 مقصد کے لیے اس نے اپنے انبیاء کی مدد بھی کی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ
 سَبَقْتُ كُلَّ مَنَّا الْعِبَادِ اَنَا الْمُرْسَلِينَ اور البتہ تحقیق ہمارے رسول

کے حق میں ہماری یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی ہے اِنھُمْ لَہُمْ الْمَنصُورُونَ کہ بیک
وہی مدد دیے جائیں گے، اگر اللہ نے کفر و شرک کے غلات اپنے منتخب بندوں کی مدد کا
وعدہ کر رکھا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ بعض اوقات دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں
کو ظاہری طور پر کامیابی نہیں ہوتی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا
بلکہ ایسی صورت میں اللہ کا یہ وعدہ آخرت میں جا کر پورا ہوگا۔ اہل ایمان و عمل پر مضمون
ہوں گے اور ان کے مخالفین مضمون ہو کر خدا تعالیٰ کے عذاب میں پکڑے جائیں گے۔
سورۃ المؤمن میں اللہ کا فرمان ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوا
فِی الْحَیٰوَةِ الدُّنْیَا وَلَیُّوْمَ یَقُومُ الْاَشْہَادُ (آیت ۵۱) بے شک
ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں، اور اس دن بھی مدد کریں گے
جس دن گواہ کھڑے ہوں گے قیامت کے دن۔

بعض فرماتے ہیں کہ دنیا میں کفر و شرک کا طوفان سیلاب کی مانند ہوتا ہے جو وقتی
طور پر خوب ابھرتا ہے مگر آخر کار ختم ہو جاتا ہے۔ سورۃ الرعد میں اللہ نے حق و باطل کی
کشمکش کو سیلاب کے جھاگ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس طرح سیلاب کے جھاگ میں وقتی طور
پر جوش و خروش پایا جاتا ہے، اسی طرح باطل کو بھی ابال آتا ہے جو جلد ہی ختم ہو جاتا ہے
جس طرح سیلاب کا جھاگ ختم ہو جاتا ہے اور مہینہ پانی زمین کی سیرابی کے لیے باقی رہ
جاتا ہے۔ اسی طرح کفر و شرک کا طوفان ٹرچھٹ جاتا ہے اور پائیدار حق باقی
رہ جاتا ہے۔ اگر دنیا میں اللہ کے نبی یا اس کے نیک بندے مغلوب بھی ہو جائیں۔
پھر بھی اللہ تعالیٰ حق کو بری غالب کرتا ہے جیسے فرمایا وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ
الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوًّا رِیْنًا اِسْرَآئِیلَ - ۸۱ اے پیغمبر!

آپ کہہ دیں کہ حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ بیشک باطل ٹٹنے ہی والی چیز ہے۔ باطل کو کبھی ثبات حاصل نہیں ہوتا اور پھر یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اللہ نے ظاہر طور پر بھی اپنے نبیوں کی مدد کی اور باطل مغلوب ہوا۔ اس ضمن میں قوم عاد و ثمود، قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم صالح علیہم السلام اور قوم موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اس طرح حضور خاتم النبیین کی پوری زندگی بھی ہماری نگاہ میں ہے۔ آپ نے کن نامساعد حالات میں اپنے مشن کا آغاز کیا اور کیا کیا تکالیف برداشت کیں مگر بالآخر اللہ نے اپنے انبیاء کی مدد فرمائی اور ان کو غالب بنایا۔

فرمایا ہمارے منتخب بندوں کے متعلق پہلے ہی یہ بات طے ہو چکی ہے کہ انہی کی مدد کی جائے گی وَإِنَّا جُنْدٌ نَّالَهُمُ الْعَلِیُّونَ اور بالآخر ہمارا لشکر ہی غالب آئے گا۔ اس لشکر سے اللہ کے نبی اور ان کے پیروکار مراد ہیں۔ سچے مومن ہی حقیقت میں جند اللہ یعنی اللہ کا لشکر ہیں جو اللہ کے دین کی خاطر جان و مال کی قربانی پیش کرتے ہیں اور انہی کی مدد کی جاتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ابتلا بھی آتی ہے۔ جس کا ذکر اللہ نے مختلف سورتوں میں بالتفصیل کیا ہے۔ جب اللہ کے رسول اور اس کے نیک بندے آزمائش پر پورا اترتے ہیں تو پھر غلبہ بھی انہی کو حاصل ہوتا ہے۔

جند اللہ
کا غلبہ

اس اصول کے پیش نظر اللہ نے فرمایا فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِیْنٍ پس آپ ایک مقررہ وقت تک ان سے رخ پھیر لیں یعنی ان کو نظر انداز کر دیں۔ وَابْصُرْ هُوَ اور ان کی طرف دیکھتے رہیں انتظار کریں فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے کہ ان کے انکار مخالفت اور ایذا رسانی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ سورۃ التہجد میں بھی مندرجہ ہے فَلَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظَرُونَ (آیت ۳۰) آپ ان ناہنجاروں سے روگردانی کر لیں اور ہمارے فیصلے کا انتظار کریں۔ یہ لوگ بھی انتظار میں ہیں۔ اور جلد ہی ہی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ ان کو پتہ

چل جائے گا کہ کون غالب آتا ہے اور کون دنیا میں شکست اور آخرت میں دائمی
عذاب کا مستوجب بنتا ہے۔

عذاب کا
مطلبہ

فرمایا یہ لوگ اس قدر بے انسان ہیں کہ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ
کیا یہ ہمارے عذاب کے ساتھ جلدی کرتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی توجہ اور
اُس کے رسول کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ جو عذاب ہم پر لانا چاہتے ہو جلدی
کے آؤ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے
اَوْ تَسْقُطُ السَّمَاوَاتُ كَمَا زَعَمْتُمْ عَلَيْنَا كِفَاً (آیت ۹۲)
یا جیسا کہ تم خیال کرتے ہو، ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دو، کبھی کہتے، قیامت
برپا کر دو، وہ آئی کیوں نہیں۔ تو فرمایا یہ بڑے بے انصاف لوگ ہیں، جو
اپنے منہ سے عذاب طلب کرتے ہیں، مُتَّيِّدًا رَّكْعًا (فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ
جب عذاب ان کے صحن میں اترے) فَقَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ
تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت ہی بُری ہوئی، جب ہمارا عذاب آجائے
گا تو پھر یہ بچ نہیں سکیں گے اور ان کا انجام بہت بُرا ہوگا۔

حضرت ابیہ الصلوٰۃ والسلام اور اہل ایمان سے بیچ سے رقت خیر پر حملہ کیا
جب کہ اُس وقت وہ لوگ کاستمکاری کے لیے اپنے کھیتوں کی طرف جا
سے تھے۔ جب انہوں نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے بخدا یہ تو محمد صلی اللہ
وسلم نظر آتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا خَبَرْتُ خَبْرًا يَخْبُرُ خَيْرًا
گیا اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَتِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ
تو بیاں پر بھی آپ نے وہی الفاظ استعمال کیے کہ جب ہم کسی قوم کے صحن
میں اتریں گے تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت بُری ہوگی۔ چنانچہ خیر
پر حملہ کے نتیجہ میں جنگ ہوئی، خیر فتح ہوا اور وہ سارا علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں

آگیا۔ ویسے بھی اکثر افرام قوموں پر صبح کے وقت ہی عذاب آیا ہے۔ قوم لوط کا حال دیکھ لیں۔ فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو تسلی دی اور کہا کہ آپ اپنے اہل کو لے کر راتوں رات نکل جائیں کیونکہ اس نافرمان قوم کی درگت بننے والی ہے إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ (ہود - ۸۱) ان کے لیے عذاب کے وعدے کا وقت صبح ہے، اور کیا صبح اب قریب نہیں ہے بہر حال اللہ نے فرمایا وَقَوْلًا عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ایک وقت تک آپ ان سے رُخ پھیر لیں وَأَبْصُرْ آپ دیکھنے رہیں کہ کیا ہوتا ہے فَسَوْفَ يَبْصُرُونَ پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے اور کون مبتلائے عذاب ہوتا ہے۔ فرمایا آپ کچھ دیر انتظار کریں اور حالات کا مشاہدہ کرتے رہیں۔

آبِ الْاٰخِرِ میں اللہ نے سارے مضامین کا خلاصہ فرمایا ہے۔ یہ گویا ساری سورۃ کا پانچواں حصہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُونَ تیرا پروردگار جو تمام عزتوں کا رب ہے وہ پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ اپنی زبانوں سے بیان کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کی کفر و شرک کی باتیں، خدا کی اولاد بخیر کرنے کی بات فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینا اور اللہ کا رشتہ جنوں کے ساتھ قائم کرنا، ابلیس کو خدا تعالیٰ کا بھائی سمجھنا، دو خداؤں پر اعتقاد رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اس کے علم یا قدرت میں کسی کو شریک بنانا یہ سب یہود و بائیں میں جی سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لغویات سے منزہ ہے۔

اللہ کے نبی اور رسول ہمیشہ ایمان اور توحید کی دعوت دیتے رہے انہوں نے لوگوں کو اذمیروں سے نکال کر بددشمنی کی طرف لانے کی جدوجہد کی، کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان و توحید کا درس دیا۔ ہدایت کا راستہ واضح کیا۔ اللہ کے پیغمبر اللہ کے نزدیک نہایت ہی برگزیدہ اور پاک ہستیاں ہوتے ہیں۔ وہ اپنی زندگیاں دین کے مشن

خلاصہ
مضامین

یوحنا پر
سلام

کو پورا کرنے کے لیے لکھا جیتے ہیں حتیٰ کہ اپنی جان کی پرواہ بھی نہیں کرتے لہذا ان پر سلام بھیجا جائیے۔ اسی لیے فرمایا وَسَلِّمْ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ، اور سلامتی ہو اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں پر۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب تم مجھ پر سلام بھیجتے ہو تو اللہ کے سارے رسولوں پر سلام بھیجا کرو وَاللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ رسولوں پر سلام بھیجنے کے لیے اس آیت کی تلاوت بھی کافی ہے۔ سورۃ کی یہ آخری تین آیات فرد بھی ہے، رسولوں پر سلامتی کے ذکر کے ساتھ نہوت و رسالت کا مضمون بھی بیان ہو گیا۔

حمد باری تعالیٰ

رسولوں پر سلام کے بعد حمد باری تعالیٰ کے طور پر فرمایا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس سے سوائے تمام جہان ہیں خواہ وہ ارٹھی ہوں یا سماری، عالم بالا کے ہوں یا عالم زیریں کے، علوی ہوں یا سفلی، تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اسی طرح مختلف انواع و اقسام کے جہان بھی الگ الگ ہیں جیسے چوئیںوں کا جہان، پھلیوں کا جہان، پندروں اور درندوں کا جہان، تجر و حجر کا جہان، برزخ کا جہان، حشر کا جہان اور آخرت کا جہان۔ ان تمام جہانوں پر پروردگار کا کفہ بھی اللہ رب العزت ہی ہے، لہذا ساری حمد و ثنا اسی کے لیے ہے طہرانی شریعت کی روایت میں آتا ہے کہ جس شخص نے یہ آخری تین آیات نماز کے بعد تین دفعہ تلاوت کیں، اس نے گویا اپنے لیے پورے پیمانے پر اجر پالیا۔ کم از کم ایک مرتبہ ضرور پڑھ لینی چاہیے۔ کسی مجلس میں بیٹھ کر طرح طرح کی باتیں ہوتی ہیں، اس لیے حضور علیہ السلام نے تعلیم دی ہے کہ ہر مجلس کے اختتام

۱۔ قرطبی ص ۱۳۲ و ابن کثیر ص ۲۵ و طبری ص ۱۱۶

۲۔ ابن کثیر ص ۲۵ و روح المعانی ص ۱۵۹ (فیاض)

پر بھی یہ آیات تلاوت کر لینی چاہئیں۔ اگر ان آیات کے آخر میں یہ بھی کہہ دیا جائے
 سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ
 إِلَيْكَ تَرَاهُ اللہ تعالیٰ اس مجلس کی ساری غلطیاں معاف فرما دیگا۔ ان آیات میں
 اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر ہے جس سے عقیدہ درست ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ
 کی حمد و ثنا بھی ہے اور رسولوں پر سلامتی کا ذکر بھی ہے اور یہ آیات درود بھی ہیں۔ یہ
 ساری سورۃ کالب باب ہے جو آخر میں بیان کر دیا گیا ہے۔

حج پر جانے والے خواتین و حضرات کے لیے انمول تحفہ

احکام حج

مع زیارات مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ
 تصنیف

محمد فیاض خان سواتی

اس کتاب میں حج کا طریقہ اور اس میں پیش آنے والے تمام مسائل کو درج کیا گیا ہے۔

صفحات ۱۲۸ قیمت ۲۰ روپے۔

ملنے کا پتہ : مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوہر نوالہ

حی علی الفلاح

از

حضرت مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوہر نوالہ

نماز مسنون کلام مصنفہ حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان صاحب سواتی مدظلہ
قرآن کریم، احادیث مبارکہ، تعامل صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ،
سلف صالحینؓ اور اہل السنۃ والجماعت اخلاف کے مسلک
کے مطابق ایک اہم ترین جامع اور مثبت دلائل سے مزین کتاب
ہے۔ اہل حدیث (غیر مقلدین) نے اسکی شہرت اور مقبولیت کے
قائف ہو کر اسکی اہمیت کو کم کرنے کے لیے نماز مسنون کے بعض
مسائل پر بے جا اعتراضات کر دیئے جو کہ ”حی علی الصلوٰۃ“ نامی کتاب
کی صورت میں شائع ہوئے تھے ان اعتراضات کے مدلل جوابات آپکو
اس کتاب ”حی علی الفلاح“ میں ملیں گے۔ اور غیر مقلدین کی
کذب بیابانیاں اور خیانتیں واضح ہوں گی۔

ضخامت : ۹۶ صفحات

قیمت : ۱۸/- روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ درس القرآن فاروق گنج گوہر نوالہ

نمازِ مسنون^{کلاں}

تالیف

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی

دامت برکاتہم

نمازِ مسنون غورد کے بعد نمازِ مسنون کلاں ایک ایسی مفید اور نماز کے موضوع پر جامع کتاب ہے جو نماز کے تمام ضروری مسائل مع قوی دلائل از کتاب و سنت، احادیث صحیحہ، تعامل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مضبوط اقوال سے مزین ہے جس میں طہارت، اذان، اوقات نماز، فرض، سنن و مستحبات، مکروہات و مفسدت کا پورا بیان ہے۔ ارکان، واجبات و سنن کی پوری حکمت اور ضروری مباحث درج ہیں۔ جمعہ و عیدین، نماز جنازہ اور نوافل وغیرہ کے جملہ اہم مباحث اور اس کے ساتھ اذکار و دعوات اور خطبات کا ایک بہترین نصاب درج ہے۔
عام قارئین کے علاوہ علماء کرام، اساتذہ عظام اور خصوصاً طلباء علم دین کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جس کا انداز بیان اور زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔
عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت، سعیدی جلد بندی، قیمت - ۱۷۵ روپے

ناشر

مکتبہ درود الہی

فاروق گنج گوہر الوالہ

تہذیبِ ایمان مع تسہیل و توضیح صحیح مسلم مقدمہ میں

صحیح مسلم شریف، علم حدیث میں تین اہم ترین کتابوں میں ایک ہے اور صحیح بخاری کی طرح تمام صحیح اور حسان روایات پر مشتمل ہے۔ قرن سوم سے آج تک متداول و معمولاً ہے۔ اس میں کتاب الایمان کا ایک طویل اور اہم باب ہے جس کو امام مسلم نے سب سے پہلے درج کیا ہے۔ اس میں ایمانیات کے جملہ مسائل کا ذکر ہے اور بعض مباحث اس کے نہایت اہم و قیم اور مثری ہیں۔ ان مباحث کی توجہ و تعمیر و ریاست کی تعلیم کے طریق پر اس رسالہ میں بیان کی گئی ہے جن کو سمجھنے سے ایمان کے جملہ مسائل نہایت ہی عمدہ طریق پر دل نشین ہو جاتے ہیں۔ اختلاف و مشکلات وغیرہ بخوبی حل ہو جاتے ہیں۔

نیز مقدمہ میں امام مسلم نے علم اصول حدیث کے ایسے اہم ترین مباحث ذکر کیے ہیں جو عام فن حدیث میں بہت کار آمد ہیں خصوصاً مسلم شریف کی احادیث میں بے حد مفید و نفع بخش ہیں۔ مقدمہ اپنی عبارت کے اعتبار سے مشکل بھی ہے اس لیے اس کی تسہیل و توضیح مختصر طریق پر اور بہترین انداز میں کی گئی ہے۔

علم حدیث کے طلب نگاروں کے لیے بہت نافع ہوگی اور اس کے پڑھنے سے بہت لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ مصنف: حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ

عمدہ کتابت و طباعت ، قیمت ۳۵/- روپے

ناشر

مکتبہ درس القرآن فاروق گنج گوہر انوالہ

قرآن مجید مترجم

ترجمہ

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

قرآن مجید کے صحیح ترجموں میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ۔
حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ۔ شیخ
الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ
۔ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تراجم مشہور
اور مقبول ہیں۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے بھی موجودہ دور کے مطابق جدید
اردو زبان میں یہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی
تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی بیس جلدوں میں بھی شائع ہو چکا ہے اور
حال ہی میں عمدہ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۷۰۴ صفحات
پر مشتمل شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ قیمت ۲۵۰

ناشر مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

اجوبہ الربیعین

(دوسرا فرض)

(از حجة الاسلام مجدد دین و علوم بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی)
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا نام نامی ہی اس بات کی ضمانت کے لئے کافی ہے کہ کتاب
علوم و معارف حقائق و دقائق کا مجموعہ ہے۔

اجوبہ الربیعین میں حضرت نانوتوی کے علوم و فیوض، مناظرانہ و تنقیدانہ مضامین کا وسیع
سرمایہ ہے۔ یہ کتاب اہل رفض و تشیع کے رد میں ہے اس کتاب میں اہل رفض و تشیع کی طرف
سے اہل سنت و الجماعت پر کئے گئے چالیس اعتراضات کے عقلی و نقی طوہ پر دندان شکن اور
مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔

حصہ اول میں اٹھائیس اعتراضات کے جوابات ہیں جو سبب نانوتوی نے ایک رات
میں مکمل کئے۔ اس حصہ میں حضرت کے ساتھ حضرت کے داماد مولانا عبد اللہ انصاری سابق ناظم شعبہ
دینیات علی گڑھ یونیورسٹی بھی شریک تھے۔ ہر سوال کا ایک ایک جواب ان کا بھی ساتھ شامل ہے۔

حصہ دوم بارہ اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے اور یہ صرف حضرت نانوتوی کے قلم حق
رقم کا مرہونِ محنت ہے اس میں دقت نظر زیر کی 'عیق حقائق' و معارف لطائف و ظرائف کا
گنج گراں مایہ موجود ہے۔ حضرت نے اس حصہ میں متعدد مسائل فک وراثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
جیسے اہم مسائل کے علاوہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ حصہ زیادہ دقیق
اور مشکل اور بہت سے اہم علمی نکات پر مشتمل ہے۔

الحمد للہ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نھرۃ العلوم نے اس کتاب کو نہایت محنت کے ساتھ
کتاب میں سرخیاں حوالہ جات کے ماخذ، پیرے اور متعدد جگہ حواشی، عمدہ کتابت، اعلیٰ طباعت
و معیاری جلد بندی کیساتھ طبع کرایا ہے۔ کتاب کے شروع میں فہرست مضامین اور حضرت مولانا صوفی
عبد الحمید قاضی دارالعلوم دیوبند و بانی مدرسہ نھرۃ العلوم کا ۲۶ صفحات پر مشتمل مفید مقدمہ لگا دیا
گیا ہے۔ - طبع دوم - قیمت - ۹۰ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوہر النوال

معالم المعارف - دوسرا القرآن

ادارتہ

مفسر قرآن صفوی عبدالحمید سواتی صاحب
حضرت مولانا

رشتہ دار

بیال احمد ناگی صاحب

مدرسہ

الحاج اعلیٰ دین صاحب (ایم اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن مجاہدان اشاعت قرآن

صدر ایجنسی

شیخ محمد یعقوب عاجز

مدرسہ سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور ربیع ایڈیٹر

ناظم مکتبہ (المکتبہ)

محمد منیر صاحب Ph: 221943

مکتبہ دوسرا القرآن گوجرانوالہ